سیرت سیّدُالابرار صلی اللہ علیہ وسلم

منیر احمد خلیلی

ادبیات

Marfat.com

سیرت سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم

منیر احمد خلیلی

ادبیات
رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور • فون: 042-37232788
042-37361408
E-mail: sulemani@gmail.com
www.sulemani.com.pk, facebook.com/sulemani5

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کا نام	سیرت سید الابرار
مصنف	منیر احمد خلیلی
ناشر	حکیم عمار وحید سلیمانی
مطبع	حاجی حنیف پرنٹرز۔ لاہور
طبع اول	دسمبر ۲۰۱۶ء
تعداد	۵۰۰
قیمت	-/۸۵۰ روپے

شائع کردہ

ادبیات

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

فون: 042-37232788 ,042-37361408

sulemani@gmail.com : sulemani.com.pk

دست یابی

ادارہ مطبوعات سلیمانی

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور • فون: 042-37232788

042-37361408 E-mail: idarasulemani@yahoo.com

sulemani@gmail.com : sulemani.com.pk

www.facebook.com/sulemani5

Marfat.com

فہرست مضامین

- مقدمہ 23

حصہ اوّل

- رسول اللہ ﷺ کا مَولِد شریف 37
  - ابتلا و آزمائش کی ہر منزل سے گزرے 40
  - دُعائے خلیلؑ اور نویدِ مسیحؑ 46
  - ولادتِ محمد ﷺ 49
  - نسب مبارک 50
  - اَسمائے مبارک 51
  - رضاعت، شقِّ صدر اور پرورش 52
  - والدہ کی جدائی اور دادا کا سایۂ شفقت 54
  - چچا ابو طالب کی کفالت میں 55
  - بکریاں چرانے کا تجربہ 56
  - تمام سانحات و واقعات کے شخصیت پر اثرات 57
- لڑکپن اور عنفوانِ شباب 58
  - حربِ فجار اور حِلفُ الفضول 59
  - خُود کفالتی کا خیال 61

Marfat.com

تقریبِ نکاح 65
ایک تنازع میں حَکَم کا کردار 68
حجرِ اسود کے تنازع میں قوم کی رہنمائی 70
نبی آخر الزمان ﷺ کا وقتِ بعثت 71
سچے خواب 73
وحی کا نزول 73
وحی کے حضور ﷺ پر اثرات 77
فترۃ الوحی (وحی کا رُک جانا) 79
آغازِ دعوت 81
خفیہ دورِ دعوت 83
اسبق السابقین 84
چراغ سے چراغ جلتا گیا 84
قرابت داروں کو دعوت 86
علانیہ دعوت کا حکم اور ابتلا و آزمائش کا آغاز 88
مخالفتِ اسلام کی مختلف صورتیں 89
حضرت ابو طالب کے پاس پہلا وفد 89
دوسرا وفد اور دھمکی 90
تیسرا وفد اور مضحکہ خیز تجویز 91
استہزا و اتہام، توہین و تحقیر اور مضحکہ خیز تقاضے 92
دعوتِ حق کے راستے نکلتے گئے 97
ظلم و تشدد کی بھٹی گرم ہو گئی 97
ابولہب اور اُمِّ جمیل کی بدبختی 100

Marfat.com

- عُقبہ بن ابی مُعَیط کی گستاخی 101
- فرعون صفت ابوجہل 102

ہجرت حبشہ 103

- ایمان اور زندگی کی اہمیت 103
- ہجرت کے اشارے 104
- قدم راہِ ہجرت پر 105
- قصہ غرانیق 106
- دوسری ہجرت اور مشرکین کا تعاقب 107
- حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام 109
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام 110
- شعبِ ابی طالب میں محصوری 114
- عام الحزن 117
- حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال 117
- طائف کا سفر 121

طائف سے واپسی 128

- طائف سے واپسی 130
- نورِ حق کی کرنیں یثرب تک 134
- اسراء و معراج 136
- تسلی و تشفی اور علوِ شان 137
- روایات اور راویوں کی کثرت 138
- سینہ چاک کرنے کی حکمت 139
- براق کی سواری 139

Marfat.com

- امامتِ انبیاء میں ایک لطیف نکتہ 139
- ختمِ نبوّت 140
- اعمال کے مُمثّل نتائج 141
- جنابِ باری میں حاضری 142
- نمازوں کی فرضیت 143
- سفرِ اسراء و معراج کا چرچا مکّہ میں 143
- صِدّیق کی تصدیق 144
- نئے مرکزِ دعوت کی جستجو 145
- پہلے چھ خوش نصیب یثربی 146
- بیعتِ عُقبہ اولیٰ 147
- بیعتِ عقبہ ثانیہ 149
- نظم وضبط اور رازداری 150
- بیعت کی روداد 151
- صاحبو! ذرا غور کرلو 152
- بیعت کی اہم شقیں 153
- بارہ نقیب 153

ہجرتِ مدینہ 154

- قُربِ ہجرت 154
- مشرکین کی مکّارانہ چالیں 154
- غارِ ثور میں 154
- خواب میں دارِ ہجرت دیکھ لیا 157
- اوّلین مہاجرین 157
- رسول اللہ ﷺ کو حکمِ ہجرت 158

Marfat.com

- اہلِ مکہ کی ایک اور بڑی تشویش 160
- آخری چال۔لِيُثْبِتُوكَ اَوْ يَقْتُلُوكَ اَوْ يُخْرِجُوكَ 161
- وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔دشمنوں کے منصوبوں پر خاک 162
- رسول اللہ ﷺ راہِ ہجرت پر 163
- دار سے غار تک 164
- ہجرت کیا ہے؟ 164
- تمام میسر مادی اسباب اور عقلی و فکری قوتوں کا استعمال 165
- ابوبکرؓ اور آلِ ابوبکرؓ کی فداکاریاں 166
- غار میں تین راتیں 168
- سراقہ بن مالک (جُعشم) انعام کی جستجو میں 170
- کاروانِ مبارک اُمّ معبد خزاعیہ کے خیمے تک 171
- سفرِ ہجرت۔قدم قدم پر معجزے 173
- تجارتی قافلہ سے ملاقات 175
- قُبا پہنچنا۔رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ 175
- پہلی مسجد کی بنیاد 177
- دارِ ابوایوب انصاریؓ کا ذرہ ذرہ روشن 178
- نبی پاکؐ اور حضرت ابوبکرؓ کے خاندان کی ہجرت 180
- مسجدِ نبوی کی تعمیر 180
- ایک انتباہ 182

نظام کی صورت گری 183

- مدینہ کی حیثیت واہمیت 183
- مواخات۔۔فوری معاشی و معاشرتی انتظام 185

Marfat.com

◎ صالح سماج کی اعتقادی اور اخلاقی بنیادیں 187
◎ کچھ مزید اخلاقی اصول 190
◎ ریاستی اور سیاسی نظام 191
◎ دستوری نظام 192
◎ میثاق کے تحقیقی اور تجزیاتی جائزے 193
◎ میثاق کی مسلمانوں سے متعلق شِقیں 194
◎ یہود سے متعلق دفعات 195
◎ صُفّہ: رفاہی اور تعلیمی و تدریسی نظام 197
❋ سیّدِ الابرار ﷺ کی خانگی زندگی میں ایک خوشگوار موڑ 201
◎ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی 201
◎ خطرات کے بادل اور ان کی پیش بندی 203
◎ مدینہ میں ہنگامی حالت 203
◎ رسول اللہ ﷺ کے لیے حفاظتی پہرا 204
◎ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے عمرہ میں رکاوٹ 205
◎ سرایا اور غزوات 205
◎ سریّہ سیف البحر 207
◎ سریّہ خَرّار 207
◎ سریّہ رابغ 207
◎ غزوۂ بواط 208
◎ غزوۂ سفوان (بدرِ اولیٰ یا صغریٰ) 208
◎ غزوۂ عُشیرہ 209
◎ تحویلِ قبلہ 209

Marfat.com

- معرکۂ بدر الکبریٰ 214
- قافلۂ ابوسفیان کی واپسی 215
- ابوسفیان کا نیا پیغام 218
- قافلہ یا لشکر؟ مشاورتی اجلاس 218
- مشاورتی اجلاس اور مہاجرین و انصار کی آراء 219
- مہاجرین اور انصار کے نمائندوں کا صاف موقف 221
- لشکر کی بے سروسامانی 222
- خُفیہ اطلاعات کی فراہمی 223
- عناصر فطرت بھی آمادۂ نصرت 225
- یوم الفرقان 226
- دُوبدُو مقابلہ اور فتحِ مبین 229
- وَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ 230
- بنو ہاشم کو نہ ماریں 231
- اُمیہ بن خلف کا انجام 231
- فرعون ھٰذہٖ اُمۃ - ابوجہل 232
- مشرکین کی لاشیں کیسے ٹھکانے لگیں؟ 233
- مالِ غنیمت کا معاملہ 234
- قیدی اور فدیہ 235
- 2ہجری کے کچھ اور واقعات 237
- رُقیہ بنت رسول ﷺ کی وفات 237
- بنت رسول ﷺ حضرت فاطمہ زَہرا رضی اللہ عنہا کی شادی 238

Marfat.com

◎ پہلی عید الفطر اور عید الاضحیٰ 239

※ غزوۂ بنو قینقاع 240

◎ یہودی حسد و حقد 241

◎ بنی قینقاع کا معاملہ 242

◎ بنو قینقاع کی شرپسندی اور فتنہ انگیزی 244

◎ بنو قینقاع میثاقِ مدینہ سے خارج 245

◎ بنو قینقاع کا محاصرہ اور سزا 246

◎ ابن اُبی کی بنو قینقاع کو بچانے کی کوشش 247

◎ غنائم بنی قین قاع 249

◎ کعب بن اشرف کا قتل 249

◎ تجدیدِ میثاقِ مدینہ 252

◎ غزوۂ سویق 253

◎ غزوۂ ذی اَمَر اور غزوۂ بُحران یا غزوۂ فُرع 254

◎ سرایا اور غزوات کے مقاصد 255

※ غزوۂ اُحد (شوال 3 ہجری) 256

◎ غزوۂ اُحد کے اسباب 257

◎ دشمن کی جنگی تیاریاں 259

◎ دشمن کی پیش قدمی 259

◎ مدینہ کی مستعد اور باخبر قیادت 260

◎ مشاورت 261

◎ فوج کے تین ڈویژن 262

◎ فوج کا جائزہ 263

Marfat.com

- مناف چھٹ گئے 264
- اسلامی فوج کی پیش قدمی 265
- پچاس تیر انداز 266
- فوجیں آمنے سامنے 267
- معیارات کا فرق 267
- مشرکین کی فوجی ترتیب 269
- طبلِ جنگ بج گیا 269
- کمانڈر اپنے سپاہیوں کا مزاج شناس 270
- سیّد الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت 271
- داعی و مبلّغ اسلام مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت 272
- تیر اندازوں کی لغزش 273
- حالات اس نہج پر پہنچ گئے 275
- جنگ میں مسلمان عورتوں کا کردار 276
- دفاعِ رسولؐ پر قائم ایک جماعت 277
- رسول اللہ ﷺ کی کیفیت 280
- دشمن میدان چھوڑ گیا 280
- شہداء کی تدفین اور صبر کے ایمان افروز مظاہرے 282
- مشرکین کا تعاقب 284

ہجرت کا چوتھا سال ـــ اہم واقعات 286

- سریۂ ابو سلمہؓ یا سریۂ قطن 287
- سریۂ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ 289
- رجیع کی مہم 289

Marfat.com

◎ بئر معونہ کا المیہ 291
◎ غزوۂ بنی نضیر 293
◎ یہود کی مکّارانہ حرکت 295
◎ رئیس المنافقین کی اشتعال انگیزی 296
◎ اخراج کی کارروائی 298
◎ دعوت اور جہاد ساتھ ساتھ 299
◎ غزوۂ بدر (ثانی) 300
◎ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے شادی 303
◎ غزوہ دُومۃ الجندل 304
◎ غزوۂ بنو مُصطلق یا غزوۂ مُریسیع 306
◎ منافقین کی شرانگیزی 308
◎ واقعۂ اِفک 311
◎ حضرت عائشہؓ کی حالت 313
◎ تیمم کا حکم 317
❋ غزوۂ خندق یا احزاب 318
◎ یہودی منصوبہ سازی 318
◎ رسول اللہ ﷺ کی پیش بندی 320
◎ مشقّت اور بھوک میں افسر و ماتحت برابر 321
◎ بشریت اور نبوت 323
◎ منافقین کا مکروہ کردار 325
◎ مدینہ کا حصار 327
◎ اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ 329

Marfat.com

- پہلا اسلامی ملٹری اسپتال 332
- عناصر فطرت کے لشکر 333
- بنو قریظہ کا انجام 334
- حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات 337
- 6ہجری کے سرایا 337
- غزوۂ بنی لحیان (ربیع الاوّل یا ربیع الثانی 6ہجری) 338
- سریہ عبداللہ بن ع تیک (ابورافع کا قتل) 339
- سریۂ نجد 340
- سریہ عُکّاشہ بن محصن (الغمر) 342
- سریہ محمد بن مُسلمہ رضی اللہ عنہ (ذی القصہ) 342
- سریہ ابی عبیدہ رضی اللہ عنہ (ذی القصہ) 343
- سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (جموم) 343
- سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (العیص) 344
- سریہ الخبط 345
- عمرو بن امیہ ضمری کی مہم 346
- سریہ کرز بن جابر فہری 347
- سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (وادی القریٰ) 348
- سریہ علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب (سعد بن بکر) 348
- سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (الطّرف او الطّرق) 349

صُلحِ حدیبیہ......تمہیدِ فتحِ مُبین 350

- سفر پر روانگی 352
- حدیبیہ میں قیام 354

Marfat.com

سفارت کاری اور مذاکرات 355
بیعتِ رِضوان 356
صُلح نامہ حُدیبیہ 358
رسول اللہ ﷺ کی مصالحانہ شان 359
صحابہ کرامؓ کا اضطراب اور دل گرفتگی 361
صُلحِ حُدیبیہ کے ثمرات و برکات 362
غزوۂ خیبر 364
مدینہ سے روانگی 365
حملے کا آغاز 366
قلعۂ 'قموص' کا محاصرہ 367
صُلح کی شرائط 369
غبن کی سزا 370
اُمّ المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا 372
مالِ غنیمت کی تقسیم 373
فدک کے یہودی 374
چرواہے کے مقاماتِ بلند 375
زہر خورانی کا واقعہ 376
دعوتِ دِین کا لزوم اور طریقے 377
بادشاہوں، سرداروں اور گورنروں کے نام مکتوبات 378
ہجرت کے ساتویں سال کے بعض غزوات 382
سریہ غالبؓ بن عبداللہ اللّیثی 382
سریہ عمرؓ بن خطاب 383
سریہ ابوبکر صِدّیقؓ 384

Marfat.com

- سریہ بشیرؓ بن سعد 384
- سریہ عبداللہؓ بن رواحہ 384
- بشیرؓ بن سعد کے زیر کمان دوسرا سریہ 385
- سریہ ابی حدرالاسلمیؓ 385
- عمرۃ القضاء ذی القعدہ، 7ہجری 386
- حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح 388
- خالہ مثل ماں 389

غزوۂ موتہ 390

- غزوۂ موتہ کا سبب 391
- دعوت کی اہمیت واوّلیت 392
- جنگ کا آغاز 393
- چند سرایا اور کچھ اہم اور بنیادی نکات 395
- غزوۂ فتح مکّہ 397
- غزوۂ مکّہ کے اسباب 397
- جنگ کی تیاری 399
- افشائے راز کی خطا 400
- لشکرِ اسلام کی روانگی 402
- حضرت عباسؓ کی ملاقات 402
- ہر خیمے کے سامنے آگ 403
- ابوسفیان اور حضرت عباسؓ کا مکالمہ 404
- مکّہ میں داخلہ 405
- مسلّح تصادم کے واقعات 406

Marfat.com

- انصار کی دل جوئی 407
- کعبہ بتوں سے پاک ہو گیا 408
- غضب پر رحمت غالب...... عام معافی 409
- چار نسلوں کا شرفِ صحابیت 411
- معیارِ عدل 412
- اللہ کا نبی اشارے سے حکم نہیں دیتا 412
- دلوں کے حال کھل گئے 413
- فتح مکہ اور شرعی احکام 414
- مکہ کے لیے رسول اکرم ﷺ کی پالیسی 416
- غزوۂ حُنین 417
- عرب میں طائف کی اہمیت 417
- اہلِ طائف کی تباہی مقصود نہیں تھی 418
- نظامِ جاہلیت کو بچانے کی آخری کوشش 419
- مسلمانوں کا نظامِ خبر رسانی 421
- حضورؐ کی جنگی تیاری 421
- جنگ کا تنور تپ گیا 422
- قدم پھر جم گئے 423
- نظر نہ آنے والے لشکر 424
- دشمن کا جانی نقصان اور مالِ غنیمت 425
- غزوۂ نخلہ و اوطاس 426
- غزوۂ طائف 427
- مالِ غنیمت کی تقسیم 429
- عمرہ کی ادائیگی اور مدینہ واپسی 431

Marfat.com

◎ غُربتِ دِین سے غلبہٗ دِین تک 432

✼ 9 ہجری کے اہم واقعات 434

◎ عاملینِ زکوٰۃ کی تقرری، چند سرایا، غزوۂ تبوک اور وفود 434

◎ ہوازن کا وفد 436

◎ کعب بن زہیر کا قبولِ اِسلام 437

◎ عاملینِ صدقات کا تقرر 438

◎ چند سرایا (فوجی مہمیں) 440

◎ سریہ عیینیہ بن الحصن 440

◎ سریہ قُطبہؓ بن عامر 442

◎ سریہ ضحاکؓ بن سفیان 442

◎ سریہ علقمہؓ بن مجزّز المدلجی 443

◎ سریہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ 443

◎ غزوۂ تبوک (غزوۃ العسرۃ) 445

◎ اسباب 445

◎ عیسائیوں کی فوجی نقل وحرکت کی خبریں 446

◎ تنگ دستی کی حالت میں تیار لشکر (جیش العسرہ) 446

◎ ایثار و اِنفاق کے عظیم جذبے 448

◎ مسکین صحابہؓ کے جذبات 451

◎ منافقین کا کردار 452

◎ تبوک کا سفر 454

◎ ابوخیثمہ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما کی آمد 455

◎ تبوک کے چشمے پر 456

Marfat.com

- تبوک کے میدان میں 457
- تبوک میں حضورؐ کا قیام 458
- مدینہ واپسی 459
- مسجدِ ضرار 460
- پیچھے رہ جانے والے تین صحابیؓ 461
- معافی کا اعلان 465
- غزواتِ نبویؐ کے کچھ اہم پہلو 466
- برأت کا اعلان 467
- وفود کی آمد 468
- دخترِ رسولؐ سیدہ اُمّ کلثومؓ کا انتقال 469
- نفاق اور رئیس المنافقین 470

※ تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمت 473

- ہجرت کا دسواں سال 473
- رسول پاک ﷺ کی نرینہ اولاد اور فرزند ابراہیم کی وفات 477
- رسول اللہ ﷺ کے ارسال کردہ وفود 479
- حجۃ الوداع 480
- آغازِ مناسکِ حج 482
- حج کے تاریخ ساز خطبے 483
- مزدلفہ اور پھر منیٰ 484
- مدینہ واپسی 486
- رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں آخری لشکر 486
- مرض اور وفاتِ رسول اکرم ﷺ 488

Marfat.com

- مرض کی وجہ 488
- نصف شب کو جنۃ البقیع میں 489
- مرض الموت کا آغاز 489
- شدتِ تکلیف 490
- حسبُنا کِتاب اللہ 491
- ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اِمامت 492
- انبیاء کا کوئی ورثہ نہیں ہوتا 493
- نماز کے منظر سے تسکین 493
- حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سرگوشی 494
- کیفیت مرض میں چہرے پر پانی 494
- غم کا پہاڑ 495
- حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا روشن کردار 497
- غسل، تکفین اور جنازہ 499
- ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن 499

حصہ دوم

- نبی آخر الزماں ﷺ کی سیرت وسنّت کے قرآنی گوشے 503
- آپ ﷺ صراطِ مستقیم پر 504
- رَحمۃٌ للعالمین 506
- حُسن خُلق 510
- قُرآن میں ڈھلی ہوئی سیرت 515
- اللہ کی کڑی نظر اور دستِ غیب 517
- ہدایات وانتباہات 519

Marfat.com

※ تزکیہ وتربیت اور تعمیرِ اخلاق کی بھٹی 533

◎ بعثتِ نبوی سے قبل اخلاقی حالت 534

◎ رسول اللہ ﷺ کا مدرسہ تربیت، اللہ کا احسانِ عظیم 536

◎ مکارمِ اخلاق کا اِتمام و اِکمال 540

◎ عبادات اور تزکیہ وتعمیرِ سیرت 544

◎ زکوٰۃ وصدقات اور تزکیۂ نفس 549

◎ روزہ اور تربیت وتزکیہ نفس 556

◎ تعمیرِ اخلاق تزکیہ اور سیرت سازی میں حج کی تاثیر 560

◎ اعلیٰ اخلاق کے قرآنی معیارات 563

◎ شنیع اور قابلِ مذمت عادات واطوار 574

※ دعوت وتبلیغ، تذکّر وتذکیر، شہادت اور تبشیر واِنذار 578

◎ داعی 578

◎ مبلّغ 580

◎ شاہد 582

◎ بشیر 583

◎ نذیر 584

◎ مُذکّر 588

◎ دعوت اور اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں فرق 590

※ اِظہار وغلبۂ دین اور جہاد 600

◎ غلبہ و اِظہارِ دین کا مطلب 603

◎ جہاد بمعنی جدوجہد 604

◎ جہاد بمعنی قتال 607

Marfat.com

◎ جہاد کیوں ضروری ہے؟ 610

◎ پیغامِ حق اور امن 614

※ صبر 618

◎ صبر......حقیقت واہمیت 618

◎ سیدُالمرسلین ﷺ کے لیے دستورِ صبر 620

◎ قرآن مجید میں صبر کی تکرار 622

※ حقوق النبی ﷺ 645

◎ محبت --- تعظیم --- اِطاعت 645

◎ حُسن ظاہری 646

◎ حُسن خُلق 647

◎ دعوت وفکر کا حُسن وامتیاز 649

◎ حقوق النبی ﷺ --- پہلا حق --- محبت 651

◎ گمراہ کُن فکر کے کچھ مغالطے 652

◎ رسول اللہ ﷺ سے محبت 655

◎ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حُبِّ رسول ﷺ کی چند مثالیں 658

◎ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی محبت 659

◎ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت 659

◎ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی محبت 661

◎ زیدؓ بن دثنہ کی محبت 662

◎ حضور سلامت ہیں تو ہر دُکھ گوارا --- انصاری صحابیہ ہند رضی اللہ عنہا کی محبت 663

◎ حضرت ابوطلحہؓ زید بن سہل کا اندازِ محبت 663

◎ عثمان شماس رضی اللہ عنہ کی فداکاری 664

Marfat.com

- حضرت عبید اللہؓ بن زیاد کی فکر 664
- بلالؓ بن رُباح اور حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم 665
- اب آپؐ کے چہرے سے زیادہ محبوب چہرہ کوئی نہیں 666
- اور یہ ہیں عبداللہؓ بن عبداللہ بن ابی 667
- نذرانۂ درود وسلام 668
- (ب) ادب وتعظیم---دوسرا حق 670
- عزّت اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے 671
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیصلہ کُن حیثیت 672
- باادب! ہوشیار! 674
- فراشِ رسولؐ کا ادب 676
- پیش قدمی سے باز رہنے کا حکم 677
- آواز اور لہجے میں تعظیم رسول خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ 679
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام کا خیال 680
- کُنْ اَبَا خیثمة (یہ ابوخیثمہ ہی ہوگا) 682
- (ج) اطاعت---تیسرا حق 684
- ہدایت کے لیے اِتباعِ رسولؐ بنیادی شرط 685
- نظم وطاعت کا ایک عظیم مظاہرہ 688
- رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر لبیک نہ کہنے اور حکم عدولی کے نتائج 689
- اِسلامی زندگی کی روح اور تہذیبِ اسلامی کی رگوں کا خون 691
- نمائندہ کردار 693

۱۲۲۹۷۲
Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَام عَلٰى خَاتِمِ النَّبِين وَ اِمَامُ الْمُتَّقِيْنِ وَ سَيِّدِ الْاَبْرَار مُحَمَّد وَ عَلٰى اٰلِه وَ اَصْحَابِه اَجْمَعِيْن

سیرتِ سیّدِ الابرار ﷺ قارئین کے سامنے ہے۔ یہ کیسے تالیف ہوگئی؟ سچی بات ہے کہ مجھے خود اس سعادت کے حصول پر جتنی خوشی محسوس ہو رہی ہے اس سے کہیں زیادہ حیرت ہے۔ اتنے بڑے کام کے لیے جو علم و مطالعہ مطلوب تھا میں اس سے یکسر تہی دامن ہوں۔ صحت دگرگوں اور جسمانی توانائیاں بڑی حد تک مفقود ہیں۔ خاص طور پر ریڑھ کی ہڈی کی شدید تکلیف اور جسم کے نچلے حصے پر پڑنے والے اس کے اثرات نے میرے لیے زیادہ دیر بیٹھنا اور ایک ہی اندازِ نشست میں زیادہ وقت رہنا ناقابلِ برداشت بنا دیا ہے۔ اس سے پہلے میں نے لکھنے پڑھنے کے لیے میز کرسی کا استعمال شاذ ہی کبھی کیا ہوگا۔ اس سے پہلے جتنا کچھ لکھا، ہمیشہ گتا گھٹنوں پر رکھ کر بستر پر بیٹھے بیٹھے لکھنے کی عادت رہی ہے۔ لیکن اِس طرح کی بڑی مقدس اور نازک علمی و تحقیقی سرگرمی میں بیک وقت کئی کئی کتابیں سامنے رکھنی پڑتی تھیں جن کے لیے میز کرسی کا استعمال ناگزیر ہوتا ہے۔ سیرت پاک پر لکھنا بڑا نازک کام ہے۔ اس عظیم الشان مہم کی نزاکتوں کے پیشِ نظر ایک خوف دامنگیر تھا۔ قدم قدم پر اصحابِ علم کے مشوروں اور رہنمائی کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ یہ کام علمی مراکز اور لائبریریوں میں جا کر حدیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں کی ورق گردانی کا تقاضا بھی کرتا تھا۔ لیکن میں ایک اجنبی دیس میں مقیم ہوں جہاں وقت کے ساتھ ساتھ میرے رابطوں اور تعارف و تعلق کا دائرہ سکڑ کر انتہائی محدود ہو گیا ہے۔ جسمانی تکلیفیں نقل و حرکت اور میل جول میں رکاوٹ بن گئی

Marfat.com

ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کئی سال سے صرف گھر کا ہو کر رہ گیا ہوں۔ میری ذاتی لائبریری میں الحمد للہ، تفسیر، حدیث، فقہ اور سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر کافی کتابیں موجود تھیں۔ لیکن ڈیڑھ دو سال قبل میں نے اپنی قیمتی کتابوں کا خاصا بڑا ذخیرہ پاکستان منتقل کر دیا تھا۔ اِس طرح میں ان تمام معاونات سے تقریباً محروم ہو گیا جو سیرتِ سید الابرار ﷺ کی تالیف کے لیے درکار تھے۔

سوال یہ ہے کہ پھر یہ اتنا بڑا کام کیسے ہو گیا؟ ذوقِ مطالعہ کی نمو کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے سیرت رسول اکرم ﷺ کے موضوع پر کتابیں جمع کرنے اور ان کے مطالعہ کی توفیق مرحمت فرما دی تھی۔ کئی سال سے میرا ایک معمول ہے کہ ربیع الاول کے مہینے میں جب لوگ رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی یاد اپنی وضع کردہ روایات کے ساتھ منا رہے ہوتے ہیں تو میں کوشش کرتا ہوں کہ سیرتِ طیبہ کے کسی گوشے پر کوئی ایک کتابچہ لکھ لوں۔ اس طرح کے دو تین کتابچے شائع ہو چکے ہیں۔ 1437ھ کے ماہِ ربیع الاول میں بھی اسی نیت سے سرورِ عالم ﷺ کی سیرتِ پاک کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے بیٹھا۔ لیکن ایک تو جسمانی تکلیف مانع تھی دوسرے کوئی موضوع نہیں سوجھ رہا تھا۔ سوچ کی روانی پر بھی بند پڑے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ کسی گوشۂ سیرت سرورِ عالم ﷺ پر ذہن ٹِک نہیں رہا تھا۔ اسی سرگردانی میں پڑا ہوا تھا کہ اچانک محسوس ہوا کہ دماغ کے بند سوتے کھل گئے ہیں۔ یکایک سوچ کی لہریں اٹھنے لگیں۔ ایک موضوع نہیں بلکہ ایک وسیع مضمون قلب و ذہن پر اُتر آیا۔ رسول اللہ ﷺ کی مختلف حیثیات جو قرآن کریم نے پیش کی ہیں، ایک ایک کر کے سامنے آنے لگیں۔ سب سے پہلے سورہ یاسین کی ابتدائی آیات لوحِ ذہن پر کوندیں۔ ان میں سے چوتھی آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ حضور صراطِ مستقیم پر ہیں۔

﴿يٰسٓ ۚ ① وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ ② اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ ③ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؕ ④﴾ (یٰسٓ: 1 تا 4)

Marfat.com

دلیس۔ قسم ہے قرآنِ حکیم کی تم یقیناً رسولوں میں سے ہو، سیدھے راستے پر ہو۔'

رسول اللہ ﷺ کے اس صراطِ مستقیم پر ہونے کی شہادت آپؐ کے رب نے خود دے دی جس کے لیے ہم اپنی نمازوں میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے بار بار خواست گار ہوتے ہیں۔ آپؐ کے صراطِ مستقیم پر ہونے سے آپ سے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ آپؐ اپنے اخلاق و کردار میں بھی منفرد و ممتاز ہوں۔ قرآن پاک نے ہمیں ﴿وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ (القلم:3) کے الفاظ میں حضور ﷺ کی سیرت و اخلاق میں منفرد اور امتیازی شان سے بھی آگاہ کر دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ عالیہ کی حامل ہستی کو اللہ تعالیٰ نے ساری انسانیت کے لیے اور بالخصوص آپؐ پر ایمان رکھنے والی اُمت کے لیے بہترین نمونہ کے طور پر کھڑا کیا تاکہ زندگی کے ہر میدان اور ہر شعبہ میں اس اُسوۂ حسنہ کی پیروی کی جا سکے۔ مسلمانوں کو خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کی ذات کے اس نمونۂ کامل کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

'درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ تھا.....'

اخلاقِ عالیہ کے بہترین نمونے کو سامنے رکھ دینے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ یہی اخلاقی جوہر اُمت میں راسخ کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کو اپنے پیروکاروں کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ وتطہیرِ کردار کی ذمہ داری بھی سونپی گئی۔ قرآن مجید نے یہ بھی بتا دیا۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾ (آل عمران:164)

'درحقیقت اہلِ ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ اُن کے درمیان اُنہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اُٹھایا جو اس کی آیات اُنہیں سناتا ہے،

Marfat.com

اُن کی زندگیاں (تربیت وتزکیہ کے ذریعہ) سنوارتا ہے اور اُن کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔'

اپنی اُمت کے تزکیہ اور تعلیم وتربیت کے علاوہ رسول اکرم ﷺ کے ذمہ یہ کام بھی لگایا گیا کہ آپؐ خود جس صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں ساری انسانیت کو اس پر چلنے کی دعوت دیں۔اس اعتبار سے آپؐ داعی اور مبلّغ ہیں۔دعوت وتبلیغ ہی کا ایک دوسرا پہلو انذار اور تبشیر بھی ہے۔یہ رسول پاک ﷺ کے اسی داعیانہ کردار کے دو پہلو ہیں۔چنانچہ ارشاد ہوا:

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴾ (الاحزاب :45,46)

'اے نبیؐ، ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر ،اللہ کی اجازت سے اُس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اور روشن چراغ بنا کر۔'

دعوت وتبلیغ کے نتیجے میں آپؐ کے گرد جمع ہونے اور مسلمان اُمت کا حصہ بننے والے لوگوں کا جو معاشرہ تشکیل پا رہا تھا اس کی اندرونی اصلاح کا ایک مسلسل عمل بھی ضروری تھا۔اہل ایمان کی اجتماعیت کا خون اُس وقت تک صالح نہیں رہ سکتا جب تک اس کو اچھائیوں کا خوگر بنانے اور برائیوں سے متنفر کرنے کی جدوجہد نہ ہو۔اسی جدوجہد کا دوسرا نام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو یا آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر کا کردار بھی سونپا تھا۔اس حصہ میں رسول اکرم ﷺ کی ان سب حیثیات پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کے دیے ہوئے اخلاقی معیارات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ایجابی اور سلبی دونوں پہلوؤں سے قرآن حکیم کی متعدد آیات کو نمبر وار درج کر دیا گیا ہے۔

قرآن پاک میں تین انتہائی نازک اور اہم موقعوں پر یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو بھیجا ہی اس لیے ہے کہ وہ جس ہدایت اور جس دِینِ حق کے ساتھ بھیجے

Marfat.com

گئے ہیں اس کو باقی ادیان کے مقابلے میں ظاہر و غالب کر دیں۔

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ (الصّف :9)

'وہی تو ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اُسے پورے کے پورے دین پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔'

اسلام بنیادی طور پر دینِ دعوت ہے۔غلبۂ دین کی جو مختلف سبیلیں اور طریقے ہیں ان میں دعوت کا درجہ ایک بنیادی عامل کا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے منصبِ نبوت پر فائز ہو کر اسی راستے کو اختیار کیا تھا۔لیکن جب باطل اور طاغوتی قوتوں کو یہ احساس ہوا کہ یہ دعوت ان کے نظامِ باطل کے لیے موت کا پیغام ثابت ہوگی تو وہ خم ٹھونک کر اس کے راستے میں کھڑی ہو گئیں۔یہاں سے حق و باطل میں ایک کشمکش شروع ہو گئی۔مکّہ میں 13 سال تک جاہلیت و کفر کی طاقتوں نے اسلام کے پھیلنے کے سارے راستے بند رکھنے کی تمام تدبیریں اختیار کیں۔ہجرتِ مدینہ درحقیقت اسلام کے غلبہ و اظہار کے نئے امکانات کی تمہید تھی۔ان امکانات کو دیکھ کر شرک و ضلالت کے لشکر جارحانہ عزائم کے ساتھ اہلِ اسلام پر پل پڑے۔ خاتم النّبیین ﷺ کی زندگی میں کفر و شرک کی قوتوں نے بار بار اسلام کے مرکز۔مدینہ۔ پر حملے کیے۔ظاہر ہے کہ جو رب یہ چاہتا تھا کہ اُس کا دین، جو دینِ حق ہے، ظاہر و غالب ہو تو اُس کو یہ کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ جس ہدایت اور دینِ حق کو غالب کرنے کے لیے اس نے اپنے رسولؐ کو بھیجا ہے وہ رسولؐ خود مغلوب بن کر رہے اور کفر کی قوتیں دعوت کی لہلہاتی فصل کو آ کر اجاڑ دیں۔لامحالہ رسول اللہ ﷺ اور اہلِ ایمان کو اس کھیتی کو اجڑنے سے بچانے اور اپنے دفاع کے لیے جنگیں کرنی پڑیں۔دفاعِ دین و اُمت کے لیے لڑی جانے والی یہی لڑائیاں وہ اسلامی جہاد ہے جس کو قرآنی تعلیمات اور اسلامی احکام میں بڑا اہم مقام دیا گیا ہے۔

Marfat.com

رحمۃ للعالمین ﷺ کے مدنی دَورِ رسالت میں دعوت و تربیت اور معاشرے کے اندرونی استحکام کے لیے کیے جانے والے اقدامات کے ساتھ ساتھ بیرونی قوتوں سے جہاد کا عمل مسلسل جاری رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے مرَض الموت میں مبتلا ہونے سے پہلے خود جیشِ اُسامہؓ کو تیار کیا اور اپنے ہاتھ سے علَم بنا کر ان کو تھمایا تھا۔

اِس کو شمار کیا جائے تو اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں ہونے والے 19 غزوات اور 64 سرایا ہوئے جن کی کل تعداد 83 بنتی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت پاک سے اِن سب واقعات کو کھرچ کر نکال دیا جائے؟ اِسلامی جہاد خون آشامی اور قتل و غارت کا نام نہیں ہے۔ جن دانشوروں کے بدن پر جہاد کے نام سے جھُرجھُری سی دوڑنے لگتی ہے، اُن کو شاید معلوم نہیں ہے کہ دس سال کے عرصے میں ہونے والے 83 غزوات و سرایا میں فریقین کے کل 1018 نفوس کام آئے۔ یہ سب مُحارِب یعنی قتال کے لیے ایک دوسرے کے آمنے سامنے آئے تھے۔ اس کے برعکس ہمارے ہاں 2005 سے 2016 تک گیارہ سال کی مدت میں امریکہ کے صرف ڈرون حملوں میں 2808 افراد شہید ہوئے جن میں دہشت گردوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تھی۔ نشانہ بننے والوں کی اکثریت غیر مُحارِب بے گناہ بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور جوانوں پر مشتمل تھی۔

دِین و اُمت اور صالح نظام کے دفاع کی خاطر یہ جہاد و قتال اسی طرح فرض تھا جس طرح نماز روزہ اور زکوٰۃ و حج جیسی عبادات فرض تھیں۔ جہاد کی یہ فرضیت نہ کوئی عالم منسوخ کرسکتا ہے اور نہ کسی دانشور کی دلیلیں اِس پر خطِ تنسیخ پھیر سکتی ہیں۔ دَورِ حاضر میں جہاد کے نام پر فساد اور دہشت گردی کے جس عفریت نے سر اٹھایا اُس کا جہاد سے کوئی تعلق نہیں جس کی دائمی فرضیت کا ذکر ہوا ہے۔ دہشت گردی ایک فتنہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا جہاد فتنوں کو مٹانے اور جاہلیّت کی قوتوں کا اثر اور زور توڑنے کے لیے تھا۔ جہاد کے نام پر یہ دہشت

Marfat.com

گردی صرف اسی لیے ایک فتنہ نہیں ہے کہ انتہائی وحشیانہ انداز میں بے خبر اور بے گناہ لوگوں کو اس کا نشانہ بنایا جاتا ہے بلکہ یہ اس لیے بھی بہت بڑا فتنہ ہے کہ اس میں برتی جانے والی سنگ دلی اور بے رحمی نے جہاد کے خلاف لوگوں کو ایک دلیل فراہم کر دی ہے۔ اس کی آڑ میں جہاد جیسے عمل کا انکار یا استخفاف خواہ دِین کے نقصِ فہم کی بنیاد پر ہو یا دِین میں من پسند ترمیم کی نیتِ بد سے، قرآن اور تعلیماتِ نبی ﷺ اس سوچ اور رویے سے بَری ہیں۔ جہاد و قتال کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن میں اس کے بارے پوری پوری سورتیں نازل ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ کے نہ صرف اِس کے فضائل اور اجر و ثواب پر تفصیلی ارشادات ملتے ہیں بلکہ حضورؐ نے عملی طور پر جہاد کیا۔

معاملہ خواہ دعوت و تبلیغ اور اِنذار و تبشیر اور شہادتِ حق کا ہو یا سماج کی داخلی اصلاح کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا یا جہاد و قتال کا، یہ سب بڑے صبر آزما مراحل ہیں۔ دین کی ساری جد و جہد میں قدم قدم پر اہلِ ایمان کے صبر و استقامت اور عزیمت و استقلال کا امتحان ہوتا ہے۔ صبر کے بغیر نہ کوئی سفر طے ہو سکتا ہے اور نہ کوئی منزل پائی جا سکتی ہے۔ صبر قرآنی موضوعات میں سے ایک اہم موضوع اور اسلام کی اخلاقی تقاضوں میں سے ایک بڑا تقاضا ہے۔ چنانچہ جہاد کے بعد اس حصے میں صبر پر تفصیلی بحث کی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے لیے مکّی دورِ دعوت میں صبر کی جو تلقینات آئی ہیں ان کا مرحلہ وار جائزہ لیا گیا ہے۔ ان تمام پہلوؤں کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کے حقوق کا تفصیلی ذکر ہوا ہے۔

اِس غیر روایتی حصہ کی تکمیل پہلے ہو گئی تھی۔ پھر میں نے سوچا کہ بطورِ تبرّک سیرتِ پاک کے روایتی پہلو یعنی حضور ﷺ کی ولادت سے وفات تک کے واقعات کو ڈیڑھ دو سو صفحات میں اختصار کے ساتھ بیان کر دوں۔ اس سمندر میں اس خیال سے اُتر پڑا تھا کہ ساحل کے ساتھ ساتھ اس کے پایاب حصوں سے جتنے موتی ہاتھ آ گئے ان کو سمیٹوں گا لیکن اس سے آگے نہیں جاؤں گا۔ اسی لیے پہلے باب میں فنِّ سیرت کے ماہرین کی روایت کے

Marfat.com

برعکس کام کیا۔ روایت یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی ولادت کے ذکر سے پہلے پسِ منظر میں جزیرۃ العرب اور اس کے اطراف کی مختلف اقوام کے مذہبی، اخلاقی اور سیاسی و معاشی حالات کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ میں نے پہلے باب میں صرف رسول اللہ ﷺ کے جدّ امجد حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام اور تعمیرِ کعبہ اور بنو اسمٰعیلؑ کے عرب میں نشوونما کا ذکر کیا۔ لیکن جب اس بحر میں قدم رکھ دیا تو اس کی لہریں خود کھینچ کھینچ کر مجھے گہرے پانیوں میں لے گئیں۔

حضور ﷺ کی ولادت کے باب کے بعد مجھے احساس ہوا کہ جو ہستی میری صلاحیتوں اور قابلیتوں کے فقدان اور ضروری معاونات کی عدمِ فراہمی کے باوجود مجھ سے یہ کام لے رہی ہے، وہ چاہتی ہے کہ میں اگر بہت زیادہ گہرائی میں اتر نہ سکوں تو ایسا بھی نہ ہو کہ ساحل ساحل ہی گھوم کر بات ختم کر دوں۔ ہمت کر کے مزید آگے بڑھا۔ بند راستے خود بخود کھلنے لگے۔ کمزوری اور ناتوانی کا احساس بھی مٹ گیا۔ میز کرسی کے استعمال سے دیر تک پاؤں لٹکا کر بیٹھنا میرے لیے سخت تکلیف دہ تھا لیکن جب دیکھا کہ میز کرسی بھی ان گہرے پانیوں کی ضرورت ہیں تو ان کا استعمال بھی شروع کر دیا۔ کمر کی شدید تکلیف جو مجھے کبھی آدھ گھنٹہ ایک پہلو پر اور ایک ہی وضع میں بیٹھنے نہیں دیتی وہ بھی کہیں دب گئی۔ میں برکتوں اور سعادتوں کے اس سفر میں ہر روز بلا ناغہ تقریباً پانچ گھنٹے صبح اور پانچ چھ گھنٹے شام کام کرتا رہا۔

اپنی کتابیں پاکستان بھیجتے وقت اتفاق سے قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ کی 'رحمۃ للعالمین' اور مولانا عبدالرؤف دانا پوریؒ کی 'اصح السیر' جانے سے بچ گئی تھیں۔ میرے ایک سابق رفیقِ کار، محترم بھائی اور فاضل دوست شیخ محمد اقبال خود بھی سیرت رسول عربی ﷺ کے ساتھ گہرا تعلق اور اس کے مطالعہ کا گہرا ذوق رکھتے ہیں۔ مجھ پر ان کی یہ عنایت رہتی ہے کہ کبھی میری فرمائش پر اور کبھی بغیر فرمائش کے وہ کوئی نہ کوئی اہم کتاب فراہم کر دیتے ہیں۔ ان کی دی ہوئی دو بڑی اہم کتابیں بھی دستیاب ہو گئیں۔ اللہ ان کو بہترین اجر سے

Marfat.com

نوازے۔ کمر کی تکلیف کی وجہ سے گردن اکڑا کر لیپ ٹاپ پر نظریں گاڑے رکھنا اور انٹر نیٹ پر پڑھنے کا عمل میرے لیے ہمیشہ تکلیف دہ بھی رہا ہے اور ناگوار بھی۔ لیکن جب کُتبِ حوالہ (reference books) کے حصول کا کوئی اور راستہ نظر نہ آیا تو انٹرنیٹ کو بروئے کار لانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

ہم نے جب شعوری طور پر سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ شروع کیا اس وقت مولانا شبلی نعمانیؒ کی 'سیرت النبی ﷺ' کی دھوم تھی۔ اس کی ایک ادبی شان بھی ہے۔ دو جلدوں کے بعد شبلیؒ رخصت ہو گئے تھے تو اُن کے لائق شاگرد سید سلیمان ندویؒ نے نہ صرف یہ کہ بطریقِ احسن اس کی تکمیل کی بلکہ پہلی دو جلدوں میں بھی تحقیقی اعتبار سے قابلِ قدر اضافے کیے۔ اُسی عرصہ میں 'رحمۃ للعالمین' اور 'اَصَحُّ السِّیَر' بھی نظر میں آ گئی تھیں۔ دونوں اپنے اپنے انداز میں سیرتِ پاک کے موضوع پر نئے سے نئے گوشے دکھاتی ہیں۔ صحتِ واقعات میں ثانی الذکر کو فوقیت حاصل ہے اور تحقیق کی جہتوں میں اول الذکر منفرد ہے۔ 'اَصَحُّ السِّیَر' میں واقعاتِ سیرت سے مستنبط فقہی مباحث بھی ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ مصر کے محمد رضا کی کتاب 'محمد رسول اللہ ﷺ' کا اردو ترجمہ بھی اسی عرصے میں اہلِ ذوق کی تسکین کا سامان بنا تھا۔ تین چار عشرے قبل علمی اُفق پر مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کی 'الرحیق المختوم' بھی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوئی اور اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

'الرحیق المختوم' کے بعد زبردست تحقیقی معیارات اور بنیادی مصادر کے تقابلی مطالعہ کے ساتھ چند اور کتابوں نے اس راہ پر سفر کرنے والوں کے لیے منزل کی طرف کچھ اور نشانِ راہ واضح کیے۔ اردو میں طالب الہاشمیؒ کی 'سیرتِ رحمتِ دارین ﷺ صحابہ وصحابیات اور اماکن کے ناموں کے صحیح تلفظ کے علاوہ واقعات کے صحت کے پہلو سے بھی سیرتِ پاک کے موضوع پر ایسی کتاب ہے جس سے صرفِ نظر کرنا ممکن نہیں۔ ڈاکٹر محمد لقمان سلفی کی اردو

Marfat.com

میں لکھی گئی 'الصادِق الامین' عمرہ کے ایک سفر میں مکّہ مکرّمہ سے مجھے ملی۔ یہ بھی اعلیٰ تحقیقی معیار کی کتاب ہے۔ عربی میں ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کی 'السّیرةُ النّبویة الصّحیحة'، سوڈان کے ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد کی 'السّیرة النّبویة فی ضوء المصادر الاصلیة'، اردن کے ابراہیم محمد العلی کی 'صحیح السّیرة النّبویة' اور ڈاکٹر محمد علی الصلابی کی 'غزوات الرّسول ﷺ-دروس و عبرو فوائد' بلند تحقیقی معیار کی وہ کتابیں ہیں جنہوں نے 'الرّحیقُ المختوم' سے آگے کے سفر میں قدم قدم پر میری رہنمائی کی۔ مصر اور شام سے شیخ محمد الغزالیؒ اور سعید رمضان البوطیؒ کی ایک ہی نام کی -فِقهُ السّیرة- کافی عرصہ پہلے میرے مطالعہ میں آ چکی تھیں۔ یہ بھی میرے سامنے رہیں۔ شام ہی سے ا۔د۔صالح احمد رضا کی 'اِنّها النّبوة' کاغذ اور طباعت کے حیران کن اعلیٰ معیار کی بڑی تقطیع میں ایک عمدہ کتاب ہے۔ اِس میں حوالوں کی کمی ضرور کھٹکتی رہی لیکن واقعات کی صحت کے لحاظ سے ایک معتبر کتاب ہے۔ شام کے ممتاز تحریکی بزرگ شیخ منیر الغضبانؒ کی کتاب 'المنهج الحرکی للسّیرةُ النّبویة' اپنے انداز کی ایک عمدہ کتاب ہے۔ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تفہیم القرآن آیات کی تفسیر میں رہنمائی کے علاوہ سیرت النّبی ﷺ کے منہج حرکی پر بھی اس وقت تک سب سے اہم مصدرِ علم ہے۔ میں نے سیرتِ سیّدِ الابرار ﷺ میں آنے والی قرآنی آیات کا ترجمہ مولانا مودودیؒ کے 'ترجمۂ قرآن' ہی سے لیا ہے۔ قرآنی آیات کی تفسیر میں جن دیگر تفاسیر سے مدد لی ان میں تفسیر ابن کثیرؒ، مفتی محمد شفیعؒ کی معارفُ القرآن، مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی تدبّر قرآن، سید قطبؒ کی فی ظلال القرآن (اردو ترجمہ)، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے حواشی اور مولانا محمد جونا گڑھیؒ کے ترجمہ اور حافظ صلاح الدّین یوسف کے تفسیری حواشی پر مشتمل احسنُ البیان خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

سیرتِ پاکؐ کے موضوع کا مطالعہ ہو یا اس پر لکھنے کا عمل، کتبِ احادیث کے علاوہ کوئی شخص سیرت ابن ہشام سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ ابن اسحاقؒ کے مغازی تک رسائی کا

Marfat.com

یہی سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ امام المغازی موسیٰ بن عقبہؒ خود صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں۔ ابن سعد اور واقدی کے ہاں بھی سیرت سرور عالم ﷺ کے موضوع پر بہت کچھ ملتا ہے۔ بعض پہلوؤں سے واقدی کی بے اعتباری تسلیم لیکن کئی موضوعات پر تقابلی پہلو سے ان کو نظر انداز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ جن متعدد کتب سے میں نے استفادہ کیا ہے ان میں زاد المعاد، البدایۃ والنہایۃ، فتح الباری، دلائل النبوۃ للبیہقی، نجم عمر بن فہد کی اِتحاف الوریٰ باخبار اُمّ القریٰ اور ابن سید الناس کی عیون الاثر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ شبلیؒ کی 'سیرت النبی ﷺ کے سوا باقی ان تمام کتابوں کے حوالے میری اس تالیف میں آئے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ 'سیرت النبی ﷺ' مولفہ شبلیؒ و سید سلیمان ندویؒ اگرچہ پاکستان میں میری ذاتی لائبریری کی زینت ہے لیکن جہاں بیٹھ کر میں یہ تالیفی کام کر رہا تھا وہاں یہ نہ طبع شدہ مل سکی اور نہ نیٹ پر دستیاب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں ہوں ان سب ہستیوں پر جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے موضوع پر علم و تحقیق کے یہ چشمے جاری کیے، جن سے مجھ جیسے بے شمار علمی اعتبار سے کم مایہ لوگ فیض پا رہے ہیں۔ آج تک نہ معلوم کتنے لوگ ان سے اپنی علمی پیاس بجھا چکے اور ان کے خوانِ علم و تحقیق سے خوشہ چینی کر چکے ہیں۔ امید ہے کہ یہ سب قیامت کے روز رسول اللہ ﷺ کی شفاعت اور قرب و معیت کے حق دار بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھ ناچیز کی اس کاوش کو بھی قبول فرمائے۔ مجھے بھی بخشش و نجات کا سزاوار بنا دے۔ میں بھی یومِ حشر کو اُٹھوں تو میری یہ کتاب اللہ کے محبوب نبی ﷺ کی محبت کی دلیل اور میری آخرت کی منزلیں آسان کرنے کا ذریعہ ثابت ہو۔ میں نے اس کتاب کا آغاز 1437 ھ کے ربیع الاوّل کے اواخر میں کیا تھا اور اس کی تکمیل تقریباً نو مہینے بعد ذی الحجہ کے اواخر میں ہوئی۔ یہ کام سراسر اللہ کی توفیق و عنایت سے مکمل ہوا۔ اس میں نہ میرا کوئی علمی کمال اور نہ فن سیرت پر میری کوئی مہارت بروئے کار آئی ہے۔ میری علمی بے بضاعتی کی وجہ سے اس میں غلطیوں اور کوتاہیوں کے امکانات موجود ہیں۔ جسمانی تکلیفوں کا

Marfat.com

اثر اسلوبِ نگارش پر بھی صاف نظر آ رہا ہے۔اہلِ علم سے گزارش ہے کہ واقعات کی صحت یا کتابت کے پہلو سے اگر کوئی غلطی کسی کی نظر میں آئے تو نیچے درج پتوں پر آگاہ فرمادیں۔ ممنون ہوں گا۔

منیر احمد خلیلی

یکم محرم الحرام 1438ھ

3اکتوبر،2016

muneer.khalili@gmail.com

muneer.khalili@hotmail.com

Marfat.com

حصّہ

اوّل

Marfat.com

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کا مولِد شریف

انبیاء کی تاریخ اور خاص طور پر خیر البشر، خاتم المرسلین، امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرتِ پاک کا معتبر ترین ذریعہ قُرآن مجید ہے۔ حبیبِ خُدا ﷺ کا مولِد بے آب و گیاہ وادی کے اندر خشک پہاڑوں میں گھرا ہوا وہ شہرِ مکّہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ عظمت و شوکت بخشی۔ یہ شہر جزیرۃُ العرب کے جنوب میں بحرِ احمر سے کوئی پچھتر کلومیٹر مشرق کی طرف واقع ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی مشیت اور منصوبے کے مطابق یہیں سے ہدایت کی وہ کرنیں پھوٹیں جن سے ظُلمت کدۂ عالَم کی تاریکیاں چھٹ گئیں اور ایمان کی روشنی پھیلی تھیں۔ مکّہ کو ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے صرف دو نفری کنبے سے آباد کیا تھا۔ اس میں خالقِ کائنات کی عبادت کے لیے انہوں نے اللہ کا پہلا گھر تعمیر کیا تھا۔ اگرچہ احادیثِ نبویؐ میں اور بائبل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو کہانی ہمیں ملتی ہے، اس کے مطابق آنحضرتؑ اپنے آبائی وطن سے ہجرت کر کے شام و مصر کی طویل مسافتیں طے کر کے مدت بعد مکّہ تشریف لائے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے آبائی وطن میں جب بتوں کو پاش پاش کر دیا اور اس کی پاداش میں ان لوگوں نے انہیں دہکتی ہوئی آگ کے ڈھیر میں پھینک دینے کا فیصلہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و قوت سے اپنے محبوب بندے اور خلیل کو آگ سے بچا لیا تھا۔

اب یہاں سے قُرآن پاک کا پہلا نکتہ حضرت ابراہیمؑ کی عمر کا ہے۔ سورۃ الانبیاء کی 60 ویں آیت کے الفاظ: ﴿قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ﴾ (بعض لوگ بولے: ہم نے ایک نوجوان کو اِن کا ذکر کرتے سنا تھا جس کا نام ابراہیم ہے) کو ذہن

Marfat.com

میں رکھ کر آگے کے حالات پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ کے الاؤ میں پھینکا گیا اس وقت وہ بیس پچیس سال کے نوجوان تھے۔ اب اسی قصے کو سورۃ الصّٰفّٰت میں دیکھتے ہیں۔ وہاں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ﴾ (الصّٰفّٰت : 98)

''انہوں نے اُس کے خلاف ایک کارروائی کرنی چاہی تھی، مگر ہم نے اُنہی کو نیچا دکھا دیا۔''

حافظ ابن کثیرؒ کے الفاظ ابراہیم علیہ السلام کے آگ کے شعلوں سے ایک بال بھی بیکا ہوئے بغیر بعافیت وسلامتی نکل آئے تھے لیکن اتنی بڑی نشانی دیکھ کر بھی وہ قوم انکارِ حق پر قائم رہی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی قوم سے کسی خیر کی کوئی توقع باقی نہ رہی تو انہوں نے وہاں سے ہجرت کا ارادہ کرلیا۔ اب یہاں پہنچ کر جناب ابراہیمؑ کی دعا دیکھیے:

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ﴾

(الصّٰفّٰت : 99، 100)

''اے پروردگار مجھے ایک بیٹا عطا کر جو صالحوں میں سے ہو۔ (دعا قبول ہوئی) اور ہم نے اُس کو ایک حلیم لڑکے کی خوشخبری سنائی۔''

کوئی شخص اولاد کا خواہش عام طور پر شادی کے بعد ہی کرتا ہے۔ چنانچہ قرینِ قیاس یہی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو جب اولاد کی خوشخبری دی گئی اس وقت یا تو حضرت سارہؓ سے ان کی شادی ہو چکی تھی یا اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ہوئی۔ عام روایات کے مطابق آنحضرتؑ بابل کے شہر ''اُر'' سے ہجرت کر کے پہلے مصر گئے۔ وہاں حضرت ہاجرہ علیہا السلام ایک لونڈی کی حیثیت سے انہیں تحفے میں ملیں یا صاحبِ رحمۃ للعالمین قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ کی تحقیق کے مطابق وہ وہاں کے بادشاہ کی بیٹی تھیں جنہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بیاہ دیا گیا تھا۔ بیوی تھیں یا لونڈی، ایک جوان مرد کا اپنی اس جوان بیوی کے ساتھ قربت ومباشرت مصر میں قیام کے دوران میں یا واپسی کے سفر میں قائم ہونا فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق

Marfat.com

تھا۔ اس طرح اندازہ یہی ہے کہ کنعان (فلسطین) آنے کے بعد قدرتی مدت کے بعد حضرت ہاجرؑ کے بطن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی ہو گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اشارے پر اپنے اس اکلوتے بیٹے اور اس کی والدہ کو مکّہ کی بے آب و گیاہ سرزمین پر بسانے کے لیے لے گئے تھے۔ اس کے تحت مکّہ کو ایک عالمی مرکزِ ہدایت اور ایک مقدّس بستی کے طور پر آباد کرنا عظیم رَبانی منصوبے میں شامل تھا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا اپنے والد کی ساٹھ ستّر برس کی عمر کے بعد پیدا ہونا اس لیے ناقابلِ فہم ہے کہ اللہ کے محبوب بندے اور اس کے خلیل نے بیٹے کی دعا تو بابل میں آگ سے سلامت نکل آنے کے بعد مانگی تھی اور اللہ عزّ وجل نے انہیں بیٹے کی خوشخبری بھی اسی وقت سنا دی تھی۔ اس لیے یہی امر صحیح محسوس ہوتا ہے کہ مصر سے کنعان لوٹ کر آنے کے کچھ عرصہ بعد انہیں اس بیٹے کی نعمت نصیب ہوئی۔ اگر یہ اللہ کے حکم کی تعمیل نہ ہوتی تو ایک اولوالعزم اور جلیل القدر پیغمبر سے جس کی ایک صفت اس کا اَوَّاہٌ حَلِیْمٌ بھی تھی ایسی سنگ دلی اور بے حسی کی توقع کیسے کی جا سکتی تھی کہ وہ صرف اپنی پہلی بیوی کے دباؤ پر ننھے سے بچے اور اس کی ماں کو کنعان سے تقریباً ساڑھے بارہ سو کلومیٹر دور ایک ویرانے میں جا کر پھینک آتے، جہاں کھانے کا سامان تو درکنار پینے کے پانی کا انتظام بھی نہیں تھا؟

انہیں یہاں چھوڑنے کے بعد تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شاذ و نادر ہی وہاں آیا کرتے تھے۔ یہاں اگر ہم سورۃ الصّٰفّٰت آیت :102 کے الفاظ پر نظر ڈالیں تو معاملہ تاریخ کی بیان کردہ اس بات سے بالکل مختلف نظر آتا ہے۔ رَبُّ العالمین نے انہیں بیٹے کی خوشخبری کے معاً بعد اُس سعادت مند اور حلیم بیٹے کے بارے میں بتایا:

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ﴾

یعنی وہ بچہ اپنے والد کے ساتھ چلنے پھرنے اور دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی دوسری آزمائش کے طور پر اپنے نبیؑ کو خواب کے ذریعے اسے ذبح کرنے کا حکم دیا۔

Marfat.com

بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ کے الفاظ سے باپ بیٹے میں مستقل رابطے اور قربت کا پہلو نکلتا ہے۔ سارے جہان کی ہدایت پر مامور اللہ کے جلیل القدر پیغمبر کے احساسِ فرض سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ مدتوں تک اپنے لختِ جگر اور اپنی زوجہ کی خیر خبر اور تربیت و تعلیم سے بے نیاز رہے ہوں گے۔ مَعَهُ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بیٹا باپ کی جدائی میں چھ سو چھیاسٹھ میل دور نہیں بلکہ والدِ ماجد کے ساتھ رہ کر اس کے حکم بجا لانے اور خدمت کرنے کے قابل ہوا تھا۔ اِقبالؒ کے ذہن میں حضرت اسمٰعیلؑ کے بارے میں یہ سوال کہ:

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

آغوشِ مادر پہلا مکتب تھا اور اللہ کے پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نگاہِ کرامت، دونوں ہی کے اثر سے آدابِ فرزندی کی آبیاری ہوئی۔ عظیم المرتبت باپ نے جب فرمانبردار بیٹے کو اپنا خواب سنایا تو وہ اتنا باشعور اور عقیدہ و فکر کے لحاظ سے اتنا پختہ ہو چکا تھا کہ بغیر کسی پس و پیش کے پکار اٹھا:

﴿قَالَ يَٰٓأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ اللَّهُ مِنَ الصَّٰبِرِينَ﴾

''اُس نے کہا: ابا جان، جو کچھ آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے کر ڈالیے، آپ ان شاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔''

ابتلا و آزمائش کی ہر منزل سے گزرے

بابل کے شہر 'اُر' میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شرک اور جاہلیت و ضلالت میں غرق ماحول کے اندر جس کشمکش کا سامنا کرنا پڑا وہ ایک بڑی آزمائش تھی۔ آج سے چار ہزار سال پہلے جب نقل و حرکت اور مواصلات کے ذرائع میں گدھے کے سوا شاید اور کوئی سواری نہیں تھی، یہ ناممکنات میں لگتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے آبائی شہر 'اُر' سے بیوی سارہ، بھتیجے لوطؑ اور شاید چند اور اہلِ ایمان کو لے کر دشوار گزار اور جلی ہوئی چٹانوں والی خشک وادیوں سے گزر کر پہلے یروشلم اور پھر مصر گئے ہوں گے اور مصر سے واپس فلسطین لوٹ کر ایک مرتبہ پھر ساڑھے

Marfat.com

بارہ سو کلومیٹر کا فاصلہ پیدل یا گدھے وغیرہ کی سواری پر طے کر کے بڑے صبر آزما سفر پر مکہ چلے گئے ہوں۔ آیاتِ قرآن پاک پر غور کیا جائے تو جو اندرونی کڑیاں ملتی ہیں اُن سے صورتِ حال کچھ اس طرح بنتی ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام اپنے آبائی وطن سے نکل کر مصر و شام گئے۔ حضرت سارہؑ کے قیام کا وہاں انتظام کرنے کے بعد ان کا کافی وقت حضرت ہاجرؑ اور بیٹے اسمٰعیلؑ کے ساتھ حجاز میں گزرا۔ جو بندہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ محبوب و مقرب ہوتا ہے، اس کو اسی قدر زیادہ آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ آزمائش جب قُربانی کی صورت میں ہونے لگی تو اس چیز کی قربانی مانگی گئی جو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھی۔ یہی دیکھنا تو مقصود تھا کہ معاملہ جب اللہ اور بیٹے کی محبت کا ہو تو کیا اللہ کی محبت پر بیٹے کی محبت قربان کرنے پر تیار ہو جائیں گے یا نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو ساری انسانیت کے اِمام و مقتدا بنانا مقصود تھا اس لیے ان کے لیے ابتلا و آزمائش کی بھٹی بھی کچھ زیادہ ہی گرم تھی۔

﴿وَ اِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ۝۱۲۴﴾

(البقرۃ : 124)

”یاد کرو کہ جب ابراہیمؑ کو اُس کے رَب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ اُن سب میں پورا اتر گیا۔ تو اُس سے کہا: 'میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔' ابراہیمؑ نے عرض کیا: 'اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟' اُس نے جواب دیا: 'میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔'“

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے صرف اس لیے گھر سے نکالنے اور سنگسار کر دینے کی دھمکیاں دی تھیں کہ وہ اَجرامِ فلکی اور ہاتھ سے بنے ہوئے بتوں کی پرستش سے روکتے اور صرف ایک اور حقیقی رَب کی عبادت کی دعوت دیتے تھے۔ گھر اور خاندان سے جدائی بہت بڑی جذباتی آزمائش تھی۔ آخر میں آپؑ کو آگ کے دہکتے ہوئے الاؤ میں بھی جھونک دیا گیا۔ یہ سب محن و ابتلا کی صورتیں تھیں جن سے گزر کر اور بے پناہ سفری صعوبتیں برداشت کر کے وہ

Marfat.com

مصر و شام سے ہوتے ہوئے سرزمینِ حجاز میں پہنچے تو یہاں پہلے تو انہیں اپنے لختِ جگر اور زوجہ سے جدائی کی آزمائش میں ڈالا گیا اور بے یار و مددگار اور تنہائی کی حالت میں اس مقام پر انہیں لا ڈالنے کا حکم ہوا جہاں آج کعبۃ اللہ کھڑا ہے۔ سب آزمائشوں سے بڑی آزمائش انہیں اپنے اکلوتے اور پیارے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کا حکم دے کر کی گئی۔ وہ اس میں بھی پورے اترے۔ حبیب نے اپنے محبوب کی طرف سے اطاعت و وفا کے تمام امتحان بدرجۂ کمال پاس کر لیے اور خلیل نے خُلت اور محبت کی ساری شرطیں پوری کر دیں۔ یہاں تک کہ فطرتِ انسانی میں اولاد کے لیے بیٹھی ہوئی زبردست محبت کی وجہ سے سب سے مشکل شرط یعنی بیٹے کی قربانی بھی اپنی طرف سے کر گزرے تھے۔ اس پر انہیں اِمامُ النّاس کے درجۂ عالیہ کی خلعت عطا کی گئی جو اس سے قبل کسی اور پیغمبر کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔ سیّدنا ابراہیمؑ کی یہی وہ منفرد شان ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے اپنی اُمت کو یہ دعا (درودِ ابراہیمی) سکھائی کہ آپؐ کو بھی اللہ ویسے ہی درجات و کمالات اور درود اور برکات سے نوازے جیسے درود اور برکات حضرت ابراہیمؑ اور اُن کی آل پر نازل ہوئے تھے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اِمامُ النّاس کو ایک مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ یعنی ساری دنیا کے لوگوں کے لیے مرکز اور مقدس ترین مقامِ عبادت تعمیر کرنے کا حکم ہوا۔ اس وقت تک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پورے شباب کو پہنچ چکے تھے اور نہ صرف اپنے والدِ گرامی کی ساری دینی مہموں میں ان کا ہاتھ بٹا رہے تھے بلکہ ایک پیغمبر کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے احکام بھی انہیں اُسی طرح ملنے لگ گئے تھے، جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو مل رہے تھے۔ کعبہ کی تعمیر میں وہ اپنے عظیمُ القدر والد کے شانہ بشانہ سرگرم رہے۔ دونوں ذوق و شوق اور جانفشانی کے ساتھ انسانیت کے اس عظیم مرکز

Marfat.com

کی تعمیر میں مشغول تھے اور ساتھ دعائیں کیے جا رہے تھے کہ اللہ ان کی اِس محنت کو قبول فرما لے۔ دونوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ اِس گھر کو طواف و اعتکاف اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھیں۔

﴿وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۸﴾﴾ (البقرة: 127، 128)

''اور یاد کرو، ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ جب اِس گھر کی دیواریں اُٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے: 'اے ہمارے رَب، ہم سے یہ خدمت قبول فرما لے، تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے رَب، ہم دونوں کو اپنا مُسلم (مُطیع فرمان) بنا۔''

﴿وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآىِٕفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾﴾ (البقرة: 125)

''اور ہم نے اِس گھر (کعبے) کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیمؑ جہاں عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے اُس مقام کو مُستقل جائے نماز بنا لو اور ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کو تاکید کی تھی کہ میرے اِس گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔''

اس عظیم گھر کی نسبت سے چند بڑی اہم باتیں یہ بتائی گئی ہیں کہ روئے زمین پر اللہ کا پہلا گھر کہیں اور نہیں بلکہ مکّہ میں تعمیر ہوا ہے۔ گھر بھی مبارک ہے اور اور خُدا کی زمین کے جس ٹکڑے، یعنی سرزمینِ مکّہ پر یہ تعمیر ہوا وہ بھی بڑی برکتوں والا ٹکڑا ہے۔ قیامت تک

Marfat.com

سارے جہانوں کے لیے ہدایت کی کرنیں یہیں سے پھوٹیں گی۔ دل کی آنکھوں سے دیکھنے والوں کو یہاں اللہ کی بے شمار نشانیاں ملیں گی اور ان میں مقامِ ابراہیمؑ بھی ہے جسے بچشمِ سر دیکھا جا سکتا ہے۔ روئے ارضی پر اس سے بڑھ کر امن کی جگہ کوئی اور نہیں ہے۔ حج کے لیے دنیا کے کونے کونے سے آنے والوں کو یہیں آنا ہوگا۔ جو اس گھر کی عظمتوں اور برکتوں کا اور یہاں حج کے لیے آنے کا منکر ہوگا اسے جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جو سارے جہانوں سے بے نیاز ہے اسے ایسے کسی ایک آدمی، کسی گروہ یا قوم کی کوئی پروا نہیں ہے۔ یہاں ایک اور بات جو خاص طور پر لائقِ توجہ ہے، وہ یہ ہے کہ آیات کے سیاق و سباق سے ایسا کوئی تاثر نہیں نکلتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام لمبے عرصے کے لیے مکّہ کے منظر سے اوجھل یا اس مرکزِ ہدایت سے کہیں غائب ہو گئے تھے۔

﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ‌ۚ ۝ فِيۡهِ اٰيٰتٌ ۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِيۡمَ ۚ وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ‌ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا ‌ؕ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ ﴾ (اٰلِ عمران: 96، 97)

”بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکّہ میں ہے۔ اِس کو خیر و برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکزِ ہدایت بنایا گیا تھا۔ اِس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، ابراہیمؑ کا مقامِ عبادت ہے اور اُس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا وہ مامون ہوگیا۔ لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اِس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اِس کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔“

یہ سارا سامان ہو جانے کے بعد مکّہ اور جزیرۃُ العرب میں دعوت اِلی اللہ کا فریضہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذمہ ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ بہت بوڑھے ہو

Marfat.com

چکے تھے۔ انہوں نے اپنی باقی زندگی کے لیے مکّہ کے شمال میں خاصا اوپر ایک اور بابرکت خطے۔فلسطین۔کو اپنا مستقل مسکن بنالیا تھا۔ یہاں قریب سدوم اور عمورہ کی بستیوں میں جو قوم آباد تھی اس کی ہدایت پر اللہ کے حکم سے انہوں نے اپنے بھتیجے حضرت لُوط علیہ السلام کو مامور کر دیا تھا۔ اس قوم میں فروغ پانے والے حیاسوز خلافِ فطرت جنسی کلچر کی وجہ سے عذاب کا فیصلہ لاگو کرنے کے لیے جو فرشتے انسانی شکل میں آئے وہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر حاضر ہوئے تھے۔ بائبل کے مطابق اس وقت آنحضرتؑ کی عمر سو سال ہو چکی تھی اور حضرت سارہؓ 90 سال کی تھیں۔ فرشتوں نے انہیں اس عمر میں ایک معمر اور بانجھ عورت کے بطن سے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کی خوش خبری سنائی۔ **وَ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ** یعنی 'ہم نے انہیں (دوسرا بیٹا) اسحاقؑ عطا کیا'۔

سرزمینِ فلسطین جب بحرِ متوسط کے ساحلوں سے لے کر بلادِ شام تک کے لوگوں کے لیے مرکزِ ہدایت بنی تو یہاں بھی ایک مسجد کی ضرورت تھی۔ یوں حضرت ابراہیمؑ ہی کے ہاتھوں مسجدِ اقصیٰ تعمیر ہوئی۔ قُرآن پاک کی کئی سورتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بکھرے ہوئے تذکرہ کو یکجا کر کے دیکھیں تو جو مربوط اور مفصل کہانی سامنے آتی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکّہ میں اللہ کا پہلا گھر۔مسجدِ حرام۔تعمیر کرنے کے کافی عرصہ بعد آپؑ کی فلسطین کی طرف مراجعت ہوئی اور یہاں تشریف لانے کے بعد آپؑ نے مسجدِ اقصیٰ تعمیر کی۔ ایک حدیثِ نبویؐ میں دونوں کی تعمیر میں چالیس سال کا وقفہ بتایا گیا ہے۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: 'میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد تعمیر ہوئی؟' آپ ﷺ نے فرمایا: 'مسجدِ حرام'۔ میں نے پھر دریافت کیا کہ 'اس کے بعد کون سی مسجد تعمیر ہوئی؟' حضورؐ نے بتایا: ''مسجدِ اقصیٰ''۔ میں نے پھر سوال کیا کہ 'دونوں مسجدوں میں کتنا زمانی بُعد تھا؟' آپؐ نے فرمایا: 'چالیس سال کا'۔ [1]

---

[1] صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن حبان۔

Marfat.com

دُعائے خلیلؑ اور نوید مسیحؑ

﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ (البقرة:129)

''اور اے ہمارے رَب، اِن لوگوں میں خُود اِنہی کی قوم سے ایک رسول اُٹھائیو، جو انہیں تیری آیات سنائے، اِن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور اِن کی زندگیاں سنوارے۔تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔''

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ دعا ہے جو آنجنابؑ نے مکّہ میں کعبۃُ اللہ کی صورت میں عقیدۂ توحید کی دعوت اور اہلِ ایمان کے قلوب کو نورِ ایمان سے منور کرنے کے لیے ایک عظیم عالمی مرکز تعمیر کرتے وقت مانگی تھی۔ حضرت محمد ﷺ کی قیادت میں برپا ہونے والے رفیعُ الشان اعتقادی اور فکری ونظری انقلاب کے پس منظر میں سنائی دینے والی پکار ہے جو حضور ﷺ کی ولادت با سعادت سے کم وبیش 19 سو سال پہلے سے فضاؤں میں گونج رہی تھی اور اللہ کے آخری نبیؐ کی آمد سے آگاہ کر رہی تھی۔ اس دعا سے یہاں ایک پہلو تو وہ نکلتا ہے جس کا ذکر سرورِ دو عالم ﷺ نے خود فرمایا کہ میں اپنے والدِ ماجد حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور حضرت عیسیٰؑ کی خوشخبری کے مصداق ہوں۔'[1] دوسرا پہلو فِيهِمْ کے صیغے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت مکّہ مکرّمہ میں اتنی آبادی ہو چکی تھی کہ وہ لوگ ایک قوم شمار ہوتے تھے۔ ایک ضعیف روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی حضرت ہاجرؑ اور کمسن فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کو مکّہ میں لا کر بسایا اور یہاں زمزم کے چشمے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے پانی کی نعمت جاری کی، اس سے کافی عرصہ پہلے مکّہ کے اردگرد عمالقہ کی کچھ آبادیاں موجود تھیں۔ لیکن انہیں شاید حضرت ہاجرؑ کی یہاں موجودگی کا علم نہ تھا اسی لیے نہ وہ ادھر آئے اور نہ انہیں یہ خبر ہوئی کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پانی کا وہ چشمہ پھوٹ پڑا ہے جس کے بارے

[1] تفسیر طبری و مسند احمد.

Marfat.com

ہمارے نبی پاک ﷺ نے فرمایا تھا کہ: 'اللہ تعالیٰ اُمِّ اسمٰعیلؑ پر رحمتیں نازل فرمائے، اگر وہ جلدی میں چشمے سے لَپیں نہ بھرنے لگ جاتیں تو آج یہ ایک جاری نہر کی مانند ہوتا'۔ (1) مکّہ مکرّمہ میں آکر سب سے پہلے مستقل طور پر آباد ہونے والے لوگ بنوجرہم تھے۔ اس قبیلے کا ایک خاندان یہاں قریب سے گزر رہا تھا کہ یہاں انہیں فضا میں کچھ پرندے اُڑتے ہوئے نظر آئے۔ یہاں پرندوں کی پرواز پانی کی موجودگی کی نشانی تھی۔ چنانچہ وہ لوگ وہاں پہنچ گئے جہاں حضرت ہاجرؑ اپنے ننھے بچے کے ساتھ ٹھہری ہوئی تھیں اور ساتھ ہی پانی کا چشمہ جاری تھا۔ ان لوگوں نے حضرت ہاجرؑ سے وہاں رہائش کی اجازت مانگی، جوانہوں نے بخوشی دے دی۔ تاہم یہ شرط رکھی کہ وہ اس چشمے پر اپنی ملکیت کا دعویٰ نہیں کریں گے۔ جلد ہی بنو جرہم کے اس گھرانے نے اپنے خاندان کے باقی لوگوں کو بھی یہاں بلالیا۔ آبادی بڑھتی گئی اور آگے چل کر مکّہ نے ایک بھری پری آباد شہری بستی کی صورت اختیار کر لی۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت بنی اسرائیل ابھی تک اپنی مذہبی سرداری کے دعویدار تھے لیکن وہ اُن اخلاقی اور روحانی اوصاف سے مدتوں پہلے خالی ہو گئے تھے جو اوصاف سیّدنا ابراہیمؑ اور ان کے دوسرے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ السلام اور پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پیغمبرانہ کردار کی پہچان تھے۔ اپنے اجداد کے بعد دنیا کی رہنمائی کے یہ لوگ پابند تھے لیکن روحِ دین اور اخلاقی عظمت سے محروم ہو جانے کی وجہ سے بشریت کی امامت وقیادت پر ان کا حق ختم ہو گیا تھا۔ انہوں نے اللہ کے پیغمبروں اور اس کے دین کے ساتھ خیانت کو اپنا شعار بنالیا تھا۔ اس کے نتیجے میں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذِلّت ومسکنت کی مار پڑ گئی تھی۔ ان کا نہ کوئی مرکز تھا اور نہ حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے دور کی سیاسی ریاست وقوت کی کوئی باقیات بچی تھیں۔ وہ ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ کچھ خاندان بابل کے دور کی یادیں دل میں بسائے عراق ہی میں ادھر اُدھر بس گئے تھے۔ کچھ بلادِ شام میں مقیم تھے۔ جزیرۃ العرب کے اندر یثرب، خیبر، تیماء اور فدک میں بھی اِن کی

(1) بخاری.

Marfat.com

آبادیاں تھیں۔ کچھ بحرِ متوسط کے راستے جنوبی اور مشرقی یورپ میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔
یثرب اور حجاز کے مختلف حصوں میں ان کی سرگرمیوں کی دو جہتیں تھیں۔ ایک طرف انہوں نے جہالت و ضلالت کے شکار عربوں پر اپنے آباء و اجداد کے نام پر مذہبی سیادت کی دھاک بٹھائی ہوئی تھی اور دوسری طرف عربوں کی صفوں میں، خاص طور پر یثرب کے دو اہم قبیلوں، اوس اور خزرج میں پھوٹ ڈال کر اپنی طاقت میں اضافہ کرتے رہتے تھے۔ تورات میں انہوں نے من مانی تبدیلیاں کر لی تھیں۔ ان کے علماء نے آیاتِ تورات کو کاروبار بنا رکھا تھا۔
یہ اپنے آپ کو اللہ کی چیدہ مخلوق اور اس کے پیارے باور کراتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اول تو قیامت کے روز ان سے کوئی باز پرس ہونی ہی نہیں اور اگر ان کی سیاہ کاریوں پر کوئی پکڑ ہوئی بھی تو بس چند دن کی سزا کے بعد چھوٹ جائیں گے۔ حقیقت یہ تھی کہ انہوں نے انکارِ حق اور بغاوت و سرکشی کی جو روش اختیار کر رکھی تھی اس کے باعث لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ کے خدائی فیصلے کے مطابق انہیں دنیا کی امامت کے منصب سے معزول کر دیا گیا تھا۔
محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کے وقت تک دنیا قبائلی، نسلی اور خاندانی دائروں سے نکل کر ملکوں کی بنیاد پر تہذیب و تمدن کے وسیع دائرے میں داخل ہو چکی تھی۔ اب نسلی وجاہت اور خاندانی امتیاز کے دعویٰ کے ساتھ ایران و شام اور حبش و یمن اور مصر کے اطراف میں پھیلی ہوئی معلوم دنیا میں کوئی نئی دعوت اسی صورت میں مقبول ہو سکتی تھی جب اس میں سادگی، پاکیزگی اور فطرتِ انسانی سے ہم آہنگی ہو اور وہ رنگ و نسل کے امتیازات کے بجائے تمام انسانوں کی مساوات کے تصور کے ساتھ پیش کی جاتی۔ دعوت کی یہ خصوصیت نہ یہودیت میں پائی جاتی تھی اور نہ نصرانیت میں۔ محمد عربی ﷺ نے اللہ کے آخری نبی کی حیثیت سے جس دعوت کا آغاز کیا وہی ان معیارات اور پیمانوں پر پوری اترتی تھی۔
محولہ بالا دعائیہ آیت میں واضح اشارہ ملتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عقیدۂ توحید کی تعلیم، اخلاقی تزکیہ و تربیت اور دینی و روحانی رہنمائی کے لیے خورشیدِ ہدایت کو اسی شہر مکہ سے طلوع ہوتا ہوا دیکھ رہے تھے جو ان کے تقریباً اڑھائی ہزار سال بعد اس کے مطلع سے نمودار ہوا۔

Marfat.com

چنانچہ اُن کی دُعا میں وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ کے الفاظ ٹھیک ٹھیک خاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ پر ہی صادق آ رہے ہیں۔ آپ ﷺ ہی ہیں جن کو دعائے ابراہیمؑ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے قریش جیسے عرب کے سب سے معزز قبیلہ کے اندر سے اپنے آخری رسول کی حیثیت سے اٹھایا تاکہ بگاڑ کی دلدل میں دھنسی ہوئی انسانیت میں بناؤ کا عمل شروع کریں، فتنہ وفساد میں مبتلا دنیا کو اصلاح کی راہ پر ڈالیں، لوگوں کو ایمان کا بھولا ہوا سبق یاد دلائیں، گمراہوں کو راہِ راست پر لائیں اور منزل نا آشنا انسانوں کو ان کی کھوئی ہوئی منزل کا پتہ بتائیں۔ وہ احمدؐ آپ ہی ہیں جس کی نوید حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ کی صورت میں سنائی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس دنیا سے اٹھائے جانے کے 571 سال بعد آپؐ ہی کی ولادت ہوئی اور آپؐ ہی قیامت تک احمد اور محمد ﷺ کے نام سے پکارے جائیں گے۔

ولادتِ محمد ﷺ

﴿ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝ ﴾ (الضّحٰی:6)

”کیا اُس (رَب) نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا۔“

مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوریؒ نے 'اصح السیر' میں ہمارے رسول پاک ﷺ کی ولادت عام الفیل میں 8 یا 12 ربیع الاوّل لکھی ہے اور صاحبِ 'رحمۃ للعالمین' قاضی محمد سلیمان سلمان پوریؒ نے 8 کے بجائے 9 ربیع الاوّل تاریخِ ولادت بتائی ہے۔ دَورِ جدید میں سیرتِ نبویہؐ پر بڑا وقیع تحقیقی کام کرنے والے عرب (سوڈانی) سیرت نگار ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد نے اپنی بلند پایہ کتاب 'السّيرة النّبوية فِی ضَوء المصادر الاصليه میں ابن طرہونی کی صحیح السّيرة النّبوية کے حوالے سے 12 ربیع الاوّل کو ترجیح دی ہے۔ ایک اور عرب سیرت نگار ا۔ د۔ صالح احمد رضا نے اپنی انتہائی اعلیٰ تحقیقی اور طباعتی معیار کی کتاب 'اِنّهَا النّبُوّة' میں حضور ﷺ کی تاریخِ ولادت 10 ربیع الاوّل درج کی ہے۔

Marfat.com

لیکن ان تمام تحقیقی الجھنوں سے قطعِ نظر اُمت میں اب 12 ربیع الاوّل پر تقریباً اتفاق پایا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ کا نکاح حضرت آمنہ بنت وہب سے ہوا تھا۔ ادھر حضرت آمنہ حاملہ ہوئیں اور اُدھر حضرت عبداللہ کو اُن کے والد حضرت عبد المطلب نے کھجوریں لانے کے لیے یثرب بھیج دیا۔ وہ وہاں بیمار پڑے اور وہیں اُن کا انتقال ہوگیا۔ یوں سارے جہانوں کے لیے رحمت بن کر آنے والی ہستی، جس نے ساری زندگی یتیموں اور مسکینوں کے حقوق کا خیال رکھا، اُس کا اِس دنیا میں ورودِ مسعود حالتِ یتیمی میں ہوا۔

نسب مبارک

اگرچہ آخرت میں انسان کے بھلے بُرے انجام کا دارومدار تمام تر اس کے اعمال پر اور اللہ کی مشیت و رضا پر ہوگا۔ اس کے باوجود انسانی نسب کی حفاظت اور پہچان اللہ تعالیٰ کے عظیم حکیمانہ منصوبے کا خاص حصہ ہے۔ حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا﴾ (الحجرات:13)

''لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔''

قوموں، قبیلوں اور برادریوں کی اپنی اپنی تہذیبی وثقافتی اور مزاجی و اخلاقی خصوصیات ہوتی ہیں۔ فطرتِ صالح پر قائم دنیا کی ہر قوم نسب کی روشنی میں اِن خصوصیات کی حفاظت کے بارے میں بہت حسّاس ہوتی ہے۔ محمد ﷺ عرب کے جس معاشرے میں پیدا ہوئے اور جس میں اللہ کے آخری رسول کی حیثیت سے آپؐ مبعوث ہوئے وہاں نسب کی بہت اہمیت تھی۔ عربوں کی یہ روایت بن گئی تھی کہ وہ عالی نسب کے شخص کی بات کو اہمیت دیتے تھے۔ جس پیغام کو لے کر آپ ﷺ اٹھنے والے تھے اس کا تقاضا تھا کہ یہ اُسی شخصیت کی زبان سے بلند ہو جو اپنے ماحول میں حسب ونسب کے لحاظ سے بلند مرتبت ہے۔ یہ معاملہ

Marfat.com

عرب تک ہی محدود نہ تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مختلف ممالک کے حکمرانوں کو دعوتی خطوط لکھے۔ ہرقل، قیصرِ روم کو بھی خط گیا تھا۔ ان دنوں ابوسفیان کی قیادت میں قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام گیا ہوا تھا۔ ہرقل نے حضور ﷺ کے بارے میں معلومات کے لیے اس قافلے کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ ابوسفیان سے اس نے ایک سوال یہ بھی کیا تھا کہ اِس شخص کا حسب و نسب کیسا ہے؟ ابوسفیان نے تسلیم کیا تھا کہ وہ صاحبِ نسب عالی ہیں۔ اس پر ہرقل نے کہا تھا کہ سارے انبیاء بلند نسب کے حامل رہے ہیں۔ جناب محمد بن عبداللہ ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ صحیح بخاری میں آپ ﷺ کا شجرہ محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مُرّہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان تک ملتا ہے۔ رسول پاک ﷺ نے خود اپنے نسب کے بارے میں فرمایا تھا کہ اللہ عزّ وجل نے اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو منتخب کیا، کنانہ سے قریش کو چنا، قریش میں سے بنو ہاشم کا انتخاب کیا اور بنو ہاشم میں میرا انتخاب کیا۔' [1] آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کا شجرہ کلاب بن مُرّہ پر آ کر آپ ﷺ سے مل جاتا ہے۔ چنانچہ ننھیالی اور ددھیالی دونوں لحاظ سے آپ نجیبُ الطرفین تھے۔

اَسمائے مبارک

محمد نام آپ کے دادا عبدالمُطلب نے رکھا۔ والدہ ماجدہ نے احمد نام رکھا۔ قرآنِ پاک میں آپ ﷺ کے یہ دونوں نام آئے ہیں۔ کتابِ پاک کی سینتالیسویں سورہ آپ کے نام سے موسوم ہے۔ سورہ صف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بعد آنے والے نبی کے بارے میں جو پیش گوئی درج ہے وہ مِنۢ بَعۡدِی اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ ہی کے الفاظ میں ہے۔ دلائل النبوۃ میں ابو نعیم نے حضرت بریدۃ اور حضرت ابن عباس کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ 'حضرت آمنہ نے خواب میں دیکھا تھا۔ اُن سے کہا گیا کہ تمہارے بطن میں وہ بچہ ہے جو

---

[1] صحیح مسلم۔

Marfat.com

مخلوق میں سب سے بہترین اور سب جہانوں کا سردار ہے۔ یہ بچہ پیدا ہوتو اِس کا نام 'احمدؐ' اور 'محمدؐ' رکھنا۔ [1] عبدالمطلب سے پوچھا گیا کہ سارے عرب کی روایت سے ہٹ کر یہ انوکھا نام کیوں رکھا؟ تو انہوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ آسمانوں میں اور اس کی ساری مخلوق زمین پر میرے اس بیٹے کی تعریف کرے۔ رسول پاک ﷺ نے خود اپنے ناموں کا خود اس طرح ذکر کیا: 'میرے کئی نام ہیں۔ میں محمد ہوں، احمد ہوں، ماحی ہوں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا، میں حاشر ہوں جس کے قدموں (کے نشانات) پر لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا، میں عاقب یعنی نبی آخرالزّماں ہوں۔' [2] احادیث میں 'خاتمؐ' اور 'مُقفّی' وغیرہ اور بھی کئی صفاتی نام آئے ہیں، تاہم حضور ﷺ کے ذاتی نام محمد اور احمد ہی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے نام پر محمد اور احمد نام رکھے جاسکتے ہیں مگر میری کنیت 'ابوالقاسم' کوئی نہ اختیار کرے۔

رضاعت، شقِّ صدر اور پرورش

رسول اللہ ﷺ نے حالتِ یتیمی مین پرورش پائی ۔ پہلے آغوشِ مادر میں اور پھر دادا کی سرپرستی میں آپؐ کی حیاتِ طیّبہ کے ابتدائی سفر کا آغاز ہوا۔ اُس زمانے میں بدوی زندگی کے اوصاف اور مزاج کا عادی بنانے کے لیے نو مولود لڑکوں کو دودھ پلانے کے لیے دیہاتی عورتوں کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ مشہور سیاح، مستشرق اور جغرافیہ دان جان لوئیس برک ہارٹ (John Louis Burckhardt) انیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں مسلمان کا روپ دھار کر اور حاجی کا ڈھونگ رچا کر مکّہ میں مقیم رہا اور اس نے قریش کی قدیم سماجی روایات کا خاصی گہرائی میں مطالعہ کیا۔ اس کے مکّہ میں قیام کے عرصے تک بھی عرب شرفاء اس قدیم روایت کے مطابق اپنے نوزائیدہ بچوں کو شیر خوارگی اور بدوی ماحول سے ہم آہنگ کرنے کے لیے دیہاتی عورتوں کے حوالے کر دیتے تھے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ صاف فطری ماحول میں رہ کر بچے میں جسمانی توانائی، عزم و ہمت کی پختگی، زبان کی فصاحت اور فکر و نظر

---

[1] السيرة النبوية فی ضوءِ المصادر الاصلية.

[2] بخاری و مُسلم.

Marfat.com

کی وسعت پیدا ہو جائے۔ جس ہستی کو آگے چل کر انسانی تاریخ کا سب سے بڑے اعتقادی اور فکری و نظری انقلاب برپا کرنا تھا، ایک بے مثال تحریک اٹھانی تھی اور ایک تاریخ ساز دعوت کی قیادت کرنی تھی، اس کے اندر ان اوصاف کا بچپن میں راسخ کیا جانا بہت ضروری تھا۔ قرآنِ حکیم کے بعد زبان و بیان کا جو اعجاز اللہ کے رسول ﷺ کے ہاں ملتا ہے اور جوامع الکلم کے جو اعلیٰ نمونے آپ ﷺ کے ارشادات میں ہیں ان کی تراش خراش اسی بدوی ماحول ہی میں ہوئی تھی جس میں شیر خوارگی کے عرصے میں آپؐ رہے تھے۔ محدث محمد بن محمد الغزی نے یحییٰ بن یزید سے ایک مرسل روایت نقل کی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اَنَا اَعْرَبُکُم، اَنَا مِنْ قُرَیشٍ وَ لِسَانِی لِسَانُ سعد بن بکر یعنی 'میں عربی زبان و بیان کا تم میں سے سب سے بڑا ماہر ہوں، میں قریش میں سے ہوں اور میری زبان سعد بن بکر کی زبان ہے۔'

حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے ہاں آپؐ کی رضاعت کا قصہ اگرچہ صرف ابن اسحاق نے بیان کیا ہے۔ سیرتِ ابن ہشام کے دیگر محققین کے علاوہ علامہ ناصر البانی نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن اس سلسلے میں محدثین نے آپ ﷺ کے اپنے ارشاد کو صحیح تسلیم کیا ہے کہ: 'میں اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا کا نتیجہ ہوں...... اور میں نے بنو سعد بن بکر کے علاقے میں رضاعت کا عرصہ گزارا ہے۔ ❶

حلیمہ سعدیہ اور ان کے گھر اور کنبے پر اس ننھے قرشی بچے کی وجہ سے رحمتوں اور برکتوں کی بارانی ہو رہی تھی کہ دو سال کی عمر میں شقِّ صدر کا واقعہ پیش آیا۔ اس واقعہ سے متعلق ابن اسحاق کی روایت میں ضعف کی نشاندہی کی گئی ہے لیکن صحیح مُسلم کی ایک روایت میں بنو سعد کے علاقے میں حضور ﷺ کے بچپن میں شقِ صدر کی تفصیل سے ابن اسحاق کی روایت کو رد کرنے کا کوئی قرینہ نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر سیرت نگاروں نے قبیلہ بنو سعد میں جگر گوشۂ آمنہ کے بچپن کے چار سال گزارنے کا تذکرہ کیا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (بنو سعد بن بکر کے ہاں قیام کے عرصے میں) 'ایک روز جبریلؑ آئے۔ آپؐ

❶ مستدرك حاكم و مجمع الزّوائد لهيثمي.

Marfat.com

لڑکوں (اپنے رضاعی بھائیوں) کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ جبریلؑ نے آپؐ کو پکڑ کر لٹایا، سینہ چاک کیا، دِل کو نکالا، اُس سے ایک سیاہ پھٹکی کاٹی اور کہا کہ یہ شیطان کا اثر ہے۔ پھر سونے کی ایک طشتری میں رکھ کر دِل کو زم زم سے دھویا اور اسے سی کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ لڑکے بھاگے بھاگے اپنی والدہ (حضرت حلیمہؓ) کے پاس گئے اور کہا کہ محمدؐ کو مار دیا گیا ہے۔ سب دوڑے دوڑے آئے اور دیکھا کہ آپؐ کا رنگ بدلا ہوا تھا۔' [1]

ابن اسحاق نے شقِّ صدر کے وقت آنحضورؐ کی عمر دو سال عمر بتائی جو قرینِ قیاس نہیں لگتی۔ ابن سعد اور ابونعیم چار سال بتاتے ہیں۔ زرقانی نے ابن سعد کی روایت سے اتفاق کیا ہے۔

والدہ کی جدائی اور دادا کا سایۂ شفقت

آپ ﷺ ابن عبد اللہ تو تھے ہی لیکن اپنے مشہور اور معزز دادا کی نسبت سے آپؐ کو ابن عبد المطلب بھی پکارا جاتا تھا۔ یہ عرب معاشرے میں ایک عام روایت تھی اور ہمارے معاشروں بھی کہیں کہیں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ دادا پوتے کو بیٹا کہہ کر ہی پکارتے ہیں۔ ہمارے حضور ﷺ بچپن کے بعد جوانی، یہاں تک کہ نبوّت کے فرائض کے دوران میں بھی ابن عبد المطلب کی کنیت سے پکارے جاتے رہے۔ قبیلہ سعد بن بکر نے جب ضمام بن ثعلبہ کو اپنا نمائندہ بنا کر آپ ﷺ کے پاس مدینہ بھیجا تو انہوں نے اپنی سواری مسجدِ نبوی کے ایک ستون سے باندھی اور مسجد میں داخل ہو کر حاضرین سے سوال کیا تھا: 'آپ میں سے ابن عبد المطلب کون ہیں؟' آپؐ نے فرمایا: 'میں ہوں ابن عبد المطلب'۔ [2]

غالباً شقِّ صدر کے واقعہ کے بعد سے حلیمہ سعدیہ نے آپ ﷺ کو والدہ کی طرف لوٹا دیا تھا۔ ابھی دو ہی سال ممتا کی خنک چھاؤں میں گزرے تھے کہ والدہ اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت یا حضور ﷺ کو ننھیالی خاندان سے ملانے کے لیے یثرب کے سفر پر روانہ

---

[1] صحیح مُسلم۔

[2] سنن ابو داود، مُسند احمد۔

Marfat.com

ہوئیں۔ واپسی کے سفر میں مقامِ 'ابواء' پر اچانک بیماری نے آلیا اور انتقال کر گئیں۔ خاندانی خادمہ اُمِّ ایمن ساتھ تھیں۔ وہی لے کر مکّہ آئیں اور حضورؐ کو دادا عبدالمطلب کے سپرد کر دیا۔ دادا بے پناہ شفقت نچھاور کرتے تھے۔ ہر وقت ساتھ رکھتے اور جب کبھی آپؐ آنکھ سے اوجھل ہو جاتے تو سخت پریشان ہو جاتے تھے۔ اکثر کہتے کہ میرا یہ پوتا اتنے اونچے مرتبوں کو پہنچے گا جہاں کوئی اور عرب نہیں پہنچا۔ اس پیار اور محبت کے گھنے شجر کا سایہ بھی زیادہ عرصہ سر پر نہ رہا۔ عمر مبارک آٹھ سال تھی جب عبدالمطلب فوت ہو گئے۔ حضورؐ کو بھی اپنے دادا سے بہت محبت تھی۔ اُمِّ ایمن کا بیان ہے کہ دادا کی میّت کے سرہانے کھڑے ہو کر اور جنازے کے پیچھے آپؐ روتے رہے۔ دادا کی وفات کا یہ منظر آپؐ ساری عمر فراموش نہ کر سکے۔

چچا ابو طالِب کی کفالت میں

شفقت و محبت کا ایک چشمہ بند ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے لیے کوئی دوسرا چشمہ جاری کر دیتا تھا۔ والدہ کی رحلت کے بعد دادا کے سایۂ عاطفت میں آئے، اُس سے محروم ہوئے تو حد درجہ شفیق اور مہربان چچا ابو طالِب نے اپنی محبتوں کا سائبان سر پر تان دیا۔ ابو طالِب کثیرُ العیال تھے۔ ان کی مالی حالت کچھ زیادہ مستحکم نہ تھی لیکن چچا اور چچی دونوں اس کمسن بھتیجے کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اپنی اولاد سے بڑھ کر حضور ﷺ ضرورتوں کی فکر کرتے تھے۔ جب تک یہ یتیم بھتیجا دستر خوان پر نہ پہنچتا، دونوں میاں بیوی نہ خود کھانا کھاتے اور نہ اپنے بچوں کو کھانے دیتے تھے۔ جس طرح عبدالمطلب کی مسند پر پوتے محمد ﷺ کے سِوا کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہ تھی اسی طرح ابو طالِب کی مسند پر بھی حضور ﷺ کے سِوا کوئی اور نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ چچا کے بچے کھانے کے دوران اگر آپس میں چھینا جھپٹی کرتے تو آپ ﷺ الگ ہو کر بیٹھ جاتے۔ اس حالت میں چچی کچھ کھانا آپ ﷺ کے لیے بچا کر الگ رکھ لیتی تھیں تاکہ آپ ﷺ بھوکے نہ رہ جائیں۔ اپنی چچی کے حُسنِ سلوک اور احسانات زندگی بھر آپ ﷺ کو یاد آتے رہے۔ اس مہربان چچی کی موت پر دعا کرتے ہوئے فرمایا: 'اللہ کی رحمتیں ہوں چچی جان آپ پر۔ آپ نے میری ماں کی موت کے بعد میری ماں بن کر ہی

Marfat.com

میری دیکھ بھال کی۔ خود بھوکی رہتیں اور مجھے پیٹ بھر کر کھلاتی تھیں۔ خود اپنے لباس سے پہلے میرے لباس کا اہتمام کرتی تھیں۔'

بکریاں چرانے کا تجربہ

بکریاں چرانے اور ان کی رکھوالی کا عمل اپنے اندر بڑی حکمتیں رکھتا ہے۔ اس عمل سے تربیتِ نفس اور تعمیرِ سیرت میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ایک خلوت اور گوشہ نشینی تو نفسیاتی مرض ہوتا ہے جس کی وجہ سے کوئی شخص معاشرے سے بیزار ہو کر گھر میں بند ہو کر بیٹھ جاتا ہے لیکن رِعَی الغنم یعنی بکریاں چرانے کی مشقت ایک اور نوعیت کی خلوت گزینی ہوتی ہے۔ اس خلوت میں ایک ریوڑ کی دیکھ بھال اور حفاظت کی ذمہ داری سر پر ہوتی ہے۔ یہ چوکسی اور احتیاط سکھاتی ہے۔ شہر اور بستی کی اخلاقی اور ماحولیاتی آلودگی سے دور فطرت سے ہم آہنگ فضا میں رہ کر نظامِ فطرت اور نظامِ کائنات پر غور وخوض اور زندگی کی حقیقت سمجھنے کا بہت موقع ملتا ہے۔ رَعْیٌ کا مطلب مویشیوں کی درندوں سے حفاظت اور بھوک سے بچاؤ کرنا ہے۔ ایک چرواہا ریوڑ کو لے کر نکلنے سے پہلے سوچتا اور تدبیر کرتا ہے کہ کون سی اچھی چراگاہ ہے جہاں وہ بھیڑ بکریوں کو لے جائے تاکہ وہ خوب چر چگ کر پیٹ بھر سکیں۔ سارا دن ان کی نگرانی کرتا ہے۔ ریوڑ کی ہر بھیڑ بکری پر اس کی نظر ہوتی ہے۔ کسی کو وہ ریوڑ سے الگ نہیں ہونے دیتا۔ اسے بھیڑ بکریوں کے عادات و خصائل کا بھی خوب علم ہوتا ہے۔ سارا دن خود موسم کی سختیوں اور بھوک پیاس کی حالت میں ریوڑ کو لیے لیے پھرنا بڑا صبر آزما کام ہے۔ اللہ کے رسولوں کو اپنی اُمت کی تربیت و رہنمائی اور خیر خواہی و خبر گیری کرنی ہوتی ہے۔ اِس انتہائی ذمہ دارانہ عمل کی مشق انہیں رَعِیَۃُ الْغَنَم کے ذریعے کرائی جاتی رہی۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد ہے کہ: 'اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کیے جانے والا کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔' صحابہؓ نے پوچھا: 'کیا آپ نے بھی؟' فرمایا: 'ہاں میں نے اُجرت لے کر مکہ والوں کی بکریاں چرائی ہیں۔' [1]

[1] بخاری.

Marfat.com

تمام سانحات و واقعات کے شخصیت پر اثرات

جس مقدّس شخصیت کو اس لیے اٹھایا گیا تھا کہ وہ تاریخ کا دھارا بدل دے، صدیوں سے کھڑے بوسیدہ نظام کو جڑوں سے اکھاڑ کر عقیدہ و فکر، سیرت و اخلاق، فرد اور مجتمع اور تہذیب وتمدّن کی بالکل نئی عمارت کھڑی کرے، خُدا کی زمین پر جہل و جبر کے مکروہ نقوش مٹا کر حق وصداقت اور عدل کی چمن بندی کرے، اسے پیدائش کے ساتھ ہی پے در پے المیوں اور یکے بعد دیگر صدموں سے دوچار کرنے میں اللہ عزوجل کی حکمت کارفرما تھی۔ اللہ کو منظور یہ تھا کہ جذباتی سہاروں اور دنیاوی اسباب سے اسے بے نیاز کر دے۔ کہا جاتا ہے کہ شجاعت و بسالت، دعوت وعزیمت، علم ومعرفت اور فہم وتفقہ میں نام پانے والی عظیم تاریخی شخصیات کی سیرت سازی میں بچپن میں یتیمی اور عُسرت کے حالات نے بہت بڑا اہم کردار ادا کیا۔ یہاں تو یتیمی بھی ایسی انوکھی تھی کہ ولادت ہوئی تو والد پہلے ہی دنیا سے رُخصت ہو چکے تھے۔ شفقتِ پدری کے چشمے کو رواں صورت میں دیکھا ہی نہیں تھا۔ محبت اور شفقت کی پیاس ممتا کی رواں ندی سے بجھانے کا موقع ملا لیکن شیر خوری کی عمر میں معاشرے کی روایت کے مطابق دائی حلیمہ سعدیہؓ کے سپرد ہو گئے۔ یوں بنو سعد بن بکر کے ہاں سے واپس آ کر ممتا کی لذّت سے ابھی ڈیڑھ دو ہی سال آشنا ہوئے تھے کہ والدہ کی موت نے یہ ندی بھی بند کر دی۔ والد کوئی بڑی جائداد بھی نہ چھوڑ کر گئے تھے کہ تنگ دستی سے محفوظ رہتے۔ دادا چھتنار شجر بن کر یتیمی کی دھوپ سے بچا رہے تھے لیکن دو سال ہی اس سائے میں گزرے تھے کہ کہ قدرت نے اس شجر کو اکھاڑ دیا۔ پے در پے صدموں سے گزرنا پڑا۔ گویا فطرت کے مقاصد کی نگہبانی کے لیے تیاری اس طرح کرائی جانے لگی کہ رنج سے خُوگر کر کے رنج کے احساس کو مِٹایا جاتا رہا۔ درد خود اپنا درماں بنتا رہا۔ رشتوں کی عظمت اور مٹھاس تو دل میں پوری آب و تاب کے ساتھ موجود رہی مگر کوئی رشتہ زنجیرِ پا نہ بن سکا۔ احساسات دل میں پھوٹتے رہے لیکن جذباتیت ایسا طوفان نہ بن پائے کہ صبر و استقامت اور عزم و استقلال کی دیواریں منہدم ہو جاتیں۔

Marfat.com

لڑکپن اور عنفوانِ شباب

سیدُ المُرسلین ﷺ کا بکریاں چرانے کا عمل لڑکپن کے دور سے تعلق رکھتا ہے۔ بچپن کے صدمات نے جہاں ایک طرف حضور اکرم ﷺ کو طبعاً غور وفکر کا عادی اور پُختہ شعور بنا دیا تھا وہاں مزاج میں ایک احساسِ ذمہ داری بھی پیدا ہو گیا تھا۔ اگرچہ چچا اور چچی کا حضور ﷺ کے ساتھ برتاؤ انتہائی مشفقانہ تھا۔ انہوں نے کسی بات یا عمل سے ایسا تاثر پیدا نہیں ہونے دیا گیا تھا کہ آپؐ اُس کنبے پر بوجھ ہیں لیکن خود آپ ﷺ کو احساس تھا کہ چچا کے مالی حالات زیادہ بہتر نہیں ہیں۔ ایک طرف عزتِ نفس کا خیال دامن گیر تھا اور دوسری طرف خُود اعتمادی بھی آ گئی تھی کہ کچھ کر کے چچا کا بوجھ ہلکا کر سکتے ہیں۔ اسی خیال سے آپ ﷺ نے اُن کی اجازت لے کر ابتدائے لڑکپن میں اُجرت پر بکریاں چرانی شروع کر دی تھیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندے کو بچپن ہی سے جن حالات سے گزار رہا تھا اور شخصیت کی پختگی اور پاکیزگی کا جیسا سامان کر رہا تھا اُس سے عیاں تھا کہ آپ ﷺ کسی بلند اور بے نظیر نصب العین کے لیے تیار کیے جا رہے ہیں۔ تعلیماتِ نبوی میں ہمیں رزقِ حلال کے بارے میں جو تلقین و تاکید ملتی ہے، آپ ﷺ کم عمری ہی میں خود اُس پر عمل پیرا ہو گئے تھے۔ خود اعتمادی، عزتِ نفس، غیرت وحمیت، جرأت و شجاعت، فکر ونظر کی پاکیزگی جیسے اعلیٰ اوصاف کے لحاظ سے آپ ﷺ لڑکپن ہی میں منفرد اور ممتاز تھے۔ پیچھے کہیں لکھا جا چکا ہے کہ عقیدے کی خرابی اخلاقی مفاسد پر منتج ہوتی ہے۔ عہدِ جاہلیت میں عربوں کے اندر بے شمار ایسی اخلاقی برائیاں تھیں جن کو شرک کے عقیدے نے پروان چڑھایا۔ بعض قبائل ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ فحش گوئی، برہنگی، گالی گلوچ، جھوٹ اور مبالغہ آرائی، سب حیاء کے

Marfat.com

فقدان سے پھوٹنے والے عیوب تھے۔ ان کا جاہلی کلچر بڑی حد تک انہی عیوب سے عبارت تھا۔ کام دھندے کی مشغولیتوں میں بڑے بھی تہ بند اتار کر برہنہ ہو جانے کو عیب نہیں سمجھتے تھے تو لڑکے بالے اس سے کیوں شرماتے۔ لیکن ہمارے پیارے رسول ﷺ اِن ساری قباحتوں سے ہمیشہ اللہ کی پناہ میں رہے۔

ایک مرتبہ سیلابی ریلے سے کعبہ کی دیواروں کو نقصان پہنچا۔ اس کی نئے سرے سے تعمیر میں آپ ﷺ بھی شریک تھے۔ حرکت میں دشواری کے خیال سے چچا عباسؓ نے تہبند کھول کر کندھے پر رکھ لینے کا کہا۔ جونہی جسد مبارک ننگا ہوا آپ ﷺ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اِبن ہشام کی ایک روایت کے مطابق ایک بار پھر ایسا موقع آیا۔ آپ ﷺ کو تیزی سے کام کرنے میں تہبند رکاوٹ محسوس ہوا۔ اسے اُتار کر ابھی کندھے پر رکھا ہی تھا کہ کسی غیبی طاقت نے تھپڑ مار کر کہا: 'ازار بند باندھو۔' آپؐ نے فوراً اپنا ستر ڈھانک لیا۔ یہ عمل اتنی تیزی سے ہوا کہ کسی اور کی آپؐ پر نظر نہیں پڑی تھی۔ بتوں سے رسول مقبول ﷺ کو سنِ شعور کو پہنچتے ہی سخت نفرت ہو گئی تھی۔ نہ اُن کے چڑھاووں کا کھانا کھاتے اور نہ اُن کے لیے ہونے والی قربانی کا گوشت ہی چکھتے تھے۔ بحیرا راہب والے قصے میں حقیقت سے زیادہ خوش عقیدہ لوگوں کے شامل کیے ہوئے افسانے شامل ہیں۔ راہب اور آپ ﷺ کے مابین جو مکالمہ روایتوں میں آتا ہے اُس میں بحیرا راہب نے ایک بار لات اور عُزّیٰ کی قسم کھائی (جو تورات اور انجیل کا عِلم رکھنے والے ایک عالم سے بعید از امکان بات تھی) تو آپ ﷺ نے صاف کہا: 'لات اور عُزّیٰ کا نام لے کر مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ اللہ کی قسم! مجھے ان بتوں سے جتنی نفرت ہے کسی اور چیز سے نہیں ہے۔'[1]

حربِ فجار اور حِلف الفضول

محمد مصطفیٰ ﷺ دورِ شباب میں داخل ہوئے تو قبائلی سماج کی بری رسموں اور اُن سے پھوٹنے والے فتنوں پر آپ ﷺ نے غور و فکر شروع کر دیا تھا۔ خیر و شر اور حق و باطل کے

[1] سیرتِ ابن ہشام، دلائل النبوه للبیهقی.

Marfat.com

بارے میں آپؐ کو مکمل شعور تھا۔ حضور ﷺ کی عمر کے بیسویں سال دو ایسے واقعات ہوئے جن کا ذکر منصبِ نبوّت پر فائز ہونے کے بعد بھی آپ ﷺ کیا کرتے تھے۔ ان میں ایک جنگِ فجار تھی۔ اس کا ایک فریق قیس عیلان (بنو ثقیف اور بنو ہوازن) تھے اور دوسری طرف بنو کنانہ تھے، جن میں قریش بھی شامل تھے۔ فجار لفظ فجور سے مشتق ہے جس کا مطلب گناہ اور بدکاری ہے۔ یہ جنگ حُرمت والے مہینے ،ذیقعدہ، میں ہوئی تھی اس لیے اسے فجار یعنی ایسے عمل کا نام دیا گیا جو گناہ میں شمار ہوتا ہے۔ حضورؐ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب، ابو طالب، حمزہؓ اور عباسؓ نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ لیکن خود آپ ﷺ کا اس میں کوئی عملی کردار نہیں تھا۔ بعض روایات میں اتنا آیا ہے کہ دشمن کی طرف سے جو تیر آ کر گرتے تھے وہ اٹھا کر آپؐ اپنے چچاؤں کو پکڑا دیتے تھے۔ لیکن یہ عمل بھی حضور ﷺ کے لیے اتنا ناگوار تھا کہ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ کاش میں نے ایسا نہ کیا ہوتا۔

قبائلی عصبیت کی بنیاد پر ہونے والی اس لڑائی کے علاوہ ایک اور واقعہ جو رسول اللہ ﷺ کے ذہن پر نقش رہا وہ ایک بھلائی اور خیر کی ایک سرگرمی تھی۔ یہ واقعہ حِلفُ الفضول کا تھا۔ ہوا یہ کہ یمن کے قبیلہ زبیدہ کا ایک شخص تجارتی مال لے کر مکّہ آیا۔ عاص بن وائل نے، جو مکّہ کی بااثر شخصیات میں سے تھا، اس زبیدی کا سارا مال خرید لیا مگر قیمت دبالی۔ اُس بیچارے نے بنو مخزوم، بنو عبد الدّار، بنو جمح، بنو عدی اور بنو سہم کے لیڈروں کے دروازے مدد کے لیے کھٹکھٹائے مگر عاص بن وائل کے مقابلے میں کوئی اُس کی مدد پر آمادہ نہ ہوا۔ آخر ایک صبح جب معمول کے مطابق اعیانِ قریش کعبہ کے گرد اپنی اپنی منڈلیاں جمائے بیٹھے تھے، مظلوم عبیدی نے جبلِ بوقبیس پر چڑھ بلند آواز کو آلِ فہر سے مدد کے لیے پکارا۔ نبی اکرم ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب اپنے سارے بھائیوں میں سماجی معاملات میں سب سے زیادہ متحرک رہتے تھے۔ انہوں نے بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب، بنو اسد بن عبدالعزّٰی، بنو تیم اور بنو زُہرہ کے نمائندہ افراد کو عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع کیا۔ وہاں ایک عہد کیا گیا کہ آئندہ ہر مظلوم اور کمزور کی مدد کے لیے یہ لوگ اکٹھے اٹھیں گے۔ اِن کے ایک وفد نے عاص بن وائل کے گھر

Marfat.com

جا کر اسے زبیدی کے مال کی قیمت ادا کرنے پر مجبور کیا۔اس اجتماع میں حضور ﷺ شریک تھے اور یہ معاہدہ اللہ کے رسول ﷺ کے دل کی آواز تھا۔اِس معاہدہ کا دوسرا نام مُطَیِّبین ہے۔نبوّت کے بعد آپ ﷺ نے ایک بار فرمایا کہ'میں اپنے چچاؤں کے ساتھ مُطَیِّبین کے حلف میں شریک ہوا تھا۔اُس وقت میں نوجوان تھا۔ مجھے اِس میں شریک ہونے سے روکنے کے لیے سُرخ اونٹوں کے ریوڑ بھی پیش کیے جائیں تو میں قبول نہ کروں۔'[1] آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ میں حِلف المطَیِّبین کے سوا قریش کے کسی معاہدے میں شریک نہیں ہوا۔ مجھے سُرخ اونٹ بھی پیش کیے جائیں تو ایسے معاہدے کو توڑنا گوارا نہیں کروں گا۔'[2]

خُود کفالتی کا خیال

﴿وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۝٨﴾

''ہم نے تمہیں نادار پایا اور پھر مالدار کر دیا۔''

بحیرا راہب سے ملاقات کا قصہ حضرت ابو طالب کے اُس تجارتی سفر کے دوران کا ہے جب حضور ﷺ بارہ سال کی عمر میں اصرار کر کے اپنے چچا کے ساتھ گئے تھے۔ مکّہ ایک تجارتی شہر تھا۔ہمارے حضور ﷺ یہاں سے گرمیوں سردیوں میں شام اور یمن کی طرف تجارتی قافلوں کو جاتا آتا دیکھتے تھے۔عنفوانِ شباب کو پہنچے تو خُود تجارت کا خیال پیدا ہوا لیکن سرمایہ نہیں تھا۔اللہ نے ایک ایسا سبب پیدا کر دیا جو اللہ کی رحمت و نصرت بن کر تجارت کے لیے سرمائے اور خود کفالتی کے اسباب ہی تک محدود نہ رہا بلکہ دعوتِ دین کے عظیم مشن میں دس نبوی تک میسّر دنیوی سطح پر جذباتی، مالی اور معاشرتی لحاظ سے سب سے بڑا سہارا بن گیا۔ حمایت و تائید اور تعاون کا یہ ذریعہ نبوّت کے دسویں سال تک آپ ﷺ کی پشت پر رہا۔خویلد بن اسد مکّہ کے معروف اور متموّل تاجر تھے۔ضعیف عُمری کی وجہ سے جب کاروبار سنبھالنے کے قابل نہ رہے تو انہوں نے اپنا کاروبار اپنی بیٹی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیا۔

---

[1] مُسنداحمد.

[2] دلائل النبوّة للبيهقى، البداية والنّهاية ابن كثير.

Marfat.com

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے حُسنِ صورت اور شخصی وقار کے ساتھ فہم و فراست، عقل و دانش اور حُسنِ تدبیر کی صلاحیتیں بھی عطا کی تھیں۔ اُن کی نگرانی میں کاروبار نے کافی ترقی کر لی تھی۔ وہ تجارتی سوجھ بوجھ رکھنے والے کسی آدمی کو منافع میں حصہ کی شرط پر مالِ تجارت دے کر بھیجتی تھیں اور اپنا کوئی غلام بھی ساتھ کر دیا کرتی تھیں۔ دو بار بیوگی کا زخم کھا چکی تھیں۔ ان کا تجارتی مال یمن اور شام کی طرف جایا کرتا تھا۔ ان کو جب نوجوان محمدؐ بن عبداللہ کی صداقت، راست بازی اور شرافت و پاکبازی کا علم ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ تجارت سے دلچسپی رکھتے ہیں تو خود پیش کش کر دی کہ وہ اُن کا مال لے کر تجارت کے لیے جائیں۔ دوسرے تاجر اس طرح کے معاملات میں کسی کو منافع میں جو حصہ دیتے تھے، اس سے زیادہ آپ ﷺ کو دینے کا وعدہ کیا۔ آپ ﷺ اُن کا مال لے کر تجارتی سفر پر گئے۔ اس تجارت میں غیر معمولی نفع ہوا۔ اِس سفر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا غلام میسرہ بھی آپؐ کے ہمراہ بھیجا تھا۔ میسرہ نے واپس آ کر حضور ﷺ کے اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ جمیلہ کے غیر معمولی پہلوؤں سے اپنی مالکہؓ کو آگاہ کیا۔

عام طور پر سیرت نگار حضرت خدیجہؓ کے مال کے ساتھ محمد مصطفیٰ ﷺ کے صرف ایک سفر کا تذکرہ کرتے ہیں لیکن یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں کہ تجارتی رموز سے آشنا ایک پختہ کار اور مضبوط کردار اور اعلیٰ اخلاق کی خاتون نے ایک نوجوان کے ہاتھوں تجارت میں پہلی ہی بار غیر معمولی منافع دیکھ کر اور اپنے غلام کے کچھ تاثرات سے متاثر ہو کر فی الفور اس نوجوانؐ سے شادی کا تہیہ کر لیا ہوگا۔ اِنَّھَا النّبوۃ کے مصنف ا۔د۔صالح احمد رضا نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامانِ تجارت لے کر نبی ﷺ صرف ایک بار تجارتی سفر پر تشریف نہیں لے گئے تھے بلکہ آپ ﷺ نے ایسے کئی سفر کیے تھے۔ ہر دفعہ حضور ﷺ کے احساسِ ذمہ داری، لگن، محنت اور دیانت کا ثمر پہلے سے کہیں زیادہ منافع کی صورت میں سامنے آتا۔ اگرچہ آپ ﷺ نے از خود طے شدہ معاہدہ سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کیا تھا لیکن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کا معاوضہ چار گنا بڑھا دیا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی نگاہ میں اب

Marfat.com

تجارتی منافع کے مقابلے میں حضور ﷺ کی شرافت، دیانت و امانت اور شخصیت کے پاکیزہ گوشے اہمیت اختیار کر گئے تھے۔ وہ شوہر دیدہ بھی تھیں، جہاندیدہ اور دانشمند بھی۔ چالیس کے پیٹے میں ہونے کے باوجود ان کا حسن ابھی ماند نہیں پڑا تھا۔ عرب کے بڑے بڑے رؤسا نے انہیں شادی کے پیغام بھیجے تھے جن کو وہ ٹھکرا چکی تھیں۔ اس سے یہ واضح تھا کہ وہ صنفی جذبات سے مغلوب ہو کر مستقبل کا فیصلہ کرنے والی خاتون نہیں تھیں۔ کاروباری ضرورت کے تحت وہ محمد بن عبداللہ ﷺ کی صورت میں جس ہستی سے متعارف ہوئیں ان کا معاملہ یہ تھا کہ عین عنفوانِ شباب میں ان کی ہر ادا سے عظمت اور پاکیزگی جھلکتی تھی۔ جن معیارات کو سامنے رکھ کر سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ممتاز عرب رؤسا کے رشتے مسترد کر دیے تھے، حضور ﷺ انہیں ان معیارات سے کہیں بلند نظر آ رہے تھے۔

اس تجارتی سفر کے بارے میں حدیث و سیرت کی کتابوں میں شام کے شہر بُصریٰ میں نسطورا راہب کا واقعہ بھی بیان ہوا ہے۔ یہ تجارتی قافلہ آرام کے لیے ایک درخت کے نیچے اُترا۔ نسطورا نے میسرہ سے کہا کہ اِس درخت کے نیچے آج تک نبی کے سوا کسی اور شخص نے قیام نہیں کیا۔ اُس نے میسرہ سے حضور ﷺ کی آنکھوں میں سُرخ ڈوروں کے بارے میں دریافت کیا۔ قافلہ وہاں جتنی دیر ٹھہرا، سخت دھوپ میں دو فرشتوں نے آپؐ کے سر پر سایہ کیے رکھا۔ واپسی پر میسرہ نے نسطورا راہب کی باتیں جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بتائیں تو انہوں نے اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل سے اِن کا ذکر کیا۔ ورقہ بن نوفل نے نے کہا: 'خدیجہ! اگر یہ باتیں سچ ہیں تو محمد ضرور اللہ کے نبی ہوں گے۔ میرے علم کے مطابق اِس اُمت میں ایک نبی آنے والا ہے۔ اب اُس نبی کا زمانہ آ چکا ہے'۔

درخت کے نیچے ہمارے رسول اللہ ﷺ کے قیام کے دوران میں اگر دو فرشتوں نے اوپر سایہ کیے رکھا تو درخت کے سائے کے اوپر فرشتوں کے سائے کی بات ناقابلِ فہم ہے۔ جہاں تک اس درخت کا تعلق ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ کی ولادت سے 571 سال پہلے نبی بن کر آئے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نبوت جناب

Marfat.com

عیسیٰ ابن مریمؑ کے بالکل قریب تھی۔ اِس روایت کی رُو سے یہ ماننا جائے کہ حضور ﷺ سے پہلے انبیاء بھی اس درخت کے نیچے ٹھہرے تھے تو اُس درخت کی عمر ہزاروں سال ماننی پڑے گی۔ ہمیں نہیں معلوم کہ بائیبل کی کسی کتاب میں اس درخت کا اور بہت دور نہیں تو مذکورہ بالا تین نبیوں کے کبھی اس کے نیچے ٹھہرنے کا ذکر ہے یا نہیں۔ نسطورا والی کہانی کی روشنی میں تو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آپ ﷺ کو اپنے منصبِ رسالت پر فائز ہونے کی خبر پچیس سال کی عمر ہی میں مل گئی تھی اور اگلے پندرہ سال نعوذ باللہ آپؐ نے وحی کے انتظار اور اسے سہارنے کی پریکٹس میں گزارے۔ یہ مان لیں تو ان سارے بے ہودہ الزامات کا دفاع ممکن نہیں رہتا کہ پہلی وحی کے نزول سے پہلے یہ جو آپ ﷺ کافی عرصہ تک غارِ حرا میں جا کر گوشہ نشین ہو جاتے تھے، تو وہاں نعوذ باللہ کسی سے اس کتاب کے سبق لینے جاتے تھے۔ حالانکہ قُرآن پاک کو اول سے آخر تک پڑھتے جائیں تو صاف دیکھتے ہیں کہ یہ ماضی میں کسی ایک جگہ پر بیٹھ کر گھڑی ہوئی داستان نہیں بلکہ 23 برس تک ہر موقع اور ہر صورت حال کے مطابق نازل ہونے والی عظیم تعلیمات، اوامر ونواہی اور تاریخی واقعات سے مستنبط ہونے والے دروس و عبر پر مشتمل کتاب ہے۔

ایمان سے روشن ذہن وضمیر میں ایسا خیال نہیں پھوٹ سکتا کہ نسطورا راہب کے قصے کی وجہ سے نعوذ باللہ پچیس سال کی عمر میں اس راہب کی 'خوشخبری' کے بعد آپ ﷺ نبوت کے انتظار میں دن گننے لگے تھے۔ مستشرقین کی چھوڑی ہوئی درفطنیوں کے اثر سے کچھ ذہنوں میں ایسا کوئی سوال اٹھ سکتا ہے تو اس کا تشفی بخش جواب ہمیں مولانا مودودیؒ کی طرف سے سورہ العلق کی تفسیر میں ملتا ہے۔ پہلی وحی کے نزول کے بعد گھر آ کر رسول اللہ ﷺ نے جیسی گھبراہٹ اور اپنی جان کے بارے میں جس خدشہ کا اظہار کیا تھا اور اُس کے جواب میں حضرت خدیجہؓ نے حضور ﷺ کو جو تسلی دی تھی اُس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

'یہ (پہلی وحی کا) قصہ خود اپنے منہ سے بول رہا ہے کہ فرشتے کی آمد سے ایک لمحہ پہلے

Marfat.com

تک بھی رسول اللہ ﷺ اس بات سے خالی الذہن تھے کہ آپؐ نبی بنائے جانے والے ہیں۔ اِس چیز کا طالب، یا متوقّع ہونا تو درکنار، آپؐ کے وہم وگمان میں بھی یہ نہ تھا کہ ایسا کوئی معاملہ آپؐ کے ساتھ پیش آئے گا۔ وحی کا نزول اور فرشتے کے اِس طرح سامنے آنا آپؐ کے لیے اچانک حادثہ تھا' جس کا پہلا تاثر آپؐ کے اوپر وہی ہوا جو ایک بے خبر انسان پر اِتنے بڑے ایک حادثہ کے پیش آنے سے فطری طور پر ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپؐ اِسلام کی دعوت لے کر اُٹھے تو مکّہ کے لوگوں نے آپؐ پر ہر طرح کے اعتراضات کیے، مگر اُن میں کوئی یہ کہنے والا نہ تھا کہ ہم کو تو پہلے ہی یہ خطرہ تھا کہ آپ کوئی دعویٰ کرنے والے ہیں کیونکہ آپ ایک مدت سے نبی بننے کی تیاریاں کر رہے تھے۔' [1]

ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد نے بھی مستشرقین، خاص طور پر فرانسیسی مستشرق کارڈوا کے خیالات کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اِس (پہلی وحی کے) واقعے میں نبی اکرم ﷺ کا خوف اِس بات کا ثبوت تھا کہ آپؐ کو رسالت کی کوئی توقع نہیں تھی جس کا پیغام پھیلانے کی ذمہ داری آپؐ کو سونپی گئی۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وحی سے آپؐ کے کسی اندرونی خیال یا منصوبے کی تکمیل نہیں ہوئی بلکہ یہ تو ایک ایسی چیز تھی جو اچانک آپ ﷺ پر طاری کر دی گئی۔ آپ ﷺ کے دل میں پہلے سے اس کا خیال تک نہیں گزرا تھا۔' [2]

تقریبِ نکاح

سیرت نگاروں کی اکثریت نے لکھا ہے کہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل میں محمدؐ بن عبداللہ کے بلند کردار اور پاکیزہ سیرت کے بارے میں یقین پختہ ہو گیا تو انہوں نے اپنی سہیلی نفیسہ بنت مُنیہ کو شادی کی پیش کش کے ساتھ آپ ﷺ کے پاس بھیجا۔ اِمام ذہبی نے تاریخُ الاِسلام (السّیرۃ) میں آپ ﷺ کے شام کی طرف تجارتی سفر اور پھر نفیسہ کے

[1] تفهيمُ القُرآن جلد ششم.

[2] السّيرة النّبوية فى ضوء المصادر الاصلية.

Marfat.com

ذریعہ شادی کے پیغام کی روایت کو ضعیف قرار دے کر اس سے انکار کیا ہے۔ [1] حقیقت میں یہ نبی ﷺ کی شخصیت کی عظمت و پاکیزگی تھی جس سے متاثر ہو کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی تجارت کے لیے حضور ﷺ کا انتخاب کیا تھا۔ اپنے رفیقِ حیات کے لیے آپ ﷺ کا انتخاب بھی انہوں نے تجارتی سفر میں کچھ خارقِ عادت واقعات کی بنا پر نہیں بلکہ حضور ﷺ کے خُلقِ عظیم سے متاثر ہو کر کیا تھا۔ اصحُّ السِّیَر کے مصنّف نے لکھا ہے کہ نکاح سے قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے محمدؐ بن عبداللہ کو بلا بھیجا اور بالمشافہ طور پر بات پکی کی تھی۔ اس موقع پر انہوں نے آنحضرت ﷺ کو پسند کرنے کی وجہ بیان کی: اِنَّھَا قَالَتْ لَمّا خطَبَتْھَا اَنِّی قَدْ رَغِبْتُ فِیْكَ لِحُسْنِ خُلُقِكَ وَ صِدْقِ حَدِیْثِكَ' انہوں نے کہا تھا کہ میں نے آپ کے حُسن خلق اور صداقت وراست بازی کی وجہ سے آپ کو پسند کیا ہے۔ حضور ﷺ کی سیرت کے بھی قرآن حکیم ہی کی طرح اپنے معجزانہ اثرات تھے۔

حضور ﷺ کی آمادگی کے بعد حضرت خدیجہؓ نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو وقتِ معیّن پر اس تقریبِ نکاح میں آنے کی درخواست کی۔ حضور ﷺ کی طرف سے آپؐ کے چچا ابوطالب، حمزہؓ اور خاندان کے دیگر اکابر تقریب میں تشریف لائے۔ حضرت ابو طالب نے خطبۂ نکاح پڑھا۔ اُن کے بعد ورقہ بن نوفل نے بھی خُطبہ پڑھا۔ اَصَحُّ السِّیَر میں ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری نے دونوں کے خطبوں کا متن درج کیا ہے۔ ولی کی حیثیت سے حضرت خدیجہؓ کے چچا عمرو بن اسد نے کہا کہ میں نے اپنی بھتیجی خدیجہ بنت خویلد کو محمد بن عبداللہ کی زوجیت میں دیا۔ ایک گروہ حضرت ابوطالب کے خُطبۂ نکاح کو اُن کے اِسلام لانے پر بطورِ دلیل پیش کرتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ شرک اور اخلاقی مفاسد کے باوجود قریش کے شرفاء کی شادیاں اسی طریقے سے ہوتی تھیں کہ پہلے ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام سے اپنی نسبت اور کعبہ کی عظمت کا تذکرہ ہوتا تھا اور پھر رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے والے لڑکے اور لڑکی کے بزرگ اپنے خاندانی شرف و امتیاز کے اظہار کے ساتھ گویا فخریہ انداز میں ایک دوسرے سے رشتہ جوڑتے

[1] السِّیرة النّبویة فی ضوء المصادر الاصلیة.

Marfat.com

تھے۔اسی کو خطبۂ نکاح کہا جاتا تھا۔دوسری بات یہ ہے کہ کسی کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے کا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد شروع ہوا۔اگر صرف خطبۂ نکاح کو کسی کے مسلمان ہونے کی دلیل مانا جائے تو ورقہ بن نوفل کو بھی مسلمان ماننا پڑے گا حالانکہ انہیں اپنے علم کی روشنی میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کی ساری علامتیں معلوم ہوگئی تھیں، اِس کے باوجود اُن کا خاتمہ دینِ عیسائیت پر ہوا تھا۔

نکاح کے وقت حضور ﷺ کی عمر پچیس سال تھی اور حضرت خدیجہ ؓ چالیس سال کی ہوگئی تھیں۔یوں خُدا کی زمین پر اُس مقدس ترین اور مثالی کنبے کی بنیاد پڑی، جس کے ہاتھوں عرب ہی کا نہیں بلکہ تاریخِ عالَم کا دھارا بدلا گیا۔نبی پاک ﷺ اپنی رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ ؓ کے گھر میں منتقل ہو گئے۔اپنے چچا ابوطالب کا معاشی بوجھ ہلکا کرنے کی غرض سے چچا زاد بھائی علیؓ ابن ابوطالب کو بھی یہاں اپنے ساتھ رکھ لیا۔سیّدہ خدیجۃُ الکبریٰ نے اپنا سارا مال متاع حضور ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا۔یہ رشتہ بلاشبہ موانست و ملاطفت سے سرشار تھا لیکن ہر دونوں طرف سے اس کی لگام شہوانیت اور جنسیت کے نہیں بلکہ عقل اور حکمت کے ہاتھ میں تھی۔اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کی تدبیر میں اس عقد کے مصالح پندرہ برس بعد شروع ہونے والی دعوتِ دین اور اسلامی تحریک سے جُڑے ہوئے تھے۔حضرت خدیجہ ؓ نے ایک لمحہ کے لیے بھی یہ احساس پیدا نہ ہونے دیا کہ وہ مالدار تھیں اور انہوں نے کسی نادار کو نوازا ہے۔میاں بیوی میں حُسنِ معاشرت کی روح اور موَدّت و رحمت کی کیفیت جہاں شوہر کے احساسِ ذمہ داری، بیوی کے حقوق کی پاسداری اور فرضِ قوامیت کی ادائیگی پر منحصر ہوتی ہے، وہاں اس کا بڑا دارومدار اس امر پر بھی ہوتا ہے کہ بیوی ایک تو شوہر کی عزت، اُس کی خدمت اور اطاعت کے جذبوں سے سرشار رہے، اور اس کے ساتھ وہ شوہر کی زندگی کے مقاصدِ جلیل اور ارفع و اعلیٰ نصب العین کی اہمیت اور قدر و قیمت کو پہچانتی ہو اور اس راہ پر ہر نشیب و فراز اور دکھ سکھ میں دل و جان سے اس کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو۔اِس تقدّس مآب جوڑے کی زندگی ان سارے پہلوؤں سے رہتی دنیا تک کے لیے ایک اُسوۂ حسنہ ہے۔

Marfat.com

ایک تنازع میں حکم کا کردار

سیرت اور تاریخ لمحے لمحے کی روداد نہیں ہوتی۔ اس میں خاص خاص حوادث اور سوانح کا تذکرہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سیرت نگاروں نے حضور ﷺ کی شادی کے بعد سے کعبۃ اللہ کی عمارت کی تعمیر و اصلاح تک کے دس سال کے عرصے کو یکسر نظر انداز کیا اور نبی پاک ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے پینتیسویں برس کا وہ واقعہ لکھا جب حضور ﷺ نے اپنی بصیرت اور تدبّر سے اپنی قوم کو خون ریزی سے بچا لیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس دس سال کی مدت میں آپ ﷺ کی زندگی تحرک اور سرگرمی سے خالی تھی؟ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وہ تجارت جس کے لیے آپ ﷺ کی خدمات حاصل کی گئیں اور اس میں غیر معمولی منافع ہوا۔ اسی میں آپ ﷺ کی محنت اور دیانت اور برکت سے متاثر ہو کر خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کو اپنا شریکِ حیات بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ کیا یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ شادی کے بعد وہ تجارت ٹھپ کر دی گئی ہو گی؟ ان دس برسوں میں ایک صادق اور امین شخصیت کی حیثیت سے آپ ﷺ کا ذکر مکہ میں ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر تھا۔ کیا اجتماعی معاملات اور سماجی رابطوں سے کٹی ہوئی کسی شخصیت کو بے وجہ ایسی شہرت مل سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ضرور اس عرصے میں حضور ﷺ نے ایک فعال اور سرگرم زندگی گزاری۔ اس سرگرمی اور فعالیت کی سب سے بڑی شہادت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وہ جملے ہیں جو انہوں نے اس وقت ادا کیے تھے جب حضور ﷺ وحی کے اثر سے مغلوب ہو کر گھر تشریف لائے اور آپ ﷺ نے اپنی جان کے لیے خطرے کا اظہار کیا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا: ”ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، عاجز اور درماندہ لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کو کما کر دیتے ہیں، مہمانوں کی تواضع کرتے ہیں اور ناگہانی آفتوں کی لپیٹ میں آجانے والوں کی مدد کرتے ہیں۔“ [1]

یہ آپ ﷺ کی ایک بھرپور معاشرتی زندگی کا نقشہ ہے۔ اس سے یہ حقیقت سامنے آتی

[1] بخاری، مسلم۔

Marfat.com

ہے کہ اس سارے عرصے میں اپنے گھریلو امور، اپنے کاروبار اور معاشرے کے مسائل میں آپ ﷺ نے پوری دلچسپی لی۔لوگوں سے میل جول رکھ کر اپنے کردار کا لوہا منوایا اور اپنی بصیرت سے لوگوں کو متاثر کیا۔اجتماعی مسائل کے حل کی کوشش کی۔شاید صرف 'اِنَّھَا النّبوۃ' میں ا۔د۔صالح احمد رضا نے اس فعالیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کعبہ کی تعمیرِ نو میں آپ ﷺ کی فیصلہ کُن شخصیت کا لوہا ماننے سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ کی اجتماعی زندگی میں ایک ذمہ دارانہ اور مدبرانہ کردار کی وجہ سے آپ ﷺ کو بڑا وقار اور اعتبار حاصل ہوگیا تھا۔ ہوا یہ تھا کہ بار بار کے سیلابی ریلوں نے کعبہ کی عمارت کو خاصا کمزور کر دیا تھا۔کعبہ کی دیواریں کچھ زیادہ بلند نہیں تھی اور اس پر چھت بھی نہیں تھی۔دروازہ زمین کے برابر تھا۔بدقماش لوگ عمارت کے اندر رکھے ہوئے نذرانوں اور چڑھاووں میں سے قیمتی چیزیں چرا کر لے جایا کرتے تھے۔قریشِ مکہ نے کعبہ کی نئے سرے سے تعمیر کا پروگرام بنایا۔ طالب الہاشمیؒ نے 'سیرتِ رحمتِ دارین ﷺ' میں لکھا ہے کہ اپنی ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ عمارت خستہ ہو چکی ہے اسے منہدم کرنے کی جرأت نہیں کر رہے تھے۔دوسری وجہ یہ تھی کہ عمارت کے اندر ایک ایسا اندھا کنواں تھا جس کے پاس لوگوں کو ایک خطرناک سانپ کئی بار نظر آیا تھا۔ اس کے ڈر سے بھی وہ عمارت گرانے سے گریز کر رہے تھے۔ایک روز انہوں نے دیکھا کہ ایک عقاب آیا اور سانپ کو جھپٹ کر اٹھا لے گیا۔اب ان کا خوف کم ہوا اور عمارت کی تعمیرِ نو پر تیار ہو گئے۔ایک بااثر اور سب کی نظر میں قابلِ احترام سردارِ قریش ولید بن مغیرہ مخزومی نے پرانی عمارت پر کدالیں چلانے کا آغاز کر دیا۔وہ عمارت کو گرا رہا تھا اور ساتھ پکار رہا تھا: 'اے اللہ! ہم نے اپنا دین نہیں چھوڑا، خیر اور بھلائی کے سوا ہمارا کچھ ارادہ نہیں ہے'۔

اپنی ہزاروں خرابیوں کے باوجود کعبہ کی حُرمت وعظمت کا خیال ان کے دلوں میں بیٹھا ہوا تھا۔عمارت کو منہدم کرنے کے معاملے میں بھی وہ اسی لیے ہچکچا رہے تھے کہ کہیں کوئی آفت نہ ٹوٹ پڑے۔کعبہ کی تعمیرِ نو کا ارادہ کرتے وقت انہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ سُود،

Marfat.com

غصب، قطعِ رحمی اور ظلم سے بٹورا ہوا مال اس تعمیر میں خرچ نہیں کریں گے۔ ولید بن مغیرہ نے مقدس عمارت کا جتنا حصہ گرایا، دوسرے لوگ اس کے تعاون کے لیے اس لیے آگے نہ بڑھے کہ پہلے دیکھیں ولید بن مغیرہ کسی قدرتی آفت کا نشانہ بنتا ہے یا نہیں۔ جب اگلے روز اسے صحیح سالم دیکھا تو سب کام میں شریک ہو گئے۔ اسی عرصے میں بحرِ احمر میں سفر کرنے والے رومی تاجروں کا ایک جہاز جدّہ یا شعیبہ کی بندرگاہ پر خشکی پر چڑھ کر ٹوٹ گیا۔ اس جہاز میں بہت سی لکڑی، لوہا اور سنگِ مرمر لدا ہوا تھا۔ اس میں سے ضرورت کا سامان قریشِ مکہ نے رومی تاجروں کو قیمت دے کر خرید لیا تھا۔ اس جہاز میں باقوم نام کا ایک رومی معمار بھی تھا، اسے انہوں نے کام کی نگرانی کے لیے راضی کر لیا تھا۔ قریش کی ہر شاخ کے لوگ جوشِ عقیدت میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ تعمیرِ کعبہ میں حصہ لے رہے تھے۔ جب دیواریں اس سطح تک بلند ہو گئیں جس سطح پر حجرِ اسود نصب کرنا تھا تو سوال پیدا ہوا کہ اس مقدس پتھر کو اس کے اصل مقام رکھنے کی سعادت کس قبیلے کو حاصل ہو۔ کسی کو اس سعادت سے محرومی گوارا نہیں تھی۔ چنانچہ ایک تنازع کھڑا ہو گیا۔ بنو عبدالدّار اور بنو عدی نے پیالوں میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈالے اور عہد کیا کہ ان کے سوا کسی کو یہ سعادت حاصل کرنے کا حق نہیں۔ ہر طرف سے تلواریں میانوں سے نکل آئیں۔

حجرِ اسود کے تنازع میں قوم کی رہنمائی

اس سنگین صورتِ حال کو دیکھ کر معمر سردار، ولید بن مغیرہ کا بڑا بھائی، ابو اُمیّہ بن مغیرہ آگے بڑھا۔ اُس نے تجویز پیش کی کہ اس کا فیصلہ اُس شخص پر چھوڑ دو جو کل صبح سب سے پہلے مسجدِ حرام میں داخل ہو۔ سب نے یہ تجویز مان لی۔ اگلی صبح لوگ وہاں پہنچے تو ہمارے نبی مکرم ﷺ کو وہاں موجود پایا۔ سب بیک زبان پکار اٹھے: ھٰذا الامینُ رَضِینٰاہُ ھٰذا محمّدٌ (یہ محمد ہیں، امین ہیں، جو فیصلہ یہ کریں گے اس پر ہم راضی ہیں)۔ حضور ﷺ نے ایک چادر لے کر بچھائی۔ حجرِ اسود اٹھا کر اس پر رکھا۔

فرمایا کہ ہر قبیلے کا سردار یا اس کا نمائندہ آگے بڑھے اور سب مل کر اس چادر کو اس

Marfat.com

مقام تک لے جائیں جہاں حجرِ اسود کو نصب کرنا تھا۔ جب سب نے مل کر چادر میں رکھا ہوا پتھر وہاں تک پہنچایا تو آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اٹھا کر اسے اس کے مقام پر رکھ دیا۔ اس طرح اپنی دانش وفراست سے آپ ﷺ نے قریش کو خانہ جنگی سے بچالیا۔ ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کئی اور معاملات میں بھی اپنی جامع الصفات اور جامع الجہات شخصیت اور اپنی بصیرت کے اثرات مکہ کی اجتماعی زندگی پر مرتب کیے تھے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ رسولِ پاک ﷺ کے اندر آئندہ زندگی میں رونما ہونے والے حالات وواقعات سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت اپنے کمال کو پہنچ گئی ہے۔

نبیِ آخر الزّمان ﷺ کا وقتِ بعثت

رُوئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا حتمی منصوبہ نافذ ہونے کا وقت آ لگا تھا۔ اُس آخری رسول کی بعثت کی گھڑی آ گئی تھی، جس کو ساری انسانیت کی رہنمائی کے لیے مبعوث ہونا تھا۔ ہدایت کا طلب گار کوئی فرد ہو، کوئی معاشرہ یا قوم، اب قیامت تک کے لیے سامانِ ہدایت بننے والی آخری کتاب اُس رسول پر نازل ہونے جا رہی تھی۔ اس کے ارہاصات اور اشارات سامنے آنے لگے تھے۔ روم و فارس اور خود عرب میں یہودیوں اور عیسائیوں کی زبانوں سے نکل کر بت پرستوں میں بھی یہ چرچے ہونے لگے تھے کہ یہود و انصار کی مقدس کتابوں میں جس نبی کی آمد کی خبریں ہیں وہ آنے والے ہیں۔ یثرب کے یہودیوں کا معاملہ یہ تھا کہ وہ اوس اور خزرج قبیلے میں سے کسی ایک کے ساتھ اُن کی کھٹ پٹ جاری رہتی تھی۔ جب کبھی وہ انہیں دبا لیتے تھے تو یہ دھمکی دیا کرتے تھے کہ آ لینے دو اُس نبی موعود کو، اس کے بعد ہمارے غلبے کا دور شروع ہوگا۔ وہ اللہ سے اس نبی کو بھیجنے کی دعائیں کیا کرتے تھے جس کی آمد سے انہوں نے اپنی فتح ونصرت وابستہ کر رکھی تھی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾ (البقرۃ: 89)

Marfat.com

’باوجودیکہ کہ خود کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے، مگر جب وہ چیز آ گئی، جسے وہ پہچان بھی گئے، تو انہوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ خدا کی لعنت اِن منکرین پر۔‘

جناب محمد مصطفیٰ ﷺ قوم کی حالت سے بے خبر نہیں تھے۔ جاہلیت کی رسوم، شرک و بت پرستی کی نجاست اور اعتقادی اور اخلاقی مفاسد کی جس دلدل میں اہلِ مکہ اور اردگرد کے دیگر قبائل دھنسے ہوئے تھے، اُس پر آپ ﷺ سخت مضطرب رہتے تھے۔ لوگوں کو گمراہی سے نکالنے کے لیے خود بھی سوچتے اور ایسے سنجیدہ فکر اور نیک خصلت افراد سے بھی رابطے میں رہتے جو اسی فکر میں غلطاں تھے۔ ظاہر ہے کہ مقدور بھر اصلاح کی کوشش بھی کرتے ہوں گے مگر بگاڑ اور فساد اتنا گہرا تھا کہ لوگوں کو اس سے نکالنے کی کوئی سرسری تدبیر کارگر نظر نہیں آتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی زید بن عمرو نفیل ان لوگوں میں سے تھے جو حق اور سچ کی جستجو میں سرگرداں تھے۔ حضور ﷺ کی اُن سے ملاقات ہوتی تو یہی سوال کرتے کہ ’زید! قوم فکر و عمل کی جس خباثت میں مبتلا ہے، اُس کا کیا علاج ہو؟‘ اُن کا جواب تھا کہ ’میں دینِ حق کی تلاش میں شام اور عراق تک گھوم آیا ہوں۔ مجھے ایک مسیح عالم نے خبر دی تھی کہ دینِ حق کا سب سے بڑا علم بردار نبی مکہ میں ظاہر ہونے والا ہے۔ وہ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد سے ہوگا۔ اس کی یہ یہ نشانیاں ہیں۔ میں اسی شوق میں مکہ واپس آ گیا ہوں لیکن یہاں حالات میں کوئی تبدیلی نہیں دیکھ رہا ہوں۔ پتہ نہیں مجھے اُس نبی کا دَور نصیب ہوگا یا نہیں۔‘ [1]

قُس بن ساعدہ ایادی تو قسم کھا کر اُس دین کے ظہور کے بارے میں اپنے یقین کا ذکر کرتے تھے جس سے بڑھ کر انہیں کوئی اور دین پسند نہیں ہوگا۔ کہتے تھے ’مبارک ہیں وہ لوگ جو اسے قبول کریں گے اور تباہی ہے ان کے لیے جو اسے قبول نہ کریں گے۔‘ [2]

ایک یہودی عالم زید بن سعنہ تو دیکھتا تھا کہ مبعوث ہونے والے نبی کی جو نشانیاں ان

---

[1] صحیح بخاری، الطبقات الکبریٰ، دلائل النبوّہ۔

[2] دلائل النبوّۃ لابی نعیم۔

Marfat.com

کی کتابوں میں بیان ہوئی ہیں وہ حضور ﷺ کے چہرے سے جھلکتی ہیں۔ ❶

سچے خواب

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ باقاعدہ وحی کے ساتھ جبرائیلؑ کے نزول سے قبل وحی کا ایک سلسلہ سچے اور اچھے خوابوں کی صورت میں جاری ہو گیا تھا۔ حضور ﷺ خواب میں جو کچھ دیکھتے تھے، خواب اس طرح ہوتے گویا آپ ﷺ دن کی روشنی میں سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ بعثت سے قبل خلوت پسندی اور عزلت گزینی کی طرف میلان ہو گیا تھا۔ وہ تخلیہ اعتکاف ہی کی ایک صورت تھی جو آج بھی ہر صالح فطرت کے لیے بگڑے ہوئے ماحول کے اثرات دھونے کا ایک کارگر نسخہ ہے۔ وہ نور جو اللہ کی کتاب کی صورت میں نازل ہونے والا تھا اس کے لیے ضروری تھا کہ قلب مبارک ماحول کے فاسد اثرات سے محفوظ رہے۔

روایات میں آتا ہے کہ نزولِ وحی کے قریبی عرصے ہی میں نہیں بلکہ کافی عرصہ پہلے بھی آپؐ غارِ حرا میں کچھ وقت گزارنے کے لیے کبھی کبھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اب تنہائی طبعِ مبارک کے لیے اتنی پسندیدہ بن گئی تھی کہ کئی دن کے لیے ستو اور پانی ساتھ لے جاتے اور شہر کی مادّہ پرستانہ اور جاہلانہ فضا سے نکل کر غارِ حرا میں قیام کرتے تھے۔ کچھ سیرت نگاروں کی رائے میں یہاں غور و فکر اور مراقبہ میں وقت گزرتا تھا۔ حضرت عائشہ ؓ نے وہاں کی سرگرمی کے لیے تحنّث کا لفظ استعمال کیا ہے۔ امام زُہریؒ نے تحنّث سے عبادت مراد لی ہے۔ ❷

وحی کا نزول

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ﴿۵﴾ ﴾

(العلق:1 تا 5)

”پڑھو (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے

❶ ابن حبان، تاریخ الاسلام (سیرہ) للذہبی۔

❷ تفہیمُ القرآن جلد ششم۔

Marfat.com

خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو، اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔''

غارِ حرا کے اندر سے ایک نئے عہد کا ظہور ہو رہا تھا۔ اس کا افتتاح اِقْرَاْ کے امر سے ہوا اور کتاب اور قلم کے وسیلے سے حاصل ہونے والے علم کی اہمیت بتا کر ہوا۔ ان پانچ آیات میں جاہلیت اور جہالت پر قائم ایک تاریک تمدّن اور اعتقادی اور اخلاقی برائیوں پر کھڑی تہذیب کی ظلمتوں اور ظلم پر استوار ایک باطل نظام کے خلاف جہاد کا اعلان ہو گیا۔ اس مرحلے میں تلوار سے نہیں بلکہ علم کی روشنی میں دعوت و تبلیغ کے ذریعہ جہاد کا اعلان تھا۔ انسان بظاہر ایک حقیر گندے پانی کے قطروں اور خون کے لوتھڑے کی بے حقیقت شے سے نمو پاتا ہے لیکن علم ہی اس کی دیگر مخلوقات پر فضیلت اور برتری کا سبب بنتا ہے۔ اُس رب کے نام سے پڑھنے کا حکم ہوا جس نے جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے انسان کو پیدا کیا۔ اب اِسی علم کی روشنی میں ایک صالح نظام اور ایک تابناک تہذیب کی بنا ڈالی جانے والی تھی۔ طواغیتِ کفر نے انسانیت کو ہدایت و ایمان کے نور سے نکال کر ضلالت و کفر کی ظلمتوں میں دھکیل دیا تھا، اب بھولی بھٹکی انسانیت کو ان ظلمتوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لانے والی تحریک کا آغاز ہو رہا تھا۔ یہ وحی اُسی روشنی۔ کتابِ ہدایت۔ کی تمہید تھی۔ پہلی وحی کے لیے 610 عیسوی کے ماہِ رمضان کی 27 ویں تاریخ کا انتخاب کیا گیا:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ﴾ (البقرة: 185)

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق اور باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔''

ماہِ رمضان کی وہ رات جس میں اس وحی کا نزول ہوا اسے اس کتابِ کی وجہ سے ایسی قدر و منزلت ملی کہ ہزار مہینوں سے بہتر قرار پائی:

Marfat.com

﴿إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ۝١ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ ۝٢ لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝٣ تَنَزَّلُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَٱلرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝٤ سَلَٰمٌ هِىَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ ٱلْفَجْرِ ۝٥﴾ (القدر)

'ہم نے اِس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کیا ہے۔ اور تم کیا جانو کہ شبِ قدر کیا ہے؟ شبِ قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ فرشتے اور رُوح اُس میں اپنے رَب کے اِذن سے ہر حکم لے کر اترتے ہیں۔ وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوعِ فجر تک۔'

شمسی لحاظ سے نبی اکرم ﷺ کی عمر اس وقت تقریباً 39 سال اور تین مہینے تھی اور قمری لحاظ سے آپ ﷺ کی عمر چالیس سال اور چھ ماہ ہوئی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب غارِ حرا میں پہلی بار جبریلِ امین اللہ کا پیغام لے کر آئے اور کہا: 'پڑھو۔' آپ ﷺ نے فرمایا: 'میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔' جبریلؑ نے بڑی سختی سے آپ ﷺ کو بھینچا اور پھر چھوڑ دیا۔ یہ اس بات کی علامت بھی تھی کہ معاملہ خواب و خیال کا نہیں بلکہ ایک ٹھوس حقیقت سامنے تھی۔ دوسری دفعہ پھر یہی مکالمہ ہوا۔ دوبارہ اس طرح آپ ﷺ کو ایسا بھینچا کہ قوتِ برداشت جواب دیتی ہوئی محسوس ہوئی۔ تیسری مرتبہ پھر کہا گیا: 'پڑھو' حضور ﷺ نے پھر پڑھنے سے اپنے عجز کا اظہار کیا اور فرمایا: 'میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔' تیسری مرتبہ بھی جبرائیل نے زور سے بھینچا اور اب سورہ العلق کی پہلی پانچ آیات پڑھ کر اس طرح سنائیں کہ یہ آپ ﷺ کی زبان مبارک پر جاری ہوگئیں۔ [1]

جبرائیل علیہ السلام اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے کہ محمد ﷺ اُمّی یعنی ان پڑھ ہیں۔ اِقْرَأْ کے جواب میں حضور ﷺ نے مَا أَنَا بِقَارِیءٍ فرما کر پڑھنے سے اپنے عجز کا اظہار کر دیا تھا۔ اس کے باوجود جبریلِ امین نے تین دفعہ پھر وہی تقاضا کیا اور تینوں بار نا قابلِ برداشت حد تک بھینچا۔ یہ عمل کسی حکمت سے ہرگز خالی نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک نورانی ہستی جبرائیلؑ

[1] بخاری کی روایت کا خلاصہ۔

Marfat.com

۔'نور' (قرآن پاک) لے کر اترے تھے۔ ضرورت تھی کہ خاکی جسدِ پاک میں اُس نور کے لیے سہار اور تحمل کا جوہر پیدا ہو۔ جبرائیلؑ نے حضور ﷺ کے خاکی جسدِ اطہر کے ساتھ اپنے نوری وجود کے پوری شدّت سے لمس کے ذریعہ سے خاک میں نورانی تجلیات وصول کرنے کی صلاحیت بڑھا دی تھی۔ یوں خاک نور سے ہم آہنگ ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ کا وہ عجز رفع ہوگیا۔ خاکی جسدِ اطہر میں اُس 'نور' (قرآن) کے اخذ و جذب کی قوت و صلاحیت پیدا ہوگئی۔ واللّٰہُ اعلمُ بالصّواب

قُرآن پاک کہتا ہے کہ سابق تمام انبیاء پر اسی طرح وحی کا نزول ہوا جس طرح محمد ﷺ پر ہوا۔ اس لیے یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ سابق تمام انبیاء کو جبریل امینؑ کے ساتھ پہلی ملاقات میں ٹھیک وہی صورتِ حال پیش آئی ہو جس سے ہمارے رسول پاک ﷺ گزرے تھے۔ تمام انبیاء و رُسُل پر اترنے والی وحی کی مماثلت کے بارے میں قُرآنِ حکیم بتاتا ہے:

﴿اِنَّآ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡکَ کَمَآ اَوۡحَیۡنَآ اِلٰی نُوۡحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ۚ وَ اَوۡحَیۡنَآ اِلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ وَ الۡاَسۡبَاطِ وَ عِیۡسٰی وَ اَیُّوۡبَ وَ یُوۡنُسَ وَ ہٰرُوۡنَ وَ سُلَیۡمٰنَ ۚ وَ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۱۶۳﴾ۚ﴾

(النّسآء:163)

''اے نبیؐ، ہم نے تمہاری طرف اُسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور اُس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔ ہم نے ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاق، یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ، عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف وحی بھیجی۔ ہم نے داودؑ کو زبور دی۔''

ابنِ اسحاق اور زہری کی روایتوں میں آیا ہے کہ باقاعدہ وحی سے پہلے خواب میں آپ ﷺ نے دیکھا تھا کہ جبریل علیہ السلام آئے اور ریشم کے ایک کپڑے پر لکھی ہوئی ایک تحریر دکھا کر آپ ﷺ سے کہا گیا کہ 'پڑھو......' اگرچہ سہیلیؒ اور ابن کثیرؒ نے اس خواب والی روایت کی نزولِ وحی کی اصل روایت سے تطبیق کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ تطبیق دل کو لگتی نہیں ہے۔

Marfat.com

رسولوں کے خواب وحی ہی کی ایک صورت ہوتے ہیں۔ اگر حضور ﷺ اس نوشتے کو خواب میں پہلے دیکھ بھی چکے تھے اور پڑھ بھی چکے تھے تو غارِ حرا کے اندر حالتِ بیداری میں جب جبریل علیہ السلام وحی لے کر حاضر ہوئے تو ایک متعارف و معلوم چیز سے آپ ﷺ کے مکمل اظہارِ ناواقفیت کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

وحی کے حضور ﷺ پر اثرات

اللہ تعالیٰ نے کتابِ حکیم کی عظمتِ کلام کے بارے میں بتایا ہے کہ:

﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ﴾ (الحشر:21)

'اگر ہم نے یہ قُرآن کسی پہاڑ پر بھی اُتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہوتا'

یہ تو پہلا موقع تھا، مدت بعد جب رسول اللہ ﷺ بارِ وحی کے عادی ہو چکے تھے اس وقت بھی ماورائے قوانینِ طبعی اس تجربے سے گزرنے کے آپ ﷺ پر بہت سخت اثرات دیکھنے میں آتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ 'سخت سردی کے موسم میں بھی جب نبی ﷺ پر وحی اترتی تو میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کا چہرہ پسینے سے شرابور ہو جاتا تھا۔' ❶

ایک اور روایت میں ہے کہ اونٹنی پر سواری کی حالت میں اگر وحی اترتی تو اونٹنی نڈھال ہو کر گھٹنے ٹیکتی اور اپنا سر زمین پر ڈال دیتی تھی۔ ❷

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ 'ایک بار نبی ﷺ اس طرح تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ کی ران کا ایک حصہ میری ران پر تھا۔ عین اس دوران میں وحی نازل ہونے لگی۔

مجھے ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ میری ران پس کر رہ جائے گی۔' ❸

---

❶ بخاری و مُسلم۔ ❷ مسند احمد۔ ❸ بخاری۔

Marfat.com

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ’نبی ﷺ پر جب وحی کا نزول ہوتا تھا تو آپ اتنی تکلیف محسوس کرتے تھے کہ چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا‘ [1]

غارِ حرا میں وصولِ وحی کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ جس ہستی کا یہ کلام تھا اس کا جلال بھی آپ ﷺ پر طاری تھا اور کلام الٰہی کی عظمت و شان بھی قلبِ مبارک پر حاوی ہو گئی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک طویل حدیث کا خلاصہ یہ ہے آپ ﷺ سورہ العلق کی نازل شدہ آیات پڑھتے ہوئے گھر کی طرف آئے۔ گھبراہٹ سے آپ ﷺ کے شانے لرز رہے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ’زَمِّلُونِی، زَمِّلُونِی، یعنی مجھے کچھ اڑھا دو، یا میرے اوپر لحاف ڈال دو۔‘ طبیعت کچھ بحال ہوئی تو فرمایا: ’اے خدیجہ! یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟‘ پھر سارا واقعہ انہیں سنایا اور اپنی جان کو خطرہ لاحق ہونے کا خدشہ ظاہر کیا۔ رفاقتِ حیات کے سارے آداب کی پیکر اور اپنے شوہر کے علوِ کردار کی سب سے بڑی گواہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تسلی دیتے ہوئے کہا: ’ہرگز نہیں، اللہ کی قسم، اللہ آپؐ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپؐ تو صلۂ رحمی کرتے ہیں، سچی بات کرتے ہیں، لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، بے وسیلہ لوگوں کو کما کر دیتے ہیں، مہمانوں کی تواضع کرتے ہیں اور ان لوگوں کی مدد کرتے ہیں جو ناگہانی مصیبتوں کا شکار ہو جائیں۔‘ اس کے بعد وہ حضور ﷺ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقی بن نوفل حق کی جستجو میں کافی عرصہ بھٹکتے رہے۔ لیکن حق نصیب میں نہ تھا۔ تلاشِ حق کرتے کرتے عیسائیت کی آغوش میں چلے۔ بڑھاپے کی وجہ سے ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔ عبرانی زبان سے واقف تھے، اس لیے انجیل کے اصل نسخوں تک ان کی رسائی اور واقفیت تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: ’ذرا اپنے بھتیجے کا ماجرا سُنیے۔‘ جب آپ ﷺ نے سارا واقعہ سنایا تو انہوں نے کہا: ’یہ تو وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ کے پاس آیا کرتا تھا۔ کاش میں اُس وقت تک زندہ رہتا جب تمہاری قوم تمہیں نکال باہر کرے گی۔‘ اس پر رسول اللہ ﷺ نے تعجب سے پوچھا: ’کیا یہ لوگ مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟‘ ورقہ بن نوفل نے

[1] مُسلم.

Marfat.com

کہا: 'تمہارے جیسا پیغام اس سے پہلے جو بھی لے کر آیا اس کے ساتھ قوم نے مخالفت اور دشمنی کی اور اسے تکلیفیں پہنچائیں۔ میں تمہارے اعلانِ نبوّت تک زندہ رہا تو تمہاری پوری مدد کروں گا۔' ورقہ بن نوفل جلد ہی فوت ہو گئے۔ [1]

فترةُ الوحی (وحی کا رُک جانا)

پہلی وحی کے بعد کچھ عرصہ تک وحی کا سلسلہ رکا رہا۔ سیرت کی کتابوں میں اس عرصہ کا ذکر فترةُ الوحی کے عنوان سے ہوا ہے۔ کتنے عرصہ تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا اور کب تک بندے کا اپنے رَب سے رابطہ ٹوٹا رہا؟ اس کے بارے میں وثوق سے کچھ بیان نہیں ہوا۔ یہ مدت دس دن بھی بتائی گئی ہے، چالیس روز بھی، یہاں تک کہ تین سال تک بھی۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ اس وقفہ میں رسول اللہ ﷺ سخت رنج و ملال کا شکار رہے۔ شدّتِ حزن کے بارے میں کچھ ایسی روایات بھی کتبِ سیرت میں معروف متداول ہوگئیں جو بتاتی ہیں کہ حضور ﷺ شدّتِ غم سے اتنے مغلوب ہوتے تھے کہ کسی پہاڑ کی چوٹی سے گرا کر اپنے آپ کو ہلاک کر دینے کا ارادہ کر لیتے تھے۔ اس دوران میں جبریلؑ نمودار ہوتے اور آپ ﷺ کو یقین دلاتے تھے کہ 'اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں۔' انقطاعِ وحی کے بارے میں اس قصے کے راوی زہری ہیں اور محدّثین کی رائے میں مراسیلِ زہری میں ضعف ہوتا ہے۔ علّامہ ناصرالدّین البانیؒ کے بقول یہ بات حضور ﷺ کی عظمتِ کردار کے منافی ہے کہ آپؐ نے کبھی خودکشی کا ارادہ کیا ہو۔ السّیرۃ النّبویۃ الصّحیحۃ کے مصنف اکرم ضیاء العمری کے بقول اس روایت سے رسول اللہ ﷺ کی عصمت پر حرف آتا ہے۔ الصّادقُ الامین ﷺ کے مصنف ڈاکٹر محمد لقمان سلفی نے اسے رسول پاک ﷺ پر ظُلم اور بہتان قرار دیا ہے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ اپنے علوِ اخلاق و کردار اور طہارتِ فکر و نظر اور بلندیِ عزم و حوصلہ کے اعتبار سے اس درجے پر تھے کہ سوچا بھی نہیں جا سکتا آپ ﷺ نے کبھی ایسی کم حوصلگی کا مظاہرہ کیا ہوگا۔ بہرحال اللہ کی حکمت کے مطابق جتنا عرصہ وحی میں یہ وقفہ ضروری تھا وہ پورا ہو گیا۔

---

[1] صحیح بخاری.

Marfat.com

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فترۃ الوحی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

'ایک روز میں جا رہا تھا کہ مجھے اچانک آسمان کی طرف ایک آواز سنائی دی۔ میں نے آگے پیچھے، دائیں بائیں دیکھا مگر کچھ دکھائی نہ دیا۔ کچھ دیر بعد مجھے پھر وہی آواز سنائی دی۔ پھر ادھر اُدھر دیکھا لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ تیسری مرتبہ پھر وہی آواز آئی تو میں نے دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں میرے پاس آیا تھا، زمین اور آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں خوف زدہ ہو کر زمین کی طرف جھکا اور پھر گھر جا کر گھر والوں سے کہا کہ مجھے کچھ اڑھا دو۔ انہوں نے مجھ پر کمبل ڈال دیا۔ اس وقت وحی نازل ہوگئی:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۪ۙ﴿۲﴾ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۪ۙ﴿۳﴾ وَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۪ۙ﴿۴﴾ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۪ۙ﴿۵﴾ وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۪ۙ﴿۶﴾ وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ؕ﴿۷﴾ ﴾

(المدثر: 1 تا 7)

''اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اٹھو اور خبر دار کرو۔ اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ اور گندگی سے دور رہو۔ اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کے لیے۔ اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو۔'

Marfat.com

آغازِ دعوت

﴿ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ۝۱ قُمْ فَاَنْذِرْ ۪ۙ۝۲ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۪ۙ۝۳ وَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۪ۙ۝۴
وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۪ۙ۝۵ وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۪ۙ۝۶ وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ؕ۝۷ ﴾

(المدثر: 1 تا 7)

''اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اٹھو اور خبر دار کرو۔ اور اپنے رَب کی بڑائی کا اعلان کرو۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ اور گندگی سے دور رہو۔ اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کے لیے۔ اور اپنے رَب کے لیے صبر کرو۔''

ایک عجیب صوتی کیفیت میں بندھے ہوئے ان سات فقروں میں بلندی سے اترائی کی طرف رواں ندی کے بہاؤ جیسی نغمگی اور تاثیر ہے۔ سوئے ہوئے کو جگانے اور لیٹے ہوئے کو اٹھانے کے لیے انسانی ذوق اور سمجھ کی حد تک اس سے زیادہ لطیف پیرایہ اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ ان آیات میں گھبراہٹ کی حالت میں اوڑھ لپیٹ کر لیٹ جانے والے کی پریشانی دور کرنے کا سامان بھی ہے اور بڑی محبت اور ملائمت کے ساتھ حوصلہ افزائی کر کے تفویض کردہ کارِ عظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کی ترغیب بھی ہے۔ چھوٹی چھوٹی اِن سات آیتوں میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ آپ کو کام کیا کرنا ہے، اور یہ بھی سمجھا دیا گیا ہے کہ اِس کام کے لیے آپ کی زندگی اور آپ کے اخلاق اور معاملات کیسے ہونے چاہییں، اور یہ تعلیم بھی دے دی گئی ہے کہ یہ کام آپ کس نیت، کس ذہنیت اور کس طرزِ فکر کے ساتھ انجام دیں، اور اِس بات سے بھی خبردار کر دیا گیا ہے کہ آپ کو اِس کام میں کن حالات سے سابقہ پیش آنا ہے اور ان کا مقابلہ آپ کو کس طرح کرنا ہے۔'[1]

[1] تفہیم القرآن جلد ششم۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کو کہا گیا ہے کہ اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے کا زمانہ ختم ہو گیا۔اب میدانِ دعوت میں سرگرمِ عمل ہونے کا مرحلہ درپیش ہے۔اٹھیں اور اپنے رَب کی عظمت و کبریائی کا اعلان کریں۔اب خانہ نشین نہیں ہونا بلکہ پبلک کا سامنا کرنا ہے۔لوگوں کا اس طرح سامنا کریں کہ ہیئت اور حُلیے سے وقار اور رویے سے اعتماد جھلکتا ہو۔جسم کے لباس اور دامنِ دل سب کو ہر قسم کے داغ سے بے عیب رکھیں۔ظاہر و باطن کو شرک کی ہر چھینٹ اور چھوت سے محفوظ بنائیں۔راستے میں کھڑی مزاحمت کی چٹانوں کو دیکھ کر پریشان نہ ہوں۔حالات کی ناساعدت کو خاطر میں نہ لائیں۔پورے عزم و حوصلہ کے ساتھ نکلیں اور اپنی قوم میں پھیلی ہوئی شرک و ضلالت اور اخلاقی گراوٹ کے خلاف اِنذار کریں۔اب معاملہ آپ کی ذات کا نہیں۔ہر کام رَب کے حکم اور اسی کی خاطر کرنا ہے۔چنانچہ اپنے رَب ہی کی خاطر صبر و استقامت کا مظاہرہ کریں۔

محمد ﷺ نے بہت پہلے سے اہلِ مکہ پر اپنے طرزِ عمل سے یہ واضح کر دیا تھا کہ آپ ﷺ اُن کے عقائد، سماجی رویوں، عادات و اطوار اور رسوم و رواج سے بیزار اور متنفر ہیں۔اب فریضۂ رسالت کے دو پہلو سامنے تھے۔ایک لوگوں کو یہ یقین دلانا تھا کہ حضور ﷺ اللہ کے رسول ہیں، رسالت پر ایمان لانے کے معنی یہ تھے کہ اہلِ ایمان بھی مشرکانہ عقائد اور جاہلانہ طرزِ زندگی سے علیحدگی اختیار کریں اور فَاَنْذِرْ، وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ کی مہم میں رسول اللہ ﷺ کے دست و بازو بن کر دعوتِ حق کے لیے متحرک ہو جائیں۔دوسرا پہلو یہ تھا کہ اب باطل نظام سے نفرت اور بیزاری پر اکتفا کر کے نہیں رہ جانا تھا بلکہ اس کی فکری، اعتقادی اور اخلاقی و معاشرتی بنیادوں پر اِنذار کی ضرب لگا کر اسے جڑوں سے اکھاڑنا اور اس کی جگہ ایک صالح نظام کی نیو اٹھانی تھی۔اپنے خالق و مالک اور حقیقی حاکم سے لوگوں کا بندگانہ تعلق استوار کرنا تھا۔توحید کے فراموش شدہ عقیدہ کی بازیافت کرنی تھی۔طواغیت نے مختلف صورتوں میں اپنی کبریائی کا جو جھنڈا گاڑ لیا تھا، اسے اکھاڑ کر اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا پرچم بلند کرنا تھا۔عبادت جو خالص اللہ کا حق ہے، وہ یا تو پوری کی پوری اربابٌ من دون اللہ کے نام کر

Marfat.com

دی گئی تھی یا اللہ کے ساتھ اس میں بہت سے شریک بنا لیے گئے تھے۔ اِس دوئی کو مٹانا اور توحیدِ خالص دلوں میں بٹھا اور عملوں میں لا کر اللہ کا حق اللہ کو لوٹانا تھا۔

خفیہ دورِ دعوت

اوپر سورہ المُدّثّر کی ابتدائی سات آیات پر گفتگو ہوئی ہے۔ قُمْ فَاَنْذِرْ کے الفاظ سے یہ بات ہرگز اخذ نہیں ہوتی کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے چھپ کر اِنْذَار کی تاکید کی تھی۔ لفظ خُفیہ یا زیرِ زمین میں سازش کی بو آتی ہے اور خوف کا تصور بھی پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دعوت کے لیے طریقِ کار وضع کرنے کا اختیار اپنے نبیؐ پر چھوڑ دیا تھا۔ آپ ﷺ نے ابتدائی مرحلے میں اس کے لیے اِخفا اور پوشیدگی کی جو پالیسی اختیار کی اس میں حکمت اور احتیاط مضمر تھی۔ رسولِ پاک ﷺ نے یہ حکمت اور احتیاط اس لیے برتی تا کہ دعوت کا پانی کسی کو ایک دم سیلابی ریلا نظر نہ آئے بلکہ یہ اس پانی کی طرح بہتا اور اندر ہی اندر سرایت کرتا جائے جو گھاس کے ایک قطعہ میں چھوڑا جاتا ہے۔ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں اگرچہ ضعف کا احتمال ہے لیکن یہ بالمعنی صحیح ہے: فرمایا 'اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کی تکمیل کے دوران اپنے معاملات کو پوشیدہ رکھا کرو کیوں کہ ہر کامیاب اور صاحبِ نعمت شخص کے پیچھے کوئی حاسد لگا ہوتا ہے۔'[1]

شام کے معروف عالم اور سیرت نگار شیخ منیر الغضبانؒ نے اِس مرحلۂ دعوت کو 'الدّعوۃ علی الاِصطفاء' کا عنوان دیا ہے۔ مجلسوں، محفلوں اور مجمعوں میں لوگوں کو علانیہ دینِ حق کی طرف بلانے کے بجائے اس مرحلے میں مکّہ کے مُختلف قبائل کی چیدہ چیدہ شخصیات سے انفرادی ملاقاتیں کر کے انہیں نئی برپا ہونے والی اس تحریک سے آگاہ کیا جاتا تھا۔ انہیں بتایا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کی حقیقت بتانے کے لیے ان کے معاشرے کے اندر سے ایک بہترین ہستی کو اپنا رسول بنایا ہے۔[2]

---

[1] المعجم الاوسط لطبرانی.

[2] المنہج الحرکی للسّیرۃ النّبویۃ.

Marfat.com

شام ہی سے تعلق رکھنے والے ایک اور سیرت نگار سعید رمضان البوطیؒ نے لکھا ہے کہ یہ بظاہر حفظِ جان کی تدبیر تھی لیکن حقیقت میں اس سے حفظِ ایمان مقصود تھا۔ قیامت تک کسی بھی دور کی دینی تحریک کو اگر آغاز میں انہی حالات کا سامنا ہو تو حکمت اور تدبّر کا تقاضا یہی ہے کہ وہ سُنتِ نبویؐ کے اتباع میں اِخفا کی پالیسی کو اختیار کرے۔ [1]

اسلامی تحریک سے وابستہ افراد جن کے سینے نورِ ایمان سے منور ہوں اور وہ تربیت و اصلاح کے مدارج سے گزر کر اخلاق و کردار کی بلندیوں پر پہنچے ہوئے ہوں، اسلامی تحریک کے لیے وہ کسی فوج کے مہنگی پیشہ ورانہ تربیت پا کر فوج میں جرنیل اور سول سروس کے اعلیٰ ترین عہدیدار کا منصب پانے والوں سے کہیں زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔ اس لیے اسلامی تحریک کو انہیں جان بوجھ کر خطرات میں جھونکنے اور موت کے منہ میں دھکیلنے کی غلطی کبھی نہیں کرنی چاہیے۔

اسبقُ السابقین

رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ایمان لانے والوں میں سب پر سبقت تھی۔ ابوبکر بن قحافہ رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے رفیقِ خاص تھے۔ شروع ہی سے گہری قربت تھی۔ ہم خیال اور قابلِ اعتماد ساتھی تھے۔ مردوں میں ایمان کی نعمت ان کو نصیب ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اگرچہ کم عمر تھے مگر لڑکپن ہی میں ان پر ہدایت کے در کھل گئے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے وہ بھی ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ حیرت کی بات ہے کہ سیرت نگاروں نے رسولِ پاک ﷺ کی تین بڑی صاحبزادیوں۔ زینبؓ، رقیہؓ اور اُم کلثومؓ کے ایمان کا شاید ہی کہیں ذکر کیا ہے۔ 'اِنّھَا النّبوۃ' کے مصنف ڈاکٹر ا۔د۔ صالح احمد رضا نے لکھا ہے کہ یہ تینوں اپنی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہی ایمان لے آئی تھیں۔

چراغ سے چراغ جلتا گیا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا شمار مکہ کی ممتاز شخصیات میں ہوتا تھا۔ بات صرف قبیلے کی طاقت

---

[1] فِقهُ السّیرۃ للبوطی.

Marfat.com

کی نہیں تھی۔ لوگ ان کے حسب ونسب، نجابت وشرافت اور اخلاق وکردار، غرض ہر لحاظ سے عزت کرتے تھے۔ خیر وشر کا علم بھی رکھتے تھے اور دنیا کے حالات سے بھی آگاہ تھے۔ ان کی تجارتی دیانت بھی مسلمہ تھی۔ معاشرتی آداب اور انسانی احترام کا خیال رکھتے تھے اس لیے لوگ ان کے پاس جا کر بیٹھتے تھے۔ ہلکی پھلکی مگر سنجیدہ وبامقصد گفتگو کا انہیں خاص ملکہ حاصل تھا جسے بوڑھوں سے زیادہ جوان غور سنتے تھے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی مجلسوں میں متاثر ہو کر ایمان لانے والوں میں حضرت عثمان بن عفان اور حضرت اسلم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کی عمر 35 سال تھی باقی سب بارہ سے اٹھارہ سال کے نوجوان تھے۔ عثمان بن عفان، زبیر بن العوام، عبد الرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم جیسی نامور شخصیات ابو بکر رضی اللہ عنہ کی دعوت پر ہی مسلمان ہوئی تھیں۔ وہ ان کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے۔ ان آٹھ آدمیوں نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر ہر چراغ سے آگے کوئی اور چراغ جلتا گیا۔ اس ابتدائی دعوت کے عرصے میں بنو ہاشم کے سات، بنو مخزوم میں سے سات، بنو تیم میں سے دو آزاد اور دو ان کے غلام، بنو عدی میں ان کے حلیفوں سمیت آٹھ، بنو زہرہ میں سے ان کے دو حلیفوں سمیت چھ، بنو سہم میں سے دو، بنو جمع میں سے پانچ، بنو اسد میں سے ایک، بنو عامر میں سے دو کے علاوہ نو متفرق افراد دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ یوں اہلِ ایمان کی تعداد ساٹھ کے قریب پہنچ گئی تھی۔ [1]

اللہ وحدہٗ لاشریک کی بندگی کا عہد کرنے کے بعد ضروری تھا تعلق باللہ کے عملی اظہار کے لیے نماز قائم کی جائے۔ اسی سے ارادوں میں مضبوطی اور شعورِ بندگی میں تازگی اور روحانی بالیدگی ملنی تھی۔ پہلے پہاڑی وادیوں میں جا کر صبح اور شام کی دو دو رکعتیں ادا ہوتی رہیں۔ جب اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد تیس سے اوپر ہو گئی تو ایمان لانے والوں میں بارھویں خوش قسمت شخص حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر کو مرکز بنا لیا گیا۔ نئے مسلمان یہیں آ کر اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کرتے، یہیں پر نماز پڑھی جاتی، یہیں نازل ہونے والی

[1] المنهج الحركی للسّيرة النّبوية بحواله ابن هشام.

Marfat.com

آیات یاد کرائی جاتیں۔ یہیں پر اہلِ ایمان کی تربیت کی جاتی اور اسی جگہ مشرکین کے ردِ عمل پر غور ہوتا تھا۔

قرابت داروں کو دعوت

﴿وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ (الشّعراء: 214)

''اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ۔''

کوئی شخص خیر اور بھلائی کی دولت بانٹنے نکلے تو عقل و فطرت کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس کا آغاز گھر سے کرے۔ اہلِ خانہ کو محرومی اور درماندگی کا شکار چھوڑ کر باہر کے لوگوں کو نوازنے والے شخص کے بارے میں اس سے فیض پانے والے ان 'دوسروں' کی رائے سب سے پہلے خراب ہوتی ہے۔ اللہ کے دِین میں صدقات و خیرات میں پہلا حق اعزہ و اقارب کا رکھا گیا ہے۔ وہ تہی دست رہیں اور کوئی اغیار میں اپنی سخاوت کا مظاہرہ کرتا پھرے تو یہ اللہ تعالیٰ کے نظامِ فطرت کے منافی ہے۔ جو صدقہ اپنے قریب ترین مستحق رشتہ داروں کو دیا جائے اس کا اجر و ثواب اس صدقہ سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جو باہر کے لوگوں میں بانٹا جائے۔ ہدایت کا تو ہر انسان محتاج ہوتا ہے۔ اس کے معاملے میں دِینِ حق کی نعمت عطا کرنے والے حکیم و دانا رَب نے یہی فطری اصول دیا کہ یہ سب سے زیادہ نافع چیز سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے قریب ترین عزیزوں کے دامن میں ڈالی جائے۔ شرک و ضلالت میں ضرر اور تباہی ہے تو دنیا کو اس تباہی سے بچانے کے لیے نکلنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ پہلے اپنے رشتہ داروں کو اس نقصان اور تباہی سے بچانے کا اہتمام کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ 'جب آیت ﴿وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے اپنے سارے خاندان کو دعوت دے کر جمع کیا۔ کل تیس آدمی آئے۔ ان کے کھانے کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔ کھانے کے بعد آپ ﷺ نے اپنے منصبِ نبوّت پر فائز ہونے سے انہیں آگاہ کر کے فرمایا: 'کون ہے جو میرے دِین اور میرے وعدوں کی ذمہ داری قبول کرے گا؟ ایسا شخص میرے ساتھ جنّت میں ہوگا اور میرا نائب بنے گا۔' ان میں سے ایک آدمی نے کہا: 'اے اللہ کے

Marfat.com

رسول! آپ تو سمندر ہیں کس کا بل بوتا ہو سکتا ہے کہ کوئی اس کا بوجھ اٹھائے۔' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا 'میں یہ بوجھ اٹھاتا ہوں۔' ❶

مولانا مودودیؒ نے اسی عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ والی آیت کی تفسیر میں بخاری، مُسلم، مُسندِ احمد، ترمذی، نسائی اور طبری کی روایات کے حوالے سے لکھا ہے: 'معتبر روایت میں آیا ہے کہ اِس آیت کے نزول کے بعد نبی ﷺ نے سب سے پہلے اپنے دادا کی اولاد کو خطاب کیا اور ایک ایک کو پکار کر صاف صاف کہہ دیا کہ اے بنی عبد المطلب، اے عباس، اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ، اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہ، تم لوگ آگ کے عذاب سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کرلو۔ میں خُدا کی پکڑ سے تم کو نہیں بچا سکتا، البتہ میرے مال میں سے تم لوگ جو چاہو مانگ سکتے ہو۔ ایک روز صبح سویرے صفا کے سب سے اونچے مقام پر کھڑے ہو کر یا صباحاہ کی آواز بلند کی اور قریش کی تقریباً تمام شاخوں کے نام لے کر پکارا: 'اے قریش، اے بنی کعب بن لوئی، اے بنی مُرّہ، اے آلِ قُصَی، اے بنی عبد مناف، اے بنی عبد شمس، اے بنی ہاشم، اے آلِ عبد المطلب۔ عرب میں قاعدہ تھا کہ صبح تڑکے کسی اچانک حملے کا خطرہ ہوتا تو جس شخص کو بھی اس کا پتہ چل جاتا وہ اسی طرح پکارنا شروع کر دیتا اور لوگ اس کی آواز سنتے ہی ہر طرف سے دوڑ پڑتے۔ چنانچہ حضور ﷺ کی اِس آواز پر سب لوگ گھروں سے نکل آئے، اور جو خود نہ آسکا اس نے کسی کو خبر لانے کے لیے بھیج دیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: 'لوگو، اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کے دوسری طرف ایک لشکر ہے جو تم پر ٹوٹ پڑنا چاہتا ہے تو تم میری بات سچ مانو گے؟' سب نے کہا ہاں، ہمارے تجربے میں تم کبھی جھوٹ بولنے والے نہیں رہے ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: 'اچھا تو میں سخت عذاب آنے سے پہلے تم کو خبردار کرتا ہوں۔ اپنی جانوں کو اس کی پکڑ سے بچانے کی فکر کرو۔ میں خُدا کے مقابلے میں تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔ قیامت میں میرے رشتہ دار صرف متقی ہوں گے۔ ایسا نہ ہو کہ دوسرے لوگ نیک اعمال لے کر آئیں اور تم لوگ دنیا کا

❶ مسند احمد.

Marfat.com

وبال سر پر اٹھائے ہوئے آؤ۔ اُس وقت تم پکارو گے یا محمدؐ، مگر میں مجبور ہوں گا کہ تمہاری طرف سے منہ پھیر لوں۔ البتہ دنیا میں میرا اور تمہارا خون کا رشتہ ہے اور یہاں میں تمہارے ساتھ ہر طرح کی صلۂ رحمی کروں گا۔‘‘ ❶

علانیہ دعوت کا حکم اور ابتلا و آزمائش کا آغاز

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

(الحجر: 94 تا 96)

’’پس اے نبیؐ، جس چیز کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے اُسے ہانکے پکارے کہہ دو اور شرک کرنے والوں کی ذرا پروا نہ کرو۔ تمہاری طرف سے ہم اُن مذاق اڑانے والوں کی خبر لینے کے لیے کافی ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی خدا قرار دیتے ہیں۔ عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔‘‘

قبیلۂ قریش کی بعض شاخوں کے نام لے کر وہ خطاب، جس کا ذکر اوپر تفہیم القرآن کے حوالے سے خفیہ دعوت کے ذیل میں ہوا ہے، اکثر مؤرخین اور سیرت نگاروں کی رائے ہے کہ اس وقت ہوا تھا جب آپ ﷺ کو علانیہ دعوت کا حکم ہوا تھا۔ اِن خطابات کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے خاندان میں سے پھوپھیوں، خاص طور پر حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا اور آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کا کردار انتہائی حوصلہ افزا رہا لیکن ایک اور چچا اور قریبی پڑوسی ابولہب نے شدید مخالفت کے ذریعے اپنے لیے بدبختی اور بربادی کا انتخاب کیا۔ وہ اپنی بیوی سمیت اسلام اور داعیِ اسلام ﷺ کے مخالفین کی صف میں شامل ہوا اور دشمنی کی انتہا پر پہنچ گیا۔ سارے خاندان میں صرف ابولہب نے رسول پاک ﷺ کا خطاب سن کر کہا: ’تم پر سارا دن بربادی اترتی رہے، کیا اسی لیے تم نے صبح صبح ہمیں بلایا تھا؟‘ اس کے ان الفاظ کے

---

❶ تفہیم القرآن جلد سوم.

Marfat.com

جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورہ اللہب نازل فرمائی۔ ابولہب کی بیوی اُم جمیل اس سے بھی بڑھ کر اسلام دشمن ثابت ہوئی۔ حضور ﷺ کی بیٹی رُقیہ ابولہب کے بیٹے عُتبہ اور اُمّ کلثوم اُس کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے بیاہی ہوئی تھیں۔ ابولہب اور اس کی بیوی نے حضور ﷺ کی توہین اور جذباتی اذیت کے لیے اپنے بیٹوں سے آپ کی دونوں بیٹیوں کو طلاق دلا دی۔

مخالفتِ اسلام کی مختلف صورتیں

مشرکانہ عقائد اور جاہلی نظریات پر قائم تہذیب میں بات صرف لوگوں کے اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے بتوں یا مظاہر فطرت کی پرستش تک محدود نہیں ہوتی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ شرک میں مبتلا معاشروں میں معبودانِ باطل کی آڑ میں سیاسی اور اقتصادی قوت و اقتدار فرعونوں اور نمرودوں کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے جو اللہ کے بندوں کو اپنا بندہ بنا لیتے ہیں۔ عرب میں روم و ایران اور حبش و مصر جیسا کوئی بادشاہی نظام تو نہیں تھا لیکن ان کے قبائلی نظام میں سرداروں کو بادشاہوں ہی جیسی طاقت اور فیصلہ کن حیثیت حاصل تھی۔ قریش نے کعبہ کی تولیت کے بہانے سارے عرب پر اپنی چوہدراہٹ قائم کر رکھی تھی۔ اب وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کی چوہدراہٹ کو چیلنج کرنے کے لیے ایک ایسی تحریک اٹھ کھڑی ہوئی تھی جس کا نصب العین اللہ کے بندوں کو اپنے جیسے بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں لانا ہے۔ یہ تحریک غیر اللہ کی بندگی و اطاعت سے نکال کر انسانیت کو خالق و مالکِ حقیقی کی بندگی و اطاعت کا درس بھی دے رہی تھی اور معاشرتی سطح پر عدلِ اجتماعی اور انسانی مساوات کا تصور پیش کر رہی تھی۔ اس کی کامیابی میں قریش اور عرب کے دیگر قبائل کے سرداروں کو اپنی سیادت اور سماج میں قاہرانہ بالادستی کا خاتمہ صاف نظر آ رہا تھا۔ اسی لیے وہ اسے ناکام بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اور دعوتِ اسلامی کی مخالفت کی مختلف صورتیں دیکھنے میں آ رہی تھیں۔

حضرت ابوطالب کے پاس پہلا وفد

ساری رکاوٹوں کے باوجود دعوتِ دین کا کارواں صبر و استقامت کے ساتھ اپنی منزل

Marfat.com

کی طرف رواں دواں تھا۔قریش کو قبولِ حق کا قطرہ قطرہ جب دریا بنتا نظر آیا اور خطرہ محسوس ہوا کہ ان کی مزاحمت کی دیواریں اس دریا کے ریلوں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گی تو انہوں نے حضرت ابوطالب کو رسول اللہ ﷺ کی حمایت سے دست بردار ہونے پر آمادہ کرنے کی کوشش شروع کی ۔قریش کے سردار حضرت ابوطالب کے پاس وفد بنا کر گئے اور ان سے کہا: 'دیکھیے،آپ کا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے، ہمارے دین میں عیب نکالتا ہے، ہمیں بے وقوف بتاتا ہے، ہمارے آباء واجداد کو گمراہ کہتا ہے۔آپ یا تو اسے باز کریں یا پھر ہمارے درمیان سے ہٹ جائیں ، ہم خود اس سے نمٹ لیں گے۔'ابو طالب نے نرمی اور شائستگی سے انہیں ٹال دیا۔وہ لوگ واپس چلے گئے۔ ❶

دوسرا وفد اور دھمکی

اسلام کی دعوت کا عمل اپنی رفتار اور طریقِ کار کے مطابق جاری رہا۔دلوں کی دنیا نورِ ایمان سے منور ہوتی رہی ، شرک و ضلالت کی تاریکیاں چھٹتی رہیں اور اسلام لانے والوں کی تعداد بڑھتی رہی۔اسلام اب نہ کوئی پوشیدہ معاملہ رہا تھا اور نہ ہی ایسا ہلکا کہ مکہ والے اس پر غضب ناک نہ ہوتے۔ ہر گھر اور ہر مجلس میں اسی خطرے کا ذکر ہو رہا تھا جو اسلامی دعوت کی کامیابی کی صورت میں وہ اپنے آبائی دین اور اپنی جاہلی تہذیب کے لیے بڑی شدت کے ساتھ محسوس کر رہے تھے اور ایک دوسرے کو اس دعوت کے خلاف اشتعال دلا رہے تھے۔
اب وہ ایک اور وفد لے کر حضرت ابوطالب کے پاس پہنچے اور کہنے لگے:'اے ابوطالب، آپ عمر اور شرف کے اعتبار سے ہم میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ہم پہلے بھی آپ سے کہہ گئے تھے کہ اپنے بھتیجے کو روکیں لیکن آپ نے اسے نہیں روکا۔ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اب اگر ہمارے آباء واجداد کو برا بھلا کہنے، ہمارے معبودوں کے عیب بیان کرنے اور ہمیں بے وقف ثابت کرنے کا یہ سلسلہ نہ رکا تو کوئی ایسی فیصلہ کن جنگ ہوگی جس میں یا تو ہم دونوں یا کوئی ایک فریق موت کے گھاٹ اتر جائے گا۔'اس دھمکی سے حضرت ابوطالب بھی کچھ گھبرا گئے۔

❶ ابن هشام.

Marfat.com

انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو قریش کی دھمکی سے آگاہ کیا اور کہا: 'بھتیجے! مجھ پر اور خود اپنے اوپر رحم کرو۔ مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے میں سہار نہ سکوں۔' اب حضور ﷺ کو بھی محسوس ہوا کہ آپؐ کے چچا میں قریش کا دباؤ برداشت کرنے کی سکت جواب دے رہی ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ حضور ﷺ اپنی پوزیشن اور عزائم کو چچا پر واضح کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: 'چچا جان! اللہ کی قسم، اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھ دیں اور یہ مطالبہ کریں کہ میں دعوتِ حق کے امر کو چھوڑ دوں تو میں اسے ترک نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ یا تو اس دعوت کو غالب کر دے گا یا میں اس راہ میں اپنی جان دے دوں گا۔'[1]

تیسرا وفد اور مضحکہ خیز تجویز

قریشِ مکہ کا تیسرا وفد ابو طالب کے پاس گیا۔ اس وفد کے لوگ ایک ایسی تجویز لے کر آئے تھے جو یا تو کوئی سخت بدحواس لوگ دے سکتے ہیں یا بغض اور عداوت نے جن کی مت بالکل مار دی ہو۔ عمارہ بن ولید بن مغیرہ نام کے ایک صحت مند اور خوبصورت نوجوان کو لے کر وہ ابو طالب کے پاس آئے اور کہا کہ اپنے بھتیجے کے بدلے میں یہ نوجوان اپنے پاس رکھ لیں۔ آپ کے بھتیجے نے ہمارے دین، ہمارے معبودوں اور ہمارے آباء و اجداد کے بارے میں جو کچھ کہا اور آپ کی قوم میں جیسی تفریق ڈال دی ہے، اس لیے اسے ہمارے حوالے کر دیں۔ حضرت ابوطالب نے جواب دیا: 'خُدا کی قسم، یہ تو بدترین سودا ہے جو تم مجھ سے کرنا چاہتے ہو۔ تم اپنا بیٹا مجھے دے رہے ہو کہ میں اسے کھلاؤں پلاؤں اور میں اپنا بیٹا تمہارے حوالے کر دوں تا کہ تم اسے قتل کر دو۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔' مطعم بن عدی نے کہا: 'اے ابو طالب! واللہ، تمہاری قوم جس پریشانی میں مبتلا ہے اس سے نکلنے کے لیے اس نے تمہارے ساتھ انصاف کی بات کی ہے۔ لیکن تم ان کی کوئی پیش کش قبول نہیں کرتے ہو۔' حضرت ابوطالب نے کہا: 'نہیں، یہ انصاف نہیں ہے۔ تم ہی مجھے ذلیل کرنے کے لیے قوم کو بھڑکا کر

[1] ابن هشام.

Marfat.com

میرے اوپر چڑھا لائے ہو۔ جاؤ، جو چاہو کر لو۔' ❶

رسول اللہ ﷺ کی جان کے لیے خطرات کو بھانپ کر حضرت ابو طالب نے بنی ہاشم اور بن عبدالمطلب کے لوگوں کو گھر میں بلایا۔ انہیں آگاہ کیا کہ محمدؐ بن عبداللہ کی جان لینے کے لیے قریش کیا سازشیں کر رہے ہیں۔ ابو طالب نے ان لوگوں سے حضور ﷺ کی حفاظت کے لیے حمایت مانگی۔ قطعِ نظر اس سے کہ کوئی ایمان لایا تھا یا نہیں، سب نے یہ عہد کیا کہ وہ آپؐ کو قریش کی انتقامی کارروائیوں کے سامنے تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ صرف ابولہب ایسا بد بخت تھا جو اس عہد میں شامل نہیں ہوا۔ یہ حمایت دین کی بنیاد پر نہیں بلکہ خاندانی غیرت کی بنیاد پر تھی لیکن چونکہ یہ غیر مشروط تھی اور دعوتِ حق کو اس سے پشت پناہی مل رہی تھی اس لیے آپ ﷺ نے اسے قبول کیا۔ ❷

استہزا و اتہام، توہین و تحقیر اور مضحکہ خیز تقاضے

مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں جاری اسلامی تحریک کو زک پہنچانے کے لیے پہلے زبردست نفسیاتی حملے شروع کیے۔ نبی پاک ﷺ اور دعوتِ حق پر ایمان لانے والوں کو استہزا اور توہین و تحقیر کے حربے سے دل شکستہ کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ کبھی رسول اللہ ﷺ کو سحر زدہ باور کرایا جاتا اور کبھی کہا جاتا تھا کہ کسی پرانے زمانے کے نسخے سے نقل کرا کے یہ تازہ وحی کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ پھر یہ کہتے کہ نبی کے لیے تو خوراک اور سامانِ زندگی غیب سے فراہم ہونا چاہیے۔ یہ کیسے پیغمبر ہیں کہ بازاروں میں چلتے پھرتے اور عام لوگوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں؟

﴿وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا ۚ۝ وَ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي

❶ ابن هشام.
❷ اِنّها النّبوه از ا۔د۔صالحاحمد رضا.

Marfat.com

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ۙ اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ ﴾ (الفرقان: 4 تا 9)

'جن لوگوں نے نبی کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: 'یہ فرقان ایک من گھڑت چیز ہے جسے اس شخص نے خود ہی گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے'۔ بڑا ظلم اور سخت جھوٹ ہے جس پر یہ لوگ اتر آئے ہیں۔ کہتے ہیں: 'یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں یہ شخص نقل کراتا ہے اور وہ اسے صبح و شام سنائی جاتی ہیں'۔ اے نبیؐ، ان سے کہو کہ اسے نازل کیا ہے اُس نے جو زمین اور آسمانوں کا بھید جانتا ہے'۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔ کہتے ہیں: 'یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟ کیوں نہ اس کے پاس کوئی فرشتہ بھیجا گیا جو اس کے ساتھ رہتا اور (نہ ماننے والوں کو) دھمکاتا؟ یا اور کچھ نہیں تو اس کے لیے کوئی خزانہ ہی اُتار دیا جاتا، یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ (اطمینان کی) روزی حاصل کرتا'۔ اور یہ ظالم کہتے ہیں: 'تم لوگ تو ایک سحر زدہ آدمی کے پیچھے لگ گئے ہو'۔ دیکھو، کیسی کیسی حجتیں یہ لوگ تمہارے آگے پیش کر رہے ہیں، ایسے بہکے ہیں کہ کوئی ٹھکانے کی بات ان کو نہیں سوجھتی'۔

کبھی رسول اللہ ﷺ کی ساری دعوتی باتیں کسی جنونی کیفیت کا نتیجہ ہیں اور یہ اسے اللہ کے نام سے پیش کرتے ہیں۔

﴿ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ ﴾ (سبا: 8)

Marfat.com

'نہ معلوم یہ شخص اللہ کے نام سے جھوٹ گھڑتا ہے یا اسے جنون لاحق ہے'۔

اللہ تعالیٰ نے علانیہ دعوت کا حکم دینے کے ساتھ ہی اپنے نبی کو آگاہ کر دیا تھا کہ کیسے اس دعوت کا مذاق اڑایا جائے گا اور ساتھ یہ تسلی دے دی تھی کہ اللہ جانتا ہے تکذیب، اتہامات اور استہزا سے نبی کو رنج اور دلی تکلیف ہو گی لیکن فکر نہ کریں ان لوگوں کی اللہ خود خبر لے گا۔ نبی ﷺ کو اس کے مقابلے میں رُوحانی قوت حاصل کرنے کے لیے اپنی توجہ حمد کے ساتھ اللہ کی تسبیح اور نماز سے مدد لینی چاہیے۔

﴿ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (الحجر: 95 تا 96)

''تمہاری طرف سے ہم ان مذاق اُڑانے والوں کی خبر لینے کے لیے کافی ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی خدا قرار دیتے ہیں۔ عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔''

جب انہوں نے بتکرار یہ بات پھیلانی شروع کی کہ محمدؐ اللہ کے نام سے جھوٹ گھڑ گھڑ کر پیش کر رہے ہیں تو اللہ کی طرف سے انہیں بطورِ چیلنج کہا گیا کہ اچھا اگر یہ قرآن تمہارے خیال میں کسی انسان کی تراشی ہوئی کتاب ہے تو اس جیسا معجزانہ کلام لے آؤ۔

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ﴾ (ھُود: 13)

'کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے یہ کتاب خود گھڑ لی؟ کہو 'اچھا یہ بات ہے تو اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں تم بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اور جو (تمہارے معبود) ہیں اُن کو مدد کے لیے بلا سکتے ہو تو بُلا لو اگر تم (اُنہیں معبود سمجھنے میں) سچے ہو'

(پھر فرمایا کہ دس سورتیں مشکل کام ہے تو چلو کوئی ایک ہی ایسی سورۃ لے آؤ)

یہ اپنی مجلسوں میں پیغمبرِ اسلام ﷺ کے بارے میں سرگوشیوں میں گھٹیا تبصرے کرتے کہ ہمارے جیسے ایک انسان کو کارِ رسالت کیوں کر سونپا جا سکتا تھا۔ وہ کبھی قرآن پاک کو جادو کا شاخسانہ کہتے، کبھی اس کو پراگندہ خیالات اور خوابوں کا مجموعہ باور کراتے اور کبھی اسے شاعر

Marfat.com

کے کلام کا نام دیتے تھے۔

﴿وَ اَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝﴾ (الانبیاء: 3)

'اور ظالم آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں کہ یہ شخص آخر تم جیسا ایک بشر ہی تو ہے، پھر کیا تم آنکھوں دیکھتے جادو کے پھندے میں پھنس جاؤ گے؟'

﴿بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝﴾ (الانبیاء:5)

'وہ کہتے ہیں' بلکہ یہ پراگندہ خواب ہیں، بلکہ یہ اس کی من گھڑت ہے، بلکہ یہ شخص شاعر ہے، ورنہ یہ لائے کوئی نشانی جس طرح پرانے زمانے کے رسول نشانیوں کے ساتھ بھیجے گئے تھے۔'

اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے سورۃ ھُود آیت :13 میں ایک چیلنج رکھا کہ کوئی انسان اگر ایسا کلام پیش کر سکتا ہے تو تم لوگ تو بہت بڑے زبان دان ہو، اس جیسی دس سورتیں بنا کر لے آؤ۔ پھر دس سورتوں کو کم کر کے فرمایا کہ اچھا کوئی ایک سورت ہی اس کلام کے مقابل لے آؤ۔

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَ لَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ (یونس:39,38)

'کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے اسے خود تصنیف کر لیا ہے؟ کہو: 'اگر تم اپنے اس الزام میں سچے ہو تو ایک سورۃ اِس جیسی تصنیف کر لاؤ اور ایک خدا کو چھوڑ کر جس جس کو بلا سکتے ہو مدد کے لیے بلا لو۔ اصل یہ ہے کہ جو چیز ان کے علم کی

Marfat.com

گرفت میں نہیں آئی اور جس کا مآل بھی ان کے سامنے نہیں آیا، اس کو انھوں نے (خواہ مخواہ اٹکل پچو) جھٹلا دیا۔ اسی طرح تو ان سے پہلے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں، پھر دیکھو ان ظالموں کا کیا انجام ہوا؟'

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿٢٩﴾ وَ اِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿٣١﴾ وَ اِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿٣٢﴾﴾ (المطففین: 29 تا 32)

'مجرم لوگ دنیا میں ایمان لانے والوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ جب اُن کے پاس سے گزرتے تو آنکھیں مار مار کر اُن کی طرف اشارے کرتے تھے، اپنے گھر والوں کی طرف پلٹتے تو مزے لیتے ہوئے پلٹتے تھے۔ جب انہیں دیکھتے تو کہتے تھے کہ یہ بہکے ہوئے لوگ ہیں۔'

ان کا جب کوئی اور حربہ کامیاب نہ ہوا اور قبولِ اسلام کی لہر کے آگے وہ بند نہ باندھ سکے تو ایک اور چھچھوری حرکت انہیں یہ سوجھی کہ جب رسول اللہ ﷺ کہیں قرآن پڑھ رہے ہوتے تو وہ شور اور ہنگامہ برپا کر کے اس میں خلل ڈالتے تھے۔ اس حرکت پر شدید عذاب کی وعید انہیں سنائی گئی۔

﴿وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿٢٦﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾﴾ (حٰمٓ السّجدة: 26 تا 27)

'یہ منکرینِ حق کہتے ہیں' اس قرآن کو ہرگز نہ سنو اور جب یہ سنایا جائے تو اس میں خلل ڈالو، شاید کہ اسی طرح تم غالب آجاؤ۔' ان کافروں کو ہم سخت عذاب کا مزا چکھا کر رہیں گے اور جو بدترین حرکات یہ کرتے رہے ہیں ان کا پورا پورا بدلہ انہیں دیں گے۔'

Marfat.com

دعوتِ حق کے راستے نکلتے گئے

رواں پانی کے آگے رکاوٹ کھڑی کی جائے تو وہ اپنے بہاؤ کا کوئی اور راستہ نکال لیتا ہے۔دائیں سے، بائیں سے، نیچے سے، یہاں تک کہ اس رکاوٹ کے اوپر سے بھی گزر کر آگے بڑھتا ہے۔دعوتی تحریک بھی اسی طرح اپنے راستے نکال رہی تھی۔ایمان لانے والے اس فرض سے غافل ہوکر گوشہء عافیت میں بیٹھ نہیں جاتے تھے جو ایمان لانے کے ساتھ ہی ان پر عائد ہو جاتا تھا۔کوئی علانیہ کام کر رہے تھے،کوئی رازداری کے ساتھ اس میں لگے ہوئے تھے۔مرد ہی نہیں،جن عورتوں کو ایمان کی نعمت ملی تھی وہ بھی اپنا کردار ادا کر رہی تھیں۔
اس تحریک کی پشت پر حکمت وتدبّر کی کارفرمائی کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ کوہِ صفا کے دامن میں ایک سولہ برس کے نوخیز جوان ارقم بن ابی الارقم کے گھر میں دعوتِ حق کا مرکز قائم کیا گیا تھا۔کعبہ کے جوار میں ہونے کی وجہ سے اس طرف ہر وقت لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔اس لیے مشرکین یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایسے مصروف مقام پر دعوت کی منصوبہ کاری، اہلِ ایمان کی تعلیم وتربیت اور ان کے آپس میں رابطوں کا سلسلہ قائم ہوسکتا ہے۔وہ خواتین جو رازداری کی مصلحت کے تحت دارِ ارقم میں نہیں جا سکتی تھیں انہوں نے قرآن سیکھنے کے لیے اپنے گھروں میں انتظام کر لیا تھا۔

ظلم وتشدد کی بھٹی گرم ہوگئی

قریشِ مکہ ایمان کی حقیقت، اہمیت اور قوت کا ادراک نہیں کر سکتے تھے۔اُن کا خیال تھا کہ یہ جادوٹونے کی طرح کی کوئی چیز ہے جسے ان کے عامل اپنے وظیفوں سے رفع کر سکتے ہیں یا یہ کوئی ایسا بے روغن چراغ ہے جسے وہ افواہوں اور جھوٹے پراپیگنڈے کی پھونکوں سے بجھا دیں گے یا اس پر تمسخر، تحقیر وتذلیل اور دھمکیوں کے تنکوں کا ڈھیر ڈال کر اس کو دبا دیں گے۔ان کی نظر میں یہ معاملہ بڑا معمولی تھا کہ ایک سال وہ اپنے بتوں کی پرستش چھوڑ کر صرف معبودِ حقیقی -اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ- کی عبادت کر لیں گے اور اس کے عوض ایک سال کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیروکاران کے بتوں کی پرستش پر راضی ہو جائیں گے۔لیکن اُن کی

Marfat.com

اِس احمقانہ پیشکش کا دوٹوک جواب خود اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکٰفرون کی صورت میں اپنے نبیؐ کی زبان پر جاری کر دیا تھا۔

﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۟ۙ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۟ۙ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۟ۚ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۟ۙ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۟ؕ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۟۠﴾

'کہہ دو کہ اے کافرو، میں اُن کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو، نہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ اور نہ میں اُن کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تُم نے کی ہے، اور نہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دِین ہے اور میرے لیے میرا دِین۔'

اُن کی یہ ساری تدبیریں رائیگاں گئیں۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اِسلام کی نورانی کرنیں کفر و ضلالت اور شرک کی ظلمتوں کو چیرتی ہوئی اب مکّہ سے باہر بھی بکھرنے لگی تھیں۔ چنانچہ اب انہوں نے ظلم و ستم اور تشدد اور ایذا رسانیوں کی بھٹی گرم کر لی تھی۔ آلِ یاسرؓ، بلالؓ بن رباح اور اُن کی والدہ حمامہ رضی اللہ عنہا، جو اُن کے ساتھ ہی مسلمان ہو گئی تھیں، بنی عبدالدار کے غلام ابوفُکَیہہ یسار ازدیؓ، بنی مؤمّل کی ایک لونڈی لُبینہؓ (یا لُبَیبہ) عامر بن فُہیرہؓ، بنی عبد الدار ہی کے ایک گھرانے کی لونڈی نَہدِیہؓ اور ان کی بیٹی، بنو مخزوم یا بنو عدی یا ایک روایت کے مطابق بنو عبد الدار کے ایک کنبے کی لونڈی زَنِّیرہ رومیہؓ، حضرت خبابؓ بن الارت اور ایسے ہی کئی لونڈیاں غلام وحشیانہ تشدد کا تختۂ مشق بن رہے تھے۔ ❶

بے رحم اور سفاک ہاتھ ان بے سہارا لوگوں سے آگے بڑھ کر مکّہ کے ذی حیثیت اور کھاتے پیتے گھرانوں کے اندر سے ایمان کا شرف پانے والوں تک بھی دراز ہو چکے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، حضرت خالد

---

❶ بحوالہ سیرتِ رحمتِ دارین ﷺ از طالب الہاشمی۔

Marfat.com

بن سعید رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت مُصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، سہیل بن عمر کے بیٹے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسی معاشرے میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھی جانے والی شخصیات پر بھی انتقامی ہاتھ پڑ چکے تھے۔ ❶

قریش کے غیض و غضب کی ایک وجہ یہ تھی کہ اتنے ہولناک مظالم سہنے کے باوجود ایک بھی مظلوم عورت اور مرد ایسا نہ تھا جسے وہ ایمان سے پھیرنے میں کامیاب ہوئے ہوں۔ ایمان کے بیج کی خاصیت ہی یہ ہے کہ اس پر خواہ کتنی ہی بھاری چٹان ڈال دی جائے وہ بیج پھوٹتا ہے اور اس کی کونپلیں چٹان کے پہلوؤں سے سر نکال کر سامنے آ جاتی ہیں۔ ایمان زاویۂ نگاہ بدل دیتا ہے۔ مقاصدِ حیات کو دنیا سے پھیر کر آخرت کی طرف موڑ دیتا ہے۔ جب آخرت مقصودِ حقیقی بن جاتی ہے تو دنیا کی ابتلائیں ہلکی ہو جاتی ہیں۔ فرعون جب موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو ناکام بنانے کے لیے رب کے دیے ہوئے معجزات کے مقابلے میں ماہر جادوگروں کو لایا تھا تو ان جادوگروں کی نظر دنیوی مناصب و مراتب پر تھی۔ وہ موسیٰ علیہ السلام سے مقابلے سے پہلے ہی دنیا کے انعام اور صلہ کی یقینی دہانی چاہ رہے تھے۔ لیکن جب ان پر حق واضح ہو گیا تو وہ ایمان لا کر سجدے میں گر گئے۔ اس پر فرعون نے دھمکی دی کہ تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر تمہیں سولی پر لٹکا دوں گا تو ان کی نگاہیں سارے مادی آفاق چیرتی ہوئی آخرت کو دیکھنے لگی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے صاف کہہ دیا:

﴿قَالُوا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَ مَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝﴾

(طٰہٰ:72 تا 73)

'جادوگروں نے جواب دیا: 'قسم ہے اُس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا، یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم روشن نشانیاں سامنے آ جانے کے بعد بھی (صداقت پر)

---

❶ ایضاً۔

Marfat.com

تجھے ترجیح دیں۔ تو جو کچھ کرنا چاہے کر لے۔ تو زیادہ سے زیادہ بس اِسی دُنیا کی زندگی کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ ہم تو اپنے رَب پر ایمان لے آئے، تاکہ وہ ہماری خطائیں معاف کر دے اور اِس جادوگری سے جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا در گزر فرمائے۔ اللہ ہی اچھا ہے اور وہی باقی رہنے والا ہے۔'

ابولہب اور اُمِّ جمیل کی بدبختی

گستاخ زبانیں اور ظالم ہاتھ اب رسول اللہ ﷺ تک دراز ہونے لگے تھے۔ ابولہب، حَکَم بن عاص، عُقبہ بن ابی مُعَیط، عَدِی بن حمراء اور ابن الاصداء الہذلی نبی پاک ﷺ کے ہمسائے تھے۔ ان سب نے دعوتِ اسلام کے ساتھ ہی حضور ﷺ کے ساتھ بدترین دشمنی اختیار کر لی تھی۔ یہ اپنی شرارتوں سے آپ ﷺ کو گھر کے اندر بھی چین نہیں لینے دیتے تھے۔ گھر میں ہانڈی پک رہی ہوتی تھی تو یہ اوپر سے کوڑا کرکٹ پھینک دیتے تھے۔ ابولہب اور اس کی بیوی نے تو مخالفت کی ساری حدیں عبور کر لی تھیں۔ ان کے دو بیٹوں کے ساتھ حضور ﷺ کی دو بیٹیاں بیاہی ہوئی تھیں۔ ظہورِ اسلام کے کچھ ہی عرصہ بعد انہوں نے بیٹوں سے کہہ کر دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دلا دی تھی۔ ایک بیٹا عتبہ یا عتیبہ تو جہالت میں اس سطح پر چلا گیا تھا کہ ایک روز اُس نے حضور ﷺ پر تھوک پھینکا۔ نبی ﷺ نے فرمایا 'اے اللہ اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتے کو مسلّط کر دے۔' وہ ایک قافلے کے ساتھ شام کے سفر پر گیا۔ ایک پڑاؤ پر قافلے والوں نے اس کی حفاظت کی غرض سے رات سوتے وقت اس کے گرد اپنے اونٹ بٹھا دیے تھے۔ اس کے باوجود ایک شیر اونٹوں کو پھلانگتا ہوا آیا اور اسے پھاڑ کر کھا گیا۔ ابولہب کی بیوی اُمِّ جمیل کا وتیرہ تھا کہ خاردار جھاڑیاں لا کر رات کو رسولِ پاک ﷺ کے دروازے پر ڈال دیتی تھی تاکہ صبح آپؐ خود یا گھر کا کوئی اور فرد باہر نکلے تو کانٹے چبھیں۔ یہ میاں بیوی احساسِ مروّت اور انسانی ہمدردی سے بھی گزر گئے تھے۔ حضور ﷺ کے صاحبزادے قاسم کے بعد جب دوسرے صاحبزادے عبداللہ کا انتقال ہو گیا تو شریکِ غم ہونے کے بجائے یہ خوشی خوشی قریشی سرداروں کے پاس پہنچا اور انہیں اِن الفاظ میں یہ اطلاع دی کہ

Marfat.com

آج محمدؐ بے نام ونشان ہو گئے۔ سورۃ الکوثر کی آخری آیت میں اسی کا جواب دیا گیا ہے۔ ❶

عُقبہ بن ابی مُعَیط کی گستاخی

ایک دن رسول پاک ﷺ مسجدِ حرام میں حالتِ نماز میں تھے کہ عُقبہ بن ابی مُعَیط نے سجدے کے دوران میں آپؐ کے گلے میں چادر ڈالی اور اسے اتنے بَل دیے کہ حضور ﷺ کا گلا گھٹنے لگا۔ اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور دھکا دے کر عُقبہ بن ابی مُعَیط کو پرے ہٹایا اور مشرکین سے مخاطب ہو کر وہی بات کی جو آلِ فرعون میں سے ایک مومن شخص نے اُس وقت کہی تھی جب فرعون موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔

﴿ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَ قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ ﴾ (المؤمن :28)

'کیا تم ایک شخص کو صرف اِس بنا پر قتل کر دو گے کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے؟'

ایک روز یہی بد انجام ایک روز پہلے ذبح کی ہوئی اونٹنی کی آلائشوں سے بھری ہوئی بھاری اوجھ اٹھا لایا۔ رسول اللہ کعبۃ اللہ کے پہلو میں نماز ادا کر رہے تھے۔ حضور ﷺ جب سجدے میں گئے تو اس نے وہ اوجھ آپؐ کی پیٹھ پر ڈال دی۔ مشرکین اس گھٹیا حرکت پر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ نبی ﷺ کی کمسن صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پتہ چلا تو وہ دوڑی دوڑی آئیں اور حضور ﷺ کی پیٹھ پر سے یہ بوجھ پرے پھینکا۔ جن بد اطواروں نے یہ پست حرکت کی اور کرائی تھی ان کے مقدر میں ہدایت نہیں تھی۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ عُقبہ بن ابی مُعَیط، ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف اور عمارہ بن ولید کے نام لے لے کر بد دعا دی۔ یہ سب بدر کی لڑائی میں ذلت کے ساتھ مارے گئے تھے اور ان کی لاشیں گھسیٹ کر ایک گڑھے میں پھینکی گئی تھیں۔ ❷

---

❶ تفهيم القُرآن جلد ششم.

❷ بخاری، مسلم، نسائی، بزاز، طبرانی.

Marfat.com

فرعون صفت ابو جہل

ایک مرسل روایت ہے کہ 'ہر اُمت (کی آزمائش) کے لیے ایک فرعون ہوتا ہے اور اِس (مُسلم) اُمت کے لیے ابو جہل فرعون ہے۔' یہ اسلام کے دشمنوں کا سرخیل تھا۔ اس کی اسلام دشمنی کے کئی محرکات تھے۔ قریش کا بڑا سردار ہونے کی وجہ سے یہ اپنے آپ کو شرک پر قائم جاہلی نظام کا پاسدار سمجھتا تھا۔ اس کے انکارِ حق کے پیچھے قبائلی رقابت بھی کارفرما تھی۔ اس کی قبائلی غیرت کو یہ گوارا نہیں تھا کہ محمد ﷺ کی رسالت کو مان کر بنو مخزوم پر بنو ہاشم کی فوقیت و برتری تسلیم کر لی جائے۔ یہی وجہ تھی کہ دعوتِ حق کو نیچا دکھانے کی کوششوں میں یہ سب کافروں پر بازی لے گیا تھا۔ اس کی دشمنی کے کئی رنگ تھے۔ خود بھی حضور ﷺ کے درپئے آزار رہتا اور دوسروں کو بھی ہشکارتا تھا۔ سب تدبیروں کو بے اثر دیکھ کر اس نے داعیِ اعظم ﷺ کی ذات کو براہِ راست نشانہ بنانے اور حضور ﷺ کو جان سے مارنے کا منصوبہ تیار کر لیا تھا۔ ایک روز یہ ایک بھاری پتھر لے کر مسجدِ حرام میں تاک میں بیٹھ گیا کہ جب آپ ﷺ سجدے میں جائیں گے تو وہ پتھر حضور ﷺ کے سر پر مارے گا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے معمول کے مطابق تشریف لائے اور نماز میں مصروف ہو گئے۔ جوں ہی آپ سجدے کی حالت میں پہنچے ابو جہل وہ بھاری پتھر لے کر آگے بڑھا۔ لیکن اس کے تماش بین ساتھیوں نے دیکھا کہ وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے بھاگنے لگا۔ لوگوں نے اس کی خوف زدگی کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ جب میں پتھر لے کر آگے بڑھا تو ایک خوفناک اونٹ سامنے آ گیا۔ اتنے بڑے سر اور لمبی گردن اور کچلیوں والا اونٹ میں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ مجھے ایسے لگا جیسے وہ مجھے چبانے لگا ہے۔ اس کے خوف سے میں پیچھے بھاگ آیا۔' نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ جبریلؑ تھے۔ [1]

---

[1] ابن اسحاق۔

Marfat.com

ہجرت حبشہ

ایمان اور زندگی کی اہمیت

وہ شخص جو ایمان کی دولت پا کر اللہ کو اپنا رب اور محمد مصطفیٰ ﷺ کو رسول مان لیتا ہے اور اپنی زندگی ان تعلیمات کے مطابق گزارنے لگتا ہے جو اس کائنات کے خالق و مالک نے اپنے رسول کے ذریعے انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجیں، اس کی ربِ کائنات کے نزدیک حیثیت و اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ آخرت میں جنت اس کی قیمت بنتی ہے۔ دنیا میں اس کی جان ایسی سستی نہیں رہتی کہ وہ ضائع کر دی جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو جان سے بھی بدرجہا گرانقدر چیز اپنے ایمان کو سمجھتے تھے۔ ایمان لانے والوں میں صرف مُستَضْعَفِیْن یعنی بے سہارا اور کمزور لوگ ہی نہیں تھے، مکہ کے کھاتے پیتے، خوش حال اور با اثر گھرانوں کی عورتیں اور مرد بھی شامل تھے۔ ان کا ایمان قبیلے کے بڑوں کے جاہلی وقار کا مسئلہ بن گیا تھا۔ وہ اپنے خاندان کے ان افراد کو ترغیب دے کر، کھانے پینے سے محروم رکھ کر، بول چال چھوڑ کر، جذباتی آزمائش میں ڈال کر، رسیوں اور زنجیروں میں جکڑ کر، اندھیری کوٹھریوں میں بند کر کے، اذیتیں دے کر، غرض ہر طریقہ اختیار کر کے حالتِ کفر میں واپس لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ راہِ حق میں عزیمت کا بلاشبہ بڑا مقام ہے لیکن اسلام کا یہ ہرگز تقاضا نہیں ہے کہ اس کے دامن میں پناہ لینے والے عزیمت کے نام پر ناقابلِ برداشت ظلم و عدوان کا شکار بنتے رہیں۔ وہ دِین جو جانوروں کو ذبح کرنے میں بھی اذیت دینے سے روکتا ہے، کیسے ہوسکتا تھا کہ مسلمانوں کو مصائب اور شدائد سے نکلنے کی راہ تلاش کرنے سے منع کر دیتا۔ شریعت میں حالات اور ضرورت کے مطابق رُخصت کی گنجائش موجود ہے۔ جان جانے کا خدشہ ہو یا ظلم و

Marfat.com

ستم برداشت سے باہر ہو رہا ہو تو دل سے ایمان پر قائم رہتے ہوئے دِین اور رسول پاک ﷺ کے خلاف کوئی بات کہہ دینے کی بھی اس میں اجازت ہے۔ دِین اور ایمان کے مطابق زندگی بسر کرنا اگر کسی جگہ ممکن نہ رہے تو کسی امن کی جگہ منتقل ہو جانا عقل و حکمت کی پکار بھی ہے اور خود دِین کی تعلیم بھی۔ جدید دنیا کے اندر اگرچہ کفر کی قوتوں ہی نے نہیں بلکہ خود مسلمان حکومتوں نے بھی اپنی حدود کے باہر کے افراد اور گروہوں کی آمدورفت کے اتنے سخت قانون بنا دیے ہیں کہ ایک جگہ بری طرح ستائے جانے والے مسلمانوں کے لیے وہاں سے نکلنے کا راستہ نہیں رہا ہے اور کسی طرح نکل جائیں تو کہیں انہیں پناہ نہیں ملتی۔ اس کے باوجود مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ وہ حریت اور عافیت اور بہتر زندگی کے لیے ایسی جگہیں تلاش کریں جہاں ان کی جان محفوظ اور اور وہ آزادی سے دین کے احکام پر عمل کر سکیں۔ شرط یہ ہے کہ نکلنے کی نیت میں 'فی سبیل اللہ' اولیٰ ہو۔ صرف رزق یا کوئی دوسرا فائدہ مقدم نہ ہو۔

﴿ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ ﴾

(النّسآء: 100)

''اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں پناہ لینے کے لیے بہت جگہ اور بسر اوقات کے لیے بڑی گنجائش پائے گا۔''

ہجرت کے اشارے

ہجرتِ حبشہ رسول اللہ ﷺ کے تیسرے دَورِ دعوت کا نقطۂ آغاز بنی۔ مولانا مودودیؒ کی تحقیق کے مطابق سورۃ کہف اس دَورِ دعوت کی اوّلین سورتوں میں سے ہے۔ اصحابِ کہف کو جس ظلم و ستم اور مزاحمت و مخالفت کا سامنا کرنا پڑا تھا، مکّہ میں مسلمان بھی انہی حالات سے گزر رہے تھے۔ ان پر جاری جور و ستم کی مشق بھی اتنی شدید ہو گئی تھی کہ زیادہ عرصہ اس طوفانِ کفر کے سامنے قدم جما کر کھڑا رہنا مشکل ہو رہا تھا۔ اصحابِ کہف کے قصے میں اہلِ ایمان کے لیے دو اشارے تھے۔ ایک یہ کہ جان اور ایمان کو بچانے کی خاطر ہجرت کرنی پڑے تو کسی ایسے گوشۂ زمین کی طرف نکل جانا منافیِ ایمان نہیں، جہاں امن اور سلامتی ملے۔

Marfat.com

دوسرا اشارہ یہ تھا کہ جس طرح اصحابِ کہف کی آزمائشوں کا دور ختم ہوا اور غار میں بیدار ہونے کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ستم شعار اور قہرمان عہد تمام ہو چکا تھا، اسی طرح محمد ﷺ اور آپ کے صحابہؓ پر ظلم وعدوان کا طوفان ٹل جائے گا اور یُسر اور سکون وعافیت کے حالات پیدا ہوں گے۔ خضر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں بھی یہی پیغام تھا کہ منفی چیزوں کے ظاہری پردوں کے پیچھے کچھ اور طرح کی حکمت وقانونِ الٰہی کی ایک صورت کارفرما ہوتی ہے۔

قدم راہِ ہجرت پر

ابن اسحاق نے حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ: 'جب ہمارے لیے مکہ میں رہنا مشکل ہو گیا، صحابہ کرام کو اذیتوں کا سلسلہ دراز ہو گیا اور ایمان خطرے میں پڑ گیا تو ایک روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'مناسب ہے کہ تم لوگ ارضِ حبشہ کی طرف نکل جاؤ۔ وہاں ایک ایسے بادشاہ کی حکومت ہے جس میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانی اور نجات کی کوئی راہ پیدا ہونے تک وہاں مقیم رہو۔ چنانچہ ہم حبشہ کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ وہاں پہنچ کر اکٹھے رہنے لگے۔ ہمارے لیے وہ علاقہ بھی اچھا اور حکمران بھی اچھا تھا۔ نہ دین کے معاملے میں کوئی خوف تھا اور نہ کسی طرح کے ظلم کا کوئی خطرہ تھا۔' [1]

رجب 5 نبوی کو اللہ کی راہ میں پہلی ہجرت پر نکلنے والے خواتین وحضرات کے اس گروہ میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور اُن کی زوجہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ، ابو حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ سہلہؓ بنت سہیل، زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، ابوسلمہ اور ان کی زوجہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہما، عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، عامر بن ربیعہ اور ان کی زوجہ لیلیٰ بنت ابی حثمہ رضی اللہ عنہما، ابوسَبرۃ بن ابی رُہم رضی اللہ عنہ اور سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ۔ قریش کو پتہ چلا تو تعاقب میں آدمی دوڑائے لیکن جب وہ وہاں پہنچے تو مسلمان تاجروں کی دو کشتیوں میں سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہو چکے تھے۔ ابن سعد کی ایک روایت میں اِن مہاجرین کی تعداد بارہ مرد اور چار عورتیں بتائی گئی ہے۔ مورخین کا خیال ہے کہ اُس وقت کے حبشہ سے مراد وہ

[1] السّیر و مغازی لابن اسحاق.

Marfat.com

علاقہ نہیں جسے اب اریٹیریا کہتے ہیں۔ حبشہ سے مراد سوڈان ہے۔ ممکن ہے موجودہ اریٹیریا اس وقت سوڈان کا حصہ ہو۔

قصہ ٔ غرانیق

ہجرتِ حبشہ اولیٰ کے کچھ ہی عرصہ بعد مہاجرینِ کو یہ خبریں ملیں کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت ترک کر دی ہے اور مسلمانوں کے لیے حالات میں وہ سختی نہیں رہی ہے جس کی وجہ سے وہ گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ چار ماہ بعد یعنی شوال کے مہینے میں واپس آ گئے۔ لیکن جب وہ مکہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ خبریں درست نہیں ہیں۔ کچھ صحابہؓ کو مکہ میں با اثر لوگوں کی پناہ مل گئی۔ لیکن جن کو پناہ دینے والا کوئی نہیں تھا وہ واپس حبشہ چلے گئے۔ مہاجرینِ حبشہ کی واپسی کے بارے میں ایک قصہ مشہور ہو گیا جو تاریخ اور بعض تفاسیر میں قصہ ٔ غرانیق کے نام سے مشہور ہو گیا۔ سورۃ النجم وہ پہلی سورۃ ہے جسے رسول پاک ﷺ نے حرم شریف میں مشرکینِ مکہ کے سامنے پڑھ کر سنایا۔ اس قصے کے مطابق حضور ﷺ نے جب انیسویں اور بیسویں آیت ختم کی تو شیطان نے مشرکین کے کانوں میں تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَ اِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى (یہ بلند شان والی مورتیاں ہیں جن کی شفاعت کی امید کی جاسکتی ہے) کے الفاظ ڈال دیے۔ سورۃ کے آخر میں جب حضور ﷺ نے سجدہِ تلاوت کیا تو مشرکین بھی سجدے میں گر گئے۔ یہی خبر حبشہ پہنچی اور مہاجرین نے اسی کو حالات کی سازگاری کی علامت سمجھا۔ اکرم ضیاء العمری کی رائے ہے کہ یہ ہرگز بعید نہیں کہ سورۃ النجم کی دلوں کو دہلا دینے والی تاثیر نے قریشی سرداروں پر ہیبت طاری کر دی ہو کہ وہ سجدے میں چلے گئے ہوں لیکن اونگھ میں رسولِ پاک ﷺ سے یہ الفاظ نکلنا عصمتِ نبوت کے بھی منافی ہے اور اس عقیدۂ توحید کے بھی خلاف ہے جس کی تبلیغ کی وجہ ہی سے مکہ والے آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے تھے۔ ابن سعد، طبری اور بیہقی کی بیان کی ہوئی کہانی انیسویں اور بیسویں آیت کے سیاق و سباق، روایات کی سندوں اور عربی لغت کی رو سے قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ ابنِ کثیرؒ کے نزدیک اس قصے کی کوئی سند بھی صحیح نہیں ہے۔ شیخ ناصر الالبانی نے تمام

Marfat.com

سندوں کو باطل قرار دیا ہے۔ [1] دکتور مہدی رزق اللہ احمد نے اس قصے کے اِبطال اور رد میں اپنی کتاب میں گیارہ صفحات پر محیط طویل بحث کی ہے۔ [2]

دوسری ہجرت اور مشرکین کا تعاقب

پہلی ہجرت سے لوٹ کر آنے والوں کے علاوہ بھی بہت سے مسلمان مصائب و شدائد سے نجات کی کوئی سبیل ڈھونڈ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ ہجرت کی اجازت دے دی۔ اس قافلے میں اسّی سے زیادہ مرد تھے۔ زاد المعاد میں ابن القیمؒ نے عورتوں کی تعداد 19 لکھی ہے۔ اِس مرتبہ سردارانِ قریش نے حبشہ تک مہاجرین کا تعاقب کیا اور انہیں واپس لانے کے لیے باقاعدہ اپنا ایک وفد نجاشی کے پاس روانہ کیا۔ عمرو بن العاص، عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمارہ بن ولید پر مشتمل یہ وفد نجاشی، عیسائی بطریقوں اور عمائدینِ دربار کے لیے بہترین تحفے لے کر حبشہ پہنچا۔ سردارانِ قریش کی اپنے وفد کو ہدایت تھی کہ بطریقوں اور عمائدینِ دربار کو ہمنوا بنانے کے لیے پہلے انہیں تحفے پیش کریں۔ اس وفد نے بطریقوں کو متاثر کرنے کے لیے کہا کہ ہمارے کچھ نادان نوجوان بھاگ کر تمہارے ہاں آ گئے ہیں۔ نہ یہ اپنی قوم کا دِین مانتے ہیں اور نہ تمہارا دِین قبول کرتے ہیں۔ یہ ایک نئے دِین کے پیروکار ہیں جو ہمارے اور تمہارے دِین سے مُختلف ہے۔

نجاشی تک معاملہ پہنچا تو اس نے کہا کہ ان کو میرے پاس لاؤ۔ میں معلوم کروں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ مسلمان نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے۔ یہاں شیخ منیر الغضبانؒ نے اس صاحبِ ایمان گروہ کی کچھ امتیازی خصوصیات کا ذکر کیا ہے جو اسلام کے اثر اور ایمان کی برکت سے پروان چڑھی تھیں۔ نجاشی کے دربار میں مشرکین کے پھیلائے ہوئے مکر کے جال کو توڑنے میں ان خصوصیات نے اہم کردار ادا کیا۔ اپنی نمائندگی کے لیے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے گھرانے کے ایک فرد، حضورؐ کے چچا زاد بھائی حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو

---

[1] نَصَبُ الْمَجَانِيقِ لِنَسفِ قِصَّةِ الْغَرَانِيقِ.

[2] السّيرة النّبوية فى ضوء المصادر الصحيحة.

Marfat.com

منتخب کیا۔ انہوں نے شاہی دربار کے آداب کا لحاظ رکھا لیکن ایک مخالف فضا میں بڑے اعتماد کے ساتھ اپنا موقف پیش کیا۔ ایمان نے مسلمانوں کے اندر ایسی وحدتِ صف، وحدتِ فکر اور وحدتِ موقف پیدا کر دی تھی کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی نجاشی کے دربار میں تقریر کے دوران کسی نے ان کی رائے سے اختلاف کیا اور نہ انہیں روکا اور ٹوکا اور نہ کسی بات کی تردید کی۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے سامنے جس اختصار اور جامعیت کے ساتھ اسلام کے عقائد، عبادات اور اخلاقی اصول بیان کیے، اور بتایا کہ یہ ہے وہ قصور جس پر قریش مسلمانوں کو ظلم وستم کا نشانہ بناتے ہیں۔ اُس ماحول میں اس سے بہتر ترجمانی کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایسی کوئی بات نہیں کی جس سے دربار کی فضا مکدر ہوتی۔ [1]

نجاشی نے خواہش ظاہر کی کہ اُس وحی کے کچھ حصے اسے سنائے جائیں جس کی مخالفت کی وجہ سے مسلمانوں پر مظالم توڑے جاتے ہیں۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اس مقصد کے لیے قُرآن پاک کا مناسبِ حال حصہ یعنی سورۃ مریم کی ابتدائی آیات پڑھ کر سنائیں۔ حضرت جعفرؓ کی گفتگو اور آیاتِ قُرآنی کی تاثیر ایسی تھی کہ نجاشی اور بطریقوں سمیت سارے درباریوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ نجاشی نے کہا: 'یہ تعلیم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم ایک ہی سرچشمے سے نکلی ہے۔ جاؤ، اللہ کی قسم! میں ان مسلمانوں کو تمہارے حوالے ہرگز نہیں کروں گا۔' یہ وار خالی گیا تو اگلے روز عمرو بن العاص اپنے ترکش سے تدبیر کا ایک اور تیر نکال لائے۔ نجاشی کے پاس جا کر کہا کہ 'یہ لوگ حضرت عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں گستاخی کی باتیں کرتے ہیں۔' نجاشی نے پھر مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا اور پوچھا کہ 'حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ان کا عقیدہ کیا ہے؟' یہاں پھر مسلمانوں کا امتحان تھا۔ نجاشی کے ہاں ہمدردی اور حمایت وتعاون کے جو امکانات گزشتہ روز پیدا ہوئے تھے انہیں ضائع بھی نہیں جانے دینا تھا اور ایسا موقف بھی پیش کرنا تھا جس میں نہ خوف کی جھلک ہو، نہ مداہنت کا رنگ اور نہ مصلحت کا دخل۔ جناب مسیح علیہ السلام کے بارے میں وہی حقیقت بیان کرنی تھی جو قُرآن پاک میں

[1] المنهج الحركي للسّيرة النّبوية لمنير الغضبان.

Marfat.com

آئی ہے۔ چنانچہ حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: 'حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ہمارے نبی پر جو کچھ نازل ہوا وہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اُس کی بھیجی ہوئی روح ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کنواری مریم بتول کی طرف القا کی۔'

اس پر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا: 'آپ نے جو کچھ بتایا ہے حضرت عیسیٰ اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں تھے۔ چونکہ بطریقوں کو قیمتی تحفے مل چکے تھے اس لیے غصے سے ان کے نتھنے پھول گئے لیکن نجاشی نے ان کی پروا نہیں کی۔ قریش کے تحائف واپس کر دیے اور مسلمانوں کو امن کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی۔ تینتیس مرد اور آٹھ عورتیں رسول اللہ ﷺ کی ہجرتِ مدینہ کے بعد جنگِ بدر سے قبل حبشہ سے مدینہ پہنچ گئے۔ باقی مسلمان حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ فتحِ خیبر کے بعد 7 ہجری میں مدینہ پہنچے۔ مشرکین کو حبشہ میں جس بدترین سفارتی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اس کا غصہ مکہ میں بے بس مسلمانوں پر اتارا اور جبر و ستم میں تیزی لے آئے۔ [1]

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

قریش کے ہاں حضرت حمزہؓ کی بہادری کی وجہ سے بڑی عزت تھی۔ وہ شکار کے شوقین تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی۔ مزید یہ کہ حضورؐ کی والدہ اور حضرت حمزہؓ کی والدہ آپس میں چچا زاد بہنیں تھیں۔ حضرت حمزہؓ کا اگرچہ اپنے بھتیجے سے محبت بھرا تعلق تھا لیکن اُنہوں نے اسلام کی دعوت پر اس وقت تک زیادہ توجہ نہیں دی تھی اور نہ کبھی غور کیا تھا کہ قریش کیوں اُن کی جان کے لاگو ہیں۔ یہ نبوّت کا چھٹا سال تھا جب ایک روز صفا کے دامن میں رسول اللہ ﷺ دارِ ارقم سے نکلے۔ راستے میں شاید کچھ لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے رُکے تھے کہ عین اُسی دوران میں وہاں سے ابوجہل کا گزر ہوا۔ وہ آپ ﷺ کو دین کی دعوت دیتے ہوئے دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا۔ اُس نے حضورؐ سے سخت گستاخی اور بد زبانی کا مظاہرہ کیا۔ بعض روایات کے مطابق مٹی اور گوبر پھینکا اور ہاتھ بھی

---

[1] صحیح السّیرۃ النّبویۃ لالبانی والسّیرۃ النّبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ.

Marfat.com

اٹھایا۔ نبی پاک ﷺ نے جواب میں بڑے صبر وضبط کا مظاہرہ کیا اور خاموشی سے آگے بڑھ گئے۔ عبداللہ بن جدعان کی آزاد کردہ لونڈی یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ شکار سے واپسی پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا وہاں سے گزر ہوا۔ اُس عورت نے انہیں بلایا اور کہا: 'اے ابوعمارہ! آج عمرو بن ھشام نے تمہارے بھتیجے کے ساتھ بہت برا سلوک کیا۔ گالی گلوچ کی، مٹی اور گوبر ان پر پھینکا اور ہاتھ بھی اٹھایا۔' دینی غیرت سے تو ابھی دور تھے، مگر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی خونی غیرت میں سخت جوش آیا۔ ابوجہل خانہ کعبہ کے پہلو میں قریشی سرداروں اور اپنے قبیلے کے کچھ لوگوں کے درمیان بیٹھا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سیدھے وہاں گئے اور اپنی کمان اس کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ ساتھ فرمایا: 'تو نے محمد (ﷺ) کو گالیاں دیں، سن لو آج سے میں بھی اُن کے دین پر ہوں۔ بنومخزوم کے کچھ لوگ ابوجہل کی حمایت میں اُٹھے لیکن اُس نے بنی ہاشم اور بنومخزوم میں خون ریزی کے خدشے کے تحت خود ہی اُن کو ٹھنڈا کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ وہاں سے سیدھے رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور کہا: 'بھتیجے تمہیں خوش ہو جانا چاہیے کہ میں نے ابوجہل سے تمہارا بدلہ لے لیا ہے۔' حضور ﷺ نے فرمایا: 'چچا جان میری خوشی کی بات تو یہ ہوگی کہ آپ غیر اللہ کو چھوڑ کر اللہ کے دِین میں داخل ہو جائیں۔' اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دِین کی تعلیمات سیکھنے کے لیے زیادہ وقت دارِ ارقم میں گزارنے لگے۔ ان کے اسلام قبول کرنے سے اہلِ ایمان کو خوشی بھی ہوئی اور تقویت بھی ملی۔ ❶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

حبشہ میں بھیجی گئی سفارت کی ناکامی کا قریشِ مکہ کو جس شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا اس نے اُن کے اندر انتقامی جذبوں کی آگ بھڑکا دی۔ جو مسلمان مکہ میں موجود تھے اُن پر سختیوں میں بے پناہ شدّت آگئی۔ عمر بن خطاب کے دل میں غیض وغضب کے شعلے سب سے زیادہ بھڑک رہے تھے۔ یہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے تین دن بعد کا

❶ سیرتِ رحمتِ دارین ﷺ از طالب الہاشمی۔

Marfat.com

واقعہ ہے۔ 6 نبوی میں موسمِ گرما تھا۔عمر ایک روز ننگی تلوار لے کر نکلے کہ آج محمد (ﷺ) کا کام تمام کر کے ہی چھوڑوں گا۔راستے میں اپنے ہی قبیلے کے ایک شخص نعیم بن عبداللہ النحام سے ملاقات ہوگئی جوان سعادت مند لوگوں میں سے تھے جنہوں نے دعوتِ حق کے بالکل ابتدائی عرصے میں اسلام قبول کیا تھا لیکن ابھی اپنے اسلام کا اعلان واظہار نہیں کیا تھا۔انہوں نے پوچھا کہ 'یہ ننگی تلوار اٹھائے کدھر کے ارادے ہیں؟' کہنے لگے: آج اُس شخص کو قتل کرنے جاتا ہوں جس نے قریش کی جمعیت کو پارہ پارہ کر دیا، جو ہم سب کو احمق قرار دیتا ہے، جو ہمارے معبودوں کی مذمت کرتا ہے اور ہمارے دِین میں نقص نکالتا ہے۔' نعیمؓ نے اس خیال سے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے لیے باعثِ آزار نہ بنیں ان کی توجہ دوسری سمت میں موڑنے کے لیے کہا: 'عمر، محمد (ﷺ) کو قتل کرنے سے پہلے اپنے گھر میں ان کی خبر لو جو اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔' کہنے لگے: 'میرے گھر میں کس نے اسلام قبول کرلیا ہے؟' نعیمؓ نے بتایا: 'تمہاری بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید نے۔'

حضرت عمرؓ وہیں سے پلٹے اور سیدھے بہن کے گھر کے دروازے پر جا کر دستک دی۔ گھر میں حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سعید رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس وقت تک نازل شدہ قرآن کی تعلیم دے رہے تھے۔اندر سے کلام اللہ کی تلاوت کی ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھی۔ بہن اور بہنوئی کو پتہ چل گیا کہ عمر ہیں جنہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ڈر سے صحیفہ حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا نے اپنی ران کے نیچے کرلیا اور حضرت خبابؓ کو گھر کے ایک گوشے میں چھپا دیا۔عمر کہنے لگے: 'یہ کیا پڑھا جا رہا تھا جس کی گنگناہٹ کی آوازیں آرہی تھیں؟ لگتا ہے کہ تم دونوں صابی ہو گئے ہو۔' اب سعیدؓ نے پردہ ہٹانے کا عزم کرلیا اور صاف کہہ دیا: 'ہاں عمر! اگر حق تمہارے دِین کے بجائے کہیں اور (اسلام میں) ہوتو؟' اس پر عمر رضی اللہ عنہ سخت غصے میں اپنے بہنوئی پر حملہ کر دیا۔وہ لہولہان ہو گئے۔فاطمہؓ اپنے شوہر کو بچانے کے لیے آگے بڑھیں۔عمر نے ان کے سر پر بھی ایسی ضرب لگائی کہ ان کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔اب دونوں میاں بیوی نے برملا کہا کہ ہاں، ہم مسلمان ہو چکے ہیں، کرلو جو کچھ کرنا چاہتے ہو۔'

Marfat.com

بہن کے سر سے خون بہتا ہوا دیکھ کر عمر کا دل پسیج گیا اور انہیں اپنی حرکت پر ندامت محسوس ہوئی۔ کہنے لگے: 'اچھا، مجھے دکھاؤ کیا پڑھ رہے تھے؟' بہن نے کہا: 'اس پاک کلام کو پاک آدمی ہی چھو سکتا ہے۔ تم مشرک ہو اور مشرک نجس ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ صحیفہ تمہارے ہاتھ میں نہیں دے سکتے۔' حضرت عمرؓ اٹھے، غسل کیا اور پھر قرآن کے اس حصے کو پڑھا اور کہنے لگے: 'کتنا عمدہ کلام ہے یہ!، اچھا، مجھے بتاؤ محمدؐ اس وقت کہاں ملیں گے؟' خباب بن الارت رضی اللہ عنہ باہر نکل آئے اور کہنے لگے: 'عمر مبارک ہو، مجھے امید ہے اللہ نے تمہیں چن لیا ہے۔ میں نے ابھی کل ہی نبی ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا تھا کہ ''اے اللہ! اسلام کو عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام (ابوجہل) کے ذریعے قوت عطا فرما۔''

خباب بن الارت رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دارِ ارقم میں لے گئے۔ وہاں موجود صحابہ رضی اللہ عنہم کو جب پتہ چلا کہ عمر ننگی تلوار لیے دروازے پر کھڑے ہیں تو ماحول میں ایک دہشت سی پھیل گئی۔ اس پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا: 'آنے دو عمر کو، اگر بھلائی کے ارادے سے آیا ہے تو ٹھیک، اگر برائی کے ارادے سے آیا ہے تو اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'یہ عمر ہے، اے اللہ! عمر کے ذریعے دین کو سربلندی عطا فرما، اے اللہ! عمر کو ہدایت دے۔' حضرت عمرؓ نے کلمۂ شہادت پڑھا۔ اس پر رسول اللہؐ نے اللہ اکبر پکارا اور پھر دارِ ارقم سے سب نے بیک آواز تکبیر کی ایسی آواز بلند کی جو مسجدِ حرام کے پاس اپنی منڈلیاں جمائے ہوئے سارے قریشی رؤساء نے سنی۔ صحیح ابن حبان کی ایک روایت ہے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے قبولِ اسلام کیا تو جبریلؑ نبی ﷺ کے پاس آئے اور بتایا 'اے محمدؐ، عمر کے ایمان لانے پر آسمان والے خوشیاں منا رہے ہیں۔'' محمد بن اسحاق، ابن سیّد النّاس اور ابن کثیر جیسے معروف اور معتبر سیرت نگاروں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ کسی قدر مختلف ہیں لیکن اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ قرآن پاک کی سماعت ہی نے اُن کا دل پگھلایا اور یہی اُن کی زندگی میں انقلاب کا موجب بنا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میرے والد دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے

Marfat.com

تو انہوں نے دریافت کیا کہ 'قریش میں ایسا کون آدمی ہے جو بہت جلدی خبریں پھیلانے میں مشہور ہے؟' بتایا گیا کہ جمیل بن معمر الجمحی ایسا آدمی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیدھے اس کے پاس گئے اور کہا: 'جمیل کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں مسلمان ہو کر محمد (ﷺ) کے دِین میں داخل ہو گیا ہوں؟' اتنا سننا تھا کہ جمیل نے اپنی چادر کھینچی اور دوڑا ہوا مسجدِ حرام میں پہنچا اور بلند آواز سے کہنے لگا: 'اے قریش! سنو، عمر صابی ہو گیا۔' حضرت عمرؓ بھی اس کے پیچھے وہاں پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے پکارا: 'یہ جھوٹ کہتا ہے۔ میں مسلمان ہو گیا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔' حضرت عمرؓ کے اسلام سے جہاں کفار کے ہاں صفِ ماتم بچھنے کی کیفیت نظر آتی تھی تو مسلمانوں کے ہاں خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمرؓ کا اسلام قبول کرنا فتح کا پیش خیمہ تھا، اُن کی ہجرت نُصرتِ اِلٰہی ثابت ہوئی، اُن کی امارت (خلافت) اللہ کی رحمت تھی۔ ہم پہلے بیت اللہ میں علانیہ نماز پڑھنے سے عاجز تھے۔ جب عمرؓ مسلمان ہوئے تو انہوں نے قریش سے قتال کیا اور ہم نے اُن کے ساتھ مسجد (حرام) میں نماز ادا کی۔'[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عمرو بن ہشام (ابو جہل) میں کچھ منفرد خصوصیات تھیں جن کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے ان میں کسی ایک کے ذریعے اسلام کی نصرت کی دعا کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ پیغمبری صفات سے متصف تھے، چنانچہ وہ حضور ﷺ کی مراد بن گئے، ابو جہل کی فطرت میں فرعونیت رچی بسی تھی اسی وجہ سے وہ مردودِ خُدا ٹھہرا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آبائی دِین کے بارے میں جاہلی حمیت کی وجہ سے اسلام کی مخالفت کرتے رہے تھے لیکن ابو جہل کی اسلام دشمنی کا بڑا محرک اس کی قبائلی عصبیت تھی۔ سیرت کی کتابوں میں ایک دلچسپ واقعہ بیان ہوا ہے۔ حضور ﷺ اپنے گھر میں یا کعبۃ اللہ میں رات کو نماز کے دوران میں ہلکی اور پُر تاثیر آواز میں قُرآن پڑھتے تھے۔ ابو سفیان بن حرب، اخنس بن شریق اور ابو جہل ایک بار مسلسل تین راتیں حضور ﷺ کے گھر کے باہر یا کعبۃ اللہ کے کسی کونے میں چھپ کر اس

[1] مجمع الزوائد للھیثمی۔

Marfat.com

طرح قرآن سنتے رہے کہ اپنی اپنی دانست میں وہ اس عمل کو ایک دوسرے سے بھی پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ تیسرے روز اخنس بن شریق کے سوال پر ابوجہل نے تسلیم کیا کہ یہ کلام سچا ہے، لیکن ہمارے اور بنو عبد مناف کے مابین مدتوں سے مقابلے کی صورت جاری ہے۔ ہم دو مقابل کے شہسواروں کے مثل ہیں۔ ضیافتیں کرنے میں، سواریاں بہم پہنچانے میں اور عطا و بخشش کے کاموں میں ہم ابھی تک برابر چلے آ رہے تھے۔ اب وہ کہتے ہیں کہ ہم میں ایک نبی آ گیا ہے جس کے پاس وحی آتی ہے۔ اِس کا ہمارے پاس جواب نہیں۔ خُدا کی قسم! ہم نہ کبھی محمد (ﷺ) کی تصدیق کریں گے اور نہ اُن پر ایمان لائیں گے۔'[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ سیرت کے بعض مؤلفین نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے تین دن بعد کا بتایا ہے اور بعض کی رائے میں یہ تین مہینے بعد کی بات ہے۔

شعبِ ابی طالب میں محصوری

تعصب دلیل کا دشمن ہے اور قریش دلیل و برہان کے بجائے تعصب اور اپنی طاقت کی دیوار کھڑی کر کے اسلام کے دریائے رحمت کی روانی کو روکنا چاہتے تھے۔ اس وقت تک ان کی ساری چالیں ان پر اُلٹی پڑ رہی تھیں۔ رسول پاک ﷺ نے اُن کی بڑی بڑی پیش کشیں ٹھکرا دی تھیں۔ اُن کے بڑے قُرآن سنتے تو یہ کہے بغیر نہ رہتے کہ یہ کسی انسان کا گھڑا ہوا کلام نہیں ہے، لیکن وہی تعصب آڑے آ جاتا اور وہ اس دِین کو ماننے کے بجائے مٹانے کے درپے ہو جاتے تھے۔ حبشہ کو بھیجی ہوئی ان کی سفارت ناکام لوٹی تھی۔ ادھر بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب نے خاندانی حمیّت اور وقار کی خاطر نبی ﷺ کی حمایت کا پختہ عزم کر لیا تھا۔ مخالفت کی گہری گھٹاؤں میں سے چھن چھن کر اسلام کی روشنی مکہ کے باہر کے قبائل میں بھی پہنچ رہی تھی۔ قبیلہ بنو سُلَیم کے ایک بدو عمرو بن عبسہ سُلمی رضی اللہ عنہ، دوس قبیلہ کے رئیس، شاعر اور آج کی اصطلاح میں بڑے دانشور حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ اور قبیلہ ازدِ شنوءَہ کے ایک با اثر شخص ضماد

[1] اصحّ السّیر از ابوالبرکات عبدالرّؤف داناپوری۔

Marfat.com

ازدی جیسی شخصیات ایمان لا کر اپنے اپنے قبیلے میں یہ روشنی پھیلا رہی تھیں۔ چنانچہ قریش نے اب اپنی دانست میں ایک بڑا کاری وار کرنے کا منصوبہ بنایا۔حضور ﷺ کے ساتھ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے اعصاب توڑنے کے لیے انہوں نے سماجی اور اقتصادی مقاطعہ کی ایک تحریری قرارداد منظور کر کے جوفِ کعبہ پر لٹکا دی تھی۔اِس ظالمانہ صحیفہ کے اہم نکات کے مطابق رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو برادری باہر قرار دے دیا گیا۔فیصلہ ہوا کہ نہ کوئی ان میں شادی بیاہ کرے گا اور نہ ان سے لین دین ہو گا۔یہ طے ہوا کہ کھانے پینے کی اشیاء بھی ان تک نہیں پہنچنے دی جائیں گی۔کسی کو ان محصورین کے ساتھ نرم اور مصالحانہ رویہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہو گی۔نبوّت کے ساتویں سال محرّم میں یہ سنگ دلانہ فیصلہ ہوا اور 10 نبوی تک اس پر سختی سے عمل ہوتا رہا۔ابولہب اپنے خاندان قبیلے سے کٹ کر مقاطعہ کرنے والوں کے ساتھ ملا ہوا تھا۔اگرچہ اہلِ ایمان پر یہ عرصۂ محن و ابتلا کوئی کم بھاری نہیں تھا لیکن اس میں خیر کا پہلو یہ تھا کہ یہ ان کی اخلاقی تربیت کا وسیلہ اور ان کے جوہرِ صبر اور ایمان کی تقویت کا ذریعہ بن رہا تھا۔انہوں نے عمل سے ثابت کر دیا کہ اللہ کو اپنا رَب، محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنا رسول اور اسلام کو اپنا دِین مان کر کس طرح اس پر ثابت قدم رہا جاتا ہے۔وہ لَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ کی ایمانی تصویر بن کر دنیا پر واضح کر رہے تھے کہ مکر اور جبر کی تدبیروں سے کوئی قوت انہیں اپنے خوف میں مبتلا نہیں کر سکتی۔

گھاٹی کے محصورین بیک وقت مظلومیت اور صبر و استقامت کا ایسا نمونہ تھے جس نے قریش کی اپنی صفوں کے اندر سے کچھ لوگوں کی انسانیت کو بیدار کر دیا تھا۔بنی قُصَی کو اس ظُلم میں شریک ہونے پر ندامت محسوس ہوئی۔ان کے پانچ رؤساء خُود اس قرارداد کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ہشام بن عمرو الحارث، زہیر بن اُمیہ، مُطعم بن عدی، ابوالبختری بن ہشام اور زمعہ بن الاسود نے پہلے آپس میں اس کے خلاف آواز اٹھانے اور اس قرارداد کی خلاف ورزی کرنے کا عہد کیا۔زہیر بن امیہ کعبہ کے پاس جمع بڑے قریشی سرداروں اور ان

Marfat.com

کے حامیوں کے پاس گیا اور کہا: 'اے مکہ والو! کیا ہم مزے سے کھائیں پییں، اچھی پوشاکیں پہنیں اور بنو ہاشم اور بنوعبدالمطلب نہ کچھ خرید سکیں اور نہ کچھ بیچ سکیں۔ خُدا کی قسم، میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک اس ظالمانہ صحیفہ کو چاک نہ کرلوں۔ باقی پانچ آدمی بھی اس کی حمایت میں بول اٹھے۔ مُطعم بن عدی آگے بڑھا اور اس لکھی ہوئی تحریر کو پکڑ کر پھاڑ دیا۔ یہ پانچوں شعبِ ابی طالب میں گئے اور بنو ہاشم اور بنوعبدالمطلب کو اور دیگر اہلِ ایمان کو ان کے گھروں میں چھوڑنے کے لیے اپنے ساتھ لے آئے۔ نبوّت کی سچائی کی بہت بڑی نشانی یہ رونما ہوئی کہ یہ تحریر پہلے ہی سوائے ان جگہوں کے جہاں اللہ کا نام لکھا ہوا تھا، دیمک خوردہ ہو چکی تھی۔ نبوت کی اس واضح نشانی سے حضور ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کا پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا اور ابو طالب نے جا کر قریش کو بتا بھی دیا تھا مگر ان پر جس طرح چاند کے دو ٹکڑوں میں پھٹ جانے کے معجزہ کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا، اسے بھی انہوں نے جادو کا کرشمہ کہہ کر ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ اسی طرح ان مقاطعہ کی قرارداد کے نوشتے کے دیمک خوردہ ہو جانے کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

﴿ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝۲ ﴾ (القمر: 2)

''مگر ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں، منہ موڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔''

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ شعبِ ابی طالب میں محصوری کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ محصورین وہاں سے باہر نکلتے ہی نہیں تھے اور دورانِ حصار رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں نے اسلام کی دعوت وتبلیغ کا کام ترک کر رکھا تھا۔ نبی پاک ﷺ اس عرصے میں دعوتِ دین کے لیے حاجیوں اور زائرینِ کعبہ کی قیام گاہوں پر تشریف لے جاتے تھے۔ تجارت اور دوسری اغراض سے مکہ میں آنے والوں تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے ان سے ملاقاتیں کرتے تھے۔ پھر بڑے معاندینِ اسلام سمیت قریش کی مختلف شاخوں کے بعض گھرانوں سے بنو ہاشم اور بنوعبدالمطلب سے رشتہ داریاں تھیں۔ ایسے نرم دل لوگ موجود تھے

Marfat.com

جو چھپ چھپا کر کھانے پینے کی تھوڑی بہت چیزیں گھاٹی میں پہنچا دیتے تھے۔ محصورین میں سے تجارت سے وابستہ لوگ منڈی بازار میں جاتے تھے لیکن اس مقاطعہ کی رو سے نہ کوئی ان کے ہاتھ کوئی چیز بیچتا تھا اور نہ ان سے مال خریدتا تھا۔ باہر سے مکہ میں آنے والے تاجروں سے یہ اگر کوئی چیز خریدنا چاہتے تو قریش انہیں اس سے کہیں زیادہ قیمت دے کر وہ مال خرید لیتے اور اگر یہ کچھ بیچنے جاتے تو نہ ان کا مال خود خریدنے پر تیار ہوتے اور نہ باہر کے تاجروں کو خریدنے دیتے تھے۔ باہر سے آئے ہوئے تاجروں کو ویسا مال وہ بہت سستے داموں دے دیتے تھے تاکہ وہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کا مال نہ خریدیں۔ اس لیے 'الصَّادِقُ الامین' کے مصنف ڈاکٹر محمد لقمان السلفی کی بغیر کسی حوالہ کے یہ رائے قرینِ صواب نظر نہیں آتی کہ حضرت ابو طالب تک جب یہ خبر پہنچی کہ قریش نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو علی الاعلان قتل کر دیں گے تو انہوں نے خود بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو حکم دیا کہ حفاظتی تدبیر کے طور پر رسول اللہ ﷺ کو گھاٹی میں پہنچا دیں اور ان کی حفاظت کی خاطر خود سب وہاں چلے جائیں۔ اگر ایسی بات ہوتی تو حضرت ابو طالب رسول پاک ﷺ کو کسی صورت میں گھاٹی سے باہر نکلنے کی اجازت نہ دیتے۔

عامُ الحزن

حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال

بعثتِ نبوی کے دسویں سال کو اہلِ سِیَر و تاریخ 'عامُ الحُزن' یعنی غم کے سال کا نام دیتے ہیں۔ راہِ حق میں اولوالعزمی، استقامت اور صبر و ثبات جناب محمد مصطفےٰ ﷺ کی نبوی سیرت کے خاص وصف تھے۔ آپ ﷺ سے توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ خود اس سال کو 'غم کا سال' قرار دیتے۔ چنانچہ یہ ثابت نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود اس سال کو عامُ الحُزن کا نام دیا۔ [1]

[1] دفاع عن الحديث النّبوی والسّيرة للالبانی.

Marfat.com

تاہم اس سال میں قریب قریب مدت میں دو ایسے سانحوں سے آپؐ دوچار ہوئے جن کا غم ایک فطری چیز تھی۔ سیرت النبی ﷺ پر تحقیقی لحاظ سے ایک بڑی معتبر کتاب 'السّیرۃُ النّبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ' کے مولف دکتور مہدی رزق اللہ احمد نے حضرت ابو طالب کے انتقال کے بعد آپ ﷺ سے گستاخی اور زیادتی کی جو نئی لہر اٹھی اور دعوتِ اسلامیہ کی راہ میں شدائد و مصائب کی جو صورت پیدا ہوئی اس سے آپؐ کو محسوس ہونے والی اذّیت کو شدتِ حزن و ملال کا سبب بتایا ہے۔ اس سال کے آخری چند مہینوں میں رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب اور آپ ﷺ کی رفیقۂ حیات کا انتقال ہوا۔ یہ دونوں شخصیتیں رسول اکرم ﷺ کی سب سے بڑی پشت پناہ اور دنیوی سہاروں میں سب سے مضبوط سہارا تھیں۔ موت کے وقت تک حضرت ابو طالب کو یہی خواہش تھی کہ کسی طرح قوم کو وہ نبی پاک ﷺ کی مخالفت سے باز آ جانے پر آمادہ کر سکیں۔ انہوں نے اپنی اولاد کو بھی وصیت کی کہ محمد ﷺ کی بات سنتے رہیں اور اس پر عمل کرتے رہیں۔ صاحبِ 'اَصحّ السِّیر' نے اپنی کتاب میں ابن ہشام کے حوالے کے بغیر حضرت ابو طالب کی موت سے کچھ دیر پہلے ان کے پاس عمائدینِ قریش کی حاضری کا حضرت ابن عباسؓ سے مروی واقعہ درج کیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ جب ابو طالب کا آخری وقت آ پہنچا تو عمائدینِ قریش میں سے عتبہ، شیبہ، ابوجہل، امیہ بن خلف اور ابوسفیان وغیرہ ان کے پاس حاضر ہوئے۔ وہ حضرت ابو طالب کو قائل کرنے آئے تھے کہ وہ مرنے سے پہلے بھتیجے کو دعوتِ توحید سے روک دیں۔ انہوں نے کہا کہ 'اے ابو طالب! آپ کی ہمارے نزدیک جو حیثیت ہے آپ جانتے ہیں۔ اس وقت آپ ایسی کیفیت میں ہیں کہ ہمیں آپ کی جان کی فکر ہے۔ آپ اس صورتِ حال سے آگاہ ہیں جو ہمارے اور آپ کے بھتیجے کے مابین کچھ عرصہ سے چل رہی ہے۔ انہیں بلائیں، ہم سے ان کے لیے کچھ عہد و پیمان لے لیں اور کچھ وعدے ان سے ہمارے لیے لیں۔ اگر محمد (ﷺ) ہمارے دِین کو برا کہنا چھوڑ دیں، ہم ان کی اور ان کے دِین کی مخالفت ترک کر دیں گے۔'' حضرت ابو طالب نے رسول پاک ﷺ کو بلایا اور کہا: 'بھتیجے! قوم کے

Marfat.com

یہ شرفاء خود کچھ وعدہ کرنا اور تم سے کچھ وعدہ لینا چاہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: 'چچا جان! میں ان سے صرف ایک بات چاہتا ہوں ۔ یہ اقرار کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔اس پر اُن کے طیش اور ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر وہاں سے نکل جانے کی تصویر قُرآن پاک کی ان آیتوں میں ہمیں نظر آتی ہے۔ ممکن ہے ایسی صورتِ حال اس سے پہلے بھی پیش آئی ہو اور انہوں نے اس وقت بھی رعونت کا یہی مظاہرہ کیا ہو۔ مفسرین کے ہاں کسی ایک آیت یا کچھ آیتوں کے نزول کا انطباق ایک سے زیادہ مواقع پر کرنے کی مثالیں موجود ہیں:

﴿وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۖ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۖ﴾

(ص: 6 تا 7)

'اور سردارانِ قوم یہ کہتے ہوئے نکل گئے کہ 'چلو اور ڈٹے رہو اپنے معبودوں کی عبادت پر۔ یہ بات تو کسی اور ہی غرض سے کہی جا رہی ہے۔ یہ بات ہم نے زمانۂ قریب کی ملّت میں کسی سے نہیں سنی۔ یہ کچھ نہیں ہے مگر ایک من گھڑت بات۔'

یہاں اصل موضوع حضرت ابوطالب کی موت سے رسول اللہ ﷺ کو پہنچنے والا شدید رنج وغم اور حُزن وملال ہے۔ حضور ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی وفات کے بعد جب آپ ﷺ ابو طالب کی کفالت میں آئے تو آپؐ کے والد، والدہ اور دادا کی ساری شفقت ومحبت سمٹ کر گویا حضرت ابو طالب میں جمع ہو گئی اور وہ آپؐ پر نچھاور کرتے رہے۔ آپ ﷺ نے اپنے شفیق چچا کی موت کی اِس گھڑی تک ان کی محبت وشفقت اور پشت پناہی اور حمایت سے محرومی کا کوئی لمحہ نہیں دیکھا تھا۔ تمام خطرات کے سامنے وہ آپ ﷺ کے لیے ڈھال بنے رہے اور مخالفتوں کے سارے طوفانوں کے آگے حفاظت میں وہ چٹان کی طرح جم کر کھڑے رہے۔ خود ایمان کی سعادت سے محروم رہے مگر ایمان لانے والوں کی تقویت اور تسلی کا سب

Marfat.com

سے زیادہ سامان انہی کے دم سے تھا۔

حضرت ابو طالب کی وفات کو زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی رُخصت ہو گئیں۔ پچیس سال کی رفاقتِ حیات کا ایسا نمونہ جو صرف مسلمان عورتوں ہی کے لیے نہیں بلکہ ہر وہ عورت جو ازدواجی زندگی کا استقرار اور استحکام چاہتی ہو اور جسے اس رشتہ ازدواج میں حقیقی لذت، مسرت و سعادت کی خوشبوئیں مطلوب ہوں، ان کے لیے قیامت تک سیّدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا اُسوہ لائق تقلید ہو گا۔ سیّدہ خدیجہؓ شادی سے بعثت تک کے پندرہ برسوں میں اپنے عظیم رفیقِ حیات کی صداقت اور پاکیزگی کی ایسی قائل ہوئیں کہ جوں ہی آپ ﷺ کی بعثت ہوئی، فوراً آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں۔ جب لوگوں نے جھٹلایا تو انہوں نے تصدیق کی۔ دوسروں نے محروم کیا تو انہوں نے اپنی ساری دولت قدموں میں ڈال کر آپ ﷺ کو غنی کر دیا۔ جب باہر سے تکذیب و انکار اور ایذا و آزار کا درد لے کر حضور ﷺ گھر تشریف لاتے تو وہ حوصلہ دیتی تھیں۔ وہی تھیں جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اولاد کی خوشی دی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے موانست، عزت، خدمت اور اطاعت کا جو ثبوت دیا اسے آگے مدنی زندگی میں نو ازواجِ مطہرات کی موجودگی میں بھی حضور ﷺ فراموش نہ کر سکے۔

گھر عورت کے وجود سے آباد ہوتے ہیں۔ اندرونِ خانہ کی ترتیب و تنظیم اور ماحول کو خوشگوار بنانے کا انحصار خاتونِ خانہ پر ہوتا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے گھر کے انتظام و انصرام کے معاملے میں ایک خلا پیدا ہو گیا تھا۔ انتہائی ذمہ دار ہستی ہونے کے باوجود رسول پاک ﷺ کو دعوتِ دین کے میدان میں گھر سے باہر جن مشکلات اور اور مصائب سے گزرنا پڑتا تھا، اس ہنگام میں گھر کی دیکھ بھال کے لیے کسی خاتونِ خانہ کی ضرورت تھی۔ چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا۔ سیرت نگاروں نے گھر سنبھالنے کے تقاضے کے علاوہ اس شادی کی ایک وجہ یہ بھی بتائی کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے ایمان لانے والی خواتین میں سے تھیں۔ دوسری ہجرتِ حبشہ کے دوران ہی میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ دین کی راہ میں اُن کی قربانیوں کی قدر شناسی اور ان کی غم خواری کے جذبے کے تحت نبی پاک

Marfat.com

ﷺ نے ان سے شادی کی۔

طائف کا سفر

مکّہ مکرّمہ اور طائف کے درمیان پہاڑ حائل ہیں۔ یہ شہر پیچ دار گزرگاہوں کو عبور کر کے جاتے ہوئے مکّہ معظمہ سے کوئی پینتالیس پچاس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ پانی کی کثرت، خوشگوار آب و ہوا، خنک موسم اور سرسبز پہاڑوں کی وجہ سے یہ حجاز کا صحت افزا مقام سمجھا جاتا ہے۔ بعثت نبویؐ کے دور میں بھی یہاں کئی صحت بخش پھلوں کے باغات تھے۔ مشہور بُت لات کا استھان ہونے کی وجہ سے بھی بت پرست معاشرے میں اس کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ بنوثقیف کعبہ کو اللہ کا گھر مانتے تھے۔ حج کے لیے مکّہ ہی آتے تھے لیکن ان کی نظر میں ان کی دیوی لات اور اس پر قائم شاندار معبد کا درجہ اتنا بلند تھا جب کعبہ کو مسمار کرنے کے لیے اپنے ہاتھیوں والے لشکر کے ساتھ ابرہہ مکّہ پر حملہ آور ہوا تو بنوثقیف نے لات کے آستانے کو بچانے کی خاطر برہہ کو بدرقے فراہم کیے تھے تاکہ وہ اسے مکّہ کا راستہ بتائیں۔ ❶

قریش کے بنوثقیف کے ساتھ سماجی اور تجارتی تعلقات تھے۔ شادی بیاہ کے ذریعہ بھی ان کی آپس میں رشتہ داریاں تھیں۔ دونوں کے رؤساء اپنی بڑائی کے پندار میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جس طرح مال و دولت اور سرداریوں اور چوہدراہٹوں کے لحاظ سے وہ غالب ہیں، یہ انہی کا حق تھا کہ کوئی کتابِ ہدایت آنی تھی تو ان دو بڑے شہروں کی کسی بڑے آدمی پر اترتی۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝﴾

(الزخرف:31)

'کہتے ہیں، یہ قرآن دونوں شہروں کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نہ نازل ہوا؟'

---

❶ تفہیم القرآن جلد پنجم۔

Marfat.com

حضرت ابو طالب کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ کی پشت سے وہ دفاعی دیوار ہٹ گئی جس کی وجہ سے آپ ﷺ قریش کی چیرہ دستی سے بڑی حد تک محفوظ تھے۔ تحفظ کی یہ چھتری جوں ہی آپ ﷺ کے سر سے ہٹی حالات گمبھیر ہو گئے۔ حضور ﷺ کو جذباتی اور جسمانی تکلیفیں پہنچانے کے واقعات میں بہت شدت آ گئی۔ رسول اللہ ﷺ طائف تشریف لے گئے۔ عرب کے جاہلی معاشرے میں جو چند اچھے اور انسان دوست قوانین رائج تھے ان میں ایک قانونِ اِستجار کی بڑی اہمیت تھی۔ اس کے تحت جب کوئی شخص کسی کو پناہ اور تحفظ دینے کا اعلان کر دیتا تھا تو پناہ حاصل کرنے والے کے مخالفین خواہ کتنے ہی طاقتور اور بااثر ہوتے، ان پر اس پناہ کا احترام لازم ہو جاتا تھا۔ مہاجرینِ حبشہ جب مشرکینِ مکہ کی سختیوں میں نرمی آ جانے کی ایک غلط اطلاع پر حبشہ سے واپس آ گئے اور انہیں مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ اطلاع درست نہیں تو اس وقت اکثر تو ساحل سے ہی کشتیاں پکڑ کر واپس حبشہ چلے گئے تھے اور بعض صحابہ نے مکہ کے بااثر لوگوں کی پناہ لے لی تھی۔ اسلام نے اس قانون کو برقرار رکھا تھا۔ قرآن حکیم میں حکم ہے کہ:

﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ﴾ (التوبہ:6)

'اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ مانگ کر تمہارے پاس آنا چاہے (تاکہ اللہ کا کلام سنے) تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سُن لے۔ پھر اسے اس کے مأمن (محفوظ مقام) تک پہنچا دو۔'

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تقریباً تین ماہ بعد ماہِ شوال کے آخری عشرے میں رسول اللہ ﷺ نے یہ طویل سفر کیا۔ خادم و جان نثارِ خاص حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہمراہ تھے۔ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں مکہ سے طائف کے سفر کے دوران کے حالات کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ یہ واقعہ کتبِ مغازی میں ملتا ہے۔ یہ ممکن نہ تھا کہ پچاس میل کی مسافت میں جہاں راستے میں آپ کا گزر کئی بستیوں سے ہوا ہوگا اور بہت سے لوگوں سے مڈ بھیڑ بھی ہوئی

Marfat.com

ہوگی اور نبی پاک ﷺ نے فریضۂ دعوت کو فراموش کر کے سفر جاری رکھا ہو۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے لکھا ہے کہ 'مکّہ اور طائف کے درمیان راستے میں جتنے قبیلے تھے، سب کو وعظ سناتے اور عقیدۂ توحید کی منادی کرتے ہوئے پاپیادہ طائف پہنچے۔' ❶

سفرِ طائف کا مقصد یہ تھا کہ بنو ثقیف کے سادات و اشراف کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کریں یا کم از کم وہ آپ ﷺ کو قریش کے سنگ دِل اور خدا نا ترس لوگوں کے ظالمانہ برتاؤ سے تحفظ کا یقین دلا دیں۔ اس وقت عمرو بن عمیر بن عوف ثقفی کے تین بیٹے، عبد یالیل، مسعود اور حبیب طائف میں سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ یہ تینوں رعونت میں ابوجہل سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بات پر غور کرنا بھی مناسب نہ سمجھا اور انتہائی ناشائستگی کے کلمات کے ساتھ دعوتِ حق کو مسترد کر دیا۔ اُن کے رویّے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ مکّہ والوں کے مقابلے میں تحریکِ اسلامی اور اس کے قائد اور متبعین کو اپنے ہاں پناہ دینے کے روادار نہیں ہوں گے۔ حضور ﷺ نے اُن سے کہا کہ اب تم اتنا کرو کہ ہمارے درمیان جو بات ہوئی ہے اسے اپنے تک رکھو تاکہ تمہارے خیالات دوسروں کی بدبختی کا راستہ نہ کھول دیں۔

اُن تینوں بھائیوں نے عربوں کی روایتِ مہمان داری کی بھی کوئی پروا نہ کی۔ اُلٹا اپنے غلاموں اور شہر کے اوباشوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ ان آوارہ لڑکوں نے راستے کے دونوں اطراف صفیں بنا لیں۔ نبی پاک ﷺ جہاں رُک کر کسی کو اسلام کی دعوت پیش کرنے لگتے وہ دونوں طرف سے بدزبانی کرتے، سیٹیاں اور تالیاں بجاتے، جوتے پھینکتے اور پتھر برساتے تھے۔ اُن کی سنگ باری سے نبی پاک ﷺ لہولہان ہو گئے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ پر برسنے والے پتھر اپنے اوپر لینے کے لیے بار بار اپنے آپ کو آگے کیا۔ پتھر لگنے سے ان کا سر شدید زخمی ہو گیا۔ وہ گستاخ آپ ﷺ کو کھدیڑتے ہوئے ایک باغ کے احاطے تک پہنچا آئے۔ اس احاطے کے اندر پہنچ کر ستانے کے لیے حضور ﷺ

❶ رحمۃ للعالمین.

Marfat.com

ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔اس شہر میں لگے زخموں اور بہے خون اور سخت جذباتی اور جسمانی تکلیف کی وجہ سے اِمامُ الانبیاء اور خیرُ البشر محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنی بے قدری، ضعف اور بے بسی کا جو شدید احساس ہوا وہ رَب العالمین کے سامنے درد بھرے الفاظ میں ڈھل کر ایک دعا کی صورت میں آپ ؐ کی زبان پر جاری ہو گیا۔

'اے اللہ! میں تیرے حضور اپنی کمزوری، لاچاری اور لوگوں کی طرف سے اپنی ناقدری کی شکایت کرتا ہوں۔اے سارے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے! تو کمزوروں اور بے بسوں کا اور بے نوا لوگوں کا رَب ہے۔میرا بھی تو ہی رَب ہے۔مجھ کو تو نے کس کے حوالے کر دیا؟ کیا کسی ایسے ان جانے اور بیگانے کے حوالے جو میرے ساتھ تُرش روئی برتتا ہے یا کسی ایسے دشمن کے حوالے کر دیا جس پر تو نے مجھے قدرت دی ہے؟ اے اللہ! اگر تُو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے مصائب وشدائد کی کوئی پروانہیں۔ لیکن میرے لیے تیری عافیت مین بڑی وسعت و کشادگی ہے۔میں پناہ مانگتا ہوں تیرے چہرے کے اُس نور کی ،جس سے ساری ظلمتیں رفع ہو جاتی ہیں اور دنیا اور آخرت کے سارے معاملات درست ہو جاتے ہیں، میں پناہ مانگتا ہوں اِس سے کہ تو اپنا غضب نازل کرے اور تیری ناراضی مجھ پر اُترے۔مجھے تیری ہی خوشنودی مطلوب ہے یہاں تک کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیرے پاس سے ہی ملتی ہے۔'[1]

یہ باغ عتبہ اور شیبہ کے بیٹوں کی ملکیت تھا۔وہ سامنے بیٹھے تھے۔رَب کے محبوب ترین بندے کی اپنے رَب کے سامنے رِقت وزاری کے ساتھ کی جانے والی اس دعا کی آواز تو ان تک نہیں پہنچی ہوگی لیکن شاید رسول اللہ ﷺ کی حالت دیکھ کر انہیں قرابت کا احساس بھی ہوا ہو اور انہوں نے اپنے ایک عیسائی غلام عدّاس کو ایک پلیٹ میں تازہ انگوروں کا گچھا رکھ کر دیا کہ آپ ؐ کو پیش کرے۔ عدّاس صالح فطرت اور تورات و انجیل پر گہری نظر رکھتا تھا۔

[1] طبریؒ، ابن ھشامؒ، ابن قیمؒ اور حافظ ابن کثیرؒ۔

Marfat.com

آپ ﷺ نے انگور کا دانہ توڑنے کے لیے بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم کہہ کر ہاتھ بڑھایا تو عدّاس نے بڑے تعجب سے کہا:

'خدا کی قسم! یہاں کے باشندوں کی زبان سے تو میں نے یہ کلمہ نکلتے کبھی نہیں سُنا۔'

حضور ﷺ نے پوچھا: 'تمہارا کون سا وطن ہے اور کس دِین کے ماننے والے ہو؟]

عدّاس نے جواب دیا: 'میں نینویٰ کا رہنے والا ہوں اور عیسائی مذہب کا پیروکار ہوں۔'

آپ ﷺ نے فرمایا: 'مردِ صالح یونس بن متی کے وطن سے ہو۔' اسے مزید حیرانی ہوئی اور پوچھا: 'یونسؑ بن متی کو آپؐ کیسے جانتے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: 'یونسؑ میرے بھائی ہیں۔ وہ بھی نبی تھے، میں بھی نبی ہوں۔'

عدّاس کے دِل میں خاتم الرُسل ﷺ کی صداقت اور نبوت کی حقیقت بیٹھ گئی۔ نورِ اسلام کی کرنوں نے لمحوں میں سینہ منوّر کر دیا۔ پکار اٹھا کہ میں شہادت دیتا ہوں، آپؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ بڑی عقیدت سے کبھی حضور ﷺ کے سر کا بوسہ لیتا اور کبھی ہاتھ چومتا۔

جب وہ عتبہ اور شیبہ کے پاس واپس گیا تو انہوں نے سخت ناراضی کا اظہار کیا۔ اسے یہ بتانے کی کوشش کی کہ وہ جس دِین کو مانتا ہے وہ اِس مسافر کے دِین سے بہتر ہے۔ اس نے برملا کہا: 'اس مسافر کو معمولی نہ جانو، یہ تو بڑے مرتبے کی ہستی ہیں۔ سارے روئے زمین پر آج اِن سے افضل کوئی نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے جو کچھ بتایا وہ کوئی نبی ہی بتا سکتا ہے۔'

عدّاس گویا سفرِ طائف کا واحد حاصل تھا۔ اور ایک داعیِ حق کے لیے ایمان سے سرفراز ہونے والا کوئی ایک شخص معمولی سرمایہ نہیں ہوتا۔

طائف میں نبی مکرّم ﷺ کے قیام کی مدت ابنِ قتیبہؒ اور حافظ سخاویؒ کے بقول ایک ماہ یا ابن سعد کے بقول دس روز تھی۔ اس مدت میں آپؐ دِین کی اس دعوت سے ہرگز غافل نہیں رہے ہوں گے جس کی خاطر آپ ﷺ طویل سفر کر کے یہاں تشریف لائے، اس شہر میں بدسلوکی اور گستاخی کے جذباتی زخم کھائے اور اس کی ریت کے ذروں نے آپؐ کے مقدس جسم کے خون سے اپنی پیاس بجھائی۔

Marfat.com

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا کہ کیا اُحد کے دن سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آپؐ پر آیا ہے؟' آپ ﷺ نے فرمایا: 'تیری قوم نے عقبہ کے روز جو تکلیف مجھے دی اُس سے زیادہ سخت دن مجھ پر کبھی نہیں آیا۔ میں نے اِبن عبد یالیل بن کلال کے سامنے دِین کی دعوت پیش کی تو اُس نے اسے قبول نہیں کیا۔ میں وہاں سے مغموم و مہموم چل پڑا یہاں تک کہ قرنِ ثعالب کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں میں نے سر اوپر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک بادل میرے اوپر سایہ فگن ہے۔ پھر جبریل علیہ السلام نے مجھے پکارا اور کہا: 'بے شک اللہ نے آپؐ کی قوم کا جواب سُن لیا، اللہ نے یہ پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے۔ آپؐ اِسے جو حکم چاہیں دیں۔' پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے کہا: 'اگر آپؐ چاہیں تو میں اَخشَبَان کو آپس میں ٹکرا کر منکرینِ حق کو پیس ڈالوں۔' آپ ﷺ نے فرمایا: 'نہیں شاید اِن کی پشتوں میں توحید کا اقرار کرنے والے اور اللہ کی عبادت کرنے والے نکلیں۔' (1)

اِس روایت کے رسول اللہ ﷺ کے سفرِ طائف سے متعلق قرار دینے میں چار اُلجھنیں پیش آتی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تکلیفیں دینے والی قوم کے ذکر میں 'قومكِ' (تمہاری قوم) فرمایا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قریش کی قوم سے تھیں، ہوازن یا بنوثقیف اُن کی قوم نہیں تھی۔ دوسری اُلجھن یہ کہ طائف کے جن تین سرداروں نے آپ ﷺ کی دعوتِ دِین کو ٹھکرایا اور آپ ﷺ سے انتہائی بے رحمی کا سلوک کیا تھا ان میں پہلا نام عبد یالیل کا آتا ہے، اس کی کنیت ابن عبد یالیل نہیں ہوسکتی۔ اِس روایت میں ابن عبد یالیل کا ذکر آیا ہے۔ تیسری بات سردارانِ طائف نے حضور ﷺ کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کسی 'عقبہ' یعنی گھاٹی میں نہیں کیا تھا بلکہ طائف شہر میں ان کی قیام گاہوں پر رسول پاک ﷺ کی ملاقات میں اس شقاوت کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے طائف سے مکہ تشریف لانے تک حج کا موسم آ چکا تھا۔ مختلف اطراف سے حاجی منیٰ میں ڈیرے ڈال رہے تھے۔ اس لیے قیاس یہ ہے کہ حج کے موقع پر منیٰ میں عقبہ کے قریب کہیں عبد یالیل کے بجائے اس

(1) بخاری و مُسلم.

Marfat.com

کے بیٹے سے یہ ملاقات ہوئی اور وہ اپنے باپ سے بھی بڑھ کر بد باطن اور بد اطوار نکلا۔ چوتھی اُلجھن جو اسے سفرِ طائف سے جوڑنے میں پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ پہاڑوں کے فرشتے نے انکارِ حق اور نبی پاک ﷺ سے بدسلوکی کی پاداش میں اخشبان کو ٹکرا کر انہیں پیس ڈالنے کی بات کی تھی۔ اَلاخشبان یاالاخشبَین مکّہ میں کعبہ کی مشرقی سمت میں جبل بوقبیس اور جبل قعیقعان کو کہا جاتا ہے۔ یہ بات عجیب لگتی ہے کہ رسول پاک ﷺ کے ساتھ سفاکانہ برتاؤ کرنے والے تو پچاس میل دور طائف میں ہوں اور گستاخیِ رسولؐ اور انکارِ حق کی سزا میں فرشتہ مکّہ کے دو پہاڑوں کو ٹکرانے کی بات کرے۔

Marfat.com

طائف سے واپسی

بے رحم لوگوں کی ایذا رسانی سے لگنے والے جذباتی اور جسمانی زخم ایسے نہ تھے کہ حسّاس دِل اور مقدّس بدن پر اُن کا کوئی اثر نہ ہوتا لیکن جس راہ پر قدم رکھے ہوئے تھے اس کا سب سے بڑا زادِ راہ اُس رَب کی رضا اور خوشنودی تھی جس کے دِین کی دعوت میں یہ زخم لگ رہے تھے۔ نبی پاک ﷺ کو ایک ہی اطمینان چاہیے تھا کہ وہ رَب آپؐ سے ناراض نہیں ہے جس کے دِین کی خاطر ابتلا کے اِن سخت مرحلوں سے گزر رہے تھے۔ اس واقعہ میں ہر دَور میں اُٹھنے والی دینی تحریکوں اور تنظیموں کے سرگرم کارکنوں کے لیے یہ سبق ہے کہ اُن کی جدوجہد کی غایت اولیٰ اللہ تعالیٰ کی رضا ہونی چاہیے۔ کسی جگہ اقتدار و اختیار ایک ثانوی چیز ہے۔ یہ اکثر انعام کے بجائے ایک آزمائش ثابت ہوتا ہے۔ ایک مومن کا اصل مطلوب و مقصود بہر حال اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی ہونا چاہیے۔ سیّدُ المرسلین ﷺ کو قوت و اقتدار حاصل ہو جانے اور دِین کو باطل ادیان پر غالِب کر دینے کے باوجود جب فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ (اپنے رَب کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرو اور اُس سے مغفرت کی دعا مانگو) کی تلقین ہوئی تھی تو اس کا مطلب ہے کہ سارا معاملہ رَب العالمین کی رضا اور خوشی کا ہے۔ ایمان والے جو کچھ بھی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور راضی رکھنے کے لیے کرتے ہیں۔

دُعائے طائف کے ہر لفظ میں ایک سبق ہے۔ اِس کے الفاظ...... 'اے اللہ! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے اِن آلام و تکالیف کی ہرگز پروا نہیں ہے.....' یہاں نبی پاک ﷺ کو بس یہ اطمینان چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ آپؐ سے راضی ہے۔ وہ نہ آپ ﷺ سے دور ہوا

Marfat.com

اور نہ اُس نے آپؐ سے اپنی نگاہِ کرم پھیری ہے۔ یہاں بھی ویسی تسلی چاہیے تھے جیسی اس وقت دی گئی تھی جب بعثت کے بعد کچھ مدت کے لیے وحی کا سلسلہ رُک گیا اور منکرین حق نے طعنے دینے شروع کر دیے تھے اور خود حضور ﷺ کو بھی یہ اندیشہ لاحق ہونے لگا تھا کہ کہیں اس کی وجہ یہ نہ ہو کہ میرا رب مجھ سے ناراض ہو گیا اور اُس نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ اُس پر ارشاد ہوا تھا کہ:

﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰى ۝ وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝﴾ (الضّحیٰ:5,4,3)

’تمہارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ ناراض ہوا۔ اور یقیناً تمہارے لیے بعد کا دَور پہلے دَور سے بہتر ہے، اور عنقریب تمہارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔‘

اللہ کی خاطر آزمائشوں کی دہکتی بھٹی میں پڑنا اور اُسی کی خاطر صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا طائف کی کہانی کا جوہرِ خاص ہے۔ سعید رمضان البوطیؒ نے فِقهُ السِّیرة میں لکھا ہے کہ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے: صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ [1] اور یہ بھی فرمایا خُذُوْا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ [2] دعوت و تبلیغ اور اصلاح و تعمیر اور جہد جہاد میں بھی رسول اللہ ﷺ کی تقلید اسی طرح ضروری ہے جس طرح عبادات میں لازم ہے۔ طائف میں آپ ﷺ کو جن مصائب سے گزرنا پڑا تھا اور حضور ﷺ نے آلام میں صبر و استقامت کی جو مثال قائم کی اس میں آنے والے ہر زمانے میں دین کا پرچم لے کر اٹھنے والی تحریکوں کے لیے اِصْبِرُوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أَصْبِرِ کا اصول اور سبق ملتا ہے۔

طائف سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے کچھ دِن نخلہ میں قیام کیا۔ اپنے معمول کے مطابق حضور ﷺ تہجد کی نماز میں جہری تلاوت کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی تسکین کا یہاں یہ عجیب سامان ہوا کہ جنوں کا ایک گروہ بھی اتفاق سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت اور

[1] صحيح الجامع لالباني.
[2] بخاري.

Marfat.com

منصوبے کے ساتھ نخلہ میں آ پہنچا تھا۔ وہاں ان آمد کا مقصد یہ تھا کہ انہیں سماعتِ قرآن کا موقع ملے۔ حضور ﷺ کو جنوں کی وہاں موجودگی کی خبر نہیں تھی ۔ یہ اطلاع آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے خود دی اور بتایا:

﴿ وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ ﴾

(الاحقاف:29)

'جب ہم جنوں کے ایک گروہ کو تمہاری طرف لے آئے تھے تا کہ قرآن سنیں۔ جب وہ اُس جگہ پہنچے (جہاں تم قرآن پڑھ رہے تھے) تو اُنہوں نے آپس میں کہا خاموش ہو جاؤ۔ پھر جب وہ پڑھا جا چکا تو وہ خبردار کرنے والے بن کر اپنی قوم کی طرف پلٹے'۔

اِس سے قبل دعوت اِلی اللہ کے ابتدائی دور جب ایک بار رسول اللہ ﷺ اپنے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ عُکاظ کے بازار تشریف لے گئے تھے جِنوں نے آپؐ کو قرآن پڑھتے سنا تھا۔ اُس واقعہ کا ذکر سورۃ الجن میں ہے۔ یہ دو الگ موقعوں پر ہونے والے واقعات تھے۔ سورۃ الاحقاف میں جنوں کے جس گروہ کے قرآن سننے کا ذکر ہے وہ حضرت مُوسیٰ علیہ السلام اور سابق آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے تھے۔ اِس کے برعکس سورۃ الجن میں جنوں کے جس گروہ کے بارے میں بتایا گیا ہے وہ مشرکین اور منکرین آخرت تھے۔ [1] بعض مفسّرین اور سیرت نگاروں نے دونوں واقعات کو جمع کر دیا۔ اصَحُّ السِّیَر کے فاضل مولف نے بھی دونوں میں فرق نہیں کیا۔

طائف سے واپسی

طائف میں بڑے پرآشوب حالات کا سامنا کر کے رسول اللہ ﷺ واپس مکّہ تشریف لائے۔ عرب کے قبائلی نظام میں کوئی شخص اگر شہر سے نکال دیا جاتا یا خود شہر اور برادری کو چھوڑ

[1] تفهيم القرآن جلد ششم.

Marfat.com

کر چلا جاتا یا کسی حریف قبیلے کا کوئی آدمی کسی مجبوری کے تحت مخالفین کے شہر اور برادری میں آنا چاہتا تو اُسے قانونِ اِستجار کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ یعنی وہ اسی صورت میں واپس شہر میں داخل ہو سکتا تھا جب کوئی با اثر اور طاقتور آدمی یہ اعلان کرتا تھا کہ اس نے آنے والے کو اپنے جوار میں لے لیا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے ایک قابلِ اعتماد آدمی کے ہاتھ سہیل بن عمرو اور اخنس بن شریق کو پیغام بھیجے لیکن انہوں نے اپنی پناہ فراہم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے مُطعِم بن عدی کو ایسا ہی پیغام بھیجا۔ مُطعِم بن عدی نے اِس سے قبل شِعبِ ابی طالب کا حصار ختم کرنے میں بھی اپنا مثبت اور جرأت مندانہ کردار ادا کیا تھا۔ اگرچہ ایمان نہیں لایا تھا مگر بہادر اور ہمدرد شخص تھا۔ اس نے ایک بار پھر رحم دلی، شرافت اور جُرأت کا مظاہرہ کیا۔ اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو ہمراہ لے کر اور ہتھیار باندھ کر اونٹ پر سوار ہوا اور حرم شریف میں آکر اعلان کیا: 'اے اہلِ قریش! محمد (ﷺ) میری پناہ اور حمایت میں ہیں۔ کوئی اِن پر ہاتھ اٹھانے کی حرکت نہ کرے۔'

رسول مقبول ﷺ جب مکّہ میں وارد ہوئے تو حالات کی سنگینی میں کوئی کمی نظر نہ آئی۔ ظلم کی چکی کے پاٹ پہلے سے بھاری اور تیز ہو چکے تھے۔ مخالفت کی آندھیاں اُٹھ رہی تھیں۔ ترہیب و تخویف کے سارے طریقے آزمائے جا رہے تھے۔ اِس جور و ستم کے باوجود اِسلام پھیل رہا تھا۔ عرب کا شاید ہی کوئی قبیلہ ہو گا جس میں اسلام کی روشنی نہ پہنچی ہو اور دو چار افراد دِینِ حق سے وابستہ نہ ہوئے ہوں۔ یہ چیز مشرکین مکّہ کے غیض و غضب کو اور بھڑکا رہی تھی۔ ان کے اَشراف و رؤساء اور مترفین (دولت مند عیاش طبقہ) کو اپنے عقیدے سے زیادہ ان دنیوی حیثیات اور مادّی مفادات کی فکر تھی جو کعبۃُ اللّٰہ کی وجہ سے اُن کو حاصل تھے۔ روم و ایران کی کشمکش نے قریش اور دیگر عرب قبائل کی اہمیت بڑھا دی تھی۔ ان دو قوتوں کی جنگوں کی وجہ سے ان کے تجارتی سامان کے شمال اور جنوب کی طرف بہاؤ کے راستے بند تھے۔ یہ قریش اور دوسرے عرب قبائل ہی تھے جو روم و ایران کی رزم و پیکار سے خوب فائدہ اٹھا رہے تھے۔ رُوم و یونان اور مصر و شام تک کا تجارتی سامان اِن کے ذریعہ بحرِ

Marfat.com

ہند اور خلیج فارس کی بندرگاہوں تک پہنچتا تھا اور وہاں سے ہندوستان اور چین اور مشرقِ بعید کے تاجر یہ سامان خریدتے بھی اور اپنا سامان اِن کے ہاتھ فروخت بھی کرتے تھے، جسے یہ شمال میں رومی سلطنت کے مقبوضات تک پہنچاتے اور پھر بحرِ متوسط کی بندرگاہوں سے یہ مال بہت آگے تک جاتا تھا۔ اس طرح یہ خوب منافع کماتے تھے۔ ❶

اسلام کے غالب آجانے کا ایک مطلب تو یہ تھا کہ کعبہ کی تولیت ان سے چھن جاتی تھی اور دوسرا مطلب یہ تھا کہ حجاز کے اوپر اور نیچے ان تجارتی منڈیوں اور مختلف کاروباری مراکز تک سامانِ تجارت کی رسائی حضرت محمد ﷺ کی صوابدید پر منحصر ہو جاتی تھی۔ چنانچہ سارے عرب میں قریش کی امتیازی حیثیت کا خاتمہ بدیہی امر تھا۔ جن جاہلی عقائد، اصولوں اور تمدّنی روایات کی بنا پر اُنہیں سارے عرب کی پیشوائی حاصل تھی، اِسلام کی کارفرمائی میں جاہلیّت کے اُن تمام اصول و عقائد اور روایات کا خاتمہ بھی انہیں صاف نظر آتا تھا۔ وہ لوگوں کو اپنا ہمنوا بنانے کے لیے اِن خدشات کا ان الفاظ میں برملا اظہار بھی کرتے تھے:

﴿وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا﴾ (القصص: 57)

وہ کہتے ہیں 'اگر ہم تمہارے ساتھ اِس ہدایت کی پیروی اختیار کر لیں تو اپنی زمین سے اُچک لیے جائیں گے۔'

قوم کو دعوتِ حق سے بدگمان کرنے کی یہ وہی چال تھی جو ہر دور کے فراعنہ اور نماردہ چلتے آرہے ہیں۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے غلبہ کو اِسی طرح اپنی قوم سے اُس کا وطن اور اس کے سارے وسائل چھین لینے کے ایک منصوبے سے تعبیر کیا تھا۔ فرعون نے اسی سے لوگوں کو ڈرانے کی کوشش کی تھی۔ جب جادوگروں کو ایک طے شدہ دن کو جنابِ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں لا کھڑا کیا گیا۔ مجمعے میں سمجھدار لوگ یہ حقیقت جان چکے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام جادوگر نہیں ہے لیکن قوم کی اشرافیہ اسی خوف میں مبتلا کر دی گئی تھی جس خوف کی بنا پر رسول اکرم ﷺ

---

❶ تفہیم القرآن جلد سوم.

Marfat.com

کی قوم کے سردار آپؑ کی پیروی سے بھاگ رہے تھے۔فرعون نے موسیٰؑ علیہ السلام سے کہا:

﴿ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴾ (طٰہٰ: 57)

’(فرعون) کہنے لگا ’اے موسیٰ، کیا تُو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکال باہر کرے؟‘

اور پھر مجمع میں موجود دوسرے لوگوں کو بھی یہی وسوسے ستانے لگے تھے اور انہوں نے بھی یہی کہنا شروع کر دیا کہ مُوسیٰ علیہ السلام اور ہارونؑ اپنے جادو کے ذریعہ اقتدار و قوت پر قابض ہونا اور تمہاری تہذیب و تمدّن اور تمہارے مثالی طرزِ زندگی کے نقوش مٹانا چاہتے ہیں۔ انہوں اِن الفاظ میں اپنے خدشات کا اظہار شروع کیا:

﴿ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴾ (طٰہٰ: 63)

’اور لوگوں نے کہا کہ ’یہ دونوں تو محض جادوگر ہیں۔اِن کا مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہاری زمین سے بے دخل کر دیں اور تمہارے مثالی طریقِ زندگی کا خاتمہ کر دیں۔‘

شدائد و عوائق کی آندھیوں کے باوجود محمد مصطفیٰ ﷺ اپنے فریضہ دعوت سے ایک لمحہ کے لیے غافل نہ ہوئے۔دس سال کی مدت میں عرب قبائل اور ان کی مختلف شاخوں میں سے محارب بن خصفة، فزارہ، غسان، مرّہ، سلیم، عبس، بنو نصر، بنو البکا، کندہ، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، اور حضارمہ کے کانوں تک آوازۂ حق پہنچ چکا تھا۔حضور ﷺ مختلف قبیلوں کے مراکز میں جا کر دعوت دیتے۔باہر سے آنے والوں کی قیام گاہوں میں جا کر اُنہیں اللہ کا پیغام پہنچاتے اور اُس کا کلام سناتے تھے۔بنو کلب کا ایک نام بنو عبداللہ بھی تھا۔نبی اکرم ﷺ نے اُن کی توجہ اِس نام کی خوبی کی طرف مبذول کر کے اُن کو دِین کی طرف بلایا۔انہوں نے دعوتِ حق کو سختی سے ٹھکرا دیا۔بنو کندہ نے تو جواب میں بدترین رویہ ظاہر کیا۔

یہاں یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ صرف قریش ہی نہیں بلکہ سارے عرب قبائل اِس

Marfat.com

دعوت کی کامیابی کا مفہوم بہت اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اِس دعوت کی کامیابی ، اِس دِین کی کارفرمائی اور غلبہ ہے اور اِس غلبہ کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ 'اَمر' یعنی اتھارٹی اللہ کی مانی جائے گی اور جب اللہ کا اَمر ہو گا تو زندگی کا سارا نظام اُسی کے نقشے کے مطابق ڈھل جائے گا۔ محمد بن عبداللہ ﷺ کی بات مان لینے کے دوسرے معنی آپؐ کی فیصلہ کُن حیثیت کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا ہوں گے۔ جب رسول اللہ ﷺ قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ کے سردار بحیرہ (یا بیحرہ) بن فراس کے پاس گئے اور اسے اسلام کی دعوت پیش کی تو اُس کے ذہن میں اسی 'اَمر' کے بارے میں ایک سوال پیدا ہوا۔ کہنے لگا: اگر ہم تیری دعوت قبول کر لیں اور جب تم اپنے مخالفین پر غالب آجاؤ گے تو کیا 'اَمر' (اتھارٹی) میں ہمارا کوئی حصہ ہو گا؟' حضور ﷺ نے فرمایا: 'یہ 'اَمر' حقیقت میں امرُ اللہ ہے اور اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہے گا اُسے سونپے گا۔' بحیرہ نے کہا: 'خوب! اِس وقت سارے عرب کے مقابلے میں ہم سینہ سپر ہوں اور گردنیں ہماری کٹیں اور جب تم کامیاب ہو جاؤ تو اثر و اقتدار غیروں کو ملے۔ ہمیں یہ منظور نہیں۔'[1]

نورِ حق کی کرنیں یثرب تک

ایک مخلص اور سچا داعی کسی ایک نقطے سے لگا بیٹھا نہیں رہتا۔ امکانات کی جستجو میں اُس کی نگاہیں ہر رُخ پر اٹھتی ہیں اور وہ ہر کھیتی کی زرخیزی کو جانچتا ہے تاکہ جہاں اس کے بوئے ہوئے بیج کے اگنے کا امکان ہو وہاں وہ بیج بو دے۔ حضور ﷺ طائف کے سفر سے پہلے بھی بیرونِ مکہ سے آنے والے لوگوں کی قیام گاہوں پر جا کر اپنی دعوت پیش کرتے اور جب طائف کی کھیتی بنجر نکلی تو رسول اللہ ﷺ نے دعوت کے بیج بونے کے لیے اور کھیتیوں کا رُخ کیا۔ سوید بن صامت یثرب میں سب سے زیادہ ذہین وفطین مانے جاتے تھے۔ بہت اچھے شاعر تھے۔ قوم انہیں الکامل کے نام سے پکارتی تھی۔ یہ حج یا عمرہ کے لیے مکہ آئے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے ملاقات کی۔ آپؐ نے دِین کی کچھ باتیں کی ہی تھیں کہ وہ

[1] رحمۃٌ للعالمین ، الرّحیقُ المختوم.

Marfat.com

کہنے لگے: 'ایسی ہی ایک چیز میرے پاس بھی ہے۔' نبی ﷺ نے پوچھا 'وہ کیا ہے؟' انہوں نے کہا: 'لقمان کی حکمتوں پر مبنی باتیں ہیں۔' آپ ﷺ نے اس کی پسندیدہ چیز کو دیکھے بغیر رد نہیں کیا اور دیکھنے کے بعد اُن میں جو خوبی تھی اس کا انکار نہیں کیا۔ فرمایا: 'یہ اچھی باتیں ہیں مگر جو کچھ میرے پاس ہے وہ اس سے بہتر ہے۔ یہ اللہ کا نازل کردہ کلام قرآن ہے۔ یہ ہدایت ہے اور نور ہے۔' پھر آپ ﷺ نے انہیں قرآن کی آیات سنائیں۔ سوید بن صامت زبان و بیان میں خوب اور خوب تر کے فرق کو سمجھتے تھے۔ فوراً مسلمان ہو گئے۔ اسے ہجرت مدینہ سے ڈیڑھ سال پہلے کا واقعہ بتایا جاتا ہے۔ جنگِ بعاث کی راکھ میں جو چنگاریاں سلگ رہی تھیں انہی سے کوئی شعلہ بھڑکا اور حضرت سوید بن صامت اہلِ خزرج کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

ہجرت سے قبل ایک اور سعید روح جس پر حق واضح ہوا اور اس نے دِین کی قبولیت کا شرف حاصل کیا وہ ایاسؓ بن معاذ تھے۔ مورخین کے مطابق یہود کی سازشوں سے اوس اور خزرج میں بھڑکنے والی جنگ بعاث رسول اللہ ﷺ کی ہجرتِ مدینہ سے پانچ سال پہلے ختم ہوئی تھی۔ شعلے بیٹھ گئے تھے لیکن ابھی راکھ میں سلگتی ہوئی چنگاریاں موجود تھیں جو کسی وقت پھر شعلوں میں بدل سکتی تھیں۔ فریقین تیاری سے غافل نہیں تھے۔ ابوالحیثر انس بن رافع کی قیادت میں اوس کا ایک وفد اپنی قوم کی طرف سے قریش کے ساتھ ایک معاہدہ کرنے مکہ آیا۔ اس وفد میں ایک نوجوان ایاس بن معاذ بھی تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ ان کے پاس گئے اور فرمایا:

> 'میرے پاس ایک ایسی چیز ہے جس میں تم سب کی بھلائی کا سامان ہے۔ کیا تم جاننا چاہتے ہو یہ کیا چیز ہے؟' انہوں نے کہا: 'وہ کیا چیز ہے؟' آپؐ نے فرمایا: 'میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے مجھے مخلوق کی طرف مبعوث کیا ہے۔ میری دعوت یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور شرک سے باز آ جائیں۔ مجھ پر اللہ نے کتاب نازل کی ہے۔' پھر آپؐ نے اُن کو قرآن پڑھ کر سنایا۔ ایاس بن معاذ کلام کی عظمت کو بھانپ گئے اور وفد کے دیگر ارکان سے کہا: 'اے میری

Marfat.com

قوم کے لوگو! بخدا یہ اُس مقصد سے بہتر ہے جس کو لے کر تم یہاں آئے ہو۔' وفد کے لیڈر انس بن رافع نے ایاس کو ڈانٹا اور مٹھی میں مٹی بھر کر ان کے منہ پر پھینکی۔ ایاس واپس جانے کے چند روز بعد ہی فوت ہو گئے۔ مرتے وقت اُن کی زبان پر تسبیح و تہلیل اور حمد و تکبیر کے کلمات تھے۔ یہ وہ بیج تھے جو سرورِ عالم ﷺ بیعتِ عقبہ سے بھی پہلے مدینہ کی کھیتی میں بو چکے تھے۔ [1]

اِسراء و معراج

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝۱ ﴾

(بنی اِسرآئیل :1)

'پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجدِ حرام سے دور کی اُس مسجد تک جس کے ماحول کو اُس نے برکت دی ہے تا کہ اُسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ حقیقت میں وہی ہے سب کچھ جاننے اور دیکھنے والا۔'

﴿ وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ۝۱۳ لا عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ۝۱۴ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ۝۱۵ ط اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ۝۱۶ لا مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی ۝۱۷ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ۝۱۸ ﴾ (النّجم :13 تا 18)

''ایک اور مرتبہ پھر اُس نے سِدرۃُ المُنتہٰی کے پاس اُس کو اترتے دیکھا جہاں پاس ہی جنتُ الماویٰ ہے۔ اُس وقت سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ کہ چھا رہا تھا۔ نگاہ نہ چُندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئی، اور اُس نے اپنے رَب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔''

اللہ کی راہ میں حبیب خدا، جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے بعثت کے بعد دس سال کے عرصے

[1] رحمۃٌ للعالمین و الرّحیقُ المختوم۔

Marfat.com

میں بے پناہ آلام و مصائب سہے تھے اور ابتلا و آزمائش کی سنگلاخ چٹانیں عبور کی تھیں۔ طائف میں آپ ﷺ نے جو دعا مانگی، اس کے اِن الفاظ پر ایک نظر پھر ڈالیں: 'اے اللہ! اگر تو مجھ سے ناراض اور غضبناک نہیں ہے تو پھر مجھے ان مصیبتوں اور اذیتوں کی پروانہیں جن سے گزر رہا ہوں.....' گویا آپ ﷺ کو ہر حال میں ایک ہی اطمینان اور تسلی مطلوب تھی کہ آپؐ کا رَب ناراض نہیں ہے اور اُس نے آپؐ کو اپنی نگاہوں سے گرانہیں دیا ہے۔ آغازِ وحی کے بعد ایک خاص حکمت کے تحت کچھ عرصہ کے لیے وحی کا سلسلہ بند ہو گیا تو اُس وقت بھی آپ ﷺ کو یہ تشویش لاحق ہو گئی تھی کہ کہیں آقا و مولا نے کسی وجہ سے ناراض ہو کر بیچ منجدھار کے آپؐ کو چھوڑ ہی نہ دیا ہو۔ اُس وقت یہ ارشاد ہوا تھا:

﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰى ۝۳ وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝۴ وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝۵﴾ (الضُّحیٰ:5,4,3)

'(اے نبیؐ) تمہارے رَب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔ اور یقیناً تمہارے لیے بعد کا دَور پہلے دَور سے بہتر ہے، اور عنقریب تمہارا رَب تم کو اِتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔'

تسلی و تشفی اور علوِ شان

مسلسل دس برس تک اللہ کی راہ میں اٹھائی جانے والی مشقتوں اور لگنے والے زخموں کے عوض آخرت میں آپ ﷺ جو بلندیِ درجات ملنی ہے وہ ملنی ہے، مگر دنیا میں اس دل جمعی اور تشفی کے لیے کہ نہ آپ ﷺ سے آپؐ کا رَب ناراض ہے اور نہ اس نے آپؐ سے آنکھیں پھیری ہیں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے اِکرام اور عُلوِ شان کا ایک ایسا سامان کیا جو تاریخِ انبیاء و رُسُل میں صرف آپؐ ہی کے لیے خاص تھا۔ یہ اِسراء و معراج کا سفر ایک انوکھے انداز میں نبی مکرم ﷺ کے علوِ مرتبہ اور عظمتِ مقام کی دلیل بن گیا۔

Marfat.com

روایات اور راویوں کی کثرت

اِسراء ومعراج کے سن اور تاریخ کے تعین میں تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں اختلاف ہے۔تاہم نبوت کے بارھویں برس رَجب کے مہینے کی 27 تاریخ پر ایک عمومی اتفاق پیدا ہو گیا ہے۔اِبن الجوزی نے اپنے شیخ ابوالفضل بن ناصر کے حوالے سے 27 رجب کو قابلِ ترجیح قرار دیا ہے۔قُرآن پاک میں اس سفر کا اجمالی ذکر سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ النّجم کی اُن آیات میں ہوا ہے جو اسراء ومعراج کے عنوان کے تحت درج کی گئی ہیں۔ اس واقعہ کا تفصیلی ذکر احادیث میں ہوا ہے۔رسول اکرم ﷺ کے مکّی دورِ نبوّت کے واقعات میں سے سب سے زیادہ روایات اسی واقعہ اِسراء ومعراج کے بارے میں آئی ہیں۔ایک مربوط اور مکمل کہانی کے انداز میں تو اس واقعہ کو کسی صحابی نے پیش نہیں کیا ہے لیکن پچیس صحابہؓ نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس کے مختلف اجزا بیان کیے ہیں۔حضرت اَنس بن مالکؓ، حضرت مالک بن صعصعہؓ، حضرت ابو ذر غفاریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ نے اسے کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت ابوسعید خُدریؓ، حضرت عائشہؓ اور بعض دیگر صحابہ نے کسی نہ کسی جز سے متعلق روایت بیان کی ہے۔صحیح بخاری میں چھ صحابہ سے 20 روایات آئی ہیں اور صحیح مسلم میں سات صحابہ سے 18 روایات ہیں۔ ❶

یہ ایک ہی رات میں، مکمل بیداری کی حالت میں، جسم اور روح دونوں کے ساتھ یکبارگی سفر تھا۔اِسراء اور معراج اس سفر کے آپس میں جُڑے ہوئے دو مرحلے تھے۔ایک مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک اور دوسرا ساتوں آسمانوں سے بھی اوپر تک جہاں جبریل علیہ السلام کی بھی رسائی نہیں تھی۔ ❷ صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'میں اپنے گھر میں (بعض روایت کے مطابق اپنی چچا زاد بہن اُمِ ہانیؓ کے

❶ تفهيم القرآن جلد دوم، السّيرةُ النّبوية فى ضوء المصادر الاصلية.

❷ فتحُ البارى.

Marfat.com

گھر) سویا ہوا تھا۔ گھر کی چھت پھاڑی گئی۔ جبریلؑ آئے، مجھے حرم کے پاس لے گئے۔

سینہ چاک کرنے کی حکمت

میرا سینہ چاک کیا۔ میرے قلب کو زمزم سے دھویا۔ پھر وہ سونے کی ایک طشتری لائے جو حکمت اور ایمان سے بھری تھی۔ اُسے میرے دل میں انڈیل کر اسے بند کر دیا۔ پھر مجھے اوپر لے گئے۔' یہ اہتمام قلب میں ضبط وتحمل اور وسعت اور سمائی پیدا کرنے کے لیے تھا تاکہ اس محیر العقول سفر میں ماورائے عقل اور مافوقِ قوانین طبعی بڑی بڑی نشانیاں دیکھ کر رسولِ پاک ﷺ کے دِل میں گھبراہٹ و اضطراب پیدا نہ ہو۔

براق کی سواری

مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ کے زمینی سفر کے بارے میں بخاری کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: 'میری سواری کے لیے براق نام کا سفید رنگ کا ایک جانور لایا گیا جو گدھے سے کچھ بڑا اور خچر سے کچھ چھوٹا تھا۔ میں اس پر سوار ہو گیا۔ اس کی سرعتِ رفتار کا یہ عالم تھا کہ جہاں اس کی نظر پڑتی ساتھ ہی وہاں اس کے پاؤں پڑتے تھے۔ براق مجھ کو لے کر بیت المقدس پہنچ گیا۔ براق کو ایک حلقے سے باندھ کر میں نے دو رکعت نماز پڑھی۔' بخاری کی روایت میں ذکر نہیں ہے لیکن بکثرت احادیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ آدم علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے سارے انبیاء نے مسجدِ اقصیٰ میں امامُ الانبیاء ﷺ کی اِمامت میں دو رکعت نماز ادا کی۔ [1]

اِمامتِ انبیاء میں ایک لطیف نکتہ

اللہ کے سارے پیغمبروں کا آپس میں بڑا گہرا رشتہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'سارے انبیاء آپس میں علاتی بھائی ہیں۔ دِین سب کا ایک اور اُمتیں (اور شریعتیں) جدا ہیں۔' [2] یہاں اپنے سلسلے کی آخری کڑی اور اپنی علاتی برادری کے آخری بھائی کی امامت

---

1. دلائل النبوۃ للبیھقی و فتح الربانی لابن الحجر۔
2. بخاری و مُسلم۔

Marfat.com

میں نماز ادا کر کے سارے رسولوں نے اُس عہد کی تجدید اور پاسداری کر دی جو ہر نبی اپنے بعد آنے والے انبیاء کے بارے میں کرتا تھا۔ سب کا نبی آخر الزماں پر ایمان تھا اسی لیے انہوں نے حضور ﷺ کے پیچھے مقتدی کی حیثیت میں کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔

﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾﴾ (الِ عِمران :81)

''یاد کرو، اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ 'آج میں نے تمہیں کتاب اور حکمت و دانش سے نوازا ہے، کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس اُسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمہارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اُس کی مدد کرنی ہوگی۔' یہ ارشاد فرما کر اللہ نے پوچھا 'کیا تم اقرار کرتے ہو اور اِس پر میری طرف سے بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟' انہوں نے کہا 'ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔' اللہ نے فرمایا 'اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔''

ختمِ نبوّت

اِس آیت سے ایک بڑی حقیقت اور عقائدِ اسلامی میں ایک مرکزی عقیدے کی طرف صریح اشارہ ملتا ہے۔ سابق ہر نبی سے اُن کے بعد آنے والے نبیوں پر ایمان اور اگر ایک ہی زمانے اور ایک ہی قوم میں اٹھائے گئے ہوں تو اس کی مدد کا وعدہ لیا گیا تھا۔ لیکن ہمارے نبی ﷺ سے بعد میں آنے والے کسی نبی پر ایمان اور اس کی مدد کے کسی وعدہ کا ذکر نہ تو قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں۔ اس سے یہ روشن دلیل نکلتی ہے کہ محمد بن عبداللہ ﷺ پر نبیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ نبوت کے قصر میں جس ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی وہ آپ ﷺ کی بعثت سے پر ہو گئی۔ حضورؐ نے فرمایا: 'میری اور مجھ سے قبل آنے والے انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے کسی

Marfat.com

شخص نے ایک عمدہ اور خوبصورت گھر تعمیر کیا۔ بس ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی تھی۔ لوگ آتے، اس کے اردگرد چکر لگاتے اور حیرت سے یہ کہتے: 'کیا مناسب نہیں تھا کہ اس خالی جگہ پر اینٹ لگ جاتی؟' میں وہ اینٹ ہوں۔ میں خاتمُ النّبیین ہوں۔' [1]

یہاں سے معراج کے سفر کا آغاز ہوا۔ معراج کی طرف روانگی سے قبل جبریل علیہ السلام نے رسول پاک ﷺ کو ایک پیالہ شراب (خمر) کا، ایک پیالہ دودھ کا پیش کیا۔ آپ ﷺ نے دودھ والا پیالہ لے کر نوش فرمایا۔ دودھ پیاس بجھانے والا مشروب اور توانائی بخش غذا ہے، اسی لیے جبریلؑ نے کہا 'آپؐ نے فطرت کو پسند کیا ہے۔' [2] صحیحین کی روایت کے مطابق جبریل امینؑ نبی پاک ﷺ کو لے کر یا آپؐ کا ہاتھ پکڑ کر آسمانِ دنیا پر پہنچے۔ ابن اسحاق، ابن جریر اور بیہقی وغیرہ کی روایات میں آیا ہے کہ ایک انتہائی خوبصورت سیڑھی کے ذریعہ نبی پاک ﷺ کو پہلے آسمان پر پہنچایا گیا۔ ہر آسمان پر ایک دروازے اور اس پر نگران فرشتے کا ذکر ہے جو یہ اطمینان کر کے ہی دروازہ کھولتا تھا کہ یہ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں جو اپنے رَب کے بلاوے پر تشریف لائے ہیں۔

اعمال کے مُمثّل نتائج

پہلے آسمان پر آپ ﷺ کی ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے کرائی گئی۔ اُن کے دائیں بائیں کچھ غیر واضح صورتیں تھیں۔ دائیں طرف نظر ڈالتے تو خوشی کا اظہار کرتے اور بائیں طرف دیکھتے تو غمگین ہو جاتے تھے۔ بتایا گیا کہ دائیں طرف اولادِ آدمؑ میں سے جنّتی لوگ ہیں جن کو دیکھ کر وہ مسرور ہو جاتے ہیں اور بائیں ہاتھ پر جن کی پرچھائیاں دیکھ کر وہ روتے ہیں، یہ ان کی اولاد میں سے وہ لوگ ہیں جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ کا ایندھن بن گئے۔ کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے حضور ﷺ کا گزر ہوا جو اُدھر فصل کاٹتے جاتے اور ادھر وہ پھر تیار ہو جاتی۔ بتایا گیا کہ یہ وہ خوش نصیب ہیں وہ جن کی نیکیوں کا کہیں سات سو گنا اور

1. بخاری و مُسلم۔
2. بخاری و مُسلم۔

Marfat.com

کہیں بے حساب اجر ہے جو ختم نہیں ہوتا۔ ❶ حضور ﷺ نے دیکھا کہ ایک آدمی لکڑیوں کا ایک گٹھا اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اٹھائے نہیں اٹھتا تو بوجھ کو کم کرنے کے بجائے ایک لکڑی اور اٹھا کر گٹھے میں ڈال دیتا ہے۔ یہ ان لوگوں کی علامت تھی جن میں ذمہ داریوں کا بار اٹھانے کی صلاحیت نہیں ہوتی اس کے باوجود ذمہ داریاں سنبھال لیتے ہیں۔ اسی آسمان پر رسول اللہ ﷺ کو تمثیلی انداز میں بعض اعمالِ بد کی ہولناک سزاؤں کے مناظر دکھائے گئے۔ جو لوگ ممثّل طور پر آپؐ نے دیکھے ان میں تارکینِ نماز اور مانعینِ زکوٰۃ تھے۔ امانت میں خیانت کرنے والے، حرام خور، سُود خور، چغل خور اور عیب جُو تھے۔ جھوٹ بولنے اور غیبت کرنے والے بھی تھے۔ وہ عُلماءِ سوء بھی تھے جو اپنی تقریروں سے فتنے برپا کرتے ہیں۔ زنا کاروں کی سزا یہ دکھائی گئی کہ ان کے سامنے تازہ اور عمدہ گوشت ہے لیکن اسے چھوڑ کر وہ باسی اور متعفن گوشت کھا رہے ہیں۔ ایسی بدکار عورتیں بھی دکھائی گئیں جو حاملہ تو بدکاری سے ہوتی ہیں مگر حرام فعل سے پیدا ہونے والی اولاد کو اپنے شوہروں سے منسوب کر دیتی ہیں۔ ایسے تمام مشاہدات کا ذکر طبرانی، ابویعلیٰ، مسندِ احمد، بیہقی، ترمذی کے علاوہ بخاری میں بھی آیا ہے۔

جنابِ باری میں حاضری

یہاں سے حبیبِ خدا ﷺ کو پانچ اور بالائی آسمانوں سے گزار کر ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ ہر آسمان پر کسی جلیل القدر نبی سے آپؐ کی ملاقات ہوئی۔ ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ بیت المعمور سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں۔ یہاں سے بلندی پر وہ منزل آئی۔ انسانی عقل وفہم کے لحاظ سے جس منزل کے لیے سِدْرَۃُ الْمُنْتَھٰی ہی موزوں ترین لفظ ہے۔ اِس منزل سے آگے جناب باری تعالیٰ میں حاضری کا مقام آیا۔ اُس مقام تک جبریلؑ کی بھی رسائی نہیں ہے۔ وہاں رَب نے اپنے محبوب ترین بندے کو اِس حالت میں ملاقات کا شرف بخشا کہ درمیان میں نور کا پردہ حائل تھا۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث

❶ بیہقی.

Marfat.com

مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: 'کیا آپ نے اپنے رَب کو دیکھا؟' آپؐ نے فرمایا: 'ایک نور دیکھا، اللہ کوئی کہاں دیکھ سکتا ہے۔'[1] گویا اہلِ مکّہ اور اہلِ طائف کو زبانِ حال سے یہ بتا دیا گیا کہ تم نے محمد ﷺ کو حقیر جان کر اپنی بدسلوکیوں اور ایذا رسانیوں کا ہدف بنایا۔ دیکھو ربُّ العزت وجلال نے اپنے حبیبؐ کو کس شان سے نوازا اور کیسی عزت وتکریم عطا کی۔

نمازوں کی فرضیت

اسی مقام پر اِلٰہُ العٰلمین سے اُمتِ مسلمہ کے بندگانہ تعلق کی استواری کے مستقل انتظام کے طور پر نمازوں کی فرضیت کا حکم ہوا۔ پہلے پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ واپسی کے سفر میں پانچویں آسمان پر موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا تو پچاس نمازوں کا سن کر انہوں نے کہا کہ 'جو تجربہ مجھے بنی اسرائیل سے ہوا اس کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی اُمت پچاس نمازوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گی۔ واپس جا کر اپنے رَب سے ان کی تعداد میں کمی کی درخواست کریں۔' حضورؐ نے رَب سے تخفیف کی چار بار درخواست کی یہاں تک کہ کل پانچ نمازیں رہ گئیں۔ اس کے بعد آپؐ نے کہا قَدْ سَأَلْتُ رَبِّي حَتّٰی اسْتَحْيَيْتُ 'میں نے اپنے رَب سے اتنی رعایت کی درخواست کی اب مزید تخفیف کی درخواست کرتے ہوئے شرم محسوس ہو رہی ہے۔ اب میں پانچ نمازوں کے فیصلہ پر راضی ہوں۔'[2] ایک روایت ہے کہ سورۃ البقرۃ کی آخری آیات بھی آپؐ کو یہاں براہِ راست دی گئیں اور یہ وعدہ بھی کیا گیا کہ آپؐ کی اُمت میں سے جو شخص شرک میں مبتلا نہیں ہوگا اللہ اس کے باقی گناہ معاف کر دے گا۔'[3]

سفرِ اِسراء ومعراج کا چرچا مکّہ میں

اسی معجزانہ طریقے سے رسول پاک ﷺ کی مکّہ میں واپسی ہوئی۔ آسمانوں سے اتر کر

---

1. صحیح مُسلم.
2. بخاری، مُسلم، نسائی، ترمذی اور مُسندِ احمد کی روایتوں کا خلاصہ۔
3. صحیح مُسلم.

Marfat.com

پہلے بیت المقدس تشریف لائے۔ بڑاق پھر سواری بنا۔ جبریل امینؑ ہمراہ اور رفیقِ سفر تھے۔ قریش کے منکرین سے اِس حادثۂ عظیمہ کی تکذیب ہی کا خدشہ تھا۔ اتفاق یہ تھا کہ سب سے پہلے سب سے بڑے دشمنِ اسلام ابوجہل ہی سے مڈبھیڑ ہوئی۔ آپؐ نے اسے اس سفر کی روداد سنائی۔ وہ بھاگا بھاگا گیا۔ لوگوں کو اکٹھا کر لایا اور سب کے سامنے اس سفر کی تفصیل بیان کرنے کا مطالبہ کیا۔ معجزات دکھانے اور بتانے کے ہوتے ہیں، چھپانے کے نہیں۔ چنانچہ تکذیب کے امکان کے باوجود آپ ﷺ نے اس سفر کی روداد لوگوں کو سنائی۔ ان میں ایسے لوگ موجود تھے جنہوں نے شام کے تجارتی سفروں میں مسجدِ اقصیٰ کئی بار دیکھی تھی۔ کہنے لگے کہ ہمیں مسجدِ اقصیٰ کا نقشہ بتائیں۔ اس احتمال کے ساتھ کہ اس نقشہ کا کوئی پہلو رہ نہ جائے اللہ تعالیٰ نے مسجدِ اقصیٰ سامنے لا کھڑی کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ہر پہلو سے اس کے بارے میں بتایا۔ [1] اتنے بڑے معجزے کے باوجود قریش کے انکار اور استہزا کی روش میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوا۔

صِدّیق کی تصدیق

یہاں نئے سرے سے ایک پروپیگنڈا شروع ہوگیا۔ اس کا بعض مسلمانوں پر بھی اثر ہوا۔ ابن اسحاق کے ہاں اور مسندِ احمد اور مستدرک الحاکم میں ایک دو مسلمانوں کے مرتد ہونے کا ذکر ہے۔ یہ دیکھ کر مشرکین نے محمد (ﷺ) کے سب سے معتمد ساتھی کے اعتقاد میں نقب لگانے کے لیے اپنے انداز میں کوشش کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ابھی اس واقعہ کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ ان سے کہا گیا کہ 'کچھ سنا ہے آپ کے رفیق نے نیا دعویٰ کیا کر دیا؟' انہوں نے کہا کہ اگر یہ بات رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے تو میں تصدیق کرتا ہوں کہ یہ سچ ہے۔ پھر جناب ابوبکرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور سارے واقعہ کے بارے میں دریافت کیا۔ آپؐ کی زبان سے سن کر انہوں نے کہا: 'آپؐ درست فرما رہے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں......' اسی دِن سے وہ اہلِ ایمان کی صفوں میں صِدّیق کے

[1] بخاری و مُسلم.

Marfat.com

لقب سے پکارے جانے لگے اور مکہ کے لوگوں میں بھی اسی نام سے مشہور ہو گئے۔ ❶

نئے مرکزِ دعوت کی جستجو

اِسراء و معراج میں یہ پیغام پوشیدہ تھا کہ دعوتِ حق ایک نئے دَور میں داخل ہونے والی ہے۔اس میں مستقبل کی کامرانیوں کے اشارے تھے۔ اس میں ایسا پیغام بھی مضمر تھا کہ دعوتی تحریک کے کٹھن اور جبر و دہشت سے نجات کا وقت آ گیا ہے اور مکہ کے باہر اس دعوت کی قبولیت کے دروازے کھلنے والے ہیں۔سورۃ بنی اِسرائیل کی پہلی اِسراء والی آیت کے معاً بعد بنی اِسرائیل کا ذکر چھڑ جانے میں بھی یہ رمز چھپی ہوئی تھی کہ یہود نے یثرب میں اوس اور خزرج کے علاوہ قریش اور دیگر عرب قبائل پر اپنی دینی ، روحانی اور علمی برتری کی جو دھاک بٹھا رکھی ہے اس کا خاتمہ ہونے والا ہے۔سارے سابق انبیاء کے محمد مصطفیٰ ﷺ کی امامت میں نماز اس بات کی علامت تھی کہ اب نبی اُمّی ﷺ کے پیش کردہ دینی اصول اور قاعدے اور آپؐ کی تعلیمات ہی عالَمِ بشریت کی رہنمائی کا کام دیں گی۔سفرِ معراج نے رسول پاک ﷺ کو ایک نئی توانائی فراہم کر دی۔ اب آپ ﷺ کی توجہ دوسرے قبائل پر مبذول ہو گئی تھی۔ دعوتی سرگرمیوں کا زیادہ تر ہدف اب تجارتی منڈیاں اور حج اور تجارت کے لیے باہر سے آنے والے لوگ تھے۔حضور ﷺ فرداً فرداً لوگوں سے ملتے۔ حج کے دنوں میں باہر سے آئے ہوئے قبائل کی قیام گاہوں میں تشریف لے جا کر ان سے ملاقات کرتے تھے۔ اس سے پہلے عام طور پر آپ ﷺ کی دعوت کے مختصر مگر جامع نکات یہ ہوتے تھے: 'اے بنو فلاں! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔اللہ کا حکم ہے کہ تم صرف اس کی عبادت کرو اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ بناؤ۔اللہ کے سوا سارے معبودوں سے رشتہ کاٹ لو۔مجھ پر ایمان لاؤ۔'

اب دعوت میں رسول اللہ ﷺ کا اپنے بارے میں ایک نکتہ بھی شامل ہوتا تھا کہ میری حفاظت کرو تا کہ میں تم تک اللہ کی وہ تعلیمات پہنچا سکوں جو اس نے میری طرف بھیجی ہیں۔' ❷

❶ مستدرك حاكم.

❷ ابن هشام ، مسند احمد.

Marfat.com

آپ ﷺ کی یہ خواہش شدت کے ساتھ جھلکنے لگی تھی کہ تحریکِ دعوت کا مرکز مکہ سے کسی دوسری جگہ منتقل ہونے کی کوئی صورت نکل آئے۔ چنانچہ اب توحید و رسالت کی باتوں کے ساتھ آپؐ اپنے خطاب میں یہ بھی فرماتے تھے: تم میں کوئی ہے جو مجھے اپنی قوم میں لے جائے؟ قریش تو مجھے لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے نہیں دے رہے ہیں۔'[1] نتائج خواہ زیادہ حوصلہ افزا نہیں تھے مگر طائف سے واپسی کے بعد مکہ کے اردگرد کے تقریباً 20 قبائل میں جا کر آپ ﷺ نے اسلام کا پیغام پہنچایا تھا۔

پیچھے کہیں دو یثربی سعید روحوں کا ذکر ہوا ہے۔ سوید بن صامت نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے اسلام کا برملا اقرار نہیں کیا تھا لیکن صاف لگتا تھا کہ آپ ﷺ کی باتیں ان کے دل میں گھر کر گئی تھیں۔ ایاس بن معاذ کے اسلام کی تو ان کے قبیلے کے لوگوں نے شہادت دی تھی۔ اگرچہ یہ دونوں اپنے اپنے سفر سے واپس یثرب پہنچتے تو جنگ بعاث کی دبی ہوئی کوئی چنگاریاں شعلہ بنیں اور یہ دونوں اوس اور خزرج کی قبائلی رقابتوں کی بھینٹ چڑھ گئے تھے لیکن ان کے ایمان کی شہادت موجود ہے۔[2] ایمان روشنی ہے اور روشنی پھیلتی ہے۔ مدینہ پہنچ کر انھوں نے اپنے دوست احباب اور اقارب سے اُس ہستیؐ کا تذکرہ ضرور کیا ہوگا جس کے ساتھ وہ مکّہ کے سفر میں ملاقات کر کے آئے تھے اور اُس کی باتوں نے ان کے دل پر گہرا اثر کیا تھا۔ گویا اسلام کا پودا وہاں کی سرزمین میں ابھی نہیں لگا تھا لیکن اس کے بیج ہی کی خوشبو ایسی تھی جو یثرب میں پھیلتی محسوس ہوتی تھی۔

پہلے چھ خوش نصیب یثربی

11 نبوی میں حج کا موسم آیا تو رسول اللہ ﷺ حسبِ معمول منیٰ میں بیرونِ مکہ سے آنے والے حاجیوں سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ جمرۂ عقبہ کے پاس آپ ﷺ کی ملاقات یثرب سے آئے ہوئے چند آدمیوں سے ہوئی۔ ابن اسحاق نے ان کی تعداد چھ

---

[1] ابو داود، ابن ماجہ، مسند احمد۔

[2] اِبنِ اِسحاق۔

Marfat.com

بتائی ہے۔ابن سعد نے بھی چھ والی روایت ہی کو صحیح کہا ہے۔یثرب کے لوگ یہودیوں کی زبانی سنا کرتے تھے کہ ایک نئے نبی کی آمد کا وقت قریب آ لگا ہے۔یہودی اوس اور خزرج کو دھمکیاں دیا کرتے تھے کہ اس نبی کی آمد کے بعد وہ ان کو اس طرح مٹا ڈالیں گے جیسے عاد اور ارم فنا کی گھاٹ اتر گئے تھے۔'نبی اکرم ﷺ کی دعوت سن کر انہوں نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہنے لگے 'یہ وہی نبی ہیں۔آگے بڑھو اور قبل اس سے کہ یہودی ان کے ساتھی بن جائیں ان کی دعوت کو تھام لو' چنانچہ یہ مسلمان ہو گئے۔واپس جا کر انہوں نے اپنی قوم کو حضور ﷺ سے غائبانہ طور پر متعارف کرایا اور دین کی وہ باتیں بتائیں جو انہوں نے سیکھی تھیں۔ [1]

بیعتِ عُقبہ اولیٰ

جنگِ بعاث نے یثرب کے ان نوجوانوں کی سوچ پر گہرا اثر کیا تھا۔وہ دیکھ رہے تھے کہ اوس اور خزرج کے مناقشات اور تنازعات کا عفریت ان کے بڑے بڑے سرداروں کو نگل چکا ہے۔عداوت کی بھٹی اگر یوں ہی گرم رہی تو کل اِن نوجوان نسل کا انجام بھی وہی ہوگا جس سے ان کے بزرگ دوچار ہو چکے تھے۔اِن چھ یثربی نوجوانوں کو ایمان کی روشنی میں مستقبل کے تابناک امکانات نظر آنے لگے تھے۔وہ محسوس کر رہے تھے کہ نبی مکرم ﷺ کا دامن تھام کر اور اُن پر نازل ہونے والی کتاب کو رہنما بنا کر اوس اور خزرج کی عداوتیں اخوت ومحبت میں بدل جائیں گی اور یہ نعمت انہیں ایسی قوت اور بصیرت فراہم کرے گی کہ وہ مدینہ کے یہود کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ بھی کر سکیں گے۔آگے چل کر یہ امکانات زندہ حقائق کی صورت میں ان کے سامنے آئے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا احسانِ عظیم یاد دلایا تھا کہ عین اس وقت جب وہ بالکل تباہی کے دھانے پر کھڑے تھے، اس نے انہیں اسلام کی نعمت سے سرفراز کیا۔اُن کی دشمنی اُخوت ومحبت میں بدل گئی اور وہ بھائی بھائی بن گئے۔

---

[1] ابن اسحاق.

Marfat.com

﴿وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾﴾

(اٰلِ عِمْرٰن :103)

'اللہ کے اُس احسان کو یاد رکھو جو اُس نے تم پر کیا ہے۔تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اُس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اُس کے فضل وکرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔اِس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید کہ اِن علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آئے۔'

جس نورِ ہدایت سے چھ یثربی نوجوانوں کی دنیائے دل منور ہوئی تھی اس نور کی کرنیں سارے مدینہ میں پھیلنے لگی تھیں۔بقول صاحبِ رحمۃ للعالمین وہ ہر ایک کو خوشخبری سنا رہے تھے کہ وہ نبیؐ جس کا تمام عالَم کو انتظار ہے آ گیا ہے۔ہمارے کانوں نے اس کا کلام سنا، ہماری آنکھوں نے اُس کا دیدار کیا۔اُس نے ہمیں اُس رب سے ملا دیا جو حَیٌّ قیُّوم ہے۔اب مدینہ کے سنجیدہ حلقوں میں نبی ﷺ کی بعثت ایک اہم موضوع بن گئی تھیں۔گھر گھر اِس پر باتیں ہو رہی تھیں۔ ہدایت کے اشتیاق نے قبائلی تعصب کم کر دیا تھا۔خزرج کے ان نوجوانوں نے اُس نعمت میں اوس والوں کو شریک کرنے سے گریز نہیں کیا۔اگلے سال حج کا موسم آیا تو ہدایت کی جستجو میں جو 12 افراد مکّہ کے سفر پر نکلے اُن میں خزرج سے دس آدمیوں کے ساتھ قبیلہ اوس کے دو شخص بھی شامل تھے۔

ابن اسحاق نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی زبانی اِس گروہِ یثرب کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی تفصیل بیان کی ہے۔وہ کہتے ہیں: 'میں پہلی بیعتِ عُقبہ میں شامل تھا۔ہم بارہ مرد تھے۔ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر جن نکات پر بیعت کی وہ یہ تھے۔

Marfat.com

(1) ہم اللہ کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک نہیں کریں گے۔ (2) چوری نہیں کریں گے۔ (3) زنا اور بدکاری کے مرتکب نہیں ہوں گے۔ (4) اپنی اولاد کا قتل نہیں کریں گے۔ (5) کسی پر بہتان نہیں لگائیں گے۔ (6) معروف میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: 'اگر تم نے اس عہد کی پاسداری کی تو تمہارے لیے جنّت ہے اور اگر تم روگردانی کرو گے تو تمہارا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہوگا۔ چاہے گا تو تمہیں عذاب دے گا اور اگر چاہے گا تو بخش دے گا۔

پھر ان کی درخواست پر نبی ﷺ نے حضرت مُصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو معلم و داعی بنا کر ان کے ساتھ بھیجا کہ ایک تو وہ نماز کی امامت کرائیں۔ قرآن پڑھ کر سنائیں دوسرے اسلام کی تعلیمات سے انہیں روشناس کرائیں۔ ان میں دِین کی سوجھ بوجھ پیدا کریں۔ اِس بیعت کو بیعت النسآء اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کے سارے نکات وہی ہیں جن کے بارے میں رسول پاک ﷺ کو حکم ہوا کہ مومن عورتیں اگر بیعت کے لیے آئیں تو ان نکات پر ان سے بیعت لیں۔ یہ حکم سورۃ الممتحنۃ کی بارھویں آیت میں ہے۔

<u>بیعتِ عقبہ ثانیہ</u>

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ 'مقری ءالمدینه' یعنی مدینہ والوں کے استاد، مربّی اور نمازوں کے اِمام بن کر گئے تھے۔ انہوں نے اپنا فرض کمال تندہی سے انجام دیا۔ قیام تو ان کا حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھا مگر سارا مدینہ ان کی دعوت کا میدان اور اوس اور خزرج کا ہر آدمی ان کا سامع اور مخاطب تھا۔ قُرآن اِن کی دعوت کا سب سے مؤثر ہتھیار تھا۔ جو لوگ ایمان لا چکے تھے ان کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ اُن کا مقصد تھا اور جو اسلام کے بارے میں کچھ جاننے کے خواہش مند ہوتے انہیں حکمت اور تدبّر کے ساتھ اسلام کی حقیقت سمجھاتے تھے۔ سنن ابی داود اور ابن اسحاق کی روایت کے مطابق حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے ایما پر جمعہ کی نماز کا اہتمام ہونے لگا تھا۔ کم و بیش چالیس مسلمانوں کا اجتماع حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی اِمامت میں جمعہ کی نماز ادا کرتا تھا۔ اُن کی دعوت کا اثر عام لوگوں پر

Marfat.com

ہی نہیں ہوتا تھا، اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ جیسے بڑے سردار بھی ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے تھے۔ ان سرداروں کے مسلمان ہوتے ہی بنو عبدالاشہل کے سارے مرد اور عورتیں دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

جب 13 نبوی کا حج کا موسم آیا تو یثرب سے پانچ سو حاجیوں کا قافلہ مکّہ آیا۔ مسلمانوں میں سے جن کو سہولیات میسر تھیں اور سفر کے لیے حالات سازگار تھے انہوں نے حج کا ارادہ کیا۔ ایک مستقل عبادت کے طور پر مسلمانوں پر روزہ اور زکوٰۃ کی طرح ابھی حج کی فرضیت کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ اس سفر کی بڑی غرض رسول اللہ ﷺ سے ملاقات اور ایمان کے تقاضوں کے تحت مستقبل کے معاملات طے کرنے تھے۔ یثرب سے حج کے لیے مکّہ جانے والے بڑے قافلے میں تہتّر مرد اور دو خواتین سمیت مسلمانوں کی اس قافلے میں کل تعداد 75 تھی۔ خاص دینی و ایمانی حکمت کے تحت انہوں نے مشرکین کے قافلے سے الگ ہو کر سفر نہیں کیا۔ حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ اس قافلے کے قائد تھے۔

نظم وضبط اور رازداری

الفتح الرّبانی کی صحیح روایت کے مطابق مدینہ کے مسلمان یہ پختہ ارادہ کر کے گئے تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے ساتھ مدینہ لے جائیں گے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ ایمان جس وفا کا تقاضا کرتا ہے اس کا اس منصوبے میں ہر قدم پر مظاہرہ ہوا۔ یہ طے ہو گیا تھا کہ ایامِ تشریق کے درمیان نصف شب کے بعد عقبہ کے قریب ایک مقام پر حضور ﷺ سے ملاقات کی جائے گی۔ کسی بھی تحریک اور تنظیم کی کامیابی کا بہت بڑا انحصار اس امر پر ہوتا ہے کہ اس کی صفوں میں مکمل نظم وضبط اور نظم کی طرف سے ہدایات کی پوری پابندی ہو۔ انصار جس منصوبے کے ساتھ مکّہ آئے تھے اس میں ضروری تھا کہ ہر قدم پھونک کر رکھیں اور اِخفا اور رازداری کے تقاضوں میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ ان کے حزم واحتیاط کا یہ حال تھا کہ مکّہ کے مشرکین تو درکنار خود یثربی قافلے کے ان سوا تین سو افراد کو جو اپنے آبائی دِین پر قائم تھے، اس منصوبے کی ہوا تک نہیں لگنے دی گئی۔ وجہ صاف ظاہر تھی۔ ایک ایسا انقلابی

Marfat.com

اِقدام پیشِ نظر تھا جس سے نہ صرف تحریکِ اسلامی بلکہ مستقبل کی پوری انسانی تاریخ کا دھارا موڑ دینا مقصود تھا۔کوئی ادنیٰ سی غفلت اور بے احتیاطی قریب آئی ہوئی منزل کو پھر کوسوں دور پھینک سکتی تھی۔

بیعت کی روداد

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے بیعت کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے'......جب ایک تہائی رات گزر گئی تو ہم پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے اپنے کیمپ سے نکلے۔تہتّر مردوں اور دو عورتوں۔بنی نجار سے نسیبہ بنت کعب اور بنہ سلمہ کی اسماء بنت عمرو۔پر مشتمل ہمارا گروہ عقبہ کے قریب جمع ہوا۔ہم رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرنے لگے۔حضورؐ اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کے ساتھ تشریف لائے۔عباس ابھی تک اپنی قوم کے دین پر تھے۔اُن کی خواہش تھی کہ اپنے بھتیجے کے معاملے میں شریک رہ کر سارے امور طے کرائیں۔انہوں نے گفتگو کا آغاز اس طرح کیا۔

'اے اہلِ خزرج! تم جانتے ہو کہ محمدؐ ہمارے خاندان کے ہیں۔ان کو یہاں ایک با عزت مقام حاصل ہے۔وہ یہاں مخالفین سے محفوظ ہیں لیکن اب چاہتے ہیں کہ تمہارے ساتھ جا ملیں۔تم اچھی طرح سوچ لو کہ کیا تم اِن سے کیا ہوا عہد نباہ سکو گے اور انہیں مخالفین سے بچا سکو گے؟ اگر یہ ذمہ داری اٹھا سکو تو ٹھیک، نہیں تو انہیں یہاں رہنے دو۔اپنی قوم میں یہ عزت اور حفاظت سے رہ رہے ہیں۔'

کعب رضی اللہ عنہ مزید بتاتے ہیں کہ: 'ہم نے کہا کہ آپ نے جو کچھ کہا ہم نے سن لیا ہے۔یا رسول اللہؐ اب آپ اپنا موقف بتائیں۔اپنی ذات اور اپنے رب کے۔لیے ہم سے کیا عہد لینا چاہتے ہیں؟' رسول پاک ﷺ نے پہلے قرآن کی کچھ آیات پڑھیں، اللہ کے دِین کی دعوت دی اور اسلام کی ترغیب دی۔اس کے بعد فرمایا: 'کیا تم اِس امر پر بیعت کے لیے تیار ہو کہ تم میری بھی اسی طرح حفاظت کرو گے جس طرح اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو؟'

حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے حضورؐ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا: 'جی ہاں، یا رسول اللہ! اُس

Marfat.com

ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، ہم آپ کی حفاظت اسی طرح کریں گے جیسے ہم اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کرتے ہیں۔اے اللہ کے رسول! ہم سے بیعت لے لیجیے۔ہم نے نسل در نسل جنگوں کی آغوش ہی میں پرورش پائی ہے اور اسلحہ کا استعمال اچھی طرح جانتے ہیں۔' براء کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ بول پڑے۔ 'یا رسول اللہ! ہمارے کچھ لوگوں (یہودیوں) سے معاہدے ہیں جنہیں ہم ختم کر رہے ہیں۔کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ ہم سب سے کٹ جائیں، اُدھر آپ کو غلبہ مل جائے اور آپ ہمیں چھوڑ کر واپس اپنی قوم میں چلے جائیں؟' اس پر حضورؐ مسکرائے اور فرمایا: 'میرا خون اب تمہارا خون اور میری عزت وآبرو تمہاری عزت وآبرو۔جو تمہارے ساتھ جنگ کرے گا وہ گویا میرے ساتھ جنگ کرے گا اور جس کی تمہارے ساتھ صلح ہوگی اس سے میری بھی صلح ہوگی۔'[1]

صاحبو! ذرا غور کرلو

حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد انصار کے باقی لوگ آگے بڑھ ہی رہے تھے کہ حضرت عباسؓ بن عبادہ نے پکار کر کہا: 'صاحبو! ذرا غور کرلو کہ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔بیعت کے بعد عرب وعجم سے جنگ کے امکانات ہوں گے۔کوئی بعید نہیں کہ مخالفین سے جنگ میں ہمارے شرفاء مارے جائیں، ہمارے مال ہم سے چھن جائیں، ہماری عزت و ناموس خطرے میں پڑ جائے۔ایسا نہ ہو کہ اس وقت مشکلات ومصائب سے گھبرا کر تم محمد ﷺ کا ساتھ چھوڑ دو۔' اس پر سب نے بیک آواز کہا کہ ہم ایسے حالات کا مقابلہ کریں گے۔اِس پر اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: 'ہم سے آپ اپنے رَب کے لیے، اپنی ذات کے لیے، اپنے صحابہ کے لیے جو چاہیں مانگیں، بس ہمیں یہ اطمینان چاہیے کہ اس کے بدلے میں ہمیں کیا ملے گا؟' آپ ﷺ نے فرمایا: 'رَب کے لیے میں جو کچھ چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ صرف اُسی کی بندگی کرو اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔میرے لیے اور میرے اصحاب کے لیے تم سے یہ تقاضا ہے کہ ہماری اسی طرح حفاظت کرتے رہو جیسے تم اپنی

[1] الرّحیقُ المختوم و السّیرةُ النّبویة فی ضوء المصادر الاصلیة بحوالہ ابن ھشام.

Marfat.com

جانوں کی کرتے ہو۔ اس قول وقرار کے بعد سب نے بیعت کی۔

بیعت کی اہم شقیں

1: حالات خواہ کیسے ہی ہوں سمع و طاعت کریں گے۔

2: خواہ تنگ دستی ہو یا کشادگی اپنے مال خرچ کریں گے۔

3: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر کاربند رہیں گے۔

4: اللہ کے لیے حق بات پر ڈٹ کر کھڑے ہوں گے۔ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہیں کریں گے۔

5: جب رسول اللہ ﷺ انصار کے ساتھ چلے جائیں گے۔ انصار حضورؐ کی اسی طرح حفاظت کریں گے جس طرح اپنے بیوی بچوں کی کرتے ہیں۔ اس کا اجر جنّت ہے۔ [1]

بارہ نقیب

بیعت ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰؑ ابن مریم کے بارہ حواریوں کے مثل انصار کو اپنے اندر بارہ نقیب مقرر کرنے کے لیے کہا جو ان شرائط پر عمل درآمد کرانے کے ذمہ دار ہوں۔ چنانچہ نو افراد کا خزرج سے انتخاب ہوا اور تین کا چناؤ اوس قبیلہ سے ہوا۔ یہ کسی بڑے شہر کے ہمہ جہتی بلدیاتی امور کی نگرانی کی غرض سے اس کی بلدیہ کے منتخب نمائندگان کی طرز پر اتفاقِ رائے یا کثرتِ رائے سے چنے جانے والے بارہ افراد تھے۔ 'مہذب دنیا' میں انتخاب کے ذریعہ عوامی نمائندوں کے انتخاب کی روایت اس کے کئی صدیاں بعد کی بات ہے۔

---

[1] مسند احمد، السّنن الکبریٰ للبیهقی، مستدرك للحاكم و ابن حبان اور ابن اسحاق.

Marfat.com

ہجرتِ مدینہ

قُربِ ہجرت

﴿وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا﴾ (بنی اسرآئیل:80)

'اور دعا کرو کہ پروردگار، مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔'

مشرکین کی مکّارانہ چالیں

﴿وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ وَ یَمْكُرُوْنَ وَ یَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ﴾ (الانفال:30)

'اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب کہ منکرینِ حق تیرے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تجھے قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا جلاوطن کر دیں۔ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔'

غارِ ثور میں

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ

Marfat.com

سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَ اَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۴۰﴾

(التوبہ:40)

'تم نے اگر نبی کی مدد نہ کی تو کچھ پروانہیں، اللہ اُس کی مدد اُس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا، جب وہ صرف دو میں کا دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ 'غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔' اُس وقت اللہ نے اُس پر اپنی طرف سے سکونِ قلب نازل کیا اور اُس کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور کافروں کا بول نیچا کر دیا۔ اور اللہ کا بول تو اونچا ہی ہے، اللہ زبردست اور دانا و بینا ہے۔'

اوپر درج تینوں آیات کا تعلق نبی اکرم ﷺ کی ہجرتِ مدینہ سے ہے۔ ابن کثیرؒ نے اوپر درج پہلی آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ مکّہ میں تھے پھر آپؐ کو ہجرت کا حکم ہوا تو یہ آیت اتری۔ ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ جب کفّار نے آپس میں مشورے شروع کیے کہ آپؐ کو قتل کر دیں یا قیدی بنا لیں یا جلا وطن کر دیں تو اللہ نے ارادہ کیا کہ اہلِ مکّہ کو اُن کی بداعمالیوں کا مزہ چکھائے۔ چنانچہ اس نے اپنے پیغمبرؐ کو مدینے ہجرت کر جانے کا حکم دے دیا۔ قتادہ نے نکلنے سے مراد مکّہ سے نکلنا لی ہے اور داخل ہونے کا مطلب مدینہ میں داخل ہونا بتایا ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ 'حالات اتنے سخت ہو چکے تھے کہ اب آنحضرت ﷺ کے لیے مکّہ سے ہجرت ناگزیر ہو چکی تھی لیکن اللہ کا رسولؐ اللہ کے اِذن کے بغیر ہجرت نہیں کرتا۔ اِس وجہ سے آنحضرت ﷺ اپنی دعوت اور اپنے مقام پر ڈٹے رہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ آپؐ کو یہ دعا تلقین کی گئی جس میں نہ صرف یہ کہ قُربِ ہجرت کی طرف اشارہ ہے بلکہ یہ بشارت بھی مضمر ہے کہ آپؐ کے نکلنے سے پہلے ہی آپؐ کے داخل ہونے کا انتظام کر لیا گیا ہے، آپؐ کا نکلنا اور داخل ہونا دونوں عزت و وقار اور رسوخ و استحکام کے

Marfat.com

ساتھ ہوگا اور یہ کہ اِس سفر میں غلبہ اور نصرتِ اِلٰہی کا خاص بدرقہ آپؐ کے ہم رکاب ہوگا۔ دعا میں اَدْخِلْنِیْ کا اَخْرِجْنِیْ پر مقدّم ہونا اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمہارے داخلہ کا انتظام تمہارے نکلنے سے پہلے ہی ہو چکا ہے اور مِنْ لَّدُنْكَ کے الفاظ اِس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ گو ظاہری حالات کیسے ہی نامساعد و مخالف ہوں لیکن تمہارا رَب اپنے پاس سے تمہارے سارے انتظام فرمائے گا۔ غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ظاہری الفاظ کے اعتبار سے تو یہ ایک دعا ہے جو آپؐ کو تلقین فرمائی گئی ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک عظیم بشارت ہے جو نہایت ہی پر خطر حالات میں آپؐ کو دی گئی۔ پھر ہجرت کے سفر کی سرگزشت۔ اور مدینہ میں حضورؐ کے داخلہ کے حالات پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ خلق نے اِس بشارت کے ایک ایک لفظ کو عملاً ظہور میں آتے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔' (1)

رسول اللہ ﷺ کو یہ خیال دامن گیر ہوتا ہوگا کہ مکّہ قبولِ حق کے معاملے میں ایک بنجر جگہ ہے۔ قریش اسلام کے راستے میں دیوار بن کر کھڑے تھے۔ اہلِ ایمان کو اپنی جانوں سے بھی بڑھ کر اپنے ایمان کے لیے خطرہ محسوس ہوتا تھا۔ وہ دین سے برگشتگی کے خوف سے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے دامن میں پناہ تلاش کرتے تھے۔ (2) کچھ لوگ جن میں ابتلاؤں کے مقابلہ کی سکت نہیں تھی وہ دِین سے دستبردار ہونے پر مجبور ہو گئے تھے۔ کچھ ظلم سہتے رہے اور کچھ نے مکّہ سے باہر اِدھر اُدھر پناہ حاصل کی۔ (3) اللہ کے رسول ﷺ خود بھی مسلسل وحشیانہ برتاؤ کا نشانہ بن رہے تھے۔ اِن حالات میں حضورؐ کے دِل میں یہ خواہش پیدا ہونا فطری امر تھا کہ اسلامی تحریک کو کوئی ایسی جائے پناہ مل جائے جہاں دعوتِ حق کے راستے میں مکّہ جیسی رکاوٹیں کھڑی نہ ہوں اور جہاں کے لوگوں کے دلوں میں اتنی بے رحمی نہ ہو جتنی مکّہ کے مشرکین میں ہے۔ آپ ﷺ کے دل پر جو گزر رہی تھی اور کسی نئے مرکزِ دعوت اور مقامِ عافیت کی جو خواہش ابھرتی تھی اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں تھا۔ طائف سے واپسی

(1) تدبّر قرآن جلد چھارم. (2) بخاری.
(3) ابن ھشام.

Marfat.com

کے بعد حضورؐ جن قبائل میں دعوت کے لیے تشریف لے گئے وہاں توحید و رسالت اور آخرت کی تبلیغ کے ساتھ آپؐ یہ بھی کہتے تھے کہ کوئی ہے جو مجھے اپنے ہاں پناہ اور حفاظت فراہم کر سکے؟ یہ پناہ اور حفاظت اپنی جان کی امان کے لیے ہی مطلوب نہیں تھی۔ آپ ﷺ ساتھ یہ بھی فرماتے تھے کہ فَاِنَّ قُرَيْشًا مَنَعُوْنِیْ اَنْ اُبَلِّغَ كَلَامَ رَبِّیْ (قریش مجھے اپنے رب کے کلام کے ابلاغ و تبلیغ سے روک رہے ہیں)۔ گویا آپ ﷺ کو ایسے ماحول کی جستجو تھی جس میں بلا خوف و خطر دنیا کے سامنے اللہ کا کلام سنا سکیں اور اسلامی تعلیمات کی تبلیغ کر سکیں۔

خواب میں دارِ ہجرت دیکھ لیا

اب یہ مرحلہ قریب آ گیا تھا۔ اس کے قُرب کے اشارے آپؐ کو خوابوں میں ملنے لگے تھے۔ وہ جگہ خواب میں نظر آنے لگی تھی جہاں اہلِ ایمان کے لیے عزت سہولت اور رسوخ و استحکام یقینی تھے۔ نبی کا خواب وحی کی ہی ایک صورت ہوتی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکّہ سے کھجوروں والی سرزمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں۔ مجھے گمان ہوا کہ کھجوروں والی سرزمین سے مراد یمامہ ہوگا یا ہجر (بحرین میں ایک مقام)، لیکن یہ مدینہ نکلا۔'[1] اسی مضمون کی ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: 'مجھے تمہارا دارِ ہجرت (خواب میں) دکھا دیا گیا ہے۔ یہ کھجوروں والا علاقہ ہے جس کے دائیں بائیں پتھریلے میدان ہیں۔'[2]

اوّلین مہاجرین

حضرت مُصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تو ہجرت کے اِذنِ عام سے ایک سال پہلے ہی مدینہ والوں کے معلّم بن کر وہاں جا چکے تھے۔ عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ان کے بعد گئے اور وہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے معاون کے طور پر بھیجے گئے تھے۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے جو روایت آئی ہے اس میں یہی بتایا گیا ہے کہ یہ دونوں ہمیں قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ اِذنِ عام کے بعد سب سے پہلے عمارؓ، بلالؓ اور سعدؓ آئے۔ ان کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیس

---

[1] بخاری و مُسلم۔ [2] بخاری۔

Marfat.com

افراد کے ساتھ پہنچے اور پھر نبی ﷺ تشریف لائے......"[1] لیکن ابن ہشام نے واقعۂ ہجرت کی جو تفصیل دی ہے اس کے مطابق سب سے پہلے حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نکلے تو اپنے بیوی بچے کے ساتھ تھے لیکن مکّہ کے سنگ دِل لوگوں میں سے عزم و استقامت کی پیکر حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے خاندان والے ان کے راستے میں کھڑے ہو گئے کہ ہم اپنے خاندان کی بیٹی کو نہیں جانے دیں گے اور حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے خاندان والے معصوم سلمہ کو یہ کہہ کر چھین لے گئے کہ یہ ہمارے خاندان کا بچہ ہے اسے ہم نہیں جانے دیں گے۔ یوں بیوی میاں ایک دوسرے سے اور ماں باپ دونوں اپنے بچے سے جدا کر دیے گئے۔ اسلام کی راہ میں اس حد درجہ صبر آزما اور انوکھی مصیبت میں وہ پورا ایک سال مبتلا رہے، آخر کچھ لوگوں کو ترس آیا اور انہوں نے اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو بچہ لوٹا دیا اور پھر ان کے خاندان نے انہیں شوہر کے پاس جانے کی اجازت دے دی۔ ان اوّلین مہاجرین کو ابھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ مستقل طور پر مدینہ میں بسنے جا رہے ہیں یا حبشہ کی طرح یہ عارضی ہجرت ہے۔ اس کے بعد تو گھر بار، کاروبار اور اعزہ و اقارب کو اللہ کی خاطر چھوڑ کر جان و ایمان کی ایک نئی دنیا کی طرف جانے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مکّہ والوں نے ان کی ساری کمائی اور مال و متاع چھین کر ہجرت کی اجازت دی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی عازمِ ہجرت ہوئے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو روک دیا۔ مستدرک حاکم کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک صحیح غریب روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ میرے ساتھ کون ہجرت کرے گا؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: 'ابو بکر رضی اللہ عنہ''۔

رسول اللہ ﷺ کو حکمِ ہجرت

مشرکین مکّہ مکر و دجل کی چالیں ظہورِ اسلام کے بعد پہلے روز ہی سے چلنی شروع کی دی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ ان کے مکر و زور کو دیکھ کر بڑے مضطرب تھے۔ آپ ﷺ کے دل میں رہ رہ کر یہ خیال آتا تھا کہ اللہ کے یہ باغی اپنی ان سرکشیوں پر انجامِ بد سے دوچار کیوں

[1] بخاری.

Marfat.com

نہیں ہوتے۔ ان چالوں کے بارے میں ارشادِ باری ہے:

﴿ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝ وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا ۝ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝ ﴾ (الطّارق: 15,16,17)

'یہ لوگ چالیں چل رہے ہیں اور میں بھی چال چل رہا ہوں۔ پس چھوڑ دو اے نبیؐ، اِن کافروں کو اِک ذرا کی ذرا اِن کے حال پر چھوڑ دو۔'

ان آیات میں جس کید و مکر کی طرف اشارہ ہے یہ دعوتِ حق کے ابتدائی دور کی بات ہے۔ کفّار کے کید و مکر اور شرارتوں کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ ایک اضطراب کی کیفیت میں مبتلا تھے۔ حضورؐ کے دل میں یہ خیال آتا تھا کہ آخر کیوں ان پر اللہ تعالیٰ کے غضب کو کوڑا نہیں برستا اور کیوں ان کو انجامِ بد سے دوچار نہیں کر دیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی بے چینی دیکھ کر بڑے محبت بھرے انداز میں تسلی دی تھی کہ معرکۂ حق و باطل مرحلہ وار انجام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اللہ کی سکیم بروئے کار آنے میں ابھی کچھ وقت باقی ہے۔ اس وقت تک تھوڑا سا صبر کر لو اور اپنے ارادے اور خواہش کو اس دعوتی تحریک کے بارے میں اللہ کی ان حکمتوں اور تدبیروں کے تابع رکھو جن کے ظہور میں ابھی کچھ وقت باقی ہے۔

حالیہ دور میں 'تحریکِ اسلامی' کی اصطلاح کو موافقین و مخالفین یکساں طور پر اسلام کے صرف سیاسی پہلو سے وابستہ سمجھتے ہیں۔ لفظ 'تحریک' جو ہماری اس تحریر میں جا بجا آ رہا ہے اس کا اصل مفہوم کسی عظیم نصب العین کے حصول کی جدوجہد میں پالیسیوں اور اقدامات کو گہرے مدبّرانہ انداز میں اس طرح کڑی در کڑی اور مرحلہ در مرحلہ حتمی نتائج کی طرف بڑھانا ہے کہ سلسلۂ واقعات میں کوئی خلا نہ رہ جائے۔ پانی کے ایک دم اُٹھنے والے ریلے اور ہوا کے بگولے کی فطرت مختلف ہوتی ہے۔ تحریکِ اسلامی کا مزاج مزرع و چمن کو سیراب کرنے والے آبِ رواں کی مانند ہوتا ہے۔ تحریکِ اسلامی کے مزاج کی مطابقت ان اٹھتے اور لمحہ بہ لمحہ رُخ بدلتے بگولوں سے نہیں ہوتی جن میں نہ کوئی خیر ہوتا ہے اور نہ سامانِ راحت۔

اگر حضور ﷺ کی خواہش پر معاندینِ اسلام کی حرکتوں پر پہلے روز ہی گرفت کر کے

Marfat.com

انہیں نیست و نابود کر دیا جاتا تو اسلامی تحریک کی فطری نشوونما اور پختگی میں بھی بہت بڑی کمی رہ جاتی۔ اس کی تاریخ کی بہت سی اہم کڑیاں غائب رہتیں۔ یہ تاریخ بہت سے قیمتی مرحلوں سے محروم ہوتی۔ اہلِ ایمان کو وہ سارے سبق سیکھنے کا موقع نہ ملتا جو اسے تیرہ سال کے محن و ابتلا میں ملے۔ خود قرآن پاک کے وہ حصے جو ان تیرہ برسوں کے اندر رونما ہونے والے حالات کے تناظر میں نازل ہوئے وہ بے محل بن جاتے۔ قرآن حکیم کے ان حصوں میں جو عبر و نصائح ہیں اسلامی تحریک ہی نہیں بلکہ قیامت تک اس اُمت میں شامل ہونے والے لوگ ان سے محروم رہتے۔ خود ان منکرین و مشرکین میں سے بعد میں ایمان لانے والے لوگ اور ان کی وہ نسلیں جن کو دین و ایمان کی دولت نصیب ہوئی وہ اس دولت سے تہی دامن رہتیں۔ تحریکِ اسلامی میں حرکیت کی لہریں تھم جاتیں۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے میں تھا کہ معاملہ ہجرتِ حبشہ، شعبِ ابی طالب کی محصوری، طائف کے سفر کے المناک لمحوں اور مکّہ کے باہر کے قبیلوں تک اسلام کی روشنی پہنچنے کے بعد عقبہ کی بیعتوں سے گزرتا ہوا مدینہ میں دنیا کے ایک مثالی معاشرے اور تاریخ کی سب سے پہلی اسلامی ریاست کے قیام پر منتج ہو۔

اہلِ مکّہ کی ایک اور بڑی تشویش

دعوتِ حق پر کامرانیوں اور سرفرازیوں کے دَر کھلتے دیکھ کر مکّہ والوں کا خون کھول رہا تھا۔ بیعتِ عقبہ ثانیہ کے معاً بعد جب انہیں اس کی بھنک پڑ گئی تو انہوں نے یثرب سے حج کے لیے آنے والے قافلے کے سامنے اپنے شدید ردِّ عمل کا اظہار کیا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اسلام کی دعوتی تحریک ایک نئے پر امن اور محفوظ و مضبوط مرکز میں منتقل ہو گئی ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت مکّہ چھوڑ کر مدینہ منتقل ہو چکی ہے۔ پہلے انہوں نے جس معاملہ کو حسد کی آنکھ سے دیکھنا شروع کیا تھا اب اس پر انہیں سخت تشویش دامن گیر ہو گئی تھی۔ اپنے عقیدے سے بڑھ کر وہ تجارتی مفادات اور منافع کے بارے میں فکر مند ہو گئے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ مسلمان قریش کی شمال کی طرف تجارتی گزرگاہ کے عین اوپر جا بیٹھے تھے۔ اہلِ مکّہ کو صاف نظر آ رہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ میں ایک مہاجر کی حیثیت سے نہیں بلکہ مدینہ کی بستی کے حکمران

Marfat.com

بن کر جائیں گے۔ان کا وہاں سکہ چلے گا اور ان کے احکام کو وہاں قانون کا درجہ حاصل ہو گا۔ وہ اپنے ایک حکم سے مکہ کی شمال کی طرف تجارتی شاہراہ بند کر دیں گے۔ مکہ والوں کی اپنی کوئی خاص تجارتی پیداوار نہیں تھی۔ روم اور ایران کی طویل جنگوں کی وجہ سے بحرِ احمر کے شمال اور جنوب کے درمیان تجارتی سرگرمیوں میں سخت رکاوٹ پیدا ہوگئی تھی۔روم و ایران کی اس آویزش کی وجہ سے اہلِ مکہ کو شمال اور جنوب کے درمیان سہولت کار تاجروں کی حیثیت حاصل ہوگئی تھے۔ وہ رومی مقبوضات سے تجارتی سامان نیچے یمن اور خلیج فارس کی بندرگاہوں تک پہنچاتے اور ان بندرگاہوں پر ہند اور چین اور مشرقِ بعید تک سے آنے والا سامان ان کے ذریعے شام تک جاتا جہاں سے اس کا بحرِ متوسط کی بندرگاہوں سے قبرص اور یونان تک پہنچنا آسان ہو جاتا تھا۔ یوں قریش ہر دو طرف سے بھاری منافع کماتے تھے۔رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں مسلمانوں کے مدینہ منتقل ہونے سے انہیں اپنی تجارت خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔ چنانچہ انہوں نے یہ جال بننا شروع کیا کہ محمد ﷺ کو مدینہ پہنچنے سے پہلے (نعوذ باللہ) ختم کر دیا جائے۔

آخری چال۔ لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ

بہت سے مسلمان ہاتھ سے نکل کر جا چکے تھے۔منکرینِ حق نے طے کیا کہ اب محمد (ﷺ) کو نکل نہیں جانے دینا چاہیے۔ 14 نبوی کے ماہِ صفر کی 26 تاریخ اور جمعرات کا دن تھا۔قریش کے سرداروں نے 'دارالندوہ' میں، جو آج کی اصطلاح میں ان کا پارلیمنٹ ہاؤس تھا، ایک اہم اجلاس بلایا۔اس میں ہر ایک نے اپنی حد تک مکروہ اِقدام کی تجویز پیش کی۔ پکڑ کر باندھ دینا، جلاوطن کر دینا اور (نعوذ باللہ) قتل کر دینا، تین ایسی تجاویز تھیں جن کے ہر پہلو پر غور کیا گیا۔ آخر ان کے فرعون ابوجہل کی اِس رائے پر سب کا اتفاق ہوا کہ ہر قبیلے سے ایک ایک بہادر نوجوان لیا جائے۔ان میں سے ہر ایک کو تیز دھار تلوار تھما کر محمد (ﷺ) کے گھر کے باہر تیار کھڑا کیا جائے۔ جوں ہی وہ باہر نکلیں تو سب تلوار بدست نوجوان یک بارگی حملہ کر کے محمد (ﷺ) کو قتل کر دیں۔ جب قریش کی ساری قوم اس قتل کی ذمہ دار ہو

Marfat.com

گی تو بنو عبد مناف اپنے آدمی کا بدلہ لینے کے لیے پورے قریش قبیلہ سے لڑنے کی ہمت نہیں کریں گے۔ اگر انہوں نے خُون بہا کا مطالبہ کیا تو سب مل کر ادا کر دیں گے۔

وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ دشمنوں کے منصوبوں پر خاک

اِس صورتِ حال میں نہ رَب اپنے بندے سے بے پروا تھا اور نہ خود رسول اکرم ﷺ ان سازشوں سے بے خبر تھے۔ منکرینِ حق کو ناکامی کا آخری زخم لگانے کا وقت آ گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت و تدبیر میں اُس کے نبیؐ کی ہجرت کا جو موزوں ترین وقت تھا وہ آ گیا تھا۔ جبریل امینؑ نے حضور ﷺ کو قریش کی سازش سے آگاہ کر کے بتا دیا تھا کہ آج رات آپؐ اپنے بستر پر نہ سوئیں۔ قریش قتل کے ارادے سے حضور ﷺ کے گھر کے باہر جمع ہوئے۔ ابو جہل بن ہشام بہت خوش اور پر جوش تھا۔ محمد بن کعب القرظی کی روایت ہے کہ '......رسول اللہ ﷺ باہر نکلے۔ حضور ﷺ نے ایک مٹھی مٹی ہاتھ میں لی اور ان کے سروں پر ڈال کر ان کے اندر سے گزر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نظریں آپؐ سے اس طرح ہٹا دی تھیں کہ کوئی دیکھنے کے قابل نہ تھا کہ آپؐ ان کے اندر سے نکل کر جا رہے ہیں۔ مٹی ان پر ڈالنے کے ساتھ حضور ﷺ نے سورۃ یٰسین کی پہلی 9 آیات تلاوت کیں۔ اُن میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کے سر پر یہ مٹی نہ پڑی ہو۔ اس دوران میں ایک ایسا شخص وہاں آیا جو قریش کی اس مہم میں شریک نہیں تھا۔ اُس نے ان سے پوچھا کہ 'یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟' انہوں نے اپنی دانست میں رازداری کے خیال سے صرف 'محمد' کہا۔ اُس نے کہا کہ: نامرادو! خدا کی قسم محمد (ﷺ) تو نکل کر جا چکا ہے۔ تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے سر پر اُس نے خاک نہ ڈالی ہو۔ سب نے اپنے سروں پر ہاتھ پھیرے تو مٹی پڑی ہوئی تھی۔ سب خبر لینے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے گھر کے اندر کی طرف دوڑے۔ اندر گئے تو حضورؐ کی چادر اوڑھے ہوئے کسی کو سوتا ہوا پایا۔' کہنے لگے محمد (ﷺ) تو ابھی یہاں سو رہے ہیں۔' اسی حیص بیص میں صبح ہو گئی۔ وہ لوگ ابھی تک نبی اکرم ﷺ کے گھر کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھے۔ اس دوران میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بستر سے نکل آئے تھے۔ اس پر وہ پکار اٹھے کہ کہنے

Marfat.com

والے نے ہم سے جو کہا تھا وہ ٹھیک ہی کہا تھا.....‘[1] وہ مٹھی بھر مٹی جو رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات پاک کے لیے مکروہ منصوبہ بنانے والوں کے سروں پر اچھالی تھی، حقیقت میں وہ اس بات کی علامت تھی کہ اللہ کی چال بھاری پڑی اور اس کے دِین اور رسول ؐ کے دشمنوں کے منصوبے خاک میں مل گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر پہلے انہوں نے تشدد کیا لیکن پھر انہیں چھوڑ کر نبی اکرم ﷺ کی تلاش پر متوجہ ہو گئے۔ ان ہی دشمنانِ جان کی امانتیں اللہ کے رسول ؐ نے اپنے پاس حفاظت سے رکھی ہوئی تھیں۔ تاریخ میں شاید ایسی کوئی اور نظیر ڈھونڈے سے نہ ملے کہ دشمنانِ جان ایک شخص ؐ کی جان لینے کے اتنے خوفناک منصوبے کے ساتھ اس کے گھر کا گھیراؤ کیے ہوئے ہوں، پھر بھی اسے یہ فکر ہو کہ ان کی امانتیں بحفاظت ان تک پہنچ جائیں۔ حضور ﷺ حضرت علی ؓ کو اسی غرض سے پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ تین دن تک وہ یہ امانتیں ان کے مالکوں کے حوالے کرتے رہے۔ اس کے بعد ہجرت کے سفر پر نکلے۔ [2]

رسول اللہ ﷺ راہِ ہجرت پر

ہجرت کے سفر کے معاملات و مراحل پر غور و فکر، مشاورت اور عملی تدابیر کی غرض سے تپتی دوپہر کے وقت نبی ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ’ہم سب گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی کہنے والے نے آ کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ دروازے پر اجازت کے منتظر کھڑے ہیں۔ عام طور پر حضور ؐ اس وقت کبھی تشریف نہیں لاتے تھے اس لیے اندازہ ہو گیا کہ کوئی غیر معمولی معاملہ ہے۔ حضرت ابوبکر ؓ نے کہا: ’میرے ماں باپ آپ ؐ پر قربان! اس گھڑی آپ ؐ کسی بہت اہم معاملے کے سوا کبھی تشریف نہیں لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’یہ جو افراد تمہارے پاس ہیں ان کو یہاں سے ہٹا دو۔‘ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ’یہ تو آپ ؐ کے اہلِ خانہ ہیں۔ (حضرت عائشہ ؓ سے حضور ؐ کا نکاح ہو چکا تھا) آپ ﷺ نے فرمایا: ’مجھے ہجرت کا اِذن مل گیا ہے۔‘ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے

[1] ابن هشام، طبری، ابو نعیم فی الدلائل.

[2] السّیرة النّبویة لابن کثیرؒ اور دلائل للبیهقی.

Marfat.com

بڑے اشتیاق سے پوچھا: 'یا رسول اللہ! کیا مجھے رفاقتِ سفر کی سعادت ملے گی؟' آپؐ نے فرمایا: 'ہاں'۔ حضرت ابوبکرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے اس وقت تک یہ اندازہ نہیں تھا کہ وفورِ مسرت سے بھی کوئی رو پڑتا ہے۔' [1]

دار سے غار تک

یہ عنوان میں نے 'الرحیق المختوم' سے مستعار لیا ہے۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ کی تحقیق کے مطابق یہ نبوت کے چودھویں سال ماہِ صفر کی 27 تاریخ تھی جب رات کے آخری پہروں میں رسول اللہ ﷺ اپنے رفیقِ سفر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ان کے گھر کے پچھلے دروازے سے نکل کر روانہ ہوئے تا کہ طلوعِ فجر سے قبل مکہ سے نکل جائیں۔ آپ ﷺ کے مکہ سے نکلنے کے بعد فوری طور پر قریش کا دھیان مدینہ کو جانے والی معروف شاہراہ کی طرف گیا لیکن آپ ﷺ نے اس کے بالکل برعکس یمن کی طرف جانے والے راستے کو اختیار کیا۔ تقریباً پانچ میل آگے جبلِ ثور تھا۔ یہ ایک ایسا اونچا، کھردار اور دشوار گزار راستہ تھا کہ اس پر چلتے ہوئے حضورؐ کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کی کیفیت بھی یہی تھی۔ راستے میں جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک ہی فکر تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

ہجرت کیا ہے؟

لغت میں ہجرت کا مطلب چھوڑ دینا، الگ یا دور ہو جانا یا ترک کر دینا ہے۔ سورہ مزمل کی آیت وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا اور مدثر کی آیت وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ میں یہ لفظ انہی معنوں میں آیا ہے۔ ایک مومن کے لیے دین و ایمان خونی رشتوں یا دیگر معاشرتی تعلقات سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔ اسلام کسی محبت و تعلق کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت اور دین اور عقیدہ پر فوقیت دینے کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کا تقاضا ہے کہ ایک صاحبِ ایمان کو ایک مقام پر جب اپنا عقیدہ و ایمان اور دین خطرے میں نظر آئے تو ان کی حفاظت و بقا کی خاطر ماں باپ، بیوی بچوں، گھر بار، کام کاروبار، مال و دولت، اعزہ و اقارب سمیت جن جن

[1] بخاری.

Marfat.com

سے بھی محبت اور وابستگی ہو،ان کو چھوڑنا پڑے تو پورے شعور اور دل کی خوشی کے ساتھ ان کو چھوڑ کر وہاں چلا جائے جہاں اسے دین و ایمان کی سلامتی ملے۔ان میں سے کوئی چیز اس کے لیے زنجیرِ پا نہ بنے۔اسے دامن جھاڑ کر اس راہ پر نکل جانا چاہیے جدھر اسے اپنے عقیدہ وایمان کی سلامتی کا یقین ہو۔مکہ سے مدینہ اور اس سے قبل حبشہ کی طرف جو ہجرت ہوئی تھی اس میں یہی روح اور نیت کارفرما تھی۔اس اعتبار سے اس کا شمار ایک لحاظ سے عبادت اور دینی فرائض میں ہوتا ہے۔اِسلام میں ولایت وتعلق کی اصل بنیاد دِین ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ هَاجَرُوۡا وَ جٰهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَ اَنۡفُسِهِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیۡنَ اٰوَوۡا وَّ نَصَرُوۡۤا اُولٰٓئِكَ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ؕ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ لَمۡ یُهَاجِرُوۡا مَا لَكُمۡ مِّنۡ وَّلَایَتِهِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوۡا ۚ وَ اِنِ اسۡتَنۡصَرُوۡكُمۡ فِی الدِّیۡنِ فَعَلَیۡكُمُ النَّصۡرُ اِلَّا عَلٰی قَوۡمٍۭ بَیۡنَكُمۡ وَ بَیۡنَهُمۡ مِّیۡثَاقٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۷۲﴾ ﴾ (الانفال :72)

’جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑائیں اور اپنے مال کھپائے ، اور جن لوگوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی ، وہی در اصل ایک دوسرے کے ولی ہیں۔رہے وہ لوگ جو ایمان تو لے آئے مگر ہجرت کر کے (دارالسلام میں) آنہیں گئے تو اُن سے تمہارا ولایت کا کوئی تعلق نہیں ہے جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آجائیں۔ ہاں اگر وہ دِین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو اُن کی مدد کرنا تمہارا فرض ہے، لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو۔‘

تمام میسر مادی اسباب اور عقلی وفکری قوتوں کا استعمال

اصل حقیقت تو ہر حال میں اور ہر موقع پر وہی ہے جس کا اظہار رسول اللہ ﷺ نے اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (اللہ ہمارے ساتھ ہے) کے الفاظ میں اس وقت فرمایا تھا جب مشرکین غارِ ثور کے

Marfat.com

دھانے پر پہنچ گئے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسولِ پاک ﷺ کی زندگی خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔لیکن اللہ کی معیت ونصرت پر پورے ایمان کے باوجود اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ مسلمان حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے سارے مادی اسباب کو بروئے کار لائیں اور عقلی وفکری صلاحیتوں کو استعمال کر کے تدابیر اختیار کریں۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تدبیر یہ تھی کہ انہوں نے سفرِ ہجرت کی خاطر دو اونٹنیاں تیار رکھی ہوئی تھیں۔حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو اپنے بستر پر لٹایا تھا یہ بھی ایک تدبیر تھی۔گھر کے پچھلے دروازے سے نکلنا بھی ایک احتیاطی تدبیر تھی۔تین راتیں غارِ ثور میں قیام بھی ان تدابیر کا حصہ تھا تا کہ قریش تلاش کی کوششوں سے تھک ہار کر بیٹھ جائیں۔عبداللہ بن اریقط اللیثی اپنے آبائی دِین پر قائم تھا۔وہ مدینہ جانے والے تمام راستوں سے واقف تھا۔حضرت ابوبکرؓ نے اس کو معاوضہ پر بطورِ بدرقہ اسی لیے اس سفر میں ساتھ لے لیا تھا تا کہ محفوظ راستہ اختیار کرنے میں کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سارا گھرانہ تحریکِ اسلامی کی کسی نہ کسی خدمت پر مامور تھا۔اُن کا بیٹا عبداللہ ابھی لڑکپن کے مرحلے میں تھا۔اُس کی ذمہ داری تھی کہ قریش کے سرداروں کی مجلسوں کے قریب رہ کر ٹوہ لگاتا رہے کہ وہ کیا منصوبے بنا رہے ہیں اور شام کو غار میں جا کر قریش کی مجلسوں کی رودادیں سنائے۔عبداللہ بن ابوبکرؓ کے پلٹنے کے بعد عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھیڑ بکریوں کا ریوڑ لے کر غار کے قریب پہنچتے تھے۔اس کا ایک مقصد تو یہ ہوتا تھا کہ غار کے مقدس پناہ گزینوں کو بھیڑ بکریوں کا دودھ فراہم کرے، دوسری غرض یہ ہوتی تھی عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے قدموں کے نشانوں پر سے ریوڑ گزار کر انہیں مٹا دیا جائے۔

ابوبکرؓ اور آلِ ابوبکرؓ کی فداکاریاں

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساری اُمت پر یہ جو فضیلت حاصل ہوئی وہ بے وجہ نہیں تھی۔یہ جتنی تدبیریں اختیار کی گئی تھیں ان میں سب سے بڑا کردار ہمیں حضرت ابوبکرؓ اور آلِ ابوبکرؓ کا نظر آتا ہے۔سفر کی تیاری اور زادِ راہ تھیلوں میں رکھنے باندھنے کا کام حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما نے مل کر کیا۔خود حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں

Marfat.com

سمیت دو سواریوں کا زادِ راہ تیار کر کے تھیلوں میں ڈالا۔ تھیلوں کے منہ باندھنے کے لیے اور کوئی چیز نہ ملی تو اسماء بنت ابی بکرؓ نے اپنا کمر بندھ پھاڑا اور دو تھیلوں کے منہ باندھے۔ اسی موقع کی مناسبت سے انہیں ذات النطاقین کا لقب ملا۔ ❶ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیوں کے ایثار و توکّل کے اظہار کا بھی عجیب عالم تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے سفرِ ہجرت پر روانگی کے وقت ساری جمع پونجی جو پانچ چھ ہزار درہم تھی نبی پاک ﷺ کے سپرد کر دی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ کے والد ابو قحافہؓ عمر رسیدہ بھی تھے اور ان کی بینائی بھی جا چکی تھی۔ انہیں جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ابو بکرؓ کے مدینہ چلے جانے کا پتہ چلا تو بڑی پوتی اسماء رضی اللہ عنہا سے کہا کہ 'ابو بکر تم لوگوں کو کیا فاقہ کشی کے لیے پیچھے چھوڑ گئے ہیں؟' حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے نقدی والے طاق میں کنکریاں رکھ کر اوپر کپڑا ڈال دیا اور دادا سے کہا کہ ہاتھ ڈال کر دیکھیں ابا جان ہمارے لیے 'خیر کثیر' چھوڑ گئے ہیں۔' ❷

رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے نکل جانے کے بعد خفت اور طیش کا مارا ابو جہل آیا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ان کے بارے میں پوچھنے لگا۔ جب انہوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو اس بدبخت نے انہیں تھپڑ مارے۔ ہم عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی کاوشوں پر نظر ڈالیں تو ان کا فخر اور اعزاز بھی ایک لحاظ سے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ہی کے دامن میں پڑتا ہے۔ غارِ ثور تک پہنچتے پہنچتے بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی عجیب کیفیت تھی۔ کبھی رسول اللہ ﷺ کے آگے چلنے لگتے تو کبھی پیچھے آ جاتے۔ یہ اضطرابی کیفیت حضورؐ نے دیکھی تو پوچھا: 'ابو بکر یہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟' کہنے لگے: 'یا رسول اللہ! جب مجھے خدشہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی پیچھے سے آپ پر وار نہ دے تو آپ کے پیچھے ہو جاتا ہوں اور جب خیال آتا ہے کوکوئی دشمن آگے کہیں کمین گاہ میں چھپا بیٹھا نہ ہو تو آگے آ جاتا ہوں۔' آپؐ نے فرمایا: تو یہ سب اس لیے کرتے ہو کہ سارا ضرر تمہیں پہنچے اور میں محفوظ رہوں؟ کہا: 'اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے

❶ بخاری.

❷ السیرة النبویة الصحیحة از اکرم ضیاء العمری بحوالہ مستدرک حاکم و ابن ہشام.

Marfat.com

ساتھ مبعوث فرمایا میں یہی چاہتا ہوں کہ آپ پر ٹوٹنے والی آفت اپنے اوپر لے لوں اور آپ محفوظ رہیں۔'[1]

غارِ ثور میں اترنے کے بعد بھی حضرت ابوبکرؓ کو جو پریشانی لاحق تھی وہ حضور ﷺ کے بارے میں تھی۔ مشرکین تلاش میں ایک موقع پر بالکل غار کے دہانے پر پہنچ گئے تھے۔ جنابِ ابوبکرؓ نے عرض کیا: 'یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدموں کی طرف دیکھ لیا تو اس کی نظر ہم پر پڑ جائے گی۔'...... اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ج کے سکونِ قلب سے سرشار الفاظ حضورؐ کی زبان پر صِدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ تشویش دیکھ کر ہی آئے تھے۔ شاید خلافتِ عُمر رضی اللہ عنہ کے دوران میں بعض صحابہؓ میں یہ بحث ہو رہی تھی کہ عُمرؓ رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیقؓ سے افضل ہیں۔ جنابِ عمرؓ کو پتہ چلا تو فرمایا: 'اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے حضورؐ کے ساتھ غارِ ثور میں ابوبکرؓ کی ایک رات آلِ عمر کی ساری زندگیوں سے افضل اور بلند ہے۔'[2]

غار میں تین راتیں

ایک روایت مشہور ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر جبلِ ثور کے اوپر غار تک پہنچایا۔ غار کی دیواروں کے سارے سوراخ کپڑے سے بند کیے اور دو سوراخ جن کے لیے کپڑا نہیں بچا تھا ان پر اپنی ایڑیاں رکھ لیں۔ حضور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھٹنے پر سر رکھ کر سو گئے۔ ایک سوراخ سے زہریلا سانپ نکلا اور اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ڈس لیا۔ رسول اللہ ﷺ جناب ابوبکرؓ کے گھٹنے پر سر رکھ کر سو گئے تھے۔ موذی جانور کے ڈسنے سے حضرت ابوبکرؓ کو شدید درد ہوا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک کر رسول اللہ ﷺ کے رُخِ انور پر گرے جس سے حضورؐ کی آنکھ کھل گئی۔ اس روایت سے اللہ کے سب

---

[1] دلائل النبوّة للبيهقى ، مستدرك حاكم، ابن هشام ، ابن كثير.

[2] صحيح السّيرة النّبوية از ابراهيم محمد العلى بحواله مستدرك حاكم و احمد و طبرانى.

Marfat.com

سے جلیل القدر نبیؐ کے بارے میں نزاکت اور تن آسانی کا تاثر پیدا ہوتا ہے جو حضور ﷺ کی نبوی شان کے یکسر منافی ہے۔اس روایت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عظمت سے زیادہ نبی اکرم ﷺ کی پاکیزہ ہستی کے عیب کا پہلو نکلتا ہے۔ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اس بات سے کہ آپ ﷺ سے منسوب کوئی عیب عقیدت کے نام پر تسلیم کر لیں۔ ذہبی نے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔حافظ ابن کثیر نے بھی اس کے غریب اور منکر ہونے کی رائے دی ہے۔ یہ روایت عبدالرحمٰن بن ابراہیم کے حوالے سے آئی ہے جو ثقہ اور لائقِ اعتبار راوی نہیں مانا گیا۔اس کے راویوں میں فرات بن سائب بھی ایسا شخص تھا جس کی حدیث کو علماءِ حدیث حد درجہ ضعیف قرار دیتے ہیں۔غارِ ثور میں نبی پاکؐ کے قیام کے حوالے سے اور بھی کئی روایتیں خوش اعتقاد لوگوں نے پھیلا دیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

قریش نے رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے رفیقِ سفرؓ کی تلاش کے لیے ہر طرف اپنے آدمی دوڑا رکھے تھے۔انہی میں سے کچھ غیر متوقع طور پر جبلِ ثور کی طرف بھی آ گئے۔یہ لوگ جانتے تھے کہ اوپر ایک غار ہے۔وہ غار کے دہانے تک پہنچ گئے۔غار کے اندر ان کی آوازیں بھی آ رہی تھیں اور نیچے سے ان کے قدم بھی نظر آ رہے تھے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سخت پریشان تھے۔قرآنِ حکیم میں آپؐ کے یہ جو الفاظ ہیں لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا اسی موقع پر حضرت ابوبکرؓ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد ہوئے تھے۔ غار کے منہ پر ایک مکڑی نے جالا تان لیا تھا۔مشرکین اسے دیکھ کر کہنے لگے کہ 'اگر غار میں کوئی داخل ہوتا تو یہ جالا کیسے ہوتا'۔ [1] اللہ تعالیٰ نے تین راتوں تک اپنی رحمت و قدرت سے ان دو پرعظمت اور مقدس ہستیوں کو دشمنوں سے اور دیگر ہر طرح کے آزار سے محفوظ رکھا۔البتہ غار کی دیوار یا چھت سے ایک پتھر کے گرنے سے حضورؐ کے دستِ مبارک کی ایک انگلی زخمی ہوگئی۔حضور ﷺ نے اس پر فرمایا: 'اے انگلی یہ تکلیف اللہ کی راہ میں آئی ہے، اس لیے کوئی بڑی تکلیف نہیں ہے۔' [2] یہ

---

1. احمد، طبرانی، ابن کثیر، مصنف عبدالرّزاق.

2. صحیح مسلم.

Marfat.com

الفاظ بتاتے ہیں کہ اللہ کے نبیؐ جس راہ پر نکلے تھے ہر طرح کی تکلیفوں کے لیے اپنے آپ کو تیار کر کے نکلے تھے۔

سراقہ بن مالک (جُعثم) انعام کی جستجو میں

سراقہ بن مالک کا واقعہ جتنا دلچسپ ہے، اتنا ہی سبق آموز اور ایمان افروز بھی۔ اس کی تفصیل انہوں نے خود بھی بیان کی اور دیگر روایات بھی آئی ہیں: 'رسول اللہ ﷺ جب مکّہ سے ہجرت کے لیے نکلے تو قریش نے اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص آپؐ کو پکڑ کر لائے گا اسے دیت کے سو اونٹ انعام میں ملیں گے۔ وہ اپنی قوم بنی مدلج کی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کی قوم کا ایک شخص وہاں ان لوگوں کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا: 'واللہ! میں نے تین آدمیوں کا ایک قافلہ یہاں سے گزرتے دیکھا ہے۔ ہو نہ ہو، وہ محمدؐ اور ان کے ساتھی ہی ہیں۔' سراقہ نے اسے آنکھ کا اشارہ کیا کہ خاموش رہے۔ انہوں نے توجہ ہٹانے کے لیے کہا کہ وہ بنو فلاں کے کچھ لوگ ہیں جو اپنی کوئی گم شدہ چیز ڈھونڈنے نکلے ہوئے ہیں۔ خبر دینے والا یہ کہہ کر چپ ہو گیا کہ ہو سکتا ہے (بنو فلاں کے لوگ ہی ہوں)' تھوڑی دیر وہاں ٹھہرنے کے بعد سراقہ اٹھ کر گھر چلے گئے۔ گھر میں حکم دیا کہ میرا گھوڑا تیار کر کے وادی کے بطن میں ٹیلے کے پیچھے باندھ آئیں۔ خود ہتھیار اٹھائے۔ فال نکالنے والے تیر بھی ساتھ رکھے اور گھر کی پچھلی طرف سے باہر نکل گئے۔ باہر جا کر فال کا پہلا تیر پھینکا۔ اس سے جواب ملا کہ تم انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ وہ ہر حال میں سو اونٹوں کا انعام پانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ان مسافروں کے نشانات پر تعاقب میں چلتے گئے۔ گھوڑے نے غیر متوقع طور پر تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔ گھوڑے کو چلتے چلتے ایک ٹھوکر لگی۔ سراقہ حیران تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ انہوں نے فال کا ایک اور تیر پھینکا۔ پھر وہی جواب ملا۔ اس کے باوجود انہوں نے پیچھا جاری رکھا۔ وہ ان مسافروں کے نشانات پر گھوڑا دوڑائے چلے جا رہے تھے۔ لیکن گھوڑا پھر بدکا، اس نے ٹھوکر کھائی اور سراقہ کو نیچے گرا دیا۔ وہ سخت حیران تھے کہ آخر معاملہ کیا ہے۔ اب انہوں نے رسول پاک ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کو دیکھ لیا تھا۔ گھوڑے کو ایڑ لگائی مگر اس کے اگلے

Marfat.com

پاؤں زمین میں دھنس گئے اور سراقہ زمین پر آ گرے۔گھوڑا سیدھا ہوا تو اس کے سموں سے دھواں سا نکل رہا تھا۔ان پے در پے معجزاتی کیفیات کو دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ وہ رسول پاک ﷺ کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے۔انہوں نے بلند آواز سے پکارا کہ ُ میں سراقہ بن جُعشم ہوں۔میری طرف دیکھیں میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔واللہ! میں کوئی دھوکہ فریب نہیں کر رہا ہوں۔ایسی کوئی حرکت نہیں کرنے والا جو آپ کو ناگوار ہو ٔ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکرؓ سے کہا کہ ُاس سے پوچھو یہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟'ابوبکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے الفاظ دہراتے ہوئے اس سے سوال کیا۔سراقہ نے حضورؐ کے پاس پہنچ کر ساری صورت حال بیان کی اور اپنی حرکت پر معذرت خواہ ہوئے۔ساتھ قریش کی طرف سے حضور ﷺ کی گرفتاری پر اس انعام کا ذکر کیا جس کی لالچ میں تعاقب کرتے ہوئے وہ یہاں تک پہنچے تھے۔انہوں نے عرض کیا کہ ُ مجھے امان لکھ کر دیں جو میرے اور آپ کے درمیان ایک علامت یا شہادت رہے۔'حضورؐ نے ابوبکرؓ (یا عامر بن فہیرہ) کو امان لکھ دینے کا حکم دیا۔انہوں نے کسی ہڈی یا ورق یا کسی ٹوٹے برتن کی ٹھیکری پر امان نامہ لکھ کر سراقہ کی طرف اچھال دیا۔انہوں نے اسے لے کر اپنے تھیلے میں رکھ لیا اور خاموشی اختیار کر لی۔اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہ کیا۔ سراقہ نے نبی ﷺ کو کھانے پینے کی کچھ چیزیں پیش کیں جو حضور نے قبول نہیں کیں۔لیکن یہ تاکید کی کہ ہماری موجودگی کی کسی کو خبر نہ ہونے دیں اور نہ کسی کو ادھر آنے دیں۔چنانچہ انہوں نے خاموشی اختیار کر لی۔اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہیں کیا۔فتح مکّہ کے بعد رسول اللہ ﷺ سے اپنی ملاقات اور اسلام قبول کرنے کی خبر لوگوں کو سنائی۔' ①

کاروانِ مبارک اُمِّ معبد خزاعیہ کے خیمے تک

اُمِّ معبد کا خیمہ راستے میں پڑتا تھا۔اُمِّ معبد کے ہاں رسول اللہ ﷺ کچھ دیر ٹھہرے۔اس خاتون نے بکریوں کا دودھ سوکھ جانے کی وجہ سے مہمان نوازی سے معذرت کر دی تھی۔خشک سالی کی ماری ہوئی ایک کمزور بکری سامنے کھڑی تھی جس نے دودھ دینا بند

① صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابن ھشام، حافظ ابن حجر -فتح الباری.

Marfat.com

کر دیا تھا۔حضورؐ نے اجازت مانگ کر اپنے دست مبارک سے اس کے تھن ملے تو دودھ اتر آیا۔آپؐ نے برتن منگوا کر اس میں دودھ دوہیا۔برتن لبالب بھر گیا۔سب نے سیر ہو کر پیا۔ آخر میں رسول اللہ ﷺ نے پیا۔آپؐ نے دوبارہ دوہا۔برتن پھر بھر گیا وہ اُمّ معبد کے لیے چھوڑ دیا۔ ابی معبد جو گھر پر نہیں تھا۔واپس آئے تو برتن میں فراوانی کے ساتھ دودھ دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ کہاں سے آیا ہے؟ اُم معبد نے سارا واقعہ بیان کیا۔اس پر وہ کہنے لگا: 'مجھے ذرا ان مکرّم مہمان کا حلیہ بتاؤ، مجھے لگتا ہے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کو قریش تلاش کر رہے ہیں۔ اُمّ معبد نے رسول اللہ ﷺ کا حُلیہ مبارک اور شخصیت پاک کے نقوش اس طرح بیان کیے کہ کوئی جدید کیمرہ بھی ویسی تصویر نہ کھینچ سکتا۔ ان کا ذکر ہم نے کتاب کے دوسرے حصے میں 'حقوق النّبی ﷺ' کے باب میں کیا ہے۔ یہ قصہ اتنا زیادہ مشہور و مقبول ہے کہ صرف شہرت ہی کی بنا پر مقامِ صحت پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اِمام حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے۔ اِمام ذہبی ہمیں اکثر حاکم کی روایات سے اتفاق کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اسے 'صحیح' قرار دیا ہے۔ابن کثیر نے بھی اسے حسن لغیرہ کے درجے پر تسلیم کر لیا۔ ❶

سیرت النّبی ﷺ کے موضوع پر اکرم ضیاء العمری کی تالیف السّیرۃ النّبویۃ الصّحیحۃ ان دس کتابوں میں شمار ہوتی ہے جو اپنے تحقیقی معیار اور صحت کے اعتبار سے بلند پایہ تسلیم کی جاتی ہیں۔انہوں نے لکھا ہے کہ اِمام حاکم کی مستدرک کی روایت کے سارے طرق حد درجہ ضعیف ہیں۔صرف ایک ہی طریق قابلِ اعتبار ہے جو صحابیِ رسولؐ حضرت قیس بن النعمان سے مروی ہے۔دونوں روایتوں میں پہلا فرق یہ ہے کہ اِس میں اُمّ معبد کے بجائے ابی معبد یعنی خاتون کے شوہر کا ذکر ہے۔جب رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ ابی معبد کے ہاں اترے تو کھانے پینے کی اشیاء کے بارے میں دریافت پر باقی ساری گفتگو اور دودھ کے لحاظ سے سوکھ جانے والی کمزور بکری کا دودھ دینے کا واقعہ ملتا جلتا ہے سوائے اس کے کہ رسول اللہ ﷺ نے برکت کی دعا کر کے دودھ دوہیا اور سب نے پیا۔ اس پر ابی معبد نے پوچھا:

---

❶ السّیرۃ النّبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ از دکتور مہدی رزق اللہ احمد۔

Marfat.com

'کیا آپؐ ہی ہیں جن کو قریش صابی گمان کرتے ہیں؟' اس پر حضورؐ نے فرمایا: 'یہ ان (قریش) کا کہنا ہے۔' ابو معبد پکار اٹھا: میں گواہی دیتا ہوں کہ جو چیز لے کر آپؐ تشریف لائے ہیں وہ حق ہے۔' پھر اس نے کہا کہ 'کیا میں بھی آپؐ کے پیچھے آ سکتا ہوں؟' رسول پاک ﷺ نے فرمایا: 'نہیں، اس وقت نہیں جب تک تم یہ نہ سن لو کہ ہم غالب آ گئے ہیں۔ اس کے بعد تم آ جانا۔' اس روایت میں رسول اللہ ﷺ کے ایک معجزۂ حسیہ کا مشاہدہ کر کے ابی معبد کا اسلام قبول کرنا وہ اہم بات ہے جو اس کو مستدرک کی روایت کے مقابلے میں اہم بناتی ہے۔ بزاز نے اس روایت کو اسنادِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے اور ھیثمی نے کہا ہے کہ بزاز کے رجال صحیح ہیں۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ طبرانی نے یہی روایت قیس بن النعمانؓ سے صحیح سند کے ساتھ پیش کی ہے۔

سفرِ ہجرت۔ قدم قدم پر معجزے

اِسلام دینِ فطرت ہے۔ یہ عقل اور فطرت کے اصولوں سے بغاوت اور انحراف کی نہیں بلکہ ان سے ہم آہنگی کی تعلیم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دنیا عالمِ اسباب ہے۔ یہاں نتائج کو اسباب و وسائل پر منحصر رکھا گیا ہے۔ زمین تیار کیے اور اس میں بیج بوئے بغیر فصل اور پھل کی توقع کرنا نظامِ فطرت سے بے خبری کی نشانی ہے۔ ایک بدّو نے آ کر مسجدِ نبویؐ کے سامنے اپنی اونٹنی یہ کہہ کر کھلی چھوڑ دی تھی کہ یہ اللہ کے توکل پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِعْقِلْهَا وَ تَوَكَّل یعنی پہلے اس کا گھٹنا باندھو اور پھر اللہ کے بھروسے پر چھوڑو۔ [1]

مکّہ میں مسلسل 13 سال تک دعوتِ دِین کے لیے حبیبِ خُدا ﷺ نے جاں گُسل مشقت اٹھائی، بے پناہ محنت کی، تبلیغِ اسلام کی خاطر جان جوکھوں میں ڈالے رکھی، مخالفتوں کا سامنا کیا، شدائد و مصائب اٹھائے۔ تقریباً تین سو اہلِ ایمان کی صورت میں جو حاصل و ثمر ملا وہ اس ان تھک محنت اور زبردست عملی جدوجہد کا نتیجہ تھا۔ پیچھے یہ امر واضح کیا جا چکا ہے کہ سفرِ ہجرت کی تیاری اور منصوبہ بندی میں ہر قدم پر عقلی تدابیر بروئے کار لائی گئیں اور مادی و

[1] صحیح الجامع لالبانی.

Marfat.com

دنیوی اسباب کو استعمال کیا گیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اپنی قدرت وقوت کی نشانیاں دکھانے اور اسباب و علل کے بغیر نتائج لانے سے نعوذ باللہ عاجز و قاصر ہے۔ نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہم دیکھتے ہیں ہر نبی کے ہاتھ پر اللہ کی نشانیاں ظاہر ہوئیں اور معجزات نمودار ہوئے۔ یہ معجزات کبھی تو نبی کی غیبی پشت پناہی کے لیے ظاہر ہوئے، کبھی دشمنانِ حق پر حق واضح کرنے کے لیے اور کبھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی تألیفِ قلب اور تقویتِ ارادہ کے لیے دکھائے۔

ہم نے دیکھا کہ سفرِ ہجرت کے لیے کی گئی عقلی تدابیر کی کامیابی بھی سامنے آئی اور اس سفر کے ہر مرحلے پر معجزوں کی کارفرمائی بھی سیرت رسول اکرم ﷺ کا ایک خاص باب ہے۔ نبی اکرم ﷺ گھر سے نکلتے وقت گھر کا گھیراؤ کرنے والے کفار پر ایک مٹھی خاک پھینکی۔ ان کی آنکھیں کھلی رہیں۔ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے لیکن وہ اللہ کے نبیؐ کو گھر سے نکلتے ہوئے دیکھنے کے قابل نہ رہے تھے۔ غارِ ثور کے اندر تین راتیں جناب ابوبکرؓ کے گھر سے ان کا صاحبزادہ قریش کی خبریں پہنچانے کے لیے آتا رہا اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بکریوں کا دودھ بھی پہنچاتے رہے لیکن جب قریش کے جاسوس اس کے دھانے پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں مکڑی نے جالا تان رکھا ہے جس کو دیکھ کر وہ وہاں سے پلٹ گئے۔ سراقہ بن مالک سو اونٹوں کے لالچ میں تعاقب کرتے ہوئے بالکل قریب پہنچ گئے تھے لیکن ان کے گھوڑے کے بدکنے، اپنے سوار کو پیٹھ سے گرانے اور پھر مقدس قافلہ کے عین عقب میں پہنچ کر ان کے گھوڑے کی اگلی ٹانگوں کے زمین میں دھنس جانے میں ایسی نشانی تھی جس نے ان کی آنکھوں پر سے سو اونٹوں کی لالچ کا پردہ ہٹا دیا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ آگے قُدَیر کے مقام پر معاملہ اُم معبد کا ہو یا ابو معبد کا، رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسی بکری کا دودھ دوہنے کے لیے اس کے تھن ملے جو دودھ دینے کے قابل نہیں تھی، اس کا دودھ اتر آیا جو سب نے سیر ہو کر پیا۔ یہ معجزہ ابو معبد (اور لازماً اُم معبد) کے ایمان کا سبب بنا۔

Marfat.com

تجارتی قافلہ سے ملاقات

رسول اللہ ﷺ کو اذنِ ہجرت ملنے سے کافی پہلے مکّہ سے ایک تجارتی قافلہ شام گیا ہوا تھا۔ اس قافلے میں موجود نبی ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی اور حضرت ابوبکرؓ کے داماد حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکرؓ کے چچازاد بھائی حضرت طلحہ بن عبیداللہ تیمی رضی اللہ عنہ جیسے اوّلین مسلمانوں کی وجہ سے یہ قیاس کیا گیا ہے کہ اس میں شامل سارے کے سارے لوگ مسلمان تھے۔ حضور ﷺ سے اس قافلے کی ملاقات راستے میں ہوگئی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول پاک ﷺ کو اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سفید کپڑوں کا ایک ایک جوڑا پہنایا۔ [1]

حضرت طلحہؓ کا ذکر ابن سعد نے کیا ہے۔ بعض روایات میں بنو اسلم کے دو ڈاکوؤں کی نبی ﷺ سے ملاقات کا ذکر ہے جن کے سامنے اللہ کے رسولؐ نے اسلام کی دعوت پیش کی تو وہ مسلمان ہو گئے۔ اسی قبیلہ کے کچھ اور لوگوں سے آمنا سامنا ہوا۔ ان میں سے ایک شخص اوس بن عبد الرحمٰن بن عبداللہ بن حجر اسلمی نے اگلے سفر کے لیے آپؐ کو ایک تازہ دم اونٹ دیا اور اپنا ایک غلام راستے کی رہنمائی کے لیے ساتھ کر دیا جو اس مقدس قافلۂ ہجرت کو مدینہ چھوڑ کر واپس آیا۔ ان روایات میں سے کوئی بھی درجۂ صحت کو پہنچی ہوئی نہیں ہے۔

قُبا پہنچنا۔ رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ

قُدَیر سے نکلنے کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ قریش کے تعاقب کا کوئی کھٹکا نہ رہا۔ آسانیوں کے در کھلنے لگے۔ دِل کی گھٹن جاتی رہی۔ رنج وغم اور فکر و پریشانی کا بوجھ اتر گیا۔ سورۃ اَلَمْ نَشْرَحْ کا نزول اگرچہ بعثت کے بعد بالکل ابتدائی عرصے میں ہوا تھا۔ لیکن قرآن حکیم کے بہت سے حصوں کی صدائے بازگشت حیاتِ طیبہ کے بہت سے اگلے مواقع پر بھی سنائی دیتی رہی اور ان کا انطباق حضور ﷺ کی زندگی کے ایک سے زیادہ مواقع پر ہوتا نظر آیا۔ چنانچہ یہ کہنا بے جا نہیں ہے کہ قُبا کے پاس پہنچتے پہنچتے ہواؤں کی سنسناہٹ میں اس سورۃ کی گونج محسوس ہونے لگی تھی:

---

[1] بخاری.

Marfat.com

﴿وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ﴿۳﴾ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ؕ﴿۴﴾ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ؕ﴿۶﴾﴾

'...... اور تم پر سے وہ بھاری بوجھ اُتار دیا جو تمہاری کمر توڑے ڈال رہا تھا۔ اور تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا۔ پس حقیقت یہ ہے کہ تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔ بے شک تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔'

یکم ربیع الاول 14 نبوی کو ہجری کیلنڈر کے پہلے سال رسول پاک ﷺ مدینہ کے لیے نکلے تھے۔ عیسوی کیلنڈر کے مطابق یہ سن 622ء کے ستمبر کے مہینے کی 23 تاریخ تھی۔ تین روز غارِ ثور میں گزارنے کے بعد مقبول روایات کے مطابق 12 ربیع الاول بروز پیر مدینہ پہنچے۔ آپ ﷺ کی روانگی کی خبر انصار اور مہاجرین کو مل چکی تھی۔ سب لوگ بڑی بے چینی کے ساتھ رحمۃ للعالمین ﷺ کے مدینہ میں ورودِ مسعود کے منتظر تھے۔ ہر شخص کی خواہش تھی کہ سب سے پہلے اسی کو حضور ﷺ کے رُخِ انور پر عقیدت و محبت کی نگاہ ڈالنے اور آپ ﷺ کا دیدار کرنے کی سعادت نصیب ہو۔ اکثر لوگ اسی وارفتگی میں دن چڑھے مکہ سے آنے والے راستے پر ایک سیاہ چٹان ۔حرۃ العصبۃ ۔ کے قریب بیٹھ جاتے تھے۔ دھوپ کی تمازت تیز ہو جانے پر بصد اضطرب و حسرت گھروں کو لوٹ جاتے تھے۔ آخر ان کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہونے کو آ گئیں۔ آپ ﷺ کا مبارک قافلہ حرۃ العصبۃ کے قریب نمودار ہوا۔ مدینہ کے یہود کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اوس اور خزرج جس شخصیت کو اللہ کا نبی اور اپنا سردار مانتے ہیں وہ مدینہ میں پہنچنے والی ہے۔ ایک یہودی کی نظر آنے والے سواروں پر پڑ گئی۔ اس نے اپنی گڑھی کے اوپر سے بلند آواز سے پکارا: 'اے عرب، یا اے بنو قیلہ، تمہارے نصیب یا تمہارے صاحب یا سردار آ پہنچے ہیں۔'

اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ انصار اپنے ہتھیاروں کی طرف لپکے۔ یہ عرب کی روایت تھی کہ کسی محترم و مکرم ہستی کے استقبال کے وقت اس کو ہتھیاروں کے سائے میں لے لیا جاتا تھا۔ ہتھیار بند ہو کر وہ اشتیاق و مسرّت کی کیفیات کے ساتھ استقبال کے لیے گھروں

Marfat.com

سے نکل آئے۔ تکبیر کے نعرے بلند ہونے لگے۔ عقیدت ومحبت اور تحسین وآفرین کے کلمات زبانوں پر جاری ہو گئے۔ چھوٹے اور بڑے، جوان اور بوڑھے، مرد اور عورتیں سب نہال نہال اور شاداں شاداں پھر رہے تھے۔ حبشی غلام اپنے نیزوں سے خوشی کا ایک کھیل پیش کر رہے تھے۔ (1) چشمِ فلک نے اس سے قبل کسی شخصیت کی محبوبیت ومقبولیت کی یہ شان نہیں دیکھی تھی اور روئے زمین پر اس سے پہلے کسی پر والہیت وشیدائیت کے ایسے پھول کبھی نہیں برسے تھے۔ مدینہ کی فضا کو اس سے پہلے کبھی ایسا پر بہار اور پر رونق کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کوئی دن اُس دن سے زیادہ روشن اور حسین نہیں دیکھا جس دن رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ مدینہ میں داخل ہوئے۔ اور اُس دن سے زیادہ تاریک اور برا دن کوئی نہ تھا جس روز رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے۔' (2)

دلچسپ بات یہ تھی کہ مدینہ کے عام لوگ مکّہ سے طویل سفر کر کے یہاں داخل ہونے والے مقدس قافلے میں رسول اللہ ﷺ کو شناخت نہیں کر پائے تھے۔ حضور نخل کے سائے میں تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے تھے۔ جب اوپر دھوپ آ گئی تو حضرت ابو بکرؓ نے حضورؐ کے اوپر اپنی چادر کا سایہ کر لیا۔ تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ ہے وہ ہستی جس کی آمد کا وہ جشن منا رہے ہیں۔

پہلی مسجد کی بنیاد

قُبا میں یہ علاقہ قبیلہ بنو عمرو بن عوف کا تھا۔ یہاں چودہ دن تک اس قبیلے کے سردار کلثومؓ بن ہدم کو نبی پاک ﷺ کی میزبانی کی مسرّت نصیب ہوئی۔ تاریخِ عالَم ایک نیا موڑ مڑ رہی تھی۔ روئے ارضی پر ایک منفرد معاشرے اور ایک مثالی ریاست کی بنیاد پڑ رہی تھی۔ ایک نئی تہذیب جنم پانے جا رہی تھی۔ اس معاشرے، اس ریاست اور اس تہذیب میں مسجد کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ لغت کے اعتبار سے لفظ 'مسجد' کا مطلب سجدہ گاہ یا سجدے کی جگہ ہے۔ اسے اللہ کا گھر بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن اسلامی تہذیب میں اس کا کردار بہت وسیع ہے۔ مسجد

(1) ابوداؤد. (2) سنن دارمی، مستدرك حاكم، مسند احمد.

Marfat.com

عبادت اور ذکر و دعا کی جگہ اور شعائرِ دین میں سے ایک شعیرہ ہے۔ اِس کے ذریعہ تعلق باللہ کی منزل تک پہنچنا آسان ہوتا ہے۔ بندگانہ کیفیاتِ قلب، تزکیۂ نفس، روحانی بالیدگی، اجتماعیت کے شعور، انسانی مساوات اور سماجی میل جول جیسے سارے مقاصد مسجد کے پاکیزہ اور پر سکون ماحول سے وابستہ ہیں۔ جدید میڈیا کے وجود میں آنے سے پہلے مسلمان معاشرے میں کسی بستی، شہر اور دنیا کے حالات اور مسائل سے آگہی کا سب سے بڑا ذریعہ مسجد ہی ہوتی تھی۔ مسائل سے آگاہی ہی نہیں بلکہ اخلاقی، معاشی اور معاشرتی مسائل کے حل کے لیے تبادلۂ اور تدبیر کاری بھی مساجد میں ہوتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے پہلے مدینہ میں با جماعت نماز اور جمعہ کے اجتماعات کا آغاز ہو چکا تھا لیکن ان کے لیے کوئی خاص عمارت مخصوص نہیں تھی۔ نبی ﷺ کے ہاتھوں مسجد کی بنیاد پڑنے سے ایک ادارے صورت میں مسجد کی معنویت اور اہمیت پوری طرح اجاگر ہو کر سامنے آ گئی۔ رسول اللہ ﷺ کی اِمامت میں پہلی نمازِ جمعہ اسی مسجدِ قُبا میں ادا کی گئی۔

دارِ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا ذرّہ ذرّہ روشن

چودہ دن بنو سالم بن عوف کی بستی میں گزار کر اللہ کے رسول ﷺ اُس شہر میں داخل ہوئے جو آپؐ کے ساتھ نسبت کی بنا پر پہلے یثرب سے 'مدینۃُ النّبی' بنا اور پھر مختصر ہو کر 'مدینہ' کہلانے لگا۔ خیر البشر جنابِ احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ کے وجودِ مسعود نے اس کے ذرّے ذرّے کو رشکِ مہرِ تاباں بنا دیا تو قیامت تک کے لیے اس کا نام مدینہ منورہ پڑ گیا۔ مدینہ کا ہر گھر مشتاق تھا کہ وہیں آپؐ کے قدوم میمنت لزوم پڑیں۔ گھروں کی چھتوں کے اوپر کھڑے مردوں اور عورتیں کی آنکھوں میں شوقِ دیدار اور زبانوں پر 'یا محمد، یا رسول اللہ، یا محمد، یا رسول اللہ' کے زمزمے جاری تھے۔ جس گھر کے پاس سے آپؐ کا گزر ہوتا اس کے باسی اونٹنی کی باگ تھام لیتے کہ ہمیں میزبانی کا شرف بخشیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: 'اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو۔ یہ اللہ کے حکم سے چل رہی ہے۔' جس جگہ آج مسجدِ نبویؐ ہے یہاں اونٹنی بیٹھ گئی لیکن

Marfat.com

آپؐ اس سے نیچے نہ اترے۔ اونٹنی پھر اٹھی۔ کچھ دُور جا کر پلٹی اور دوبارہ اسی جگہ آ بیٹھی۔ یہ حضورؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب کے ننھیال بنونجار کی آبادی تھی۔ جہاں اونٹنی بیٹھی تھی وہاں سے قریب ترین گھر حضرت ابوایوب انصاریؓ کا تھا۔ انہوں نے اونٹنی کا پالان اٹھا لیا۔ نبی پاک ﷺ نے انہیں منع نہ کیا۔ یہ اشارہ تھا کہ رحمت و سعادت کے دَر انہی جلیل القدر صحابیؓ پر وا ہوں گے۔ ابن اسحاق کی صحیح سند کے ساتھ روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ رَحْلِہٖ ''آدمی کا ٹھکانا وہاں جہاں اس کی سواری کا پالان رکھا جائے گا۔''

رحمۃ للعالمین ﷺ کے قیام نے اس گھر کے ماحول کو منوّر و معطّر تھی۔ حجروں کی تیاری اور نبی اکرم ﷺ کے وہاں منتقل ہونے تک ہدایت و رہنمائی کے چشمے اسی گھر سے جاری رہے۔ اس گھر والے رحمتِ عالم ﷺ سے محبت، ادب و تعظیم اور اطاعت کے جذبوں سے سرشار تھے۔ مکان کے اوپر نیچے دو حصے تھے۔ حضورؐ نے مکان کے نچلے حصے میں اترنا پسند فرمایا تھا۔ اہلِ خانہ بالا خانہ میں چلے تو گئے لیکن ایک خیال نے انہیں سخت مضطرب کر دیا۔ وہ سوچتے اور آپس میں کہتے: 'ہماری نقل و حرکت رسول اللہ ﷺ کے سرِ مبارک کے اوپر ہو رہی ہے، یہ تو گستاخی ہے۔' ربیع الاوّل کے مہینے میں موسم ٹھنڈا تھا۔ ایک روز اوپر پانی کا مٹکا ٹوٹ گیا۔ اب یہ پریشانی لاحق ہوگئی کہ بہتا ہوا پانی کہیں نیچے حضورؐ کے جسد مبارک پر گر آپؐ کی زحمت کا موجب نہ بن جائے۔ دونوں میاں بیوی نے اونی رضائی پانی پر ڈال کر سارا پانی جذب کر لیا اور خود ساری رات سردی میں سمٹ سکڑ کر بیٹھے رہے۔ آخر ان کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ مکان کے بالائی حصے میں قیام فرما ہو گئے۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نبی پاک ﷺ کو کھانا بھیجتے۔ کھانے کے برتن واپس آتے تو اگر کھانے کی کوئی چیز بچی ہوئی واپس آتی تو حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اسے تبرک سمجھ کر کھا لیتے تھے۔ برتن کے اسی حصے کو منہ سے لگاتے جس پر حضورؐ کی انگلیوں کے نشان ملتے تھے۔ ایک روز کھانے میں لہسن استعمال ہونے کی وجہ سے حضورؐ نے کھانا نہ کھایا۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو انہوں نے بھی لہسن کا استعمال

Marfat.com

ترک کر دیا کہ جو چیز رسول اللہ ﷺ کو پسند نہیں اسے میں بھی پسند نہیں کروں گا۔ یہاں اللہ کے رسول ﷺ نے تقریباً ایک مہینہ قیام فرمایا۔ ❶

نبی پاکؐ اور حضرت ابوبکرؓ کے خاندان کی ہجرت

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پہنچنے کے بعد زید بن حارثہؓ اور ابو رافعؓ کو اپنے اہلِ خانہ کو لانے کے لیے مکہ بھیجا۔ وہ آپ ﷺ کی صاحبزادیوں، زینبؓ، اُم کلثومؓ اور فاطمہؓ کو اور آپؐ کی زوجہ سودہؓ بنت زمعہ کے علاوہ اسامہ بن زیدؓ اور اُمِ ایمنؓ کو لے آئیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی دو اونٹ اور پانچ سو درہم بھیجے کہ اُن کی اہلیہ اُم رومانؓ اور بیٹیوں، اسماءؓ اور عائشہؓ کو لے آئیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر ابو العاص بن ربیع نے روک لیا تھا۔ یوں حضور ﷺ کے خاندان سے دو بیٹیاں، زوجہ، اسامہ بن زیدؓ اور اُم ایمنؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے گھرانے سے ان کی دو صاحزادیاں اور بیٹا عبداللہ بن ابی بکرؓ مدینہ آ گئے۔ رسولِ پاک ﷺ کی ایک صاحبزادی حضرت رقیہؓ اپنے شوہر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ آ گئی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ قُبا کے قیام کے دنوں میں مدینہ پہنچ گئے تھے۔

مسجدِ نبوی کی تعمیر

رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی اللہ کے حکم سے چل رہی تھی اور اِدھر اُدھر گھوم کر آخر جس جگہ بیٹھی، وہاں اس کے بیٹھنے میں بھی اللہ کا حکم اور اس کی حکمتیں شامل تھیں۔ اللہ کو اسی جگہ پر اپنے تیسرے متبرک و مقدس گھر کی تعمیر مقصود تھی۔ جس جگہ اونٹنی بیٹھی تھی وہ دو یتیم لڑکوں، سہل اور سُہیل کی ملکیت تھی۔ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ ان کے سرپرست تھے۔ حضور ﷺ نے ان لڑکوں کو بلا کر اس جگہ کا سودا کرنے کو کہا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، ہم یہ جگہ آپؐ کو ہبہ کر دیتے ہیں۔ آپؐ کو بغیر قیمت یہ جگہ لینا گوارا نہ تھا۔ قیمت دے کر یہ جگہ خریدی گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس جگہ کے حصول کے لیے پہلے ان لڑکوں کے چچا سے بات کی گئی۔ چچا

❶ السّیرة النّبویة فی ضوء المصادر الاصلیة.

Marfat.com

نے انہیں جب بتایا کہ مسجد کے لیے اس جگہ کی ضرورت ہے تو انہوں نے بطورِ ہبہ یہ پیش کر دی۔لیکن آخر قیمت دے کر ہی یہ لی گئی۔ یہاں مشرکین کی کچھ قبریں، کھجور کے کچھ درخت اور کچھ کھنڈر تھے۔کھنڈرات اور قبریں ہموار کی گئیں، کھجور کے درخت کاٹ دیے گئے۔کاٹھ کباڑ ہٹا دیا گیا۔ ❶

قبلہ کے رُخ پر کھجور کے درخت ترتیب سے پیوست کیے گئے اور دائیں بائیں کی دیواریں اینٹوں سے بنائی گئیں۔تعمیرِ مسجد کے کام میں جہاں سب مسلمان ذوق وشوق سے حصہ لے رہے تھے، خود رسول اللہ ﷺ بھی برابر اینٹیں اٹھاتے رہے۔عجیب محبت اور وارفتگی تھی اس کام کے دوران میں۔ہاتھ کام میں مصروف ہوتے اور زبانوں پر روحانیت و ایمانیت اور مسجد کی تقدیس کے نغمے جاری رہتے۔شوقِ عمل میں یوں تو کوئی بھی پیچھے نہ تھا لیکن حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی سرگرمی دیدنی تھی۔حضورؐ نے اُن کو اس جوش وخروش سے مصروف دیکھا تو پیار سے تھپکی دی اور فرمایا: 'ابن سمیہؓ! باقی لوگوں کے لیے ایک اجر ہے اور تمہارے لیے دو اجر۔ اور زادِ راہ سے تمہیں جو آخری حصہ ملنا ہے وہ دودھ کا ایک گھونٹ ہے۔تو باغی جماعت کے ہاتھوں قتل ہوگا۔' ❷

رسول اللہ ﷺ نے جو پیش گوئیاں کیں کوئی ایسی نہ تھی جو حرف بحرف پوری نہ ہوئی ہو۔حضرت عمارؓ اس فتنے میں شہید ہوئے تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ کی صورت میں رونما ہوا۔اس جنگ میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور معاویہؓ کے لشکریوں کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ ❸

مسجد کے بالکل ملحق حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے کم اونچائی اور مختصر صحن والے رہائشی کمرے بنائے گئے۔بعد میں جب حرمِ نبوی میں کوئی اور زوجہ شریک ہوتیں تو ان دو حجروں کے ساتھ ہی ایک اور کا اضافہ کر دیا جاتا تھا۔

---

❶ بخاری. ❷ مُسلم.

❸ البداية والنّهاية و فتح الباری.

Marfat.com

ایک انتباہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّااِلٰی ثَلَاثَۃِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدُالْحَرَام وَمَسْجِدِیْ وَ مَسْجِدِ الْاَقْصٰی))❶

''یعنی تین مسجدوں کی زیارت کے سوا کسی اور مقام سے دینی تقدس وابستہ کر کے خاص اہتمام اور تیاری سے سفر نہ کیا جائے۔''

ابوداود اور ابن حبان کی روایت میں 'مَسْجِدِی' کی جگہ مَسْجِدِ الرَّسُوْل ﷺ کا لفظ آیا ہے۔ جو شخص مسجدِ نبوی کی زیارت اور وہاں نمازوں کی سعادت حاصل کرنے کی غرض سے سفر کرتا ہے، اسے روضۂ رسولؐ کی زیارت اور ریاض الجنۃ میں نوافل کے پر مسرّت مواقع تو نصیب ہو ہی جاتے ہیں، لیکن اصل اجر و ثواب کا حق دار وہ اسی صورت میں بنتا ہے جب مدینہ کے سفر میں نیت مسجدِ نبوی کی زیارت کی ہو۔ ہم دیکھتے ہیں دِین کی حقیقی روح سے بیگانگی کی وجہ سے ایک سوچ نے ایک عجیب اعتقاد کی شکل اختیار کر لی ہے۔ حج اور عمرہ جیسی عبادتیں ضمنی درجے میں چلی گئی ہیں۔ مدینہ کو مکّہ پر فوقیت دی جانے لگی ہے۔ عام لوگ ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے دانشور اپنے سفر کا اصل مقصد روضۂ رسول ﷺ کی زیارت اور وہاں نذرانۂ درود و سلام پیش کرنا سمجھتے ہیں۔ حج اور عمرہ کی سعادت کو بھی یہ لوگ اللہ کی توفیق کے بجائے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بلاوے کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ اوپر جو حدیث درج کی گئی ہے اس میں مناہی کے پیرائے میں ارشاد ہوا ہے کہ کوئی شخص دینی شعار اور نیکی سمجھ کر ان تین مسجدوں کے سوا کسی اور زیارت گاہ کے لیے بطور خاص سفر نہ کرے۔ ذاتی کام یا سیر و تفریح کے لیے کہیں جانا اور کسی مقدس عمارت کی زیارت ہو جانا ایک جدا امر ہے۔

❶ بخاری.

Marfat.com

نظام کی صورت گری

مدینہ کی حیثیت واہمیت

ہجرت کے بعد مدینہ طیّبہ خیرُ الانام، سیّد الابرار، محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا مسکن بنا۔ مکّہ کے بعد اب یہی مہبطِ وحی اور مرکزِ نزول قرآن تھا۔ دعوتِ حق کی کرنیں یہیں سے پھوٹتیں اور اطراف و اکناف کو جہل و ضلالت کی ظلمتوں سے نجات دلاتی تھیں۔ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے وفا کیش اور اطاعت شعار بندوں کی ایسی بستی تھی جسے کسی لشکر نے فتح نہیں کیا تھا۔ یہ دعوت کے جادو اور قرآن کی تاثیر سے مفتوح ہوئی تھی۔ ساری انسانیت کے لیے نمونہ ثابت ہونے والا معاشرہ یہیں وجود میں آیا اور معلوم انسانی تاریخ میں خالص اللہ کی ہدایت پر قائم ہونے والی ایک ہمہ جہت اسلامی ریاست کا یہی بستی دارالحکومت بنی۔ یہاں سے چھ سعید خزرجی نفوس سن 11 نبوی کو حج کے لیے مکّہ گئے۔ ان کی سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے عقبہ میں ملاقات ہوئی۔ ان کے ویران دلوں میں ایمان باللہ کی کونپل اُگی تو ہدایت و ایمان کا پورا ایک چمن کھل اٹھا۔ ان کی پیاسی روحیں چشمۂ ہدایت سے سیراب ہوئیں تو اس بستی کے گھر گھر میں چشمے جاری ہو گئے۔ اگلے سال یہ چھ نفوس بارہ بن کر اور اس سے اگلے سال بارہ سے پچھتر بن کر آئے تھے۔ کئی مسلمان ایسے بھی تھے جو اپنی ذاتی مجبوریوں کی وجہ سے اُس سال حج کے لیے نہیں جا سکے تھے۔

مدینہ کی فتح میں نوجوان صحابیِ رسول ؐ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی فراستِ دینی، دانش برہانی اور حکمتِ قرآنی کا بہت بڑا دخل تھا۔ 'آپ ذرا بیٹھ کر میری بات سنیں، اچھی لگے تو قبول کر لیں، پسند نہ آئے تو رد کر دیں' اس شائستہ اور نرم و ملائم جملے کو سن کر مخاطب بات

Marfat.com

سننے سے کم ہی انکار کر پاتا تھا۔ سامع جب توجہ سے بات سنتا تو یہ مختصر مگر دل نشین انداز میں بات کرتے اور حسبِ حال قرآن پاک کی آیات سنا دیتے۔ نہ کوئی جھگڑا، نہ لمبی بحث اور طویل مکالمہ۔ آگے قرآن اپنا راستہ خود بنالیتا تھا۔ جو شخص مسلمان ہوجاتا وہ چراغ بن کر کئی اور چراغوں کے جلنے کا سبب بن جاتا تھا۔ ان کی دعوت نے اس بستی کی ایسی کایا پلٹی کہ نبی مکرم ﷺ کے یہاں ورود کے موقع پر ہمیں مخالفت کی ایک آواز کی مثال نہیں ملتی حالانکہ ابھی یہاں کے سارے لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ مشرکین بھی موجود تھے اور ماحول کے دباؤ سے اسلام قبول کرنے والے بھی جن کی طرف 'میثاقِ مدینہ' کے مسلمانوں کے باہمی تعلقات والے حصے میں مومنین کے ساتھ مسلمین کی اصطلاح میں اشارہ ہے۔

مہاجرین آکر مدینہ میں نہیں بسے تھے بلکہ مدینہ ان کے دلوں میں بس گیا۔ شروع شروع میں ان میں سے اکثر یہاں کی نئی اور نامانوس آب و ہوا کی وجہ سے بیمار پڑ گئے تھے۔ بہتوں کو ملیریا قسم کے ایک بخار نے آلیا تھا، جس سے انہیں مکہ یاد آنے لگا تھا۔ اس کیفیت کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے اسے مکہ کی طرح یا اس سے بھی بڑھ کر اپنی محبوب بستی بنا دینے کی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے ان الفاظ میں دعا کی تھی:

"اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْمَدِیْنَةَ کَحُبِّنَا مَکَّةَ اَوْ اَشَدُّ، اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ صَاعِنَا وَ فِیْ مُدِّنَا، وَ صَحِّحْھَا لَنَا وَ انْقُلْ حُمَا ھَا اِلَی الْجُحْفَةِ"

'اے اللہ! مدینہ کو ہمارے لیے مکہ جتنا یا اس سے بھی بڑھ کر محبوب شہر بنا دے اور اس میں ہمارے لیے ناپ تول کے پیمانوں کے اندر برکت ڈال دے اور ہمیں صحت عطا کردے، اس کا بخار (مشرکوں کے علاقہ) جحفہ کی طرف منتقل کر دے۔'[1]

---

[1] بخاری، مسلم، صحیح ابن حبان.

Marfat.com

مواخات --- فوری معاشی و معاشرتی انتظام

مدینہ کا شہر اسلام کی دولت پانے سے پہلے جنگِ بعاث سے بری طرح متاثر تھا۔ اس کے پہلو میں بسنے والے یہود بڑی مکاری کے ساتھ اوس اور خزرج کو آپس میں لڑاتے تھے۔ اسلام کی نعمت میسر آئی تو دشمن دوست ہی نہیں بھائی بھائی بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اوس اور خزرج کی رقابتوں اور خون ریزیوں کی اسی تباہ کن صورتِ حال کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ ﴾ (اٰلِ عمران :103)

'سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اُس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اُس کے فضل و کرم (دِین کی نعمت) سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ مل جائے۔'

جس طرح دین و ایمان کی نعمت کی وجہ سے اوس اور خزرج بھائی بھائی بن گئے تھے، یہی نعمت انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات کا موجب بنی۔ مدینہ اور اس کے اطراف کے اکثر لوگوں کا پیشہ کھیتی باڑی تھا۔ اوس اور خزرج کی باہمی لڑائیاں ان کی معیشت کی کمر توڑ رکھی تھی۔ اس لیے وہ زیادہ مرفّہ حال نہیں تھے۔ ادھر خستہ حال مہاجرین جو مکّہ سے یہاں آبسے تھے ان کی معیشت کا دارو مدار تجارت پر تھا۔ انہوں نے جب اللہ کی خاطر ہجرت کا راستہ اختیار کیا تو و ہ اپنا تجارتی سامان اور نقد سرمایہ اور تجارت سے وابستہ دیگر وسائل سے

Marfat.com

دامن جھاڑ کر نکل آئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے اندر سماجی قربت اور رابطے پیدا کرنے کے لیے اخوت کے جذبے سے ان کے دل جوڑے۔ ایک مہاجر کا ہاتھ ایک انصاری کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا یہ تمہارا بھائی ہے۔ یہ 'مومن آپس میں بھائی ہیں' پر ایک اضافی اور خصوصی تعلق تھا۔ یہ رشتہ مہاجرین کے معاشی مسائل کا فوری اور بہت عمدہ حل ثابت ہوا۔ یہ کوئی مصنوعی چیز نہیں تھی۔ قرآن نے اسلام کے پیروکاروں کے باہمی رشتے کو اخوت اور رفاقت کا نام دیا ہے۔

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات :10)

'مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں'

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ (التوبۃ:71)

'مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں'

انصار نے اس رشتے کی بدرجۂ کمال لاج رکھی۔ اپنی زمینیں اور باغات، یہاں تک کہ اپنے گھر تک مہاجر بھائیوں کو پیش کر دیے۔ حضور ﷺ سے باغات اور زمینیں تقسیم کر کے دے دینے کی درخواست کی لیکن اللہ کے رسولؐ نے عین فطری راستہ اختیار فرمایا اور کہا:

"قَالَ، لَا، يَكْفُوْنَكُمُ الْمَوْئُوْنَةَ وَ يُشْرِكُوْنَكُمْ فِي الثَّمَرِ"

'نہیں بلکہ یہ تمہارے باغوں میں کام کریں گے اور پیداوار میں تمہارے ساتھ شریک ہوں گے'

رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس حالت کا ذکر خود انصار کے سامنے اس طرح کیا تھا:

"اِنَّ اِخْوَانَكُمْ قَدْ تَرَكُوْا الْاَمْوَالَ وَ الْاَوْلَادَ وَ خَرَجُوْا اِلَيْكُمْ، هُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْرِفُوْنَ الْعَمَلَ، فَتُكَلِّفُوْنَهُمْ وَتُقَاسِمُوْنَهُمُ الثَّمَرَ"

'تمہارے یہ مہاجر بھائی اپنے مال اور اولادیں چھوڑ چھاڑ کر تمہارے پاس آ گئے ہیں۔ ان کو کھیتی باڑی کا تجربہ نہیں ہے۔ تم ان سے (اپنے کھیتوں میں)

Marfat.com

کام لو اور فصل میں سے انہیں حصہ دے دیا کرو۔'[1]

انصار نے اخوت کے جو مخلصانہ جذبے پیش کیے اور ان کے تحت ان کے ایثار کی جیسی مثالیں قائم کیں اس کی تحسین قرآن پاک میں اس طرح آئی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ﴾ (الحشر:9)

'......(مالِ فے اُن لوگوں کے لیے بھی ہے) جو اِن مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دارالہجرت میں مقیم تھے۔ یہ اُن لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے اِن کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی اُن کو دے دیا جائے اُس کی حاجت تک اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔'

صالح سماج کی اعتقادی اور اخلاقی بنیادیں

دعوت بلا شبہ اپنا اثر دکھا رہی تھی۔ اسلام پھیل رہا تھا۔ اسلامی زندگی کی پکار تنظیم، اتحاد اور اشتراک ہے۔ اجتماعیت کی فطرت انتشار اور نفسا نفسی کو قبول نہیں کرتی۔ اجتماعی زندگی اینٹوں اور پتھروں کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کے مثل نہیں بلکہ ایک عمارت میں ترتیب اور سلیقے کے ساتھ لگی ہوئی اینٹوں کی مانند ہے۔ کسی ایک جگہ کے لوگوں کا مشترک اصول وقوانین اور روایات واقدار کے تحت مل کر زندگی گزارنے کو معاشرہ کہتے ہیں۔ دعوت الی اللہ کے نتیجے میں جو قیمتی اینٹیں فراہم ہو رہی تھیں ان کو ایک صالح سماج کی تعمیر میں صرف ہونا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے کم وبیش تین سال پہلے اسراء ومعراج کے موقع پر نازل ہونے والی

[1] السيرة النبوية فى ضوء المصادر الاصلية بحواله بخاری و البداية و النهاية.

Marfat.com

سورۃ بنی اسرائیل ہے جس میں حضور ﷺ کی ہجرت کی طرف واضح اشارے موجود ہیں۔ یہ سورۃ اپنے دامن میں وہ اعلیٰ اعتقادی اور اخلاقی اور تمدنی اصول وضوابط لے کر اتری تھی جنہیں آگے چل کر مسلم معاشرے کی بنیاد بننا تھا۔ یہ اصول وقواعد تقریباً دو رکوعوں کی سترہ آیات پر محیط ہیں۔ ہم یہاں رواں ترجمہ کے بجائے خلاصہ کی صورت میں نمبر وار وہ اصول اور قواعد درج کریں گے۔

1- رَب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اُس کی۔

2- والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس اُن میں سے کوئی ایک یا دونوں بُوڑھے ہو کر رہیں تو اُنہیں اُف تک نہ کہو اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھکے رہو۔

3- رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق۔

4- فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رَب کا ناشکرا ہے۔

5- اگر حاجت مند رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں سے اِس بنا پر کترانا ہو کہ ابھی تم اللہ کی رحمت کے انتظار میں ہو تو انہیں نرم جواب دے دو۔

6- نہ اپنا ہاتھ (علامتِ بخل) گردن سے باندھ رکھو اور نہ (علامتِ فضول خرچی) کھلا چھوڑ دو کہ (مال برباد کر کے) خود ملامت زدہ اور عاجز بن کے رہ جاؤ۔

7- اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو (نہ ہی اس کی پیدائش کے راستے مصنوعی طریقے سے روکو) ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔

8- زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو۔ وہ بہت بُرا فعل ہے اور بڑا ہی بُرا راستہ۔

9- قتلِ نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ (بطورِ قصاص، یا دینِ حق کے راستے میں مزاحمت کرنے والوں کو جنگ میں یا اسلامی نظام کو اُلٹنے کی سعی

Marfat.com

کرنے والوں یا شادی شدہ مرد یا عورت کے ارتکابِ زنا کی سزا یا مرتد کی سزا)

10- یتیم کے جوانی (اور شعور) کو پہنچنے سے پہلے اس کے مال کے پاس نہ پھٹکو (سوائے کسی طے شدہ معاوضے یا کسی اور احسن اور جائز صورت کے)

11- عہد کی پابندی کرو، بے شک عہد کے بارے میں تم کو جواب دہی کرنی ہوگی۔

12- پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو، اور لو تو ٹھیک ترازو سے تولو۔ یہ اچھا طریقہ ہے اور بلحاظ انجام بھی بہتر ہے۔

13- کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہونی ہے۔

14- زمین پر اکڑ کر نہ چلو، تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو، نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اِن اصول وضوابط میں خاندانی نظام کے اندر میں والدین اور اولاد دونوں کے حقوق کا ذکر ہے اور دیگر قریبی رشتوں میں خویش و اقارب کے ساتھ احسان و مروّت کی تاکید ہے۔یتیموں کے مال کے بارے میں احتیاط پر بھی زور ہے۔ معاشی تلقینات میں کسب اور خرچ کے آداب کے علاوہ لین دین میں دیانت کی تعلیم ہے۔سماج کی اخلاقی بقا کے لیے حیا کی قدر کے تحفظ اور بدکاری کے راستوں کی ممانعت بھی ہے۔انسانی جان کی حُرمت کا ذکر ہے۔معاشرے میں اعتماد کی روح ڈالنے کے لیے عہد و پیمان کی پاسداری کا حکم ہے۔غرور اور تکبر کے رویّے کی شناعت بھی واضح کی گئی ہے۔ اِن اخلاقی اصول و مبادی میں سے 9 سلبی انداز میں بیان ہوئے ہیں۔یعنی یہ افعال اخلاقی برائیاں ہیں اس لیے ان کو مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں داخل نہ ہونے دیا جائے اور 5 کو ایجابی پیرائے میں ایسی اخلاقی خوبیوں اور ایسے بھلے کاموں کی صورت میں پیش کیا گیا جن کو اسلامی اقدار کے طور پر معاشرتی رویوں کا حصہ بنانا لازم ہے۔آخر میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

'اِن سب اِن امور میں سے ہر ایک کا بُرا پہلو تیرے رَب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو تیرے رَب نے تجھ پر وحی کی ہیں۔'

Marfat.com

کچھ مزید اخلاقی اصول

سورۃ بنی اسرائیل کا نزول بعثت کے بعد گیارھویں سال شعبان یا اس کے آگے پیچھے ہوا۔اس سورۃ کے نزول کے تقریباً پندرہ مہینے بعد سن 12 نبوی کے آخر میں مدینہ سے بارہ اہلِ ایمان حج کے لیے مکّہ گئے تھے۔انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی جسے بیعتِ عقبہ اولیٰ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس کی تفصیل پیچھے اس کے مقام پر گزر چکی ہے۔اس بیعت کے نکات سورۃ الممتحنۃ کی بارھویں آیت میں مومنات کی رسول پاک ﷺ کے سامنے بیعت کے نکات کے مماثل ہیں اس لیے ان بارہ یثربی مومنوں کی بیعت کو سیرت اور تاریخ کی بعض کتابوں میں 'بیعت النسآء' بھی کہا گیا ہے۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کی وہ بیعت تقریباً نو سال بعد فتح مکّہ کے موقع پر ہوئی تھی۔فتح مکّہ کے بعد مدینہ واپس پہنچ کر حضور ﷺ نے انصار کی خواتین سے بھی انہی نکات پر بیعت لی تھی۔[1] اس بیعت کو بیعت النسآء کا نام دینے کے بارے میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ عربوں کے ہاں جن عہد معاہدوں میں تیر اور تلوار اور لڑائی اور صلح جیسے امور کا ذکر نہیں ہوتا تھا، وہ ان کی نظر میں زنانہ نوعیت کے امور سمجھے جاتے تھے اس لیے ان کی نسبت 'نسآء' سے کر دیتے تھے۔

عقبہ اولیٰ کی بیعت کے تین نکات اوپر درج چودہ قرآنی نکات کے عین مطابق ہیں۔البتہ ان میں یہ عہد بھی کیا گیا تھا کہ:

1- کسی پر جھوٹا الزام نہیں لگائیں گے۔

2- رسول اللہ ﷺ کا حکم ماننے میں یہ وضاحت بھی شامل تھی کہ 'خواہ وہ ہمیں گوارا ہو یا ناگوار اور خواہ ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے'۔

3- ہم حکومت کے معاملے میں اربابِ حکومت سے جھگڑا نہیں کریں گے، اِلّا یہ کہ کھُلا کھُلا کفر دیکھیں۔

4- ہر حال میں حق بات کہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہیں

[1] تفهيم القرآن جلد پنجم.

Marfat.com

کریں گے۔ ❶

یہ وہ اخلاقی اصول ہیں جو مدینہ کے نوزائیدہ مسلم معاشرے کی بنیادوں میں پہلی اینٹوں کے طور پر رکھے گئے تھے جوں جوں عمارت بلند ہوتی گئی ، ان اینٹوں میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔اس کی کچھ تفصیل اس کتاب کے دوسرے حصے میں قرآن کے دیے ہوئے بہت سے اخلاقی معیارات اور خود نبی پاک ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے باب میں ملے گی۔

ریاستی اور سیاسی نظام

ایک بالغ نظر اور عالی دماغ مدبّر قائد سب سے پہلے خارجی حملوں سے دفاع اور داخلی امن و امان اور جمی جمائی پاکیزہ سماجی روایات اور اخلاقی اقدار کی بقا کی تدبیر کرتا ہے۔عوام کی فلاح و بہبود ،تعمیر و ترقی اور معاشرے کے استحکام کا بیشتر انحصار امن و امان پر ہوتا ہے۔امن ان مسلمانوں کی ضرورت بھی تھی جو مکّہ میں تیرہ سال تک بری طرح ستائے گئے اور وحشیانہ برتاؤ کا شکار رہے تھے اور اب اپنا سب کچھ تیاگ کر مدینہ آ گئے تھے اور اُن مسلمانوں کو بھی بدامنی اور جنگ و جدل سے نجات کی ضرورت تھی جو پہلے جنگ بعاث میں آپس میں لڑلڑ کر ہلکان ہو چکے تھے اور اب مکّہ کے مہاجرین کو پناہ دینے کی وجہ سے سارا عرب انہیں اپنا حریف سمجھنے لگ گیا تھا۔دنیا کو تلوار سے مغلوب کرنا نبی رحمت ﷺ کا مقصد ہرگز نہیں تھا۔اسلام سلامتی اور امن کا دِین ہے اور آپ ﷺ صلح اور امن کا پیغام لے کر دنیا کو خون آشامیوں اور غارت گریوں سے محفوظ بنانے کے لیے آئے تھے۔اگر حضورؐ کے دل میں کوئی انتقامی جذبہ ہوتا یا آپؐ جنگ و جدل کو پسند کرنے والے ہوتے تو بیعتِ عُقبہ ثانیہ کے فوراً بعد جب انصاری صحابی حضرت عباسؓ بن نضلہ نے پر جوش انداز کہا تھا کہ 'یا رسول اللہ! اگر آپؐ اجازت دیں تو خدا کی قسم ہم صبح ہوتے ہی اہلِ مکّہ کے ساتھ اپنی تلواروں سے دو دو ہاتھ کر لیتے ہیں' ، آپ ﷺ نے فرمایا تھا: 'نہیں، آپ لوگ اپنے ڈیرے پر چلے جائیں۔ہمیں ابھی جنگ کا حکم نہیں ہے۔' نبی اکرم ﷺ کا نصب العین حکمت و تدبّر سے ایسا

❶ سیرت رحمتِ دارین ﷺ از طالب الہاشمیؒ۔

Marfat.com

ماحول پیدا کرنا تھا جس میں تناؤ اور تصادم کی فضا ختم ہو جائے اور تلوار کی حکمرانی کے بجائے زرّیں اصولوں اور زندگی بخش قواعد وضوابط کا سکہ چلے۔ نفرتوں کے زہر کی جگہ صلح کی ہوائیں چلیں اور محبت اور تعاون کے پھول کھلیں۔

دستوری نظام

رسول اللہ ﷺ کی حکمت کاری کا کمال تھا کہ سارے حجاز اور مشرق میں خلیج فارس کی پٹی کے ساتھ کے تمام علاقوں کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مدینہ طیبہ کو یہ خصوصی امتیاز حاصل ہو رہا تھا کہ وہاں قبائلی سطح سے اٹھ کر ایک متمدن سماجی اور ریاستی نظام کی تشکیل ہو رہی تھی۔ یہاں اپنے وقت کے لحاظ سے جدید طرز کے ریاستی اور انتظامی اصول وقواعد وضع ہو رہے تھے۔ ان اخلاقی اقدار اور ریاستی اصول وقواعد کی وجہ سے مدینہ ایک آئینی ریاست کا درجہ پا رہا تھا۔ سرورِ عالم ﷺ کا دیا ہوا یہ آئین 'میثاقِ مدینہ' کی صورت میں احادیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ قدیم بھارت کے چانکیہ (کوٹلیہ) نے، جو اپنے دور کا میکیاولی تھا، بادشاہوں کو عوام پر تسلط قائم رکھنے اور مخالف قوتوں سے نمٹنے کے لیے شاطرانہ چالوں اور مکّارانہ طریقوں پر مشتمل 'ارتھ شاستر' جیسی کتابیں تو لکھ دی تھیں لیکن وہ کوئی دستوری نوعیت کی ایسی دستاویز تیار نہیں کر سکے تھے جن میں عوام کے حقوق وفرائض کا عادلانہ تعین کیا گیا ہو، ذات پات، مستقل سماجی اونچ نیچ کا خاتمہ ہوا ہو اور رعایا کو عدل، عزت، مساوات اور جان و مال کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہو۔ میثاقِ مدینہ کی تحریر کے دور تک روم و ایران اور مصر اور حبشہ اور ہند اور چین کی ملوکانہ نظام میں کہیں کسی دستوری حکومت کا تصور تک موجود نہیں تھا۔ بادشاہوں کی زبانوں سے نکلنے والے کلمات ہی آئین و قانون سمجھے جاتے تھے۔ وہ دستاویز جس کو اب سیرت النبی ﷺ کی تقریباً تمام کتابوں میں میثاقِ مدینہ کا نام دیا جاتا ہے دراصل مدینہ کی ریاست کے لیے ایک دستور کے طور پر لکھی گئی تھی۔ اس کی تحریر کے وقت اس کے لیے 'کتاب' کی اصطلاح استعمال ہوئی تھی۔ آگے چل کر سیرتِ سرورِ عالم ﷺ کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں اس کا نام 'وثیقہ' اور 'میثاق' مروج ہو گیا۔ مغازی اور

Marfat.com

سیرت کے موضوع پر معلومات کا سب سے قدیم ماخذ ابن اسحاق ہیں۔انہوں نے اس میثاق کا بغیر سند کے جو متن دیا ہے، اکثر سیرت نگار وہی بلا کم و کاست نقل کرتے رہے ہیں۔

میثاق کے تحقیقی اور تجزیاتی جائزے

جدید دور میں تاریخ اور سیرت پر گہری نگاہ رکھنے والے کئی ممتاز اہلِ قلم نے اس دستاویز کا تجزیہ کر کے یہ دریافت کیا کہ ابن اسحاق کا جو متن سیرت ابن ہشام کے راستے متعارف ہوا اس کی حقیقت سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن وہ اصل میں کوئی ایک مربوط تحریر نہیں ہے بلکہ یہ دو الگ الگ مجموعے ہیں جو ایک ہی موقع پر تحریر نہیں ہوئے۔اس وثیقہ کے اجزا صحیح مسلم، مسند احمد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن ابو داود، مصنف عبدالرزّاق، بیہقی وغیرہ کی کتبِ احادیث میں بھی موجود ہیں۔لیکن قدیم اسلوبِ تحریر کے باعث اس میں تکرار بھی ہے اور واقعات گڈ مڈ اور آگے پیچھے ہو گئے ہیں۔دکتور عون شریف قاسم نے اپنے مقالہ 'دبلوماسیة محمد ﷺ' میں اس کی 52 شقیں بتائی ہیں اور ہارون رشید کی تحقیق کے مطابق یہ کل 47 شقوں پر مشتمل ہے۔دکتور اکرم ضیاء العمری نے 'المجتمع المدنی فی عهد النّبوة' میں اور ہارون رشید نے 'صحیفة المدینة' میں شرح و بسط کے ساتھ اس پر تجزیاتی نظر ڈالی ہے۔دکتور اکرم ضیاء العمری نے 'السّیرة النّبویة الصحیحة' میں بھی اس پر طویل بحث کی ہے۔دکتور مہدی رزق اللہ احمد نے بھی 'السّیرة النّبویة فی ضوء المصادر الاصلیة' میں اس کا بسیط جائزہ لیا ہے۔وہ ساری تحقیقی کاوشیں قابلِ تحسین اور لائقِ مطالعہ ہیں لیکن ہماری اس کتاب کے خاکے (outline) میں ان طویل مباحث اور حوالوں کی گنجائش نہیں ہے۔

ان تحقیقی موشگافیوں سے قطع نظر، اہلِ سیر و تاریخ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اُس دور کی اجتماعی زندگی اور مدینہ کی نو زائیدہ ریاست کے مختلف امور کا احاطہ کرنے والی اعلیٰ پائے کی دستوری دستاویز ہے۔سیرت النبی ﷺ پر لکھی جانے والی اکثر مستند کتابوں میں اسے نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے۔گزشتہ صدی کے نامور مُسلم سکالر ڈاکٹر حمید اللہؒ نے اپنی کتاب 'عہدِ

Marfat.com

نبویؐ میں نظامِ حکمرانی' میں بجا طور پر اس کو دنیا کا پہلا تحریری دستور قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد کی رائے میں اس کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں جو احکام درج ہیں ان میں سے نہ صرف یہ کہ کوئی شق منسوخ نہیں ہوئی، بلکہ اللہ کی کتاب نے اس وثیقہ کے مختلف نکات کی توثیق کی۔

میثاق کی مسلمانوں سے متعلق شقیں

جیسا کہ اوپر ذکر آیا ہے کہ بنیادی طور پر یہ دو الگ الگ عہد نامے ہیں۔ ایک مسلمانوں -انصار اور مہاجرین- کے باہمی تعلقات کے بارے میں ہے اور دوسرا مسلمانوں اور یہود سمیت مدینہ کے دیگر غیر مسلم باشندوں کے مابین تعلقات کی بابت ہے۔ مسلمانوں کے آپس میں تعلقات کی شرائط درج ذیل ہیں۔

☆ یہ وثیقہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک معاہدہ ہے قریشی مسلمانوں اور یثرب کے مسلمانوں کے درمیان۔ وہ مسلمان جو ایمان و اسلام کی بنیاد پر بعد میں ان سے آکر ملیں گے اور اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے وہ بھی اس میں شامل سمجھے جائیں گے۔

☆ مسلمان غیر مسلموں سے الگ ایک جدا اُمت ہیں۔

☆ قریش سے وہ مسلمان جو ہجرت کر کے آئے ہیں اپنی قرابت داریوں پر قائم رہیں گے۔ وہ دیت کے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اپنے پریشان حال بھائیوں کے ساتھ بھلائی اور عدل کی بنیاد پر تعاون کریں گے۔

☆ مدینہ کے انصار میں سے بنو عوف، خزرج کے بنو حارث، بنو ساعدہ، بنو جشم، بنو نجار، بنو عمرو بن عوف بنو نبیط اور بنو اوس، سب اپنی قرابت داریوں کو قائم رکھیں گے، دیت کی ادائیگی میں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے اور اپنے اندر موجود کمزوروں اور محتاجوں کی بھلائی اور انصاف کے ساتھ مدد کرتے رہیں گے۔

☆ مسلمان اپنے اندر کسی ایسے مسلمان کا خون رائیگاں نہیں جانے دیں گے جس کا قاتل معلوم نہ ہو۔ مقتول کے ورثاء کو حسب حال فدیہ یا خون بہا دیں گے۔ کوئی مسلمان کسی

Marfat.com

دوسرے مسلمان کے آزاد کردہ غلام کو اس کے خلاف اپنا حلیف نہیں بنائے گا۔

☆ خدا خوفی رکھنے والے مسلمانوں کی صفوں میں اگر کوئی بغاوت اور سرکشی کی روش اختیار کرے گا، یا بطور ظلم کسی سے کچھ وصول کرنا چاہے گا یا گناہ کا ارتکاب کرے گا یا شر اور فساد پھیلانے کی کوشش کرے گا تو سب اُس کے خلاف متحد ہو کر کھڑے ہوں گے خواہ وہ کسی کا اپنا بیٹا (یا کوئی قریبی رشتہ دار) ہی کیوں نہ ہو۔

☆ کوئی مسلمان کسی کافر کے بدلے میں نہ تو اپنے مسلمان بھائی کو قتل کرے گا اور نہ ہی کسی مسلمان کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا۔

☆ ایک مسلمان کا عہد سب کا عہد شمار ہوگا۔ ایک ادنیٰ مسلمان بھی کسی کو پناہ دے گا تو اس کی پناہ کو سب اپنی پناہ تصور کریں گے۔ سارے مسلمان غیر مسلموں سے الگ باہم رفیق ہوں گے۔

☆ یہود میں سے جو ہماری یعنی مسلم سوسائٹی کی پیروی اختیار کرلیں گے ان کی مدد کی جائے گی۔ ان کے خلاف ان کے دشمنوں کی مدد نہیں کی جائے گی۔

☆ جہاد کے راستے میں کوئی مسلمان دوسرے مسلمانوں سے بالا بالا کسی سے صلح نہیں کرے گا۔ کسی مسلمان کی انفرادی صلح کو وزن حاصل نہیں ہوگا۔

☆ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہوگا کہ وہ کسی بدعتی کی مدد کرے یا اسے اپنے ہاں پناہ دے۔ جو کوئی اس کی مدد کرے گا یا اسے پناہ دے گا اس پر قیامت کے روز اللہ کی لعنت برسے گی اور اس کا عذاب نازل ہوگا۔ اس روز چھٹکارے کے لیے کوئی معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

☆ اگر تمہارے یعنی مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف پیدا ہوگا تو اُس معاملے کو فیصلہ کے لیے اللہ اور اُس کے رسول محمد ﷺ کی طرف لوٹایا جائے گا۔

یہود سے متعلق دفعات

☆ مدینہ کے یہود مسلمانوں سے مل کر باہر کے دشمنوں کا مقابلہ کریں گے اور دفاع اور قیامِ

Marfat.com

امن کی غرض سے اپنے مال خرچ کریں گے۔

☆ بنو عوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ ایک اُمت متصور ہوں گے، البتہ یہود کا دین ان کے لیے اور مسلمانوں کا دِین ان کے لیے ہے۔ان میں سے جو کوئی اپنے اوپر ظلم اور کسی گناہ کا ارتکاب کرے گا وہ اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کو ہلاکت میں ڈالے گا۔

☆ بنی نجار، بنی حارث، بنی ساعدہ، بنی حشم، بنی اوس اور بنی ثعلبہ کے یہود بھی اسی سلوک کے مستحق سمجھے جائیں گے جو سلوک بنی عوف کے ساتھ ہوگا۔لیکن ان میں سے ظلم و معصیت کا ارتکاب کرنے والا شخص اس سلوک کا حق دار نہیں سمجھا جائے گا۔قبیلہ ثعلبہ کی شاخ جفنہ اور بنو شطیبہ کے یہود کے ساتھ بھی بنی عوف کے یہود جیسا سلوک کیا جائے گا۔

☆ ان میں سے کسی کو محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر نہیں نکالا جائے گا۔

☆ کسی ایک کو کسی دوسرے کے زخم کے بدلہ میں محبوس نہیں رکھا جائے گا۔ایک قاتل کو خود یا اس کے گھر والوں کو اس فعل کا انجام بھگتنا پڑے گا۔

☆ یہود کو (حلیف کی صورت میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑنے یا دیگر معاملات میں) اپنے اخراجات کا بوجھ خود اٹھانا ہوگا۔اسی طرح مسلمانوں کو اپنے اخراجات خود برداشت کرنے ہوں گے۔اس عہدنامے میں شریک مسلمانوں یا یہود کے خلاف اگر کوئی جنگ کرے گا تو اس کے خلاف سب مل کر لڑیں گے۔ بھلائی کے کاموں میں سب ایک دوسرے کے خیر خواہ اور معاون ہوں گے۔

☆ کوئی آدمی اپنے حلیف کے جرم یا گناہ کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔مظلوم کی مدد میں سب ذمہ دار ہوں گے۔

☆ اس وثیقہ کی رو سے مدینہ کو ایک خاص حرمت حاصل ہے۔اس کے اندر شر انگیزی اور فتنہ وفساد پھیلانا حرام ہوگا۔

☆ پڑوسی کا درجہ ہر شخص کی اپنی حیثیت کے مساوی ہوگا۔بشرطیکہ اس نے کسی فتنہ انگیزی

Marfat.com

اور خون خرابہ کا جرم نہ کیا ہو۔

☆ کسی کے غلام کو اس کے مالک کی مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی پناہ نہیں دے گا۔

☆ قریش کو یا اُن کے کسی مددگار کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

☆ یثرب پر حملہ ہونے کی صورت میں یہاں کے سب باشندے ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

☆ اس ریاست کا کوئی شہری قرض کے بوجھ میں دبا ہو گا تو اسے اس بوجھ سے نجات دلانے کا اہتمام کیا جائے گا۔

☆ اس ریاست کے حدود اربعہ میں ایسے تمام رسوم و رواج اور معاشرتی قدروں کو برقرار رکھا جائے گا جو اسلام کے معروف اصول و تعلیمات کے منافی نہیں ہیں۔

☆ اس ریاست کے سارے شہریوں کو عقیدہ اور دِین کے معاملے میں آزادی حاصل ہوگی۔

☆ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

☆ مدینہ کے باہر سے اگر کوئی یہاں آئے گا تو اسے احترام اور حقوق دینے کا اختیار اہلِ مدینہ ہی کو حاصل ہوگا۔

☆ اس وثیقہ پر دستخط کرنے والے فریقوں میں اِس کی شقوں کے بارے کوئی اختلاف و نزاع پیدا ہو تو اس کا فیصلہ اللہ اور اُس کا رسول ﷺ کریں گے۔ [1]

صُفّہ: رفاہی اور تعلیمی و تدریسی نظام

﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴾ (البقرة: 273)

[1] المجتمع المدنی: اکرم ضیاء العمری، السّیرة النّبویة فی ضوء المصادر الاصلیة: مہدی رزق اللہ احمد، الصادق والامین ﷺ: محمد لقمان سلفی۔

Marfat.com

'خاص طور پر مدد کے مستحق وہ تنگ دست لوگ ہیں جو اللہ کے کام میں ایسے گھِر گئے ہیں کہ اپنی ذاتی کسبِ معاش کے لیے زمین میں کوئی دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔ اُن کی خودداری دیکھ کر ناواقف آدمی گمان کرتا ہے کہ یہ خوش حال ہیں۔ تُم اُن کے چہروں سے اُن کی اندرونی حالت پہچان سکتے ہو۔ مگر وہ ایسے لوگ نہیں ہیں کہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کچھ مانگیں۔ اُن کی اعانت پر تم جو مال خرچ کرو گے وہ اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گا۔'

اگرچہ اِس آیت میں عموم ہے۔ لیکن اس میں جو لفظی تصویر کھینچی گئی ہے وہ ہُو بہو اُن صحابہؓ کی ہے جنہیں اصحابِ صُفّہ کہا جاتا ہے۔ یہ اجنبیت اور غیریت کے مارے ہوئے درماندہ حال وہ لوگ تھے جنہوں نے اللہ کی رضا کی خاطر ہجرت کی راہ اختیار کی تھی اور مدینہ میں آ کر مسجدِ نبوی میں آ کر ٹھہر گئے تھے۔ مدینہ کے نئے ماحول میں نہ ان کا کوئی واقف آشنا تھا، نہ معاش کا ذریعہ اور نہ کوئی دنیوی سہارا۔ اِنہوں نے کنبے قبیلے سے منہ موڑا۔ کفر و شرک اور ظلم و جبر کے پنجوں سے نجات پائی۔ خون اور قبیلہ کے تعلقات منقطع کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ان کے پاس سرمایہ نہیں تھا کہ تجارت کرتے۔ مدینہ کی زرعی معیشت کے بارے میں وہ کوئی واقفیت اور تجربہ رکھتے تو شاید کسی کی کھیتی باڑی میں محنت مزدوری کر لیتے۔ یہاں اُن کو رہنے کے لیے کوئی جگہ میسر نہیں تھی۔ ان کے پاس نہ تو کھانے پینے کا کوئی سامان تھا اور نہ ہی پوری طرح تن ڈھانپنے کے لیے مناسب لباس تھا۔ رحمت للعالمین ﷺ اِن خستہ حال صحابہؓ کی حالت سے باخبر تھے اور جس قدر ممکن تھا اِن کی بطورِ خاص خبر گیری اور مدد فرماتے تھے۔ ہجرت نے ایک دم ایسا معاشی بحران پیدا کر دیا تھا جس کا زیادہ دباؤ انصار پر تھا۔ مواخات کے عمل میں انصار نے خاصا بوجھ اپنے اوپر لے لیا تھا۔ حضور ﷺ ان کو مزید زیر بار کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ انصار و مہاجرین میں سے جن کے حالات بہتر تھے انہیں آپ حکم دیتے تھے کہ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہے وہ اصحابِ صُفّہ میں سے ایک دو کو ساتھ لے جا کر اس کھانے میں شریک

Marfat.com

کرلیں۔کبھی خوش حال انصاری صحابہؓ میں سے کوئی اپنے ہاں ان کی اجتماعی دعوت رکھتے لیتے تھے۔سرورِ عالم ﷺ ان کو اپنے ہاں بھی لے جایا کرتے اور جو کچھ گھر میں موجود ہوتا اس سے ان کی تواضع کی جاتی۔لیکن عام طور پر اِن کو حضورؐ ایک مد یعنی مٹھی بھر کھجوریں راشن کے طور پر دیتے تھے۔مکّہ والے کھجوروں کو طعام کے طور پر استعمال کے عادی نہیں تھے اس لیے مسلسل کھجوریں کھا کھا کر اُن کے معدے جلنے لگ گئے تھے۔

شروع میں وہ مسجدِ نبوی کے کسی گوشے میں ٹِک جاتے تھے۔تحویلِ قبلہ کے بعد جب قبلہ شمال کے بجائے جنوب کی طرف ہو گیا تو پہلے جو منبر و محراب کی جگہ تھی وہاں خالی دیوار کو پشت پر رکھ کر ایک چبوترا بنایا گیا اور کھجور کے پتوں کا چھپر کھڑا کر دیا گیا تھا۔اب یہ صحابہؓ اسی چھپر کے نیچے چبوترے پر رہتے تھے۔اصحابِ صفّہ جتنے مجبور اور لاچار تھے اتنے ہی صابر اور خود دار بھی تھے۔اوپر درج آیت میں اِن کی خود داری اور عزتِ نفس کے احساس کی طرف اشارہ موجود ہے۔کئی کئی دن فاقوں سے گزار لیتے لیکن کسی کے آگے دستِ طلب دراز نہیں کرتے تھے۔فاقوں کی وجہ سے ناتوانی کی یہ حالت ہو جاتی تھی کہ نمازوں میں کھڑے کھڑے کوئی غش کھا کر گر پڑتا تھا۔باہر سے مدینہ میں آنے والے اجنبی ان کی یہ حالت دیکھ کر سمجھتے کہ یہ مرگی کے مریض ہیں۔

انہوں نے ترکِ دنیا کر کے کوئی راہبانیت اختیار نہیں کر لی تھی۔اسلام نے انہیں زندگی کی حقیقت و معنویت سمجھا دی تھے اور یہ بتا دیا تھا کہ ایک مومن نے اس دنیا میں کیا کردار ادا کرنا ہے۔ہجرت کے ابتدائی عرصے کی عسرت اور تنگ دستی کی وجہ سے انہیں اِن کٹھن منزلوں سے گزرنا پڑا تھا۔لیکن جہاد کے مواقع آتے تھے تو یہ میدانِ کارزار میں دادِ شجاعت دینے میں کسی سے پیچھے نہیں رہتے تھے۔بدر و اُحد، حنین اور خیبر کے شہداء کی فہرست میں اصحابِ صُفّہ میں سے بعض کے نام موجود ہیں۔ 6 ہجری میں جب نبی پاک ﷺ عمرہ کی غرض سے مکّہ روانہ ہوئے تو چودہ سو صحابہؓ میں اصحابِ صُفّہ میں سے بھی بعض شامل تھے۔خلافتِ راشدہ کے دور میں اِن میں سے کئی ایک کو بڑی اہم ذمہ داریاں سونپی گئیں۔بعض صوبوں کے گورنر

Marfat.com

کے منصب پر بھی فائز ہوئے۔

اِن میں سے جس کسی کی شادی ہو جاتی، یا جس کے لیے خودکفالتی اور باعزت زندگی گزارنے کا موقع نکل آتا تھا وہ فوراً یہاں سے اٹھ جاتا تھا۔اس لیے ان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔جنگوں میں مالِ غنیمت آنے لگا تو مدینہ کے حالات میں کسی قدر خوش حالی کی ہوائیں چلنے لگی تھیں۔اِن مسکین صحابہؓ کے حالات بھی بہتر ہو گئے تھے۔زیادہ عرصہ یہاں ٹھہرنے والوں کی تعداد ستّر کے قریب بتائی جاتی ہے۔

اُن کی علمی جستجو اور تعلیم وتعلم اور درس وتدریس کے ذوق کی وجہ سے صُفّہ نے اسلام کی سب سے پہلی باقاعدہ اِقامتی درس گاہ کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔اللہ کے گھر میں اور محسنِ انسانیت ﷺ کے درِ احسان وکرم کے جوار میں رہنے کی وجہ سے اِن کو حضورؐ سے ملاقات اور آپؐ کی صحبت ومجلس کے بہت مواقع ملتے تھے۔وہ مدرسہِ رسالت سے فیض پانے اور دِین سیکھنے اور سمجھنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے تھے۔انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح قرآن کا مطالعہ ومدارسہ کرتے تھے۔کتابِ حکیم کے معارف پر خود غور وتدبّر کرتے، آپس میں بحث مباحثہ اور مذاکرہ کرتے تھے۔جہاں فہمِ دِین میں کوئی گرہ دیکھتے تو سمجھنے کے لیے رسول پاک ﷺ سے رجوع کرتے تھے۔نبی پاک ﷺ خود بھی کبھی آ کر اِن کی مجلس میں تشریف فرما ہوتے اوران سے دریافت فرماتے تھے کہ وہ کس موضوع پر تبادلۂ خیال کر رہے ہیں۔وہ آپؐ کی دی ہوئی تعلیم اور ارشادات کو یاد رکھتے اور دوسروں تک پہنچاتے تھے۔جو سیکھتے تھے، دوسروں کو سکھاتے تھے۔آج جو اسلامی تحریکیں میدانِ عمل میں ہیں اِن کے لیے اصحابِ صُفّہؓ کے حالات میں صبر وعزیمت کے بڑے سبق ہیں۔علم کی شمع کو روشن رکھنے اور تعلیم وتربیت کے محاذ پر دِیے سے دِیا جلانے کی انہوں نے جو مثالیں قائم کیں یہ تحریکیں ان کو مشعلِ راہ بنا سکتی ہیں۔اپنے کارکنوں کی ہمہ جہتی تربیت کے معاملے میں بھی یہ بہت کچھ سیکھ سکتی ہیں کہ کیسے فاقہ زدہ یہ صحابہؓ آگے چل کر امورِ مملکت چلانے کے اہل ثابت ہوئے اور انہوں نے ہر میدان میں اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔

Marfat.com

سیدِ الابرار ﷺ کی خانگی زندگی میں ایک خوشگوار موڑ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی

اب مدینہ ایک دستوری ریاست بن چکا تھا۔ وہاں مسلم معاشرے کی اخلاقی اور تنظیمی بنیادیں استوار ہو گئی تھیں۔ نماز کے لیے پکار کی خاطر اذان کا شعار جاری ہو گیا تھا جس کی وجہ سے آج کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا جب دنیا کے کسی نہ کسی حصے میں کائنات کے رب کی الوہیت کے ساتھ آپ ؐ کی رسالت کی گواہی نہ دی جا رہی ہو اور وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (اور تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا) کی حقیقت دنیا پر نہ کھلتی ہو۔ اقتصادی استحکام اور ترقی کے لیے بھی کئی ٹھوس اقدامات کیے جا چکے تھے۔ یہودیوں کے ہاتھوں استحصال، ان کی کاروباری چالاکیوں اور غیر صحت مند مسابقت سے مسلمانوں کے لیے محفوظ رکھنے کے لیے حضور ﷺ نے ساری منڈیوں میں جا کر خود جائزہ لیا اور مسلمانوں کا ایک الگ بازار مخصوص کر دیا تھا۔ معاشرہ خاندان کی اکائیوں کے باہم ملنے سے بنتا ہے۔ ایک صالح ریاستی نظام کے لیے ایک صالح معاشرہ اور صالح معاشرے کے لیے ایک صالح خاندانی نظام کی ضرورت ہوتی ہے۔ ازدواجی رشتے کے ذریعہ خاندان کا وجود میں آنا کائناتِ انسانی کے بارے ربّ ذوالجلال کے عظیم منصوبے کا اہم حصہ ہے۔ بقائے نسلِ انسانی کا اسی پر دارومدار ہوتا ہے۔ ازدواجی زندگی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا ہے۔

﴿ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾ ⑪

(الرّوم: 21)

Marfat.com

'اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تا کہ تم اُن کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ یقیناً اِس میں بہت سی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔'

نکاح انبیاء کی سُنت ہے۔ ہمیں انبیاء کی تاریخ میں کوئی نبی ایسا نظر نہیں آتا جس نے رشتۂ ازدواج کی فطری پکار سے انحراف کر کے تجرّد کی زندگی اختیار کی ہو۔ ہمارے پیارے نبی پاک ﷺ کے مکّہ میں کٹھن اور صبر آزما دورِ دعوت کے دس برس تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی محبت، دل سوزی، دل جوئی اور خدمت آپ ﷺ کی تسکین کا سب سے بڑا سامان تھی۔ مدینہ میں وارد ہونے کے بعد ایمان والوں کو غریب الدّیاری اور مالی تنگی کی آزمائش درپیش تھی۔ نئے حالات میں نئے مسائل سامنے کھڑے تھے۔ ایک پورا معاشرتی اور ریاستی نظام قائم ہو رہا تھا جس کو اصول و قواعد کی بنیادیں فراہم کرنی تھیں۔ نبیِ طیّب ﷺ کو اپنی خانگی زندگی کی طرف توجہ دینے کی فرصت ہی میسر نہیں آ رہی تھی۔ مدینہ کے داخلی محاذ پر جب کسی قدر سکون اور ٹھہراؤ پیدا ہوا تو آپ ﷺ نے گھر کی طرف توجہ فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپؐ کا نکاح ماہِ شوال 11 نبوی میں ہو چکا تھا۔ مسجدِ نبوی کی تعمیر ہوئی تو ساتھ ہی حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے لیے ایک حجرہ تعمیر ہوا تھا۔ انہوں نے ممکنہ حد تک نبی رحمت کے آرام و آسائش کا خیال رکھا۔ آپ ﷺ کی ایک صاحبزادی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں اور سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو اُن کے شوہر نے ہجرت سے روک لیا تھا۔ حضور ﷺ کی دو صاحزادیاں۔ سیّدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیّدۃ النّسآء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ جن کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی، ان کی دیکھ بھال حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ذمہ تھی۔ یوں اُن کی موجودگی نےؐ گھر کے معاملے میں آپؐ کی فکر کا بوجھ ہلکا کر رکھا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مدینہ آنے کے بعد اپنے والدین کے ساتھ رہ رہی تھیں۔ ان کی رخصتی کا وقت آیا تو ان کے لیے ایک الگ حجرہ بن گیا۔ انصار کی خواتین نے اپنے ہاں کی عمدہ

Marfat.com

روایت اور اسلامی اصولوں کے مطابق بڑے چاؤ سے سیّدہ عائشہ ؓ کو حجلۂ عروسی تک پہنچایا۔ نبی رحمت ﷺ کی سب سے محبوب اور واحد باکرہ زوجہ کی حیثیت سے وہ آپؐ کی رفاقت میں آئیں۔ زیرکی، ذکاوت اور ذہانت وفراست میں وہ اپنا ایک خاص مقام رکھتی تھیں۔ تفقہ فی الدّین ان کا امتیاز تھا۔ حلال وحرام کے مسائل جاننے کے لیے لوگ اکثر انہی سے رجوع کرتے تھے۔ قرآن پاک کے دقیق نکتوں اور گہرے معنوں تک جیسی رسائی اُن کو تھی بڑے بڑے صحابہؓ اس کا اعتراف کرتے تھے۔ شعر و ادب کا بھی پاکیزہ ذوق رکھتی تھیں۔ چشمۂ نبوّت سے خود اکتسابِ فیض کرتی تھیں اور پھر اسے فیضِ عام بنانے کی خدمت انجام دیتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا سب سے زیادہ سرمایہ انہی کے واسطے سے اُمت کے دامن میں پڑا۔ کم عُمری کے باوجود آدابِ ازدواج سے خوب آگاہ تھیں۔ بہت کم وقت میں وہ رسول اللہ ﷺ کی مزاج شناس بن گئی تھیں۔ چنانچہ یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ اِن اعلیٰ خصوصیات کے ساتھ جب وہ حضور ﷺ کے حرم میں داخل ہوئیں تو نبوّت کے فرائض کی ادائیگی میں آپؐ کو کس قدر سہولت اور لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا کے مصداق کتنا قلبی سکون میسر آیا ہوگا۔

خطرات کے بادل اور ان کی پیش بندی

مدینہ میں ہنگامی حالت

ہجرت کے بعد پہلا موسمِ حج آ گیا تھا۔ ربِّ کعبہ کے مُخلص اور سچے بندوں پر کعبہ کی زیارت وطواف کے راستے بند کیے جا چکے تھے۔ صرف مہاجرین ہی نہیں بلکہ یثربی مسلمانوں میں بھی اس سعادت سے محرومی پر بے بسی اور حسرت و یاس کی کیفیت پیدا ہونا فطری بات تھی۔ اللہ تعالیٰ اُن کے احساسات و جذبات سے خوب آگاہ تھا۔ وہ بطورِ تسلی انہیں مستقبل کا ایک پرامید منظر۔ ظالموں کو دردناک عذاب کا منظر۔ دکھا رہا تھا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ

Marfat.com

جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۣ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَ الْبَادِ ؕ وَ مَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾ (الحج: 25)

'جن لوگوں نے کفر کیا اور جو (آج) اللہ کے راستے سے روک رہے ہیں اور اُس مسجدِ حرام کی زیارت میں مانع ہیں جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے بنایا ہے، جس میں مقامی اور باہر سے آنے والوں کے حقوق برابر ہیں (اُن کی روش یقیناً سزا کی مستحق ہے)۔ اِس (مسجدِ حرام) میں جو بھی راستی سے ہٹ کر ظلم کا طریقہ اختیار کرے گا اسے ہم دردناک عذاب کا مزا چکھائیں گے۔'

مشرکین مکہ کے سینوں پر سانپ لوٹ رہے تھے کہ مسلمانوں کو نہ صرف مدینہ میں جائے پناہ مل گئی اور وہ امن اور سکون سے رہ رہے ہیں بلکہ وہاں انہوں نے ایک منظم معاشرہ اور مضبوط ریاست قائم کر لی ہے۔ کافروں کو حسد بھی کھائے جا رہا تھا اور ان پر ایک خوف بھی سوار تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ مسلمانوں نے مدینہ کے مرکز میں اگر طاقت پکڑ لی تو کل وہ اُن کے لیے خطرہ ثابت ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مدینہ میں مسلمانوں کی جڑیں مضبوط ہونے سے پہلے پہلے انہیں اکھاڑ پھینکنے کی شیطانی تدبیروں میں مصروف تھے۔ مدینہ کے مشرکین سے بھی ان کے خفیہ رابطے تھے۔ عبداللہ بن ابی جیسے لوگوں کو ترغیب اور ترہیب دونوں طریقوں سے وہ اپنے دام میں لانا چاہتے تھے۔ یہودیوں سے بھی ان کا ساز باز جاری تھا۔ اُن کے مذموم مقاصد میں سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ کسی طریقہ سے اسلامی تحریک کے قائد اور رہبر کی جان لے لی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حفاظتی پہرا

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے مکروہ عزائم کی اطلاع مل چکی تھی۔ اسی لیے حضورؐ کی حفاظت پر پوری توجہ دی جا رہی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باری باری آپؐ کے گھر کے باہر رات کو پہرا دیتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ:...... ایک رات ہم نے ہتھیاروں کی کھڑکھڑاہٹ سنی۔ حضورؐ نے پوچھا 'کون ہے؟' جواب آیا 'سعد بن وقاص' آپؐ نے پوچھا

Marfat.com

'کیوں آئے ہو؟' کہنے لگے 'میرے دل میں رسول اللہ کی جان کے بارے میں ایک کھٹک سی محسوس ہوئی تو آ گیا ہوں کہ پہرہ دوں' رسول پاکؐ نے انہیں دعا دی اور سو گئے۔' ❶

حضورؐ کی حفاظت کا یہ اہتمام جاری تھا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو تسلی دے دی کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ یعنی 'اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے' (المآئدۃ : 67) اِس پر حضورؐ نے فرمایا کہ 'اب پہرے کی ضرورت نہیں، اللہ خود میری حفاظت کرے گا'

سعد بن معاذؓ کے عمرہ میں رکاوٹ

مشرکین کی طرف سے مہاجرین پر تو مسجدِ حرام کی زیارت پر پابندی تھی ہی، وہ انصارِ مدینہ کو بھی یہ رعایت دینے پر تیار نہیں تھے۔ اس کی ایک تازہ مثال سامنے آ چکی تھی۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عمرہ کی نیت سے مکّہ گئے اور (پرانے تعلقات کی وجہ سے) امیہ بن خلف کے ہاں بطورِ مہمان ٹھہرے۔ انہوں نے اُمیہ سے کہا کہ تنہائی کا کوئی وقت دیکھنا جب میں آرام سے اللہ کے گھر کا طواف کر لوں۔ اُمیہ انہیں دوپہر کے وقت بیت اللہ میں لے کر گیا۔ ابو جہل کی اُن پر نظر پڑ گئی۔ اُس نے اُمیہ سے پوچھا کہ 'یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟' اُس نے بتایا کہ یہ سعد ہیں۔ ابو جہل نے حضرت سعدؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: 'ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم امن سے مکّہ میں (میں کعبہ) کا طواف کر لو، حالانکہ تم لوگوں نے ہمارے ہاں کے بے دِینوں (مسلمانوں) کو پناہ دے رکھی ہے۔ کیا سمجھتے ہو کہ تم لوگ ان کی مدد کرتے رہو گے۔ خُدا کی قسم! اگر تم ابو صفوان کی پناہ میں نہ ہوتے تو صحیح سالم اپنے اہل و عیال میں لَوٹ کر نہ جا سکتے۔' اِس پر سعد بن معاذؓ نے بلند آواز سے کہا: 'اللہ کی قسم، اگر تم نے مجھے اِس (طوافِ کعبہ) سے روکا تو میں تمہیں اُس چیز سے روک دوں گا جو تمہارے لیے اس سے زیادہ اہم ہے۔ میں تمہیں (تجارت کے لیے) مدینہ کے راستے سے نہیں گزرنے دوں گا۔' ❷

سرایا اور غزوات

ایک بیدار مغز اور دور رس نگاہیں رکھنے والے قائد کی حیثیت سے رسول اکرم ﷺ

❶ مُسلم. ❷ صحیح بخاری.

Marfat.com

کو ممکنہ خطرات کا پورا احساس بھی تھا اور مکہ والوں کی سرشت کا ادراک بھی۔ حضورؐ جانتے تھے کہ قریشِ مکہ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئیں گے۔ ان کی پوری کوشش ہوگی کہ کسی طرح مدینہ کی بستی کا امن و امان غارت کریں اور مسلمانوں کو جان اور مال کا نقصان پہنچائیں۔ چنانچہ حضورؐ نے ان خطرات کی پیش بندی کے کئی طریقے اختیار فرمائے۔ مدینہ پہنچنے کے بعد اردگرد کے کچھ قبائل سے آپؐ نے حلیفانہ تعلقات قائم کرنے میں دیر نہیں کی۔ مسندِ احمد کی ایک ضعیف روایت کے مطابق ساحلِ سمندر کے قریب جہینیہ کے دو قبیلوں بنو زُرعہ اور بنو ذبعہ سے جان و مال کی مکمل حفاظت کی ضمانت دے کر اس طرح کے تعلقات ہجرتِ مدینہ کے فوراً بعد قائم ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو باقاعدہ جنگ کا حکم جنگِ بدر سے قبل رجب یا شعبان سن 2 ہجری میں دیا جس کے احکام سورۃ بقرۃ کی آیات: 190، 191، 193، 216، 244 میں ہیں لیکن ہجرت کے پہلے سال کا جو مرحلہ ہمارے زیرِ بحث ہے اس پر جنگ کی اجازت دے دی گئی تھی:

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَٰتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا﴾ (الحج:39)

'اجازت دے دی گئی اُن لوگوں کو جن کے خلاف جنگ جاری ہے۔ کیونکہ وہ مظلوم ہیں'

اسی اجازت کے تحت نبی اکرم ﷺ نے ایک اور اہم قدم یہ اٹھایا کہ مسلمانوں کے مسلّح گشتی دستے اِدھر اُدھر نگرانی کے لیے بھیجنا شروع کر دیے۔ ان دستوں کو مختلف اطراف میں بھیجنے کا مقصد جنگ چھیڑنا نہیں تھا بلکہ اس سے مقصود کفّار پر یہ واضح کرنا تھا کہ مسلمان غفلت کی نیند سوئے ہوئے نہیں بلکہ بیدار اور تمام خطرات سے نمٹنے کے لیے پوری طرح تیار ہیں۔ ان گشتی دستوں کے معاملے میں حضور ﷺ نے ایک حکمت یہ اختیار کی کہ یہ دستے صرف مہاجرین پر مشتمل ہوتے تھے۔ انصارِ مدینہ نے اگرچہ بیعتِ عقبۂ ثانیہ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کا عہد کیا تھا لیکن حضورؐ نے خود یہ احتیاط ملحوظ رکھی کہ جب تک مدینہ کو براہِ راست کسی بیرونی جارحیت کا خطرہ درپیش نہ ہو انصار کو باہر کی مہموں پر نہیں

Marfat.com

بھیجا جائے گا۔ایسے دو دستے (سریّے) ہجرت کے بعد حج کے موسم سے پہلے بھیجے گئے۔

سریّہ سیف البحر

ابو جہل کی قیادت میں تین سو افراد پر مشتمل قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام سے واپس آرہا تھا۔اس قافلے کو روکنے کے لیے ہجرت کے پہلے سال ماہِ رمضان میں تیس مہاجرین حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب کی سربراہی میں روانہ کیے گئے۔دونوں گروہ آمنے سامنے آ گئے تھے لیکن قبل اس کے کہ نوبت تصادم تک پہنچتی دونوں اطراف کا ایک حلیف مجدی بن عمرو جہنی درمیان میں پڑ گیا۔اس طرح لڑائی تک بات پہنچنے سے پہلے معاملہ رفع دفع ہو گیا۔اس لڑائی کو رکوانے میں مجدی بن عمرو جہنی نے بطورِ حلیف جو مثبت کردار ادا کیا اس سے مسند احمد کی روایت جس کی طرف سطورِ بالا میں اشارہ کیا گیا ہے قوی محسوس ہوتی ہے۔

سریّہ خرّار

سریّہ خرار ہجرت کے نو ماہ بعد ذو القعدہ کے مہینے کا واقعہ ہے۔اس کی قیادت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی۔طبقات ابن سعد کی ایک روایت میں حضرت سعدؓ کی اپنی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا: 'سعد جاؤ، خرار پہنچو وہاں سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ گزرنے والا ہے۔' میں بیس اکیس مجاہدین کو لے کر نکلا۔ہم پیدل جا رہے تھے۔دن کو کہیں چھپ جاتے اور رات کو سفر کرتے تھے۔پانچویں روز صبح وہاں پہنچے تو پتہ چلا کہ قریش کا قافلہ یہاں سے آگے نکل گیا ہے۔اگر نبی اکرم ﷺ کی یہ ہدایت نہ ہوتی کہ ہم خرار سے آگے نہ جائیں تو امید تھی کہ ہم اس قافلے کو جا لیتے۔'

سریّہ رابغ

مؤرخین میں واقدی اور ابن سعد کے مطابق یہ دستہ ہجرت کے پہلے سال شوال کے مہینے میں بھیجا گیا تھا۔ساٹھ مجاہدین پر مشتمل اس دستے کی کمان حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔یہ مجاہدین ثنیۃ المرۃ تک پہنچے۔حجاز کے ایک کنویں کے قریب اس دستے کا مقابلہ مشرکین کی ایک بھاری نفری سے ہو گیا۔

Marfat.com

مشرک جتھہ ابوسفیان یا عکرمہ بن ابی جہل میں سے کسی کے ماتحت تھا۔ تیغ زنی اور دو بدو جنگ کی نوبت نہیں آئی تھی۔ فریقین ایک دوسرے پر تیر پھینکتے رہے۔ پہلا تیر حضرت سعدؓ نے پھینکا۔ ہجرت کے بعد جھڑپوں اور غزوات میں مشرکین و کفّار پر پھینکا گیا یہ پہلا تیر تھا۔ مشرکین نے مکّہ میں مقدادؓ بن عمرو اور عتبہؓ بن غزوان کو حبسِ بے جا میں رکھا ہوا تھا۔ وہ مشرکین کی جمعیت میں شامل ہو کر آ گئے تھے۔ موقع پا کر وہ مسلمانوں سے آ ملے۔ ابراہیم محمد العلی نے صحیح السّیرۃ النّبویۃ میں یہ واقعہ ابن ہشام، ابن کثیر اور ابن جریر کے حوالے سے لکھا ہے۔

غزوۂ بواط

یہ غزوہ سن 2 ہجری کے ربیع الاوّل کے مہینے میں پیش آیا۔ غزوہ اس جنگی مہم کو کہا جاتا ہے جس کی قیادت رسول اللہ ﷺ نے خود کی ہو یا آپؐ اس میں شریک ہوئے ہوں۔ سن 2 ہجری کے ربیع الاوّل کے مہینے میں اللہ کے نبیؐ نے قریش کے ایک بڑے تجارتی قافلے کو روکنے کا فیصلہ کیا۔ اُمیہ بن خلف کی سربراہی میں سفر کرنے والے اس تجارتی قافلے کا سامان اڑھائی ہزار اونٹوں پر لدا ہوا تھا۔ اس کی حفاظت کے لیے قریش نے ایک سو جوان مامور کر رکھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے دو سو صحابہؓ کے ہمراہ نکلے۔ آپؐ جہینیہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ 'بواط' تک گئے مگر یہ قافلہ بچ کر نکل گیا تھا۔ چنانچہ آپؐ واپس آ گئے۔ ❶

غزوۂ سفوان (بدرِ اولیٰ یا صغریٰ)

یہ غزوہ بھی اسی سال کے اسی مہینے یعنی ربیع الاول کا واقعہ ہے۔ قریش مکّہ جو مسلسل اشتعال انگیزی اور شر پسندی کر رہے تھے ان میں ایک بڑی حرکت یہ تھی کہ کُرز بن جابر فہری مدینہ کے قریب سے چرنے والے مسلمانوں کے مویشی ہانک کر لے گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ خود اس کے تعاقب میں نکلے۔ آپؐ وادیِ سفوان تک گئے جو میدانِ بدر کے قریب کا علاقہ ہے اسی لیے اس غزوہ کو غزوۂ بدر اولیٰ یا صغریٰ کا نام دیا گیا ہے۔ ❷

❶ طبقات ابن سعد، سیرت ابن ہشام، واقدی کے مغازی۔ ❷ طبقات ابن سعد، واقدی، ابن ہشام۔

Marfat.com

غزوۂ عُشَیرہ

اس غزوہ پر رسول پاک ﷺ اسی سال جمادی الاول میں نکلے تھے۔ قریش کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں شام جا رہا تھا۔ اطلاع ملنے پر نبی اکرم ﷺ اس کے تعاقب میں ینبع کے اطراف میں بنو مدلج تک گئے مگر قافلہ ہاتھ نہ آیا۔ اسی قافلے کی واپسی پر ابوسفیان نے اس پر حملے کے خطرے کی گھنٹی بجائی تھی اور ابوجہل ایک ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے بڑی دھوم دھام سے نکلا تھا جس کے نتیجے میں معرکۂ بدر پیش آیا تھا۔

اس مہم کا حاصل بنو مدلج اور اُن کے حلیف قبیلہ بنوضمرہ سے آپؐ کا معاہدہ تھا۔ ایسے معاہدے اسلامی ریاست کی امن پالیسی میں شامل تھے تاکہ اردگرد کے قبائل سے کشیدگی کی کوئی صورت رونما نہ ہو اور قریش کے ساتھ کوئی بڑا ٹکراؤ ہو جائے تو یہ قبیلے قریش کی حمایت نہ کریں۔ صحیح بخاری میں اس غزوہ کا بغیر کسی تفصیل کے تذکرہ ہوا ہے۔ سیرت کی کتابوں میں موجود تفصیلات ابن ہشام، ابن سعد اور واقدی ہی کی دی ہوئی ہیں۔

تحویلِ قبلہ

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾

(البقرۃ: 144)

'اے نبیؐ، یہ تمہارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں۔ لو، ہم اُسی قبلے کی طرف تمہیں پھیر دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو۔ مسجدِ حرام کی طرف منہ پھیر دو۔ اب جہاں کہیں تم ہو، اُسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو۔'

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں 'یہ ہے وہ اصل حکم جو تحویلِ قبلہ کے بارے میں دیا گیا تھا۔ یہ حکم رجب یا شعبان سن 2 ہجری میں نازل ہوا۔ نبی اکرم ﷺ ایک صحابی کے ہاں دعوت پر

Marfat.com

گئے ہوئے تھے، وہاں ظہر کا وقت آ گیا اور آپؐ لوگوں کو نماز پڑھانے کھڑے ہوئے۔ دو رکعتیں پڑھا چکے تھے کہ تیسری رکعت میں یکایک وحی کے ذریعے سے یہ آیت نازل ہوئی اور اُسی وقت آپؐ اور آپؐ کے اقتدا میں جماعت کے تمام لوگ بیت المقدس سے کعبے کے رُخ پھر گئے۔ اُس کے بعد اطرافِ مدینہ میں منادی کی گئی۔ اور یہ جو فرمایا کہ 'ہم تمہارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھ رہے ہیں' اور یہ کہ 'ہم اُسی قبلے کی طرف تمہیں پھیرے دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو'، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تحویلِ قبلہ کا حکم آنے سے پہلے نبی ﷺ اِس کے منتظر تھے۔ [1]

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ 'لوگ قُبا میں صبح کی نماز میں کھڑے تھے کہ کسی نے ندا بلند کی کہ رات رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی ہے جس میں حکم ہوا ہے کہ کعبہ کو قبلہ بنا لو۔ لوگوں نے فوراً کعبہ کی طرف منہ پھیر لیے۔ اِس (ندا) سے پہلے اُن کے منہ شام کی طرف تھے۔ اب وہ بالکل مڑ کر کعبہ کی سمت میں پھر گئے۔ [2] متعدد اور احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ کے جس حصے میں جس وقت یہ اطلاع پہنچی اسی وقت لوگوں نے عین نماز کی حالت میں اپنے رُخ کعبہ کی طرف کر لیے تھے۔

تحویلِ قبلہ بظاہر تو نماز کے لیے رُخ کی تبدیلی کا معمولی واقعہ تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اِس نے سیّد الابرار جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کی صورت میں جاری ہونے والی ہدایت کی تحریک کو ماہ و سال کے ہزاروں نیل و فرات سے گزار کر ہدایت کی اُس تحریک سے ہم آہنگ کر دیا تھا جو آپؐ کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے بابل کے شہر 'اُر' میں برپا کی اور اس کا سَیلِ رواں مصر سے ہوتا ہوا شام میں اُس مقام کی طرف بڑھا جسے دنیا آج فلسطین کے نام سے جانتی ہے۔ وہاں سے اُس نے ایک اور موڑ کاٹا اور خِطۂ حجاز کے اندر خشک پہاڑیوں کے دامن میں بے آب و گیاہ سرزمین۔ مکّہ مکرّمہ۔ میں آ کر ٹھہرا جو آج سارے عالمِ اسلام کا روحانی مرکز ہے۔ سیّد الانبیاء ﷺ مکّہ سے ہجرت کر کے جب مدینہ آئے

---

[1] تفہیم القرآن جلد اول۔ [2] مسلم۔

Marfat.com

تو مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ یہودی جسے اپنا قبلہ سمجھتے تھے وہ حقیقت میں وہ مسجدِ اقصیٰ نہیں جس کی تعمیر کے بارے میں ایک حدیث میں آیا ہے کہ مسجدِ الحرام کی تعمیر کے چالیس سال بعد خود حضرت ابراہیمؑ یا اُن کے چھوٹے بیٹے حضرت اسحاقؑ نے تعمیر کی تھی۔ یہودیوں کے ہاں تقدیس کا اصل حامل وہ ہیکل ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے 13 سو سال بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا اور جس کے بارے میں اُن کا عقیدہ ہے کہ وہ مسجدِ اقصیٰ کے نیچے ہے۔ آج بھی وہ ہیکل ان کے مذہبی تصور پر چھایا ہوا ہے اور وہ اس کا برملا اظہار کرتے ہیں: لَا اِسْرائیل بدُون قُدس وَ لَا قُدس بدُون الھیکل۔ تحویلِ قبلہ کا مطلب قبلۂ اوّل یعنی مسجدِ اقصیٰ کی عظمت کی نفی ہرگز نہیں تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اُن تین مقدس ترین مسجدوں میں سے ایک مسجد قرار دیا تھا جن کے سوا کسی اور جگہ کو دینی اعتبار سے متبرک و مقدّس جان کر اور نیکی سمجھ کر اس کے لیے زادِ سفر باندھنے سے منع کیا۔

دینی شعائر انسانوں کے نفسیاتی احساسات کے تابع نہیں بلکہ کائنات کے رَب کی حکمتوں اور منصوبوں سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ تحویلِ قبلہ کے وقت محمد عربی ﷺ کی قیادت میں اُمتِ وَسط شاہراہِ ہدایت پر گامزن ہو رہی تھی۔ اسلام کی روشنی میں ایک نئی تہذیب جنم لے رہی تھی۔ ایک نیا جہانِ اصلاح و تعمیر وجود میں آ رہا تھا۔ سیاست و ریاست اور معیشت و معاشرت کا ایک نیا نظام وضع ہو رہا تھا۔ تمدّن کی نئی عمارت کھڑی ہو رہی تھی۔ انسانیت کو ان عقائد اور ایمانیات کا سبق پڑھایا جا رہا تھا جن کی تبلیغ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک اللہ کے سارے نبیوں نے کی تھی مگر مدت سے ان کی اصل شکل گم ہو چکی تھی۔ یہود و نصاریٰ نے چونکہ اللہ کے رسولوں کی تعلیمات کو مسخ کر دیا تھا، اس لیے ضروری تھا کہ ان سے مشابہت کے تمام نقوش مٹا دیے جائیں۔ ہم احادیث میں یہ جو خَالِفُو الْیَھُودَ وَالْمُشْرِکِیْنَ کی تلقین بار بار دیکھتے ہیں، اس سے مراد یہ نہیں کہ یہودیوں کے ساتھ دشمنی اور عداوت مول لے لو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ انھوں نے اللہ کی کتاب، نبیوں کی سُنت اور دینی شعائر کو اپنی مرضی میں ڈھالنے کی مکروہ حرکت کی تھی اس لیے دینی معاملات

Marfat.com

میں ان کی مشابہت کی کوئی شکل باقی نہ رکھی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ﴾ (الحج : 67)

'ہر اُمت کے لیے ہم نے ایک طریقۂ عبادت مقرر کیا ہے جس کی وہ پیروی کرتی ہے، پس اے نبیؐ، وہ اِس معاملہ میں تم سے جھگڑا نہ کریں۔ تم اپنے رب کی طرف دعوت دو۔ یقیناً تم سیدھے راستے پر ہو۔'

مولانا مودودیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: 'اے نبیؐ، جس طرح پہلے انبیاء اپنے اپنے دَور کی اُمتوں کے لیے ایک طریقِ عبادت لائے تھے، اسی طرح اِس دور کی اُمت کے لیے تم ایک طریقِ عبادت لائے ہو۔ اب کسی کو تم سے نزاع کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، کیوں کہ اِس دَور کے لیے برحق طریقۂ عبادت یہی ہے۔'

جس طرح ہر دوسری مِلت کی جُدا شناختیں اور شعائر ہیں، مسلمانوں کو بھی اُن کی خاص شناختیں اور شعائر ملے ہیں۔ یہود کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ مکّہ میں کعبۃ اللہ حضرت ابراہیمؑ اور اُن کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ نے تعمیر کیا تھا اس کے باوجود ان کو اگر اس قبلہ کی پیروی کے لیے کہا جاتا تو وہ کبھی تیار نہ ہوتے۔ کیوں کہ وہ اپنی شناخت سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھے۔

﴿وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَّا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ﴾

'تم اِن اہلِ کتاب کے پاس خواہ کوئی نشانی لے آؤ، ممکن نہیں کہ یہ تمہارے قبلے کی پیروی کرنے لگیں۔'

اور جب یہ بات ہے تو پھر تمہیں بھی پورا حق حاصل ہے کہ تم اُن کے قبلہ کے بجائے اپنے قبلہ کی پیروی کرو۔

Marfat.com

﴿وَمَآ اَنتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ﴾ (البقرة:145)

"اور نہ تمہارے لیے یہ ممکن ہے کہ اُن کے قبلے کی پیروی کرو۔"

کعبۃ اللہ کو قبلہ ٹھہرانا رسول اکرم ﷺ کے دل کی شدید خواہش ضرور تھی۔ لیکن نبی کا ہر قدم اپنی خواہش کے نہیں بلکہ اللہ کی مرضی کے تابع ہوتا ہے۔ اس لیے آپؐ بڑی بے چینی سے اللہ کا فیصلہ نازل ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ انتظار اللہ کی طرف سے کسی ایسے اشارے کی وجہ ہی سے تھا کہ اُمتِ محمد ﷺ کے لیے کعبۃ اللہ ہی کو شناختی علامت اور شعائر اللہ میں سے ایک شعار کا درجہ دیا جائے گا۔ چنانچہ مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ اپنی شناختی علامت سے وابستہ ہو جائیں۔

Marfat.com

معرکہ بدر الکبریٰ

﴿وَ اِذْ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَیْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ یَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِیْنَ ۙ﴿۷﴾ لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَ یُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۚ﴿۸﴾ اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُرْدِفِیْنَ ﴿۹﴾ وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَ لِتَطْمَىِٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۱۰﴾ۧ اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ یُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ یُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَ لِیَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ یُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ؕ﴿۱۱﴾ اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ﴿۱۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾﴾ (الانفال : 7 تا 14)

'یاد کرو وہ موقع جب کہ اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک تمہیں مل جائے گا۔ تم چاہتے تھے کہ کمزور گروہ تمہیں ملے۔ مگر اللہ کا ارادہ تھا کہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تا کہ

Marfat.com

حق حق ہو کر رہے اور باطل باطل ہو کر رہ جائے خواہ مجرموں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔' اور وہ موقع جب کہ تم اپنے ربّ سے فریاد کر رہے تھے۔ جواب میں اُس نے فرمایا کہ میں تمہاری مدد کے لیے پے در پے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں۔ یہ بات اللہ نے تمہیں صرف اس لیے بتا دی کہ تمہیں خوش خبری ہو اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں، ورنہ مدد تو جب بھی ہوتی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ یقیناً اللہ زبردست اور دانا ہے۔' اور وہ وقت جب کہ اللہ اپنی طرف سے غنودگی کی شکل میں تم پر اطمینان و بے خوفی کی کیفیت طاری کر رہا تھا، اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی برسا رہا تھا تاکہ تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست دور کر دے اور تمہاری ہمت بندھائے اور اس کے ذریعے سے تمہارے قدم جما دے۔' اور وہ وقت جب کہ تمہارا ربّ فرشتوں کو اشارہ کر رہا تھا کہ 'میں تمہارے ساتھ ہوں، تم اہلِ ایمان کو ثابت قدم رکھو، میں ابھی اِن کافروں کے دل میں رعب ڈالے دیتا ہوں، پس تم ان کی گردنوں پر ضرب اور جوڑ جوڑ پر چوٹ لگاؤ۔' یہ اس لیے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مقابلہ کیا اور جو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرے اللہ اُس کے لیے نہایت سخت گیر ہے--- یہ ہے تم لوگوں کی سزا، اب اِس کا مزا چکھو، اور تمہیں معلوم ہو کہ حق کا انکار کرنے والوں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔'

قافلۂ ابوسفیان کی واپسی

مدینہ اس تجارتی شاہراہ کے ساتھ واقع ہے جس سے قریش، اردگرد کے دیگر عرب قبائل اور اہلِ یمن کے تجارتی قافلے شام کی طرف جاتے تھے۔ قریش کی ڈھائی لاکھ اشرفی کی سالانہ تجارت اس شاہراہ کے راستے شام سے ہوتی تھی۔ اُن کی حق دشمنی کا ایک سبب تو یہ تھا کہ جاہلی نظام میں کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے سارے عرب پر ان کو جو فوقیت حاصل تھی، اسلام غالب آ گیا تو اس فوقیت کا خاتمہ ہو جانا تھا۔ اس کے علاوہ اسلام کے غلبہ کو وہ

Marfat.com

اس زاویے سے بھی دیکھ رہے تھے کہ اس صورت میں ان کے معاشی مفادات خطرے میں پڑ جائیں گے۔ اسی لیے قریش نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو مدینہ میں امن و استقرار نصیب ہو۔ ہجرت کے بعد ان کی مسلمانوں کے ساتھ کشمکش نے جو ایک نئی شکل اختیار کر لی تھی اس کے پیچھے قریش کی یہی مخاصمانہ روش کارفرما تھی کہ مسلمان مدینہ میں امن اور سلامتی کے ساتھ زندگی نہ گزار سکیں۔ انہوں نے عبداللہ بن ابی کو دھمکی آمیز پیغام بھیجا تھا کہ 'تم لوگوں نے ہمارے آدمی (محمدؐ) کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ خدا کی قسم! یا تو تم خود اُس سے لڑو اور اُسے وہاں سے نکال دو، ایسا نہ ہوا تو ہم سب تم پر حملہ آور ہوں گے اور تمہارے مردوں کو قتل کریں گے اور تمہاری عورتوں کو لونڈیاں بنالیں گے۔' عبداللہ بن ابی پر اس دھمکی کا اثر ہوا اور وہ آمادۂ شر ہو گیا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کی حکمتِ عملی کے باعث وقتی طور پر وہ کسی بڑی شرارت سے باز آ گیا تھا۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عمرہ کے دوران میں ابوجہل نے جس دھمکی آمیز رویے کا مظاہرہ کیا تھا اس سے یہ واضح ہو گیا تھا کہ قریش مسلمانوں کو حج و عمرہ جیسی عبادات کی اجازت دینے کے بھی روادار نہیں ہیں۔ جواب میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کو صاف کہہ دیا تھا کہ اگر قریش کا طرزِ عمل یہی رہا تو پھر وہ یہ توقع نہ رکھیں کہ مدینہ کے پاس سے ان کے تجارتی قافلے صحیح سلامت گزر جایا کریں گے۔ چنانچہ قریش کے معاندانہ رویے کو دیکھتے ہوئے ضروری ہو گیا تھا کہ ان کی معاشی رگ پر پنجہ رکھا جائے۔ ہجرت کے دوسرے سال جمادی الاول کے مہینے کے اواخر میں (نومبر/دسمبر 623ء) نبی مکرم ﷺ ڈیڑھ دو سو مجاہدین کو ہمراہ لے کر قریش کے اُس قافلے کے تعاقب میں نکلے تھے جو تجارتی مال لے کر شام جا رہا تھا۔ اُس قافلے کی تلاش میں آپؐ ساحل کے ساتھ واقع ینبوع کے قریب ذوالعشیرہ تک گئے لیکن قافلہ بچ کر نکل چکا تھا۔ اب وہی قافلہ پچاس ہزار اشرفی کی مالیت کے سامانِ تجارت کے ساتھ واپس آ رہا تھا۔ بہت بڑے تجارتی سامان کے ساتھ لوٹنے والے اس قافلے کی حفاظت پر کل چالیس پچاس آدمی مامور تھے۔

Marfat.com

اس خطرے کے پیشِ نظر کہ قافلے پر مسلمان حملہ کر دیں گے ابوسفیان نے ضمضم بن عمرو غفاری کو دوڑایا کہ قریش کو اس خطرے سے آگاہ کرے۔ وہ مکّہ پہنچا۔ جیسے عرب میں خطرے کی گھنٹی بجائی جاتی تھی، اس نے اپنے اونٹ کی ناک چیری، پالان اُلٹا کیا، آگے پیچھے سے اپنی قمیص پھاڑی اور چیخنے لگا: 'اے قریش! اپنے مشک بردار قافلے کو بچانے کو نکلو، ابو سفیان تمہارا مال لے کر آ رہا ہے اور محمدؐ اور اس کے ساتھی اس پر حملہ آور ہو گئے ہیں۔ مجھے امید نہیں کہ تم قافلے کو پا سکو۔ مدد، مدد۔'

قریش تو گویا پہلے ہی کسی بہانے کی تلاش میں تھے۔ تیزی سے اٹھے اور قافلے کو بچانے کے لیے ایک لشکر تیار کر لیا۔ تیاری سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ تجارتی قافلے کی بحفاظت واپسی کے مقابلے میں اصل عزائم جنگ کے ہیں۔ قریش کا کوئی سردار پیچھے نہ رہا۔ صرف ابولہب نے اپنے ایک مقروض عاص بن ہشام کو چار ہزار درہم قرض کی معافی کا یقین دلا کر اپنی جگہ بھیج دیا۔ 1300 جنگجوؤں کے اس لشکر میں، جس کی قیادت مکّہ کا طاغوت ابو جہل کر رہا تھا، صرف بنو عدی شامل نہ ہوئے۔ بنو زہرہ کے سردار اخنس بن شریق نے اپنی اسلام دشمنی کے باوجود مدینہ پر چڑھائی کی اس مہم کو مناسب نہ سمجھا اور مکّہ سے روانہ ہونے کے بعد اپنے تین سو آدمی لے کر واپس چلا گیا۔ ابو جہل بار بار بنو ہاشم پر طعنہ زنی کر رہا تھا۔ اس پر غصے میں آ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھائی طالب بن ابو طالب واپس چلا گیا۔ باقی ایک ہزار مسلّح آدمیوں کو لے کر ابو جہل بڑے کرّ و فر کے ساتھ نکلا۔ قرآن پاک کی آیت میں اس کے کبر و رعونت کا نقشہ کھینچا گیا ہے:

﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴾ (الانفال: 47)

'اور تم اُن لوگوں کے رنگ ڈھنگ نہ اختیار کرو جو اپنے گھروں سے اِتراتے اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے نکلے اور جن کی روش یہ ہے کہ اللہ کے راستے

Marfat.com

سے روکتے ہیں، جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہے۔'

ابوسفیان کا نیا پیغام

ابوجہل اپنے لاؤ لشکر کو لے کر مکہ سے روانہ ہو چکا تھا۔ ادھر ابوسفیان بھی غافل نہیں تھا۔ مسلمانوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے وہ اپنے قافلے سے نکل کر 'بدر' نام کے کنویں کے پاس گیا۔ وہاں موجود ایک آدمی مجدی بن عمرو سے وہاں کسی غیر معمولی نقل و حرکت کے بارے میں پوچھا۔ اس آدمی نے اسے دو سواروں کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے ٹیلے کے پاس اپنے اونٹ بٹھائے اور کنویں سے پانی بھر کر واپس چلے گئے۔ ابوسفیان فوراً اس جگہ گیا جہاں اسے بتایا گیا تھا کہ ان دو آدمیوں نے اپنی اونٹ بٹھائے تھے۔ اونٹوں کی لید دیکھی۔ مینگنیاں اٹھا کر توڑیں تو ان میں اسے جس چارے کی نشانی ملی وہ عام طور پر مدینہ کے مویشیوں کا چارا تھا۔ سمجھ گیا کہ یہ سوار مدینہ ہی کے تھے اور اس کے قافلے کا حالات جاننے کے لیے ادھر آئے تھے۔ فوراً اپنے قافلے کے پاس پہنچا اور بدر کی بائیں جانب سے گزرنے والی عام شاہراہ کو چھوڑ کر مغرب کی طرف ساحل کے ساتھ کا راستہ پکڑ لیا۔ جب اسے محسوس ہوا کہ اب قافلہ خطرے سے دور نکل آیا ہے تو اس نے اپنا ایک اور ہرکارہ دوڑایا کہ قافلہ صحیح سلامت نکل آیا ہے، اس لیے واپس چلے جاؤ۔ یہ پیغام ابوجہل کو اس وقت ملا جب قریش کا لشکر جحفہ پہنچ چکا تھا۔ لیکن معاملہ یہ تھا کہ مکہ والوں کے لیے قافلے کو بچانا تو محض ایک بہانہ تھا۔ وہ مدینہ پر حملہ کا تہیہ کر چکے تھے۔ اس لیے بڑے کبر و رعونت سے کہا کہ محمد (ﷺ) کا ہم سے سامنا ہو گا تو اسے پتہ چل جائے گا کہ ہم ابن الحضرمی جیسے کمزور نہیں ہیں۔ اُن کا اشارہ عمرو بن الحضرمی پر اس حملے کی طرف تھا جو سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے طائف اور مکہ کے درمیان نخلہ میں عمرو بن الحضرمی کے قافلے پر کیا تھا۔ عمرو بن الحضرمی ایک تیر کا نشانہ بن کر ہلاک ہو گیا تھا۔

قافلہ یا لشکر؟ مشاورتی اجلاس

محبوبِ خدا ﷺ کی نگاہیں اصل میں تو اپنے رب کی نصرت کے وعدوں پر تھیں۔ اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کے بھروسے پر آپ ﷺ جو فیصلہ بھی کر دیتے بہت کم لوگوں سے توقع تھی کہ آپؐ کے فیصلہ سے اختلاف کرتے۔ باوجود اس کے کہ سورۃ الشوریٰ کی اڑتیسویں اور سورۂ آلِ عمران کی 159 ویں آیت کا وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ اور وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ میں بیان اصول شورائیت ابھی اِن لفظوں میں نازل نہیں ہوا تھا لیکن تحریکِ اسلامی کے اجتماعی امور میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کے ساتھ شورائیت کی برکت اور قوت سے حضورؐ ﷺ خوب آگاہ تھے۔ اس لیے اس اہم مرحلے پر اسی اصولِ شورائیت کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو اعتماد میں لینے کے لیے انہیں مشورے کے لیے طلب فرمایا۔ یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ قریش کے لشکر کے ساتھ جنگ کی صورت میں چشمِ فلک یہ منظر بھی دیکھنے والی تھی کہ مہاجرین ننگی تلواریں لے کر اپنے قریب ترین عزیزوں اور رشتہ داروں کے مقابلے میں کھڑے ہونے جا رہے تھے۔ یہ کوئی معمولی آزمائش نہیں تھی کہ بھائی بھائی سے، باپ بیٹے سے، بھتیجا چچا سے اور بھانجا ماموں سے لڑے۔ ایمان کی قوت ہی تھی جس کے بل پر اس جذباتی آزمائش میں ثابت قدم رہا جا سکتا تھا۔

مشاورتی اجلاس اور مہاجرین و انصار کی آراء

نبی پاک ﷺ نے اس مشاورتی اجلاس میں معاملہ کھول کر انصار اور مہاجرین کے سامنے رکھا۔ آپ ﷺ نے بتایا کہ ایک طرف ابوسفیان کی قیادت میں قریش کا بہت بڑا تجارتی قافلہ شام سے چلا آرہا ہے اور ادھر دوسری طرف قریش اپنی ساری عسکری قوت اکٹھی کر کے مدینہ پر پل پڑنے کے لیے بڑھے چلے آرہے ہیں۔ قافلے کو لوٹنے کی صورت میں جو مال ہاتھ آنا ہے اس سے مدینہ کی ٹھٹھرتی ہوئی معیشت اور انصار و مہاجرین کی معاشی حالت میں کچھ مثبت تبدیلی تو آ جائے گی لیکن اگر مدینہ کو قریش کی یلغار سے نہ بچایا گیا تو وہ قافلے سے چھینا ہوا مال بھی واپس لے جائیں گے اور اس بستی کے ساتھ وہ سلوک کریں گے جس کی دھمکی ابوجہل نے عبداللہ بن ابی کو دے رکھی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کا صاف منشا یہ تھا کہ قافلے پر حملے کے بجائے لشکرِ قریش کا مقابلہ کیا جائے۔

Marfat.com

کمزور ایمان کے مسلمانوں کا ایک گروہ میدانِ جنگ میں اترنے کے معاملے میں متذبذب تھا۔اس گروہ میں شامل لوگوں کو اپنی جانوں کی فکر لگی ہوئی تھی۔ یہ لوگ مشرکین کی فوج سے مڈبھیڑ کے بجائے تجارتی قافلے پر حملے کے بارے میں رائے ہموار دیکھنا چاہتے تھے۔

﴿وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝﴾

'......اور مومنوں کے ایک گروہ کو یہ (دشمن سے مقابلے کے لیے نکلنا) ناگوار تھا۔وہ اُس حق کے معاملہ میں تجھ سے جھگڑ رہے تھے درآنحالیکہ وہ صاف صاف نمایاں ہو چکا تھا۔اُن کا حال یہ تھا گویا وہ آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہانکے جارہے ہیں۔'

اس گروہ کو قافلے کو لوٹنا آسان اور مفید نظر آتا تھا اور قریش کے لشکر سے ٹکرانے میں اپنی جانیں جاتی دکھائی دیتی تھیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ﴾

'تم چاہتے تھے کہ کمزور گروہ تمہیں ملے۔'

عرب میں لُوٹ مار کا بازار تو ہمیشہ سے گرم چلا آرہا تھا لیکن یہ لُوٹ مار اس بات کی دلیل ہرگز نہیں تھی کہ لُوٹنے والے حق اور راستی پر ہیں۔اس سے قبل مسلمانوں کے جتنے دستے بھی بھیجے گئے تھے ان میں ہم نے دیکھا کہ دشمن کا مال کم ہی کبھی ہاتھ آیا تھا۔ہاں قریش کو ہراساں کر کے نفسیاتی ہزیمت سے دوچار کرنے میں کامیابی ہو جاتی تھی۔اب جو صورتِ حال سامنے آرہی تھی اس میں حق اور باطل کا فرق کُھل کر دنیا کے سامنے آنا تھا۔مکہ والوں نے جب لشکر کشی کی نیت کی تو کعبہ کا پردہ پکڑ پکڑ کر دعائیں کی تھیں "اے خدا جو حق پر ہے اسے قائم رکھ اور جو باطل پر ہے اسے مٹا دے۔" گویا ان کی نظر میں بھی اس معرکہ میں کامیابی ہی سے یہ ثابت ہونا تھا کہ مسلمانوں اور مشرکین میں کون سا فریق حق پر ہے۔

Marfat.com

﴿وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ﴾

'اور اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور باطل باطل ہو کر رہ جائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے خواہ مجرموں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔'

مہاجرین اور انصار کے نمائندوں کا صاف موقف

مشاورتی اجلاس میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے دوٹوک اور احسن تھی۔ ان دو جلیل القدر صحابہ کے بعد مہاجرین ہی میں سے حضرت مقدادؓ بن اسود اُٹھے اور کہا: 'یا رسول اللہ! جس طرف بھی آپ جائیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ کہنے والے نہیں ہیں کہ 'تم اور تمہارا خدا دونوں لڑیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں'۔ ہرگز نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ چلیے، آپ اور آپ کا خُدا دونوں لڑیں اور ہم آپ کے شانہ بشانہ لڑیں گے جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی گردش کر رہی ہے۔'

حضور ﷺ نے اپنا سوال دہرایا۔ یہ اشارہ تھا کہ انصار میں سے بھی کوئی بولے جو ان کی اجتماعی رائے کی نمائندگی ہو۔ حضرت سعد بن معاذؓ اٹھے اور کہا:

'شاید حضور کا روئے سخن ہماری طرف ہے۔' آپؐ نے اثبات میں جواب دیا تو وہ گویا ہوئے:

'ہم آپ پر ایمان لائے ہیں۔ جو کچھ آپ لائے ہیں ہم اس کی تصدیق کر چکے ہیں کہ وہ حق ہے۔ ہم نے آپ سے سمع و طاعت کی بیعت کر رکھی ہے۔ پس اے اللہ کے رسول! جو ارادہ آپ نے فرمایا ہے اس پر عمل کر گزریے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ ہمیں لے کر سمندر پر جا پہنچیں اور اس میں اتر جائیں تو ہم بھی آپ کے پیچھے اس میں کود پڑیں گے۔ ہمیں کل اگر آپ دشمن کے مقابلے میں لا کھڑا کریں گے تو ہم اس سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ ہم جنگ میں ثابت قدمی دکھائیں گے اور پوری جان نثاری سے لڑیں گے۔ امید ہے کہ اللہ ہم سے آپ کو وہ کچھ دکھائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ اللہ کا نام لے کر آپ نکل کھڑے ہوں۔'

Marfat.com

یہ تقریریں سن کر رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر بشاشت آ گئی اور فرمایا: "چلو خوش ہو جاؤ۔ میرے اللہ کا مجھ سے یہ وعدہ ہے کہ وہ دونوں میں سے ایک گروہ پر فتح دے گا۔" ❶

لشکر کی بے سروسامانی

رمضان کا مہینہ تھا۔ روزے فرض ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت و مشیت تھی کہ غزوۂ بدر کی رمضان کی خاص عبادتِ صیام سے اور صومِ رمضان سے تعلق رکھنے والی ایک مالی عبادت۔ صدقۂ فطر۔ سے بھی نسبت قائم ہو گئی تھی۔ یوں ایک خیر سے دوسرا خیر جڑتا گیا۔ رمضان المبارک کی ایک رات، لیلۃ القدر، جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس میں ہدایت کا سرچشمہ یعنی قرآن حکیم نازل ہوا تھا۔ غزوۂ بدر کا اِس ماہِ صبر و ایثار اور ماہِ نزولِ قرآن میں وقوع اپنے اندر بڑے گہرے روحانی معنی رکھتا ہے۔ نبی اکرمؐ 8 رمضان کو بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ کم و بیش تین سو تیرہ مجاہدین پر مشتمل یہ لشکر اپنے سے تین گنا بڑی اور وسائلِ جنگ کے لحاظ سے بہت طاقتور فوج کے مقابلے میں نکلا۔ اگرچہ کم عمر بچوں کا جوش دیدنی تھا لیکن حضورؐ نے انہیں اجازت نہ دی۔

صادق الایمان صحابہؓ میں سے آٹھ نفر بہ امر مجبوری یا رسول پاکؐ کی لگائی ہوئی کسی خاص ڈیوٹی کی وجہ سے لشکر میں شامل نہیں ہو سکے تھے۔ دُخترِ رسولؐ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا شدید بیمار تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی تیمارداری کی خاطر لشکر میں شامل ہونے سے روک دیا گیا تھا۔ حضرت ابو امامہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کو اپنی بیمار والدہ کی دیکھ بھال کے لیے گھر میں رہنے کی حضورؐ نے خود اجازت دی تھی۔ حضرت ابولبابہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم ﷺ نے مدینہ میں اپنے قائم مقام کی حیثیت سے چھوڑا تھا اور عاصم بن عدی العجلانی رضی اللہ عنہ کو قبا میں اسی نوعیت کی سرکاری ڈیوٹی پر رہنا پڑا تھا۔ طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما قریش کے قافلے کی تلاش میں دور نکل گئے تھے۔ حارث بن صمہ اور خوات بن جبیر اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم

❶ یہ روایت ابن اسحاق کی ہے جس کی تائید میں بخاری، نسائی اور احمد کے ہاں بھی روایات ہیں۔

Marfat.com

بیماری کی وجہ سے معذور تھے۔ ❶

تین سو تیرہ (313) یا کچھ اوپر مجاہدین کی تعداد میں 86 مہاجرین کے علاوہ 170 جان نثار قبیلۂ خزرج سے اور 61 اوس میں سے تھے۔ عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ 16 سال کے نوجوان تھے۔ یہ کوئی بہت کم عمری نہیں ہے لیکن رسول پاک ﷺ انہیں بھی واپس بھیج رہے تھے۔ ان کا جذبۂ جہاد اور اصرار ایسا متاثر کن تھا کہ انہیں اجازت مل گئی۔ راستے میں حرہ وبرہ کے پاس ایک مشرک نے مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہونے کی خواہش ظاہر کی لیکن آپ نے فرمایا: 'واپس چلے جاؤ، ہمیں کسی مشرک کے تعاون کی ضرورت نہیں ہے۔ شجرہ کے مقام پر وہ پھر حاضر خدمت ہوا اور اجازت طلب کی۔ ایسی حالت میں کہ جنگ میں ایک جنگجو کی تلوار بھی بڑی اہمیت رکھتی تھی، آپ نے اسے پھر وہی جواب دیا۔ آخر کار اس نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا اور مجاہدین کے لشکر کا حصہ بن گیا۔ ❷

جنگی بے سروسامانی کا عالم یہ تھا کہ فوج میں کل تین یا بعض روایات کے مطابق دو گھوڑے تھے اور ستر اونٹ تھے۔ ساٹھ مجاہدین کے پاس زرہیں تھیں۔ ایک ایک اونٹ پر تین تین مجاہد باری باری سوار ہو کر سفر کر رہے تھے۔

خُفیہ اطلاعات کی فراہمی

دشمن کی قوت اور نقل و حرکت کے بارے میں اطلاعات کا حصول جنگ کی حکمتِ عملی کا بڑا اہم حصہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایک طاقتور فوج خفیہ اطلاعات کے شعبے کی کمزوری کی وجہ سے بھاری نقصان اٹھا لیتی ہے اور عددی نفری اور اسلحہ کی قوت کے اعتبار سے کمتر فوج اپنی انٹیلی جنس کی مستعدی سے جنگ میں کامیابی حاصل کر لیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک بے مثل جنگی کمانڈر کی حیثیت سے حق و باطل کے اس اوّلین اور انتہائی فیصلہ کن معرکے کے لیے خفیہ اطلاعات کے شعبے کو بہت متحرک رکھا۔ ابن اسحاق کی جنگِ بدر کے بارے میں صحیح

❶ اِنّھا نبوۃ.

❷ السّیرۃ النّبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ بحوالہ صحیح مسلم.

Marfat.com

روایت میں آیا ہے کہ 'صفراء' کے مقام پر رسول اکرم ﷺ نے بسبس بن جُہنی اور عدی بن عمرو ابو زغبا جہنی کو ابوسفیان کے قافلے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ نبی پاکؐ بذاتِ خود بھی اس معاملے میں کوشش کر رہے تھے۔

حضور ﷺ اس علاقے سے واقف ایک بوڑھے آدمی کے پاس گئے۔ اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ کسی شک میں مبتلا نہ ہو جائے، صرف قریش کے لشکر کے بارے میں پوچھنے کے بجائے یہ دریافت کیا کہ 'محمد (ﷺ) اس وقت کہاں ہوں گے اور قریش کا لشکر کہاں ہوگا؟' اس نے کہا کہ 'محمدؐ فلاں دن مدینہ سے نکلے، اگر مجھے اطلاع دینے والے نے ٹھیک اطلاع دی ہے تو وہ اس وقت فلاں مقام پر ہوں گے۔ اور قریش فلاں دن مکّہ سے نکلے۔ اگر مجھے خبر دینے والے کی خبر درست ہے تو وہ اس وقت فلاں جگہ پر ہوں گی'۔ اس بوڑھے کی خبر کی صحت کا یہ حال تھا کہ اس وقت دونوں فریق ٹھیک اسی مقام تھے جہاں ان کا ہونا اس بوڑھے آدمی نے بتایا تھا۔

میدان بدر کے پاس پہنچ کر اسی روز شام کو نبی ﷺ نے حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہم کو دشمن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ کچھ اور صحابہؓ بھی اس گروہ میں شامل تھے۔ قریش کے دو غلام پانی لینے کے لیے بدر کے کنویں پر آئے ہوئے تھے۔ یہ حضرات انہیں ابوسفیان کے تجارتی قافلے کے آدمی سمجھ کر پکڑ لائے۔ (صحیح مسلم، مسند احمد) اُنہوں نے بتایا کہ وہ قریش کے لشکر کو پانی فراہم کرنے کی ڈیوٹی پر ہیں۔ لیکن یہ حضرات انہیں ابوسفیان کے تجارتی قافلے کے آدمی سمجھ کر سختی سے اس کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے تھے۔ آخر ڈر کے مارے انہوں نے کہہ دیا کہ وہ تجارتی قافلے کے ساتھ ہیں۔ حضورؐ اس وقت نماز میں مصروف تھے۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ 'جب یہ سچ بولتے ہیں تو تم انہیں مارتے ہو اور جب یہ جھوٹ کہتے ہیں تو تم انہیں چھوڑ دیتے ہو'۔ حضور ﷺ کے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ قریش کا لشکر اس سامنے والے ٹیلے کی پیچھے ہے۔ اس کی صحیح تعداد ان کو بھی نہیں معلوم تھی۔ رسول پاک ﷺ نے ان سے پوچھا

Marfat.com

کہ ہر روز لشکر کے راشن کے لیے کتنے اونٹ ذبح کیے جاتے ہیں؟' انہوں نے بتایا کہ کبھی نو اور کبھی دس۔ حضورؐ نے ٹھیک اندازہ لگا لیا کہ دشمن کی تعداد نو سو سے ہزار تک ہے۔ حضورؐ نے لشکر میں شامل قریشی سرداروں کے بارے میں پوچھا تو دونوں غلاموں نے ان سب کے نام بتا دیے۔ اس پر رسول کریم ﷺ ن فرمایا: مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہاری طرف پھینک دیے ہیں۔' پھر آپؐ نے ان سب کی قتل گاہوں کی نشاندہی فرما دی جہاں ان میں سے ہر سردار کو موت کے گھاٹ اترنا تھا' جنگ میں وہ سب ٹھیک انہی جگہوں پر مارے گئے جن کی حضورؐ نے نشاندہی فرمائی تھی۔ [1]

عناصر فطرت بھی آمادۂ نصرت

مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری نے 'اَصَحُّ السِّیَر' میں لکھا ہے کہ بدر میں قریش عقنقل نام کے ٹیلے کے پاس ٹھہرے تھے۔ اُس کے آگے نشیبی اور نرم مٹی والی زمین تھی۔ آگے ریت کا میدان تھا۔ اُس میدان میں کئی کنویں تھے۔ اُس میدان کے عُدوۃ الدُّنیا' یعنی دوسرے کنارے پر بلند اور ریتلی زمین تھی۔ وہاں جو کنواں تھا اس میں پانی زیادہ تھا اور ذائقے میں لطیف بھی تھا۔ یہاں ہر سال ایک بازار لگا کرتا تھا' قرآن پاک میں اس جگہ کا ذکر یوں آیا ہے:

﴿إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ﴾ (الانفال: 42)

'یاد کرو جب تُم وادی کے اِس جانب تھے اور وہ (قریش) دوسری جانب پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔'

مسلمانوں کا وادیِ بدر کے فراز یعنی اوپر والے حصے میں ریتلی زمین پر خیمہ زن ہونے اور مشرکین کا اور نشیب میں نرم مٹی والے حصے میں ڈیرے ڈالنے سے مسلمانوں کو ایک قدرتی تعاون حاصل ہو گیا تھا۔ ریت جم گئی جس پر قدم جم کر پڑتے تھے مگر مشرکین والے حصے میں دلدل بن گئی جہاں نقل و حرکت میں دشواری تھی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس رات

[1] صحیح مسلم.

Marfat.com

کو خوب بارش برسی۔ حضرت حباب بن المنذر رضی اللہ عنہ اس علاقے سے خوب واقف تھے۔ ان ہی کے مشورے پر بدر کے بلندی والے حصے پر جہاں لطیف ذائقہ کے پانی کا ایک اہم کنواں تھا، اپنے کیمپ لگا لیے تھے۔ حضرت حباب ؓ کے مشورہ سے مٹی جمع کر کے حوض سے بنا لیے اور پینے، نہانے دھونے اور وضو کے لیے کافی پانی جمع کر لیا۔ بارش نے مسلمانوں کے لیے ایک ایسی خوشگوار کیفیت پیدا کر دی جس سے ان کی حالتِ خوف اطمینان میں بدل گئی۔ بارش سے ریت دَب گئی اور ریتلی زمین پر چلنا آسان ہو گیا تھا۔ نشیب میں نرم مٹی کیچڑ میں بدل گئی اور جو کنویں مشرکین کے قبضے میں تھے، اوپر سے دلدلی پانی آ کر ان میں گرا تو ان کا پانی خراب ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اونگھ کی ایک ایسی حالت طاری کر دی گئی تھی جس سے جب وہ نکلے تو سکون و امن سے سرشار اور تازہ دم تھے۔ عناصر فطرت کا یہی تعاون تھا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَ لِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ⓫﴾

'اور وہ وقت جب کہ اللہ اپنی طرف سے غنودگی کی شکل میں تم پر اطمینان و بے خوفی کی کیفیت طاری کر رہا تھا، اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی برسا رہا تھا تا کہ تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست دور کرے اور تمہاری ہمت بندھائے اور اس ذریعے سے تمہارے قدم جما دے۔'

یوم الفرقان

غزوات اس کے بعد بھی ہوئے۔ غزوۂ اُحد میں ایک اجتہادی اور عملی غلطی اور جنگ حنین کے موقع پر اعتقادی سوچ میں لغزش کی وجہ سے مسلمانوں کو زک اٹھانی پڑی تھی۔ لیکن یومِ بدر...... یومُ الفرقان ...... فیصلے کا دن تھا۔ نہ اس دن اللہ کی نصرت میں کمی رہی تھی، نہ ا

Marfat.com

کے فرشتوں کو سونپی ہوئی ذمہ داریوں میں کسی کوتاہی کا امکان تھا اور نہ ہی اہلِ ایمان کے لیے اس دن کسی غلطی اور کوتاہی اور ادنیٰ سی لغزش کی کوئی گنجائش تھی۔ اس لیے کہ اسی جنگ کے نتیجہ سے اللہ تعالیٰ حق کا حق اور باطل کا باطل ہونا دنیا پر کھول کر رکھنے والا تھا۔ اسی دن یہ طے ہونا تھا کہ نورِ حق کی وہ چھوٹی سی کرن جو غارِ حرا سے پھوٹی تھی اسے آفتابِ عالم تاب بن کر جہان کو روشن کرنا ہے یا دنیا پر کفر و شرک کی ظلمتیں جو قرنوں سے چھائی ہوئی تھیں انہی کا دائمی راج رہنا ہے۔ ایک طرف انسان کے امکان کی آخری حد تک عقل و تدبیر اور جنگی فراست کی ایک ایک رمق کو بروئے کار لانا تھا اور دوسری طرف اپنے آپ کو ایمان اور توکل کی اس تصویر میں ڈھل کر پیش کرنا تھا جو اللہ تعالیٰ نے سورۃ انفال کی پہلی دو آیتوں میں کھینچی ہے۔ یہ سورۃ اگرچہ یوم الفرقان کے بعد اس پر ایک جامع تبصرہ کے طور پر نازل ہوئی تھی، لیکن اس میں اہلِ ایمان کے جن اوصاف کا ذکر ہے وہ اس غزوہ سے پہلے بھی مطلوب تھے اور قیامت تک ایمان والوں کی کامیابیوں کی کلید رہیں گے۔

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ ۪ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۝۱ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَ اِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِیۡمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّهِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ۝۲﴾

'......پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس کے تعلقات درست کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔ سچے اہلِ ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں۔'

یوں تو بندے کا اپنے آقا سے رابطہ کبھی ایک لمحہ کے لیے نہیں ٹوٹا تھا۔ کوئی ایسی مشکل گھڑی نہیں تھی جس میں بندے نے اپنے رب سے رجوع نہ کیا ہو۔ غزوۂ بدر کے بعد ہونے والے تمام غزوات میں بھی جناب رسالت مآب ﷺ نے اپنے اللہ سے فتح و نصرت کی دعائیں کی تھیں لیکن جس گریہ و زاری اور جس عجز و نیاز اور جیسی کثرت سے میدانِ جنگ میں

Marfat.com

اترنے کے بعد غزوۂ بدر میں گڑگڑا گڑگڑا کر حضورؐ نے رَب سے فریادیں کیں ان سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس غزوہ میں فتح کی تاریخِ اسلام میں کیا اہمیت ہے۔ میدانِ بدر میں ایک اونچائی پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تجویز پر آپؐ کے لیے جو چھپّر بنایا گیا تھا اس میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دونوں دعا و زاری میں مصروف رہے۔ جتنی افرادی قوت اور جس قدر مادّی اسباب میسر تھے وہ میدان میں اتار کر ساری رات آپؐ نے دعاؤں میں گزاری۔ اپنے آقا و مولا سے کبھی یوں عرض گزار ہوتے کہ: 'اے اللہ! (غلبۂ اسلام اور فتح و نصرت کا) جو وعدہ تو نے مجھ سے کر رکھا ہے اور (کامرانیوں کی جس) خوش خبری کی امید مجھے دے رکھی ہے اسے آج پورا فرما' کبھی یہ الفاظ زبان پر جاری ہو جاتے: اے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ مٹھی بھر جماعت مٹ گئی تو پھر اس زمین پر تیری کبھی عبادت نہیں ہو گی۔' [1]
کبھی عاجزانہ فریاد کرتے کہ: 'اے مالک: میں تجھے تیرا عہد اور وعدہ یاد دلاتا ہوں (جو تو نے مجھ سے کر رکھا ہے)۔ اگر تیری مشیت میں ہے کہ آج کے روز کے بعد تیری عبادت نہ کی جائے (تو دوسری بات ہے ورنہ میں تیرے وعدہ کے پورا ہونے کے لیے عرض گزار ہوں)۔' [2] یہ کیفیاتِ دعا دیکھ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کہنا پڑا کہ یا رسول اللہ! بس کیجیے۔ آپؐ نے اپنے رَب سے بہت الحاح و زاری کر لی ہے۔' اس پر آپ ﷺ زرہ پہن کر جوش و خروش سے چھپّر کے اندر سے نکلے۔ آپؐ کی زبان مبارک پر ''سَیُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَ یُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ'' (عنقریب دشمن جماعت شکست سے دو چار ہو گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے) کے کلمات تھے۔ اس غزوہ کی فتح کے تاریخ ساز اور فیصلہ کن موڑ ہونے کا اندازہ ہم اس بات سے بھی کر سکتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس جبریل امینؑ آئے اور سوال کیا: 'آپؐ کے خیال میں معرکۂ بدر کا کیا مقام ہے؟' آپ ﷺ نے فرمایا: '(اس میں حصہ لینے والے) سب مسلمانوں سے افضل ہیں (یا کوئی ایسا ہی لفظ ادا فرمایا)۔' [3]

---

[1] صحیح مسلم. [2] بخاری.
[3] بخاری.

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ ابتدا میں جس چھپّر کے سائے میں تھے وہاں سے جنگ کا منظر دیکھ رہے تھے اور ساتھ ہدایات بھی دے رہے تھے۔ لیکن ایسا نہیں تھا کہ تمام وقت حضورؐ اسی چھپّر میں بیٹھے رہے۔ آپؐ نے جنگ میں بڑے شجاعانہ انداز میں بھرپور حصہ لیا۔ صحیح مُسلم کی ایک روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہدایت فرمائی تھی کہ تم میں سے کوئی آگے نہ بڑھے جب تک میں اس کے آگے نہ ہوں۔ مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ 'مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جنگِ بدر کے روز رسول اللہ ﷺ دشمن کے سب سے زیادہ قریب رہے اس لیے ہم حضورؐ کی اوٹ لڑتے تھے۔ آپؐ نے ہم سے بڑھ کر جنگ کی اور زبردست بہادری کا مظاہرہ کیا۔' ابن کثیر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ نے جنگ میں پوری شرکت کی۔ ❶

دُوبدُو مقابلہ اور فتح مبین

عربوں کی یہ جنگی روایت تھی کہ ہجومِ عام کا رن پڑنے سے پہلے طرفین کے بہادر پہلوانوں یا گھڑسواروں کے درمیان انفرادی مقابلہ ہوتا تھا۔ مشرکین کی طرف سے ربیعہ کے بیٹے عتبہ اور شیبہ اور عتبہ کا بیٹا ولید سب سے پہلے سامنے آئے۔ مسلمانوں میں انصار کے نوجوان حارث، عفراء کے بیٹے عوف اور معوّذؓ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم مقابلے میں آئے۔ جب مشرکین کے سواروں کو پتہ چلا کہ یہ انصار میں سے ہیں تو انہوں نے پکار کر کہا: 'اے محمد! ہمارے مقابلے میں ہماری اپنی قوم کے لوگوں کو لاؤ۔' رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبید اللہ بن حارث، حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو مقابلے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ نے ابتدائی جھڑپوں ہی میں شیبہ اور ولید کا کام تمام کر دیا۔ عتبہ کے مقابلے میں حضرت عبید اللہؓ کا پاؤں شدید زخمی ہو گیا تھا۔ حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ ان کی مدد کو آئے اور عتبہ کو بھی واصل جہنم کر دیا۔ حضرت عبید اللہؓ کو دونوں اٹھا کر اپنے لشکر میں لے گئے۔ ❷

❶ السّیرةُ النّبویة فی ضوء المصادر الاصلیة.

❷ السّیرة النّبویة الصحیحة و الحیاة العسکریة.

Marfat.com

اس کے بعد دونوں فوجیں ایک دوسری پر ٹوٹ پڑیں۔ مشرکین اپنی کثرتِ تعداد اور سامانِ جنگ کے ساتھ میدان میں اترے تھے تو مسلمانوں کے پاس جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت کی قوت تھی۔ دشمن کو جاہلی عصبیت پر ناز تھا اور اہلِ ایمان کو اپنے نصب العین کی صداقت پر یقین تھا۔ حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ، حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ، حضرت ابو دجانہؓ، سب کو ایمان کی لذت ملنے کے بعد آج، اس دین و ایمان کے تحفظ کی خاطر جہاد کی لذت مل رہی تھی۔ ان کی تلواروں نے اپنی کاٹ میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔ ایک ایک تلوار نے کئی کئی شکار کیے۔ قریش کے سردار ایک ایک کر کے ٹھیک انہی جگہوں پر کٹ کر گرتے رہے، جن جگہوں کی رسول اللہ ﷺ نے نشاندہی کی تھی کہ یہ فلاں کی قتل گاہ ہے اور یہ فلاں کی۔ نظامِ جاہلیت وضلالت کی بقا اور اپنی خاندانی اور قبائلی عصبیت کی خاطر لڑنے والے ستر آدمی جن میں قریش کے تقریباً تمام بڑے سردار شامل تھے، کھیت رہے۔ ستر کو قیدی بنا لیا گیا۔ آٹھ انصار اور چھ مہاجرین سمیت 14 مسلمان شہید ہوئے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ

اب نبی پاک ﷺ کے ہاتھوں عین اسی طرح کا ایک معجزہ رونما ہوا جیسا اس وقت ہوا تھا جب مکہ میں مشرکین نے آپؐ کے گھر کا گھیراؤ کر رکھا تھا۔ آپؐ نے ایک مٹھی مٹی لے کر اچھالی تھی جو وہاں دشمن کے ہر آدمی کے سر پر پڑی تھی۔ میدانِ بدر میں آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ مجھے ایک مٹھی کنکریاں لا کر دو۔ یہ کنکریاں حضورؐ نے وَ شَاهَتِ الْوُجوه کہتے ہوئے دشمن کی طرف اچھال دیں اور اس کے ساتھ ہی آپؐ کے اشارے پر مسلمان یکبارگی کفار پر ٹوٹ پڑے۔ قریش کے لشکر کا کوئی آدمی ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں کوئی کنکری نہ پڑی ہو۔ یہ جو سورۃ انفال کی 17 ویں آیت میں ارشادِ باری ہے: ﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ 'اے نبیؐ، تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا'۔ یہ اسی طرف اشارہ ہے۔ [1]

[1] ابن اسحاق، طبرانی، ہیثمی

Marfat.com

بنو ہاشم کو نہ ماریں

گھمسان کا رن پڑا اور مسلمان دفاعِ دین کے اس پہلے معرکے میں شجاعت و بسالت کے بے مثال مظاہرے کر رہے تھے۔ بنو ہاشم کے لوگوں نے مکّہ کے اندر مسلمانوں کے ساتھ شعبِ ابی طالب میں محصوری کی مصیبت کاٹی تھی۔ آپؐ کے چچا عباس بن عبد المطلب بیعت عقبۂ ثانیہ میں انصار کے ساتھ ہونے والے مذاکرات کے وقت حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ بعض روایات میں ان کے در پردہ مسلمان ہونے کی خبر بھی ہے اور یہ کہ وہ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کو مکّہ والوں کی خبریں پہنچایا کرتے تھے۔ بنو ہاشم قریشی لشکر میں اپنی مرضی سے نہیں بلکہ مکّہ والوں کے سخت دباؤ کی وجہ سے شامل ہو گئے تھے۔ اسی لیے نبی پاک ﷺ نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے مجاہدین کو جو ہدایات دیں ان میں ایک یہ تھی کہ بنو ہاشم کو قتل نہ کرنا۔ ابو البختری ایک ہمدرد آدمی تھا۔ نبوت کے ساتویں سے دسویں سال تک جب مسلمان بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب سمیت شعبِ ابی طالب میں محصور تھے تو ابو البختری خفیہ طور پر ان لوگوں کو کھانے پینے کی چیزیں وہاں بھیجتا رہتا تھا۔ قریش کے سماجی مقاطعہ کے ظالمانہ فیصلے کو ختم کرانے میں بھی اس کا اہم کردار تھا۔ اسی لیے اسے قتل کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ مجاہدین نے اس کی جان بخشی کر دی تھی لیکن وہ گھوڑے پر اپنے پیچھے بیٹھے ہوئے اپنے ساتھی کو چھوڑنے پر تیار نہیں تھا اور حضورؐ کی طرف سے اس کے ردیف کو معاف کرنے کی کوئی ہدایت نہیں تھی اِس لیے وہ اپنے ساتھی سوار کو بچاتے ہوئے ہلاک ہو گیا تھا۔

اُمیّہ بن خلف کا انجام

امیّہ بن خلف مکّہ کے بڑے طاغوتوں اور اسلام کے انتہائی سفاک مخالفوں میں سے تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کے غلام تھے۔ اس نے ان پر ایسے ایسے روح فرسا مظالم توڑے تھے کہ آج بھی ان کی تفصیل پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ عام حالات میں یہ ممکن نہیں تھا کہ کوئی اس پر ترس کھاتا لیکن اس کی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے دوستی تھی۔ اس نے ان سے جان بچانے کی درخواست کی۔ وہ امیّہ اور اس کے لڑکے علی بن امیّہ کو کسی

Marfat.com

محفوظ مقام کی طرف لے جانا چاہتے تھے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اس پر نظر پڑ گئی۔انہوں نے چلا چلا کر انصار کو جمع کر لیا کہ یہ رأس الکفر امیہ بن خلف ہے۔اگر یہ بچ گیا تو میری نجات نہیں۔چنانچہ انہوں نے اس پر تلوار کے وار شروع کر دیے۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اس کو بچانے کی بہت کوشش کی۔اسے نیچے جھکا کر اس کے اوپر لیٹ گئے لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے پہلو سے اس کے پیٹ میں تلوار گھونپ دی اور وہ اپنے انجامِ بد کو پہنچ گیا۔

فرعون ھٰذہ اُمۃ۔ابو جہل

ہر نبی کی دعوت کو جھٹلانے والوں میں کوئی نہ کوئی ایسا بدبخت ضرور ہوتا تھا جو اپنی حد سے بڑھی ہوئی خباثت و شرارت اور حق دشمنی کی وجہ سے فرعون کے مماثل قرار پاتا تھا۔اُمتِ مسلمہ کے خلاف ابو جہل نے یہ فرعونی کردار ادا کیا۔یہ اپنی قوم کے جاہلی معیارات کے مطابق بڑا دانا اور حکیم تھا، اسی لیے اسے ابو الحکم کا لقب ملا ہوا تھا لیکن حق شناسی کے معاملے میں اس سے بڑھ کر کوئی جاہل نہ تھا۔اسی لیے اسلام کے معیارات کے مطابق یہ ابو جہل قرار پایا۔رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں یہ اندھا ہو گیا تھا۔اس کے احاطۂ فکر میں رحمۃ للعالمین ﷺ اور مسلمانوں پر ڈھانے کے لیے ظلم و ستم اور پہنچانے کے لیے ایذا و آزار کی جو تدبیر بھی آتی اس پر اس پر بڑی بے رحمی کے ساتھ عمل کرتا تھا۔ابوسفیان کا تجارتی قافلہ جب مدینہ کے حدود سے سلامت نکل گیا تو اس نے اسے پیغام بھیجا تھا کہ اپنے لشکر کو واپس لے جاؤ لیکن اس کی نخوت و رعونت اس جوش پر تھی کہ یہ اعلان کر رہا تھا کہ اس کا لشکر بدر کے میدان میں اترے گا۔مسلمانوں کو (نعوذ باللہ) تہس نہس کرے گا۔کئی دن وہاں ٹھہر کر شراب نوشی اور لونڈیوں کے گانے بجانے سے لطف اندوز ہو گا۔اس طرح سارے عربوں پر اس کی دھاک بیٹھ جائے گی۔

عفراء رضی اللہ عنہا کے دو بیٹے، معاذ رضی اللہ عنہ اور معوذ رضی اللہ عنہ، اس پر حملہ آور ہوئے۔دونوں بھائی اچھل اچھل کر اس پر حملہ کرتے رہے یہاں تک کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔اس طاغوتِ مکہ کو ٹھکانے لگا کر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر اپنی یہ شاندار مجاہدانہ

Marfat.com

کارگزاری بیان کی۔حضورؐ نے ان کی تلواروں پر لگا ہوا خون دیکھا اور فرمایا 'سچ کہتے ہو، تم دونوں نے اسے قتل کیا۔' [1] ابن اسحاق نے معاذ بن عمرو بن جموع رضی اللہ عنہما کی اپنی زبانی یہ تفصیل لکھی ہے۔اس کے مطابق ابوجہل کو واصلِ جہنم کرنے کی کوشش میں وہ اس پر تابڑتوڑ حملے کر رہے تھے کہ اس دوران میں اس کا بیٹا عکرمہ وہاں پہنچ گیا۔اس نے پیچھے سے آ کر معاذؓ کے کندھے پر تلوار ماری۔ان ہاتھ کٹ گیا، بس ذرا سی کھال لٹکی رہی۔انہوں نے اپنے کندھے کے زور سے اپنے ہاتھ کو توڑ پھینکا۔وہ دن ابوجہل زخمی حالت میں پڑا رہا۔یہ پھر آئے تو اتنے میں معاذ بن عفراء بھی وہاں پہنچ گئے۔انہوں نے بھی اس پر وار کیے اور وہ حرکت کے قابل نہ رہا۔پھر معوذؓ بن عفراء بھی وہاں آ گئے۔وہ وہیں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے ابوجہل کا سامان معاذ بن عمر بن جموحؓ کو دیا اس سے قیاس یہی ہے حضور کی نظر میں ابوجہل کو مارنے کا اصل کارنامہ معاذ بن عمر بن جموحؓ کا تھا۔لکھا ہے کہ ابوجہل کا قتل عمرو بن جموحؓ کے بیٹے کا کارنامہ تھا۔جنگ کے بعد رسول اللہ ﷺ خاص طور پر اس کے انجام کے بارے میں جاننا چاہتے تھے۔آپؐ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مقتولین کی لاشوں میں ابوجہل کو تلاش کریں۔وہ گئے اور دیکھا کہ یہ بد بخت آخری سانسیں لے رہا تھا۔وہ اس کا سر کاٹ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے۔اسے دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَخْزَاكَ یَا عَدُوَّ اللّٰہِ."

'اے اللہ کے دشمن! شکر اس اللہ کا جس نے تجھے ذلت کے انجام تک پہنچایا'۔

مشرکین کی لاشیں کیسے ٹھکانے لگیں؟

صحیح بخاری اور صحیح مسلم، نیز مسند احمد اور ابن اسحاق کی روایات کے مطابق مقتولینِ قریش میں سے چوبیس مقتولوں کی لاشیں بدر کے کنوؤں میں سے ایک ویران اندھے کنویں میں پھینک دی گئی تھیں۔رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جس علاقے میں کسی دشمن پر فتح

[1] صحیح بخاری۔

Marfat.com

ہوتی وہاں تین دن قیام کرتے تھے۔ بدر میں تیسرے روز آپؐ نے سواری تیار کرنے کا حکم دیا۔ آپؐ اس کنویں کے پاس آئے اور جن کی لاشیں وہاں پھینکی گئی تھیں ان کے پورے نسب کے ساتھ نام لے کر پکارنے لگے۔

'اے فلاں ابن فلاں! کیا اب تمہیں یہ بات بھلی لگتی ہے کہ کاش تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کر لیتے؟ ہم نے تو اپنے رب کا وعدہ برحق اور سچ پایا، تم بتاؤ کہ کیا تم نے بھی اپنے رب کا وعدہ اپنے بارے میں سچ پایا ہے؟'

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: 'یا رسول اللہ! آپؐ ان لاشوں سے باتیں کر رہے ہیں جن کی جان کب کی نکل چکی ہے؟' آپ ﷺ نے فرمایا: قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میری باتوں کو جس طرح یہ سن رہے ہے، اس طرح تم نہیں سن رہے۔'[1]

مالِ غنیمت کا معاملہ

مسلمانوں کی یہ پہلی جنگ تھی۔ صلح و جنگ اور ان سے متعلق دیگر امور کے بارے میں اسلامی قوانین ابھی وضع نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے مجاہدین نے عرب کے پرانے قاعدے کے مطابق یہ سمجھا کہ میدانِ جنگ میں جس سپاہی کے ہاتھ میں دشمن کے چھوڑے ہوئے مال سے جو کچھ لگے وہ اسی کا ہے۔ مسلمانوں کا ایک گروہ فرار ہوتے ہوئے دشمن کے تعاقب میں دور تک گیا تھا۔ اب جنہوں نے پیچھے سارا مالِ غنیمت سمیٹ لیا تھا اور جو اس سے محروم رہے تھے ان میں ایک نزاع کی صورت پیدا ہو گئی۔ سب اس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ سے جاننا چاہتے تھے کہ یہ کس کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال کی ابتدائی آیت میں اس کے بارے میں صاف فیصلہ دیا اور یہ اس طرح کے مال کے ضمن میں ایک مستقل اسلامی قانون قرار پایا کہ یہ مال اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔

﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾

"تم سے اَنفال کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہو، یہ انفال تو اللہ اور اُس کے رسول کے ہیں۔"

---

[1] بخاری.

Marfat.com

اس کے بعد اسی سورۃ کی اکتالیسویں آیت میں بتادیا گیا کہ:

﴿وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾﴾

'اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مالِ غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اُس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اُس چیز پر جو فیصلے کے روز، یعنی دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ کے دن ہم نے اپنے بندے پر نازل کی تھی (تو یہ حصہ بخوشی ادا کرو) اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'

اس کے بعد نبی پاک ﷺ نے اسی وقت یا واپسی کے دوارن 'صفراء' کے مقام پر یہ مال تقسیم کیا۔ جس جس کا جتنا حصہ تھا اس کے مطابق یا برابر برابر مالِ غنیمت دیا گیا۔ [41] امام بخاری کی روایت کے مطابق مالِ غنیمت میں سے ان آٹھ یا نو مسلمانوں کا حصہ بھی نکالا گیا جو جائز وجوہ سے لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ وہ کون صحابہؓ تھے اور کس وجہ سے وہ شریکِ جنگ نہیں ہو سکے تھے۔

قیدی اور فدیہ

کتبِ سیرت میں متداول روایات کے مطابق جنگِ بدر میں جن لوگوں کو قیدی بنایا گیا تھا ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی رائے لی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فدیہ لے کر چھوڑنے کی رائے دی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا موقف تھا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے۔ بلاشبہ تمام صحابہؓ کرام کی فقہی بصیرت یکساں نہیں تھی۔ ہم کئی مقامات پر

---

[41] احمد، الفتح الربانی۔

Marfat.com

دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے میں سختی ہوتی تھی، اس کے باوجود بعض معاملات میں وحی نے ان کی تائید کی۔ یہ کوئی شخصی اختلاف نہیں ہوتا تھا۔ فہم اور اجتہاد کا یہ فرق فطری بات ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جتنے نرم دل تھے اسی قدر دور رس نتائج پر نگاہ رکھنے میں اپنا ایک امتیاز رکھتے تھے۔ ایسی کوئی رائے انہوں نے دی تو کچھ حکمتوں کو ملحوظ رکھ کر ہی دی ہو گی۔ لیکن کیا اس معاملے میں پہلے کوئی قرآنی ہدایت موجود نہیں تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے نظر انداز کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل کا فیصلہ کیا تو اسی سورۃ الانفال کی 67 ویں آیت میں اللہ کی طرف سے عتاب نازل ہو گیا کہ:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٧﴾﴾

'کسی نبی کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے۔ تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو، حالانکہ اللہ کے پیشِ نظر آخرت ہے، اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔'

سورۃ الانفال سے پہلے سورۃ محمد کی چوتھی آیت میں اس بارے میں یہ واضح ہدایت آچکی تھی:

﴿فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ﴾

'پس جب اِن کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو تو پہلا کام گردنیں مارنا ہے، یہاں تک کہ جب تم ان کو اچھی طرح کچل دو تب قیدیوں کو مضبوط باندھو، اِس کے بعد (تمہیں اختیار ہے) احسان کرو یا فدیے کا معاملہ کر لو، تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔'

جنگِ بدر میں دشمن کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر کو قیدی بنایا گیا۔ کم و بیش ساڑھے

Marfat.com

آٹھ سو کی تعداد میں دشمن جانیں بچا کر ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ ضروری تھا کہ اس کا تعاقب کر کے جس قدر ممکن ہوتا اس کی طاقت کو کچلا جاتا لیکن مجاہدین کی اکثریت مالِ غنیمت جمع کرنے میں لگ گئی اور بہت کم لوگ دشمن کے تعاقب میں دور تک گئے۔ جن ستّر افراد کو فدیہ کے عوض چھوڑا گیا ان میں سے اکثر اگلے سال غزوۂ اُحد میں پھر مسلمانوں کے مقابل آ گئے اور کم وبیش اتنی ہی تعداد میں مسلمانوں کے جانی نقصان کا موجب بنے تھے۔

مولانا مودودیؒ نے سورۃ الانفال کی عتاب والی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عتاب رسول اللہ ﷺ پر نہیں بلکہ ان مسلمانوں پر ہے جو دشمن کے تعاقب کے بجائے مالِ غنیمت میں الجھ گئے تھے۔ 'احکام القرآن' میں ابوبکر الجصّاصؒ کی رائے بھی مولانا مودودیؒ کی تائید کرتی ہے۔ پھر سیرتِ ابن ہشام کی ایک روایت بھی اسی موقف کو تقویت دیتی ہے۔ اس روایت کے مطابق جب مجاہدین مالِ غنیمت لُوٹنے اور کفّار کو پکڑ پکڑ کر باندھنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر سخت ناگواری کے آثار دیکھے۔ حضورؐ نے اس ناگواری کا سبب پوچھا تو انہوں نے عرض کی: 'یا رسول اللہ! یہ پہلا معرکہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ شرک کو شکست دلوائی ہے۔ اِس موقع پر انہیں قیدی بنا کر جانیں بچا لینے کا موقع دینے کے بجائے زیادہ بہتر یہ تھا کہ ان کو خوب کچلا جاتا۔'[1]

2 ہجری کے کچھ اور واقعات

رُقیہ بنت رسول ﷺ کی وفات

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی فتح اور مشرکین مکّہ کی ذلت آمیز شکست کی خبر لے کر مدینہ میں پہنچے تو ادھر لوگ سیّدہ رُقیہ رضی اللہ عنہا کو دفن کر کے لوٹ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کی تیمارداری کے لیے ان کے شوہر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں رہنے کی تاکید کی تھی

[1] تفہیم القرآن جلد دوم۔

Marfat.com

تاکہ بیماری کے دوران میں ان کی مناسب دیکھ بھال ہو سکے۔ ❶

بنت رسول ﷺ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی شادی

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد جب رسول مقبول ﷺ اپنے گھر منتقل ہوئے تو اپنے مہربان چچا حضرت ابو طالب کا معاشی بوجھ ہلکا کرنے کے خیال سے کم عمر علیؓ کو اپنے ساتھ رکھ لیا۔ حضورؐ نے انہیں گھر کے فرد ہی کی حیثیت سے بڑی محبت اور شفقت سے رکھا۔ وہ آپ ﷺ کے گھر کے سب افراد کے مزاج سے خوب واقف تھے۔ ہجرت کے دوسرے سال تک ان کی عمر اکیس بائیس سال ہوگئی تھی۔ ان کے دل میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی رفیقۂ حیات بنانے کی خواہش موجود تھی۔ طبقات ابن سعد اور مُسند احمد کی روایت کے مطابق بعض اکابر صحابہؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ ترغیب دی تھی کہ وہ اس سلسلے میں پیغام رسول پاک ﷺ کو بھیجیں لیکن کچھ ان کی مالی حالت آڑے آ رہی تھی اور کچھ طبعی حیا مانع تھی۔ آخر کسی طرح اپنی خواہش کا اظہار کر ہی دیا۔ حضور ﷺ کے دل میں بھی اس مبارک جوڑے کے قیام کا خیال تھا اس لیے بغیر کسی لمبی بحث کے صرف اتنا فرمایا کہ 'میں نے تمہیں ایک حُطمی زرہ دی تھی وہ کہاں ہے؟'

حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ 'وہ میرے پاس محفوظ ہے۔'

آپ ﷺ نے فرمایا: 'وہی زرہ فاطمہ کے مہر میں دے دو۔'

یوں یہ مبارک نکاح ہوا جس سے رسول اللہ ﷺ کی آل اولاد چلی۔ طالب الہاشمیؒ نے مولانا ابو الحسن علی ندویؒ کی 'المرتضیٰ' کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ سے مالی تعاون کے طور پر اور حضرت فاطمہؓ سے شادی کے لیے ضروری سامان خریدنے کے لیے مالی مدد دی تھی۔ طالب الہاشمیؒ ہی نے حُطمی زرہ کے بارے میں 'تاریخ الخمیس' اور 'مدارج النبوۃ' کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علیؓ وہ زرہ چار سو اسّی درہم میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ بیچ چکے تھے۔ انہوں نے اس موقع پر اس کی قیمت ادا کر دی

❶ صحيح السّيرة النّبوية.

Marfat.com

تھی۔ پھر از راہِ شفقت وہ زرہ انہیں مفت واپس کر دی تھی۔ [1]

اپنی بیٹی کی ضرورت کے پیشِ نظر حضور ﷺ نے ایک مشکیزہ، چمڑے کا ایک تکیہ یا گدا، دو چکیاں، ایک پلنگ اور سیاہ چادر، ایک جائے نماز اور دو بازو بند دیے تھے۔ یہ چیزیں اس جہیز کے نام پر نہیں دی گئی تھیں کہ ان کو ایک ظالمانہ رسم کی بنیاد بنا کر والدین کے لیے بیٹیوں کی شادیاں دشوار بنادی جاتی ہیں۔

پہلی عید الفطر اور عید الاضحیٰ

غزوۂ بدر 17 رمضان کو ہوا۔ تین دن بدر کے میدان میں رہنے کے بعد رسول پاکؐ 21 یا 22 رمضان المبارک کو واپس مدینہ پہنچے۔ تقریباً ایک ہفتہ بعد مسلمانوں کی تاریخ میں عید الفطر کا پہلا تہوار آیا۔ ہر قوم کا کوئی نہ کوئی تہوار ہوتا ہے جو کسی تاریخی واقعہ یا شخصیت سے منسوب ہوتا ہے۔ اسلام میں عیدین کے دونوں تہوار ایمان وعقیدہ اور عبادت سے وابستہ ہیں۔ رمضان کے ایک ماہ کے روزے رکھ کر اہلِ ایمان تشکر اور تکبیر کے طور پر یکم شوال کو عید الفطر مناتے ہیں۔ اسی طرح 9 ذی الحجہ کو حج کے مناسکِ عبادت پورے کر کے اگلے روز عید الاضحیٰ مناتے ہیں۔ ان دونوں تہواروں کا یہ پہلا سال تھا۔ عید الفطر کی نماز سے قبل صدقۂ فطر کی مالی عبادت اور عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد قربانی کی مالی عبادت ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر واجب ولازم ہے۔

---

[1] سیرتِ طیبہ رحمت دارین ﷺ۔

Marfat.com

غزوہ بنو قینقاع

﴿قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ۝ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰیَةٌ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰى كَافِرَةٌ یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ ؕ وَ اللّٰهُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ۝﴾

(آل عمران : 12، 13)

''پس اے نبیؐ، جن لوگوں نے تمہاری دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے، اُن سے کہہ دو کہ قریب ہے وہ وقت جب تم مغلوب ہو جاؤ گے اور جہنم کی طرف دھکیلے جاؤ گے اور جہنم بڑا ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ تمہارے لیے اُن دو گروہوں میں نشانِ عبرت ہے جو (بدر میں) ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے۔ ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافر تھا۔ دیکھنے والے بچشمِ سر دیکھ رہے تھے کہ کافر گروہ مومن گروہ سے دو چند ہے۔ مگر (نتیجے نے ثابت کر دیا کہ) اللہ اپنی فتح نصرت سے جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے۔ دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لیے اس میں بڑا سبق پوشیدہ ہے۔''

مفسرین کے ہاں تو اس کا ذکر کم نظر آتا ہے کہ سورۃ آلِ عمران کی درج بالا بارھویں تیرھویں آیت میں 'جن لوگوں نے تمہاری دعوت سے انکار کیا ہے اُن سے کہہ دیجیے' سے مراد بنو قینقاع ہیں، تاہم حدیث اور سیرت کی کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ 'بتا دیجیے' کا انتباہ یہودیوں کے اسی قبیلہ کے لیے تھا۔ امام ابو داؤد کی ایک روایت جسے ابن حجرؒ اور ذہبیؒ نے

Marfat.com

حسن کا درجہ دیا ہے اس میں یہی بتایا گیا ہے۔

واقعۂ بدر کا نتیجہ ایسی نشانی بن کر سامنے آیا تھا جس نے یہ حقیقت دن کی روشنی سے بھی زیادہ نمایاں کر کے رکھ دی تھی کہ مسلمان جس دِین پر ہیں وہی دِینِ حق ہے۔ مکہ والے مدینہ کی طرف روانہ ہونے کے وقت خود اس معرکہ میں فتح ہی کو حق کا پیمانہ قرار دے کر چلے تھے۔ انہوں نے کعبہ کے پردے پکڑ کر خُدا سے یہ دعائیں کی تھیں کہ فریقین میں سے جو حق پر ہے اُسے فتح و کامرانی عطا کردے۔ اب جب مسلمان فتح یاب ہو گئے تھے تو مشرکین کو اپنے برسرِ باطل ہونے کا اعتراف کر لینا چاہیے تھا لیکن ان کی جہالت کے پردے اتنے دبیز تھے کہ اُن سے چھن کر حقیقت اُن کے شعور اور فہم تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

یہودی حسد و حقد

جہاں تک یہودیوں کا تعلق ہے تو اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ کی وحدانیت، اِس قُرآن اور اِس کی تعلیمات کی حقانیت اور قُران کو دنیا کے سامنے پیش کرنے والے نبیؐ کی صداقت کو وہ ٹھیک اُسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنی اولادوں کے چہروں کو پہچانتے ہیں لیکن حق دشمنی کی پرانی روش اعترافِ حقیقت میں آڑے آ گئی تھی۔ مولانا امین احسن اِصلاحیؒ نے تدبّرِ قُرآن میں لکھا ہے کہ بدر کی لڑائی میں اور طالوت کے اپنے مٹھی بھر اہلِ ایمان ساتھیوں کو لے کر جالوت سے مقابلہ کے لیے نکلنے کے عمل میں بڑی گہری مماثلت تھی۔ عین اسی طرح جیسے طالوت ایک فِئَۃٍ قَلِیۡلَۃٍ لے کر فِئَۃً کَثِیۡرَۃً کے مقابلے میں گیا تھا اور فتح پائی تھی، اللہ کے آخری نبی ﷺ نے بھی 313 مجاہدین کی مختصر سی فوج کے ساتھ اپنے سے تین گنا بڑے قریشی لشکر کو ذِلت آمیز شکست سے دوچار کر دیا تھا۔ طالوت کے ساتھی جس طرح اللہ سے اپنی فتح و کامرانی کے لیے دعائیں کر رہے تھے، بالکل اسی طرح محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ بھی اپنے رَب کے آگے فتح کے لیے دعائیں کر رہے تھے۔ طالوت نے نہر پر سے گزرتے ہوئے جس طرح اپنے لشکر پر پابندی لگا دی تھی کوئی چلّو بھر سے زیادہ پانی نہ پیے، اسی طرح مسلمانوں کے لیے اللہ کی طرف سے رمضان کے روزے فرض کر دیے گئے

Marfat.com

تھے۔ یہودیوں سے تابوتِ سکینہ چھن گیا تھا اور مسلمانوں پر کفار نے بیت الحرام کی زیارت اور طواف کے راستے بند کر دیے تھے۔ اِس مماثلت سے ان پر محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت کی سچائی کھل گئی تھی لیکن ایسی نشانیاں دیکھ ان کے کے دلوں میں حسد و حقد کی آگ اور بھڑک اٹھتی تھی۔

بنی قینقاع کا معاملہ

عرب میں اپنی قدامت کے غیر ثابت شدہ یہودی دعووں سے قطع نظر حقیقت یہ ہے کہ 132 عیسوی میں جب رومیوں نے فلسطین میں یہودیوں کا قتلِ عام کیا تو وہاں سے بھاگ کر کچھ قبائل نے حجاز میں آ کر پناہ لی تھی۔عرب بدوی اور خانہ بدوش زندگی گزار رہے تھے۔یہودیوں نے آ کر شمالی حجاز میں ان علاقوں پر قبضہ جما لیا تھا جو سرسبز اور شاداب تھے اور جہاں وافر پانی کے لیے چشمے موجود تھے۔ جزیرۃُ العرب کے شمالی علاقوں میں اَیلا، مقنا، تبوک، تیماء، وادی القریٰ، فدک اور خیبر میں ان کی خوش حال اور مضبوط آبادیاں تھیں۔ مدینہ کے اندر اور اطراف میں یہودی قبیلوں، بنونضیر، بنوقُریظہ اور بنوقینقاع کی گڑھیاں قائم تھیں۔مکر وغدر اور دغا بازی ان کی فطرت میں داخل تھی۔انہیں نبی آخرُ الزّماں ﷺ سے عناد ومخاصمت کے اظہار کا جب کوئی موقع ملا انہوں نے اس میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔ ہر وقت مسلم معاشرے کے امن و استحکام میں دراڑیں ڈالنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ اوس اور خزرج کی پرانی دشمنیوں کے قصے چھیڑ چھیڑ کر ان کو باہم لڑانے کی گھناؤنی سازشیں کرتے رہتے تھے۔

عرب تو پانچویں صدی کے وسط میں یمن کے 'سَیْلَ الْعَرِم' یعنی عظیم 'بند توڑ سیلاب' کی تباہ کاری کی وجہ سے وہاں سے نکلے۔ان میں سے غسّانی شام کی طرف نکل گئے۔لخمی حِیرہ (عراق) میں جا ٹکے۔بنی خزاعہ جدّہ اور مکّہ کے درمیان میں بس گئے تھے۔اَوس اور خزرج نے یثرب میں سکونت اختیار کی اور انہی کا یہودی قبیلوں سے کا پالا پڑا۔ یہودی چونکہ زرخیز زمینوں اور بہتر جگہوں پر پہلے ہی قابض ہو گئے تھے، اس لیے اوس اور خزرج کو بنجر

Marfat.com

علاقوں میں آباد ہونا پڑا۔ یہودی قبائل نے اپنی فطری شر پسندی کی وجہ سے جب ان کا ناک میں دم کر دیا تو تنگ آ کر آخر انہوں نے شام کے اپنے غسّانی بھائیوں سے تعاون حاصل کیا اور یہودیوں کا زور توڑا۔ بنی نضیر اور بنی قُریظہ کو یثرب کی شہری حدود سے باہر دھکیل دیا گیا۔ بنی قینقاع کی ایک تو اپنے ہم مذہب دو قبیلوں سے اَن بَن تھی، دوسرے یہ لوگ سنار اور لوہار، ظروف ساز اور اسلحہ ساز تھے اور دستکاری کے کچھ اور شعبوں میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ اس وجہ سے مدینہ کی آبادی کو اِن چیزوں کے لیے ان سے معاملات پڑتے تھے۔ اسی لیے ان کو انہیں مدینہ کے اندر آباد ہونے کا موقع مل گیا۔ آہن گری اور اسلحہ سازی کی وجہ سے ان کے پاس ہتھیاروں کی کثرت تھی۔ ان کے سات سو ایسے مرد تھے جو ہر وقت اسلحہ سے لیس اور آمادۂ جنگ رہتے تھے۔ اِس پر ان کو اتنا گھمنڈ تھا کہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ یہ خزرج قبیلہ کے حلیف بن گئے اور دوسرے دو قبیلوں نے اوس سے دوستانہ تعلقات پیدا کر لیے تھے۔ [1]

قریشِ مکّہ نے یہودی سردار کعب بن اشرف سے ساز باز کی کوشش کی تھی اس کے باوجود مدینہ پر ان کے کھلے حملے تک یہودیوں کی طرف سے میثاقِ مدینہ کی خلاف ورزی کی کوئی حرکت سامنے نہیں آئی تھی۔ توقع یہی تھی کہ یہودی میثاقِ مدینہ میں کیے گئے اپنے عہد کی پاسداری کریں گے۔ جب مدینہ پر باہر کی ایک قوت نے حملہ کیا تو میثاق کی متفقہ شرائط کی رو سے انہیں اس وقت مسلمانوں کے شانہ بشانہ لڑنا چاہیے تھا لیکن مدینہ کے مشرکین اور منافقین اور یہود سب اپنے بلوں میں دبکے بیٹھے تماشا دیکھتے رہے۔ ان تینوں گروہوں کو پورا یقین تھا کہ قریش کے مقابلے میں مسلمان نہ صرف شکست کھائیں گے بلکہ اس طرح پس کر رہ جائیں گے کہ مدینہ میں ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہو جائے گا۔ لیکن جنگ کا نتیجہ ان کی توقعات کے بالکل برعکس نکلا۔ مشرکینِ مکّہ اپنی ساری قیادت کی لاشیں بدر کے ایک اندھے کنویں میں چھوڑ کر فرار پر مجبور ہو گئے تھے۔ یہودیوں نے جس خیانت اور بدعہدی کا مظاہرہ کیا تھا اس پر

[1] تفہیم القرآن جلد پنجم۔

Marfat.com

ان کی باز پرس تو ہوئی تھی لیکن یہ امکان نہیں تھا کہ ان کے ایک قبیلے سے فوری طور پر جنگ تک نوبت پہنچے گی۔

بنو قینقاع کی شر پسندی اور فتنہ انگیزی

بدر کے معرکہ میں مسلمانوں کی فتح سے دنیا پر یہ واضح ہو گیا تھا کہ مسلمان کوئی ترنوالہ نہیں ہیں کہ عرب کا کوئی قبیلہ یا چند قبیلے مل کر انہیں نگل لیں۔ لڑائی کے نتیجہ نے یہ پیغام دے دیا تھا کہ جو کوئی بھی مسلمانوں کو مٹانے کے لیے آئے گا اس کو منہ کی کھانی پڑے گی۔ معرکۂ بدر کا نتیجہ نوشتۂ دیوار بن کر سب کے سامنے تھا مگر بنو قینقاع اس کو پڑھنے میں ناکام رہے۔ ان کی فطرت میں بیٹھا ہوا حسد و بغض اور عناد و فساد ابل کر سامنے آ گیا اور وہ آمادۂ شرارت ہو گئے۔ اوس اور خزرج کی خواتین زیورات اور دیگر ضروری اشیاء کی خرید و مرمت کے لیے عام طور پر بنو قینقاع کے بازار میں جاتی رہتی تھیں۔ ایک روز ایک مسلمان عورت کسی کام سے ایک دکان پر بیٹھی تھی کہ اِن کے کچھ آدمیوں نے ایسی شیطانی تدبیر کی کہ وہ عورت اٹھے تو اس کا ستر کھل جائے۔ اس پر اُس عورت نے چیخ و پکار بلند کی تو ایک مسلمان وہاں پہنچ گیا۔ ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ مسلمان اور یہودی آپس میں لڑ پڑے۔ ایک مسلمان اور ایک یہودی مارا گیا۔ [1]

میثاقِ مدینہ کی خلاف ورزی کے مرتکب تو وہ اس کے دفاع میں اپنی ذمہ داری پوری نہ کرنے کی صورت میں پہلے ہی ہو چکے تھے۔ اب اس کے اندرونی امن و امان میں جان بوجھ کر خلل ڈال کر اور ایک ہنگامہ کی صورت پیدا کر کے انہوں نے صاف بتا دیا کہ ان کے دلوں میں میثاقِ مدینہ کا کوئی احترام نہیں ہے۔ اِس واقعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ اُن کے بازار میں تشریف لے گئے۔ نوبتِ جنگ سے پہلے نصیحت اور دعوتِ دِین اِسلام کا بنیادی اصول ہے۔ اس اصول کے مطابق حضورؐ نے ان سے کہا: 'اے گروہِ یہود! قبل اِس کے کہ تم بھی اُسی ذلت و رسوائی کا شکار ہو جاؤ جس کا شکار قریش ہو چکے ہیں، اِسلام قبول کر لو' بجائے اس کے

[1] المجتمع المدنی لدکتور اکرم ضیاء العمری، سیرتِ ابن ہشام۔

Marfat.com

کہ اس پر غور کرتے وہ دھونس اور تڑی پر اتر آئے اور کہنے لگے: 'اے محمد! کسی غلط فہمی میں نہ رہنا کہ جس طرح قریش کو قتل کیا ہمیں بھی کر لو گے۔ وہ تو جنگ کے معاملے میں اناڑی تھے۔ جب تمہارا سابقہ ہم سے پڑے گا تو دیکھنا کہ جنگ کیا ہوتی ہے۔' اسی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ دو آیات نازل ہوئیں جو اس موضوع کے تحت آغاز میں درج ہیں۔ [1]

بنو قینقاع میثاقِ مدینہ سے خارج

محمد مصطفیٰ ﷺ کی زیرِ قیادت وجود میں آنے والی مدینہ کی ریاست اُس دَور کے لحاظ سے بالکل ایک جدید طرز کی ریاست تھی۔ قبائلیت سے بہت بلند ہو کر تکثیریت کو اس کی بنیاد بنایا گیا تھا۔ میثاقِ مدینہ میں آبادی کی سب اکائیوں کے لیے مذہبی، تہذیبی و ثقافتی اور معاشی آزادی کی ضمانت دی گئی تھی۔ اگرچہ اسلامی قانون میں سُود کی قطعی ممانعت ہے لیکن ابھی تک یہودیوں کی سودخواری پر کوئی قدغن نہیں لگی تھی۔ اس ریاست کی اعلیٰ اتھارٹی۔ اللہ کے رسول ﷺ۔ نے یہودیوں کے تجارتی مراکز پر کوئی پابندی عائد نہیں کی تھی۔ البتہ اقتصادی اعتبار سے پسماندہ مسلمان آبادی کے معاشی مفادات کے تحفظ کی خاطر ان کے لیے ایک الگ بازار مخصوص کر دیا گیا تھا۔ سب کو ایک دوسرے کے مفادات کا خیال رکھنے اور آپس میں خوشگوار تعلقات رکھنے کی تلقین کی گئی تھی۔ خزرج اور بنو قینقاع کے آپس میں پرانے حلیفانہ تعلقات تھے۔ حضور ﷺ نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔

میثاقِ مدینہ کی صورت میں طے پانے والے عمرانی معاہدہ کے بنیادی نکات جن کی پابندی سب پر لازم تھی وہ یہ تھے کہ سب اس ریاست کے وفادار رہوں گے، بیرونی حملوں سے اِس بستی کو بچانے میں کوئی فروگزاشت نہیں برتیں گے اور اِس کے قوانین کے پابند رہیں گے۔ اس معاہدہ پر اتفاق کر کے اللہ کے نبی ﷺ کے اقتدارِ اعلیٰ کو سب اکائیوں نے تسلیم کیا تھا۔ لیکن بنو قینقاع اس معاہدہ پر قائم نہ رہے۔ انہوں نے شرارت، فتنہ اور نفاق کا راستہ اختیار کیا اور بغاوت کی روش اپنائی۔ کسی ریاست میں بغاوت اُس سے ہزاروں سال پہلے بھی

[1] سنن ابی داود.

Marfat.com

ناقابلِ معافی جُرم تھا اور ساڑھے چودہ سو سال بعد آج کی جدید جمہوری ریاستیں بھی اس کو جرم سمجھتی ہیں اور باغیوں کو کسی رعایت کا مستحق نہیں سمجھتی ہیں۔ غزوۂ بدر کے ہنگامی حالات کے باوجود مدینہ کے اندر حالات مجموعی طور پر پُرامن تھے۔ لیکن میدانِ بدر میں قریش کی شکست کے بعد بنو قینقاع کا شریر گروہ فتنہ انگیزی پر اُتر آیا۔ اِس ہنگامی فضا میں اِس غدر سے صرفِ نظر کرنا نوزائیدہ اسلامی ریاست، مدینہ کے معاشرے اور تحریکِ اسلامی کے لیے بڑا مہلک ثابت ہوسکتا تھا۔ اگر اس گروہ کی باغیانہ حرکت پر گرفت نہ کی جاتی تو دوسرے قبائل اور آبادی کے دوسرے اجزا کو بھی اسی باغیانہ طرزِ عمل کا جواز مل جاتا۔

رسول اللہ ﷺ نے بنو قینقاع کے لوگوں کو اکٹھا کر کے انہیں اسلام قبول کرنے کی جو دعوت دی تھی حافظ ابن حجرؒ کے بقول یہ دراصل امن اور سلامتی کا راستہ اختیار کرنے کی دعوت تھی۔ اس کا مقصد ان کو مذہب تبدیل کرنے پر نہیں بلکہ صلح صفائی پر قائل تھا۔ لیکن جب اُنہوں نے شرپسندی اور فتنہ پردازی سے باز آجانے کا کوئی عندیہ نہ دیا تو اُن کو میثاق مدینہ سے خارج کر دیا گیا۔ سورۃ الانفال کی درج ذیل آیت میں بیان ضابطہ کے مطابق انہیں صاف صاف بتادیا گیا کہ میثاقِ مدینہ کے تحت جو رعایتیں اور حقوق مدینہ کی مختلف اکائیوں کو دیے گئے تھے، وہ اپنی عہد شکنی کی وجہ سے ان کے حق دار نہیں رہے ہیں۔

﴿ وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآىٕنِیْنَ۠ ﴾ (الانفال: 58)

'اور اگر کبھی تمہیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو اُس کے معاہدے کو علانیہ اُس کے آگے پھینک دو، یقیناً اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا' [1]

بنو قینقاع کا محاصرہ اور سزا

اپنے خلاف کسی سخت کارروائی کے خطرے کو بھانپتے ہوئے وہ لوگ اپنے قلعوں میں بند

---

[1] سیرت ابن ہشام۔

Marfat.com

ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فوری طور پر ان کو محاصرے میں لے لیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اُن کے دلوں پر دہشت طاری ہو گئی۔ پندرہ دن تک ان کا سخت محاصرہ جاری رہا۔ اب اُن کی تڑی گم ہونے لگی اور اُن کی ہمتیں جواب دے گئیں۔ انہوں نے قلعہ سے باہر آنے کے لیے یہ شرط رکھی کہ وہ اپنی مرضی کے کسی مقام کی طرف نکل جائیں گے۔ اس حقیقت میں شک کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ بنو قینقاع کھلی دشمنی پر اُترے ہوئے تھے۔ اِن کو چھوٹ دینا بھی مشرکین مکہ کی طاقت کو پوری طرح کچل کر انہیں جنگ کے قابل نہ چھوڑنے کے بجائے قیدی بنا کر اپنے ہاں مہمانوں کی طرح رکھنے اور پھر فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی طرح اللہ کے عتاب کا موجب بن سکتا تھا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: 'اب تمہیں میرا فیصلہ قبول کرنا پڑے گا' اُن کے لیے اِس کے سوا کوئی اور راستہ باقی نہیں تھا۔ حضورؐ کے حکم پر ایک انصاری صحابی حضرت منذر بن قدامہ عرفجہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں ان کے مردوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے گئے۔ رئیسُ المنافقین عبداللہ بن ابی کا وہاں سے گزر ہوا۔ اس نے اپنے حلیفوں کو اِس حالت میں دیکھا تو منذرؓ بن قدامہ سے انہیں کھول دینے کا کہا۔ انہوں نے کہا 'اللہ کی قسم! جنہیں اللہ کے رسولؐ نے باندھا ہے انہیں جو کھولے گا میں اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ [1]

اِبن اُبی کی بنو قینقاع کو بچانے کی کوشش

رئیسُ المنافقین عبداللہ بن اُبی اُن کے غم میں گھلا جا رہا تھا۔ وہ ابھی تک اِس کوشش میں تھا کہ کسی طرح رسول اللہ ﷺ اُن کی معافی پر آمادہ ہو جائیں۔ ایک صحابی عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ رسول پاک ﷺ کے دروازے پر پہرا دے رہے تھے۔ اِبن اُبی اندر جا کر حضورؐ سے اُن کے معاملے پر بات کرنا چاہتا تھا۔ حضرت عویمؓ نے کہا کہ 'جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہیں دیتے تم اندر نہیں جا سکتے۔' وہ اُن سے الجھ پڑا اور دھکے دینے لگا۔ عویمؓ نے غصے میں آ کر اُس کا چہرہ دیوار سے ٹکرا دیا جس سے اُس کا خون بہنے لگا۔ عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ

[1] غزوات الرّسول - دروس و عبر و فوائد لدکتور علی محمد الصلّابی.

Marfat.com

بنی عوف میں سے تھے۔ بنی عوف کے بھی بنو قینقاع سے دوستانہ تعلقات تھے۔ ان کو نبی ﷺ کے فیصلہ کا علم ہوا تو بلا تاخیر حضورؐ کے پاس جا کر کہا: 'میں اللہ اور اُس کے رسولؐ اور مومنوں سے محبت رکھتا ہوں۔ میں اِن کافروں کے ساتھ عہد معاہدہ اور دوستانہ تعلق سے اعلانِ برأت کرتا ہوں۔ ابن اُبی نے ان کے دل میں ہمدردی کے جذبات جگانے کے لیے انہیں وہ دَور یاد دلایا جب اِن یہودیوں نے بنوعوف سے اپنی دوستی نباہی تھی۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے کہا: 'ابو الحباب! اب دل بدل گئے۔ اسلام نے پرانے معاہدے ختم کر دیے ہیں۔ اللہ کی قسم تم ایک ایسی بات پر جمے ہوئے ہو جس کا ہولناک انجام کل تمہارے سامنے آنے والا ہے۔ سورۃ المائدۃ کی آیات 51 تا 56 کی یہی شانِ نزول بتائی گئی ہے۔ عبداللہ بن اُبی نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ان حلیفوں کی جانیں بچانے کے لیے اتنا زیادہ اصرار کیا کہ آخر حضور ﷺ نے اِس شر کو ٹھنڈا رکھنے کی حکمتِ عملی کے تحت فرمایا: **ھم لک** 'تیری خاطر ان کی جان بخشی کی جا رہی ہے۔' [1]

سورۃ المائدۃ کی مذکورہ بالا آیات یہود اور نصاریٰ کے ساتھ تعلقات کے معاملے میں اہم رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ اِسلام امن اور سلامتی اور انسانیت کی بھلائی اور خیر خواہی کا دِین ہے۔ یہ دنیا کی کسی قوم سے از خود دشمنی مول لینے اور اسے بلاوجہ برقرار رکھنے کی ہرگز تعلیم نہیں دیتا ہے۔ کام کاروبار کی جگہوں پر یا پاس پڑوس اور اکٹھے سفر کی بنیاد پر کسی یہودی یا عیسائی سے جو خوشگوار تعلق پیدا ہو جاتا ہے اس سے نہ صرف یہ کہ منع نہیں کرتا بلکہ اَلْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ الْجُنُبِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ (اجنبی ہمسایہ، پہلو کے ساتھی اور مسافر) کی طرح کے رشتوں کے تقاضے احسان اور مروّت کے ساتھ پورے کرنا لازم قرار دیتا ہے۔ لیکن قوموں اور انسانی گروہوں کی نفسیات اور تعصّبات کو اُن کے خالق سے بڑھ کر کوئی نہیں جانتا۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں یہود کے ساتھ عیسائیوں کے ہاتھوں جو بیتی وہ تاریخ کا حصہ

[1] غزوات الرّسول ﷺ -دروس، عبر و فوائد، الیهود فی السُّنة المطهره لعبدالله بن ناصر بن الشقاری، صحیح السّیرة النّبویة، دلائل للبیهقی.

Marfat.com

ہے لیکن یہی تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ مسلمانوں سے دشمنی کے معاملے میں اِن کا ہمیشہ ایکا رہا ہے۔ بالخصوص گزشتہ ایک صدی سے مسلمانوں کو بحیثیت مِلت جتنا نقصان پہنچ رہا ہے وہ اِن کے باہمی ساز باز کا نتیجہ ہے۔ حالیہ تاریخ اُن کی آپس کی دوستی اور مسلمانوں سے کہیں در پردہ اور اکثر کھلی دشمنی پر شاہد ہے اور یہ بتاتی ہے کہ وہ اجتماعی سطح پر مسلمانوں کے کبھی خیر خواہ نہیں ہو سکتے خواہ مسلمان ان کے سامنے کیسی ہی خود سپردگی اور فدویت کا مظاہرہ کریں۔

غنائم بنی قینقاع

بنو قینقاع اپنے قلعوں سے باہر نکلے۔ انہیں تین دن کے اندر اندر مدینہ سے کوچ کر جانے کا حکم ہوا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ: ''اگر یہ اللہ کے رسول ﷺ کا حکم نہ ہوتا تو میں تمہیں تین دن تو درکنار سانس لینے کی مہلت بھی نہ دیتا۔'' اپنے سارے مال اموال چھوڑ کر ان کے مردوں نے عورتوں اور بچوں کو اونٹوں پر بٹھایا اور خود پیدل چلتے ہوئے وادیِ قُریٰ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ چونکہ آہن گری اور زرگری جیسے پیشوں سے وابستہ تھے اس لیے انہوں نے اپنے پیچھے زمینیں اور باغات تو نہ چھوڑے، البتہ زرگری کا بہت سا سامان اور بڑی تعداد میں ہتھیار مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ اپنے لیے رکھ کر باقی مال مسلمان مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔

کعب بن اشرف کا قتل

اب ایک اور نوکیلا پتھر تحریکِ اسلامی کی پیش قدمی میں روڑا بن کر اٹک رہا تھا۔ یہ یثرب کا بڑا معتبر اور مشہور یہودی تھا۔ مکہ کے قریش سے بھی اِس کے قریبی تعلقات تھے۔ یہ شاعر بھی تھا۔ شاعر اور ادیب دانش کی علامتیں سمجھے جاتے ہیں اور ان کے افکار قوم کو روشنی بخشتے ہیں۔ اِنہی سے توقع کی جاتی ہے کہ اپنی قوم کو سفر کی صحیح سمت اور منزل کا درست پتہ بتائیں۔ لیکن قُرآن پاک شاعروں کا ایک تاریک پہلو بتاتا ہے۔

Marfat.com

﴿وَ الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾﴾ (الشُّعرآء: 224، 226)

''اور شُعراء، تو اُن کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے ان شعراء کو اِس عمومی روش سے مستثنیٰ قرار دیا ہے جن کی دانش ایمان کے نور سے منور ہوئی اور اُن کی عملی زندگی کے رویّوں میں صالحیت جھلکنے لگی۔ ان کے ذہن و فکر پر اللہ کا تصور غالب آ گیا اور وہ اٹھتے بیٹھتے اور مجلس و محفل میں اُس کا اظہار کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کے مکی دَورِ دعوت میں قبیلہ دوس کے سردار طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کا کردار ہمارے سامنے آیا تھا۔ وہ بھی شاعر اور دانشور تھے۔ ایک بار اُس وقت مکّہ آئے جب رسول اللہ ﷺ کے خلاف مشرکین کی گمراہ کن پروپیگنڈا مہم پورے زوروں پر تھی۔ اِنہیں بھی انتباہ کیا گیا کہ محتاط رہنا ہمارے ہاں ایک جادوگر اٹھا ہے جو اپنے کلام کے اثر سے قریب ترین رشتوں میں جدائیاں ڈال دیتا ہے۔ پہلے تو بطورِ احتیاط اِنہوں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونسے رکھی تا کہ جادوگر (نعوذ باللہ) محمد کی آواز ان کے کانوں میں پڑ ہی نہ سکے۔ آخر ان کے اندر سے ضمیر اور شعور کی آواز اُٹھی کہ 'میں شاعر ہوں، اپنی قوم میں دانا اور دانشور تصور ہوتا ہوں، پوری قوم کی سرداری کی دستار میرے سر پر سجی ہے۔ کیا عقل کے لحاظ سے میں اتنا ہی گیا گزرا ہوں کہ حق اور باطل اور صحیح و غلط میں فرق نہ جان سکوں؟ مجھے محمد کا وہ کلام سننا چاہیے جس کو اُس کی قوم جادو کہہ کر مجھے اُس سے ڈرا رہی ہے۔' رسول اللہ ﷺ مسجدِ حرام میں تشریف لائے اور نماز پڑھی۔ وہ دیکھتے رہے۔ جب حضورؐ نماز سے فارغ ہو کر گھر کی طرف چلے تو وہ بھی ساتھ ہو گئے اور حضور ﷺ کے ساتھ ہی آپؐ کے گھر میں داخل ہو گئے۔ ساری بات حضورؐ کو بتائی کہ کس طرح یہاں لوگوں نے انہیں جادو سے خوفزدہ کر رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں قُرآن کی آیات سنائیں اور دِین کی دعوت دی۔ وہ پکار اٹھے: 'اللہ کی قسم! میں نے اس سے اچھی بات پہلے کبھی نہیں سنی تھی اور اِس سے بہتر پیغام مجھے پہلے کبھی کسی نے نہیں دیا تھا۔' فوراً

Marfat.com

اسلام قبول کرلیا اور واپس جا کر اپنے سارے خاندان اور قبیلے میں ایمان کی روشنی پھیلائی تھی۔

وہ حق دشمنی جو یہودیوں کی ڈیڑھ ہزار سال سے پہچان تھی وہ کعب بن اشرف کی رگوں میں خون بن کر دوڑ رہی تھی۔ بدر میں جب مشرکینِ مکہ کو ذلت آمیز شکست ہوئی اور ان کے تقریباً سارے بڑے لیڈر ہلاک ہو گئے تو کعب بن اشرف غم و غصہ اور حسد و بغض میں کھولنے لگا۔ مکہ جا کر اُس نے اُن کے مرثیے پڑھ پڑھ کر قریش کو انتقام پر ابھارا۔ انہیں عار دلایا کہ اس رسوائی کے ساتھ جینا بھی کیا جینا ہے۔ اس ذلت کی حالت میں زمین کی سطح پر جینے سے اس کا باطن بہتر ہے۔ ان میں آتش انتقام کے جذبوں کو ہوا دی۔ مدینہ واپس آیا تو اس کی گھٹیا سوچ ایک اور رنگ میں نمودار ہوئی۔ اس کی شاعری کفر کی اسلحہ فیکٹری کا فکری اور ثقافتی ہتھیار تھا جس کا وہ بے دریغ استعمال کر رہا تھا۔ وہ مسلمان عورتوں کے نام لے لے کر ان کے بارے میں عشقیہ شعر کہتا اور مسلمانوں کی عزتِ نفس کو مجروح کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے خلاف بھی اُس کی ہرزہ سرائی جاری تھی۔

آخر نبی اکرم ﷺ نے نفرت و عداوت اور شرارت کے اِس پتھر کو راستے سے ہٹانے کا حکم دیا۔ اُس کے قتل کی مہم حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی ابونائلہ رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی۔ نبی ﷺ کا صحیح بخاری میں جنگ کے بارے میں اَلْحَرْبُ خُدْعَة کے الفاظ میں جو ارشاد ہے اور جس کا مطلب ہے کہ 'جنگ میں دشمن کو دھوکا دینا جائز ہے' غزوۂ احزاب کے موقع سے تعلق رکھتا ہے لیکن اِس اصول کا استعمال ان دونوں صحابیوں نے کعب بن اشرف کے قتل میں بھی کیا۔ انہوں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ اگر اِس مہم کو سرانجام دینے میں بطورِ مصلحت آپ کے خلاف کوئی بات کہنی پڑے تو آپؐ اس کی اجازت دیں۔ آپؐ نے اس کی اجازت دے دی۔ محمد بن مسلمہؓ کعب بن اشرف کے پاس گئے اور ایک دو باتیں رسول پاک ﷺ کے خلاف کہہ کر حضورؐ کے لیے اس سے کچھ کھجوریں ادھار مانگیں۔ وہ یہاں بھی مسلمانوں کی دل آزاری اور تحقیر و تذلیل سے باز نہ آیا۔ کہنے لگا کہ "اپنی بیویاں اور بیٹے کھجوروں کے بدلے میرے پاس رہن رکھ دو اور کھجور لے جاؤ۔" ان صحابہؓ نے کہا کہ

Marfat.com

''یہ تو بہت عار اور توہین کی بات ہے۔ ہم اپنا اسلحہ رہن میں دینے کے لیے تیار ہیں۔'' اس نے یہ پیش کش کو قبول کر لی۔ اگلی رات کو اِن دو صحابہؓ کے علاوہ حضرت عباد بن بشر، حارث بن بشر اور ابوعبس بن جبر رضی اللہ عنہم اسلحہ لے کر اس کے گھر پہنچے۔ آواز دینے پر وہ باہر آیا۔ وہ ان حضرات کے ساتھ باغ میں ٹہلنے لگا۔ اس دوران میں اس کے سر میں لگی خوشبو سونگھنے کے بہانے وہ اس کے بالکل قریب لگ گئے اور اسے گرفت میں لے کر تلواریں برسائیں اور قتل کر دیا۔ اندھیرے کی وجہ سے ان میں سے کسی کی تلوار سے ان کے اپنے ہی ایک ساتھی حارث بن اوس بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی زخمی ہو گئے۔ یوں یہود کے اس طاغوت کے شر سے مسلمانوں کی جان چھوٹی۔ ❶

تجدید میثاقِ مدینہ

اس یہودی رئیس الاشرار کے قتل پر ابتدا میں یہودی قوم نے سخت احتجاج کیا۔ کعب بن اشرف کی حرکتیں ان سے پوشیدہ نہیں تھیں لیکن حضور ﷺ نے اس اقدام کے جواز کے بارے میں اس کی ساری شرارتیں گن گن کر اُن کے سامنے رکھیں۔ وقتی طور پر وہ مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔ یہ مدینہ کے یہودیوں اور مشرکین کے لیے اور قریش مکہ اور دیگر اسلام دشمن عناصر کے لیے ایک واضح پیغام تھا کہ اگر کسی نے مدینہ کے معاشرے کے اندر شرانگیزی کی کوئی اسی طرح کی حرکت کی یا باہر سے آ کر کعب بن اشرف جیسے مکروہ عزائم اور شرارتی رویہ اختیار کیا تو اس کا انجام کعب بن اشرف سے مختلف نہیں ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے مستقبل میں اس طرح کے واقعات سے بچنے کے لیے یہودیوں کو میثاقِ مدینہ کی تجدید کی پیش کش کی۔ ان کی آمادگی پر امن کی ایک دستاویز لکھی گئی۔ یہ تجدیدی دستاویز مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات کے بارے میں تھی۔ مدینہ کی آبادی کی دوسری اکائیاں اس میں شریک نہیں تھیں۔ ❷

---

❶ السّیرة النّبویة فی ضوء المصادر الاصلیة ا و رالصّادِق وَالامین بحواله بخاری و مسلم اور ابن اسحاق.

❷ المجتمع المدنی دکتور اکرم ضیاء العمری.

Marfat.com

غزوۂ سویق

بدر کی لڑائی میں تمام بڑے قریشی سردار مارے جا چکے تھے۔ بنو ہاشم میں سے ابو جہل ہی جیسی اسلام دشمنی دِل میں رکھنے والا ابو لہب رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو ستانے کی ہر گھٹیا حرکت کر سکتا تھا لیکن اس میں ایک تو قیادت کی صلاحیت نہیں تھی دوسرے یہ کہ ابو لہب میدان بدر میں اہلِ مکّہ کی شکست کے صدمہ کی تاب نہ لا سکا۔ اسے عَدَسہ کا مرض لاحق ہوا اور ایسی عبرت ناک موت سے دو چار ہوا کہ نہ بیٹے کسی کام آئے اور نہ چھ سو تولہ سونا اسے بچا سکا۔ مرنے کے بعد تین دن تک بسترِ مرگ پر ہی اس کی لاش سڑتی رہی۔ کوئی اس کے قریب نہیں جاتا تھا۔ آخر جب ماحول میں تعفن پھیلنے لگا تو لوگوں نے اس کے بیٹوں کو ملامت کی۔ انہوں نے بھی خود دفن کرنے کے بجائے ایک روایت کے مطابق حبشی غلاموں کو معاوضہ دے کر ایک گڑھا کھدوایا اور لکڑیوں سے اس میں دھکیل دیا۔ سورۃ اللّھب میں اس کے ہولناک انجام کا جو منظر کھینچا گیا ہے اس کی پہلی عبرت ناک تصویر لوگوں نے دنیا کے اندر اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ اِس سورۃ کا اصل اشارہ یومِ آخرت کے انجام کی طرف ہے۔

﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۝١ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ ۝٢ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝٣ وَّ امْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝٤ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝٥﴾

"ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور نامراد ہو گیا وہ۔ اُس کا مال اور جو کچھ اُس نے کمایا وہ اُس کے کام نہ آیا۔ ضرور وہ شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا اور (اُس کے ساتھ) اُس کی جورُو بھی، لگائی بجھائی کرنے والی، اُس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہو گی۔"

کفر و ضلالت کی راہ پر قریش کی قیادت اب ابوسفیان کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔ بدر میں قریش جس ذِلّت سے دو چار ہوئے تھے اس کو محسوس کرتے ہوئے ابوسفیان نے قسم کھا

Marfat.com

رکھی تھی کہ جب تک محمدؐ کے ساتھ جنگ نہ کر لے اُس وقت تک سر پر پانی نہیں ڈالے گا۔ اپنی قسم پوری کرنے کے لیے وہ کچھ سواروں کو ہمراہ لے کر نکلا۔ اپنے ساتھیوں کو باہر کسی مقام پر چھوڑ کر خود خفیہ طور پر مدینہ میں داخل ہوا۔ بنونضیر کے سردار سلاّم بن مشکم کے ہاں رات قیام کیا۔ دونوں نے خوب شراب پی۔ سلاّم بن مشکم نے اسے مسلمانوں کے بارے خبریں سنائیں۔ رات کو نکل کر وہ اپنے آدمیوں کے پاس پہنچا۔ تخریبی کارروائی سے اپنے جذبات کو تسکین دینے کے لیے کھجور کے کچھ درختوں کو آگ لگائی۔ دو آدمیوں کو ان کی بے خبری میں یا مقابلے میں قتل کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس تخریب کاری کی اطلاع ہوئی تو آپؐ خود اس کے تعاقب میں نکلے اور مقام قرقرۃ الکدر تک اس کا پیچھا کیا۔ وہ بھاگتے ہوئے اپنا سامان جس میں زیادہ تر ستو تھے پھینکتے گئے۔ عربی میں سویق کا مطلب ستو ہے۔ اسی نسبت سے اس غزوہ کو غزوۃ السّویق بھی کہتے ہیں اور جس جگہ یہ شرپسند جمع تھے اس کی وجہ سے اسے غزوہ قُرقَرۃ الکدر بھی کہتے ہیں۔ زادالمعاد اور السّیرۃ النّبویۃ الصحیحۃ کے مطابق یہ 2 ہجری کے ماہِ ذی الحجہ کا واقعہ ہے۔

غزوۂ ذی اَمَر اور غزوۂ بُحران یا غزوۂ فُرع

یہ 3 ہجری 12 ربیع الاول کے دو واقعات ہیں۔ بنوثعلبہ اور بنومحارب غطفان ہی کی شاخیں تھیں۔ غزوۂ سویق کے ایک ماہ بعد یہ لوگ آمادۂ شرارت ہو کر نجد میں ذی اَمر کے مقام پر جمع تھے۔ حضور ﷺ چار سو صحابہؓ کا ایک مضبوط جتھہ لے کر ان کی سرکوبی کے لیے گئے۔ انہیں پتہ چلا تو بھاگ گئے۔ ایک ہی مہینہ بعد جمادی الاول کی 27 تاریخ کو رسول اللہ ﷺ تین سو صحابہؓ کے ساتھ قریش کے ایک تجارتی قافلہ کو روکنے کے لیے نکلے۔ اس مہم کا ایک مقصد بنوسلیم کو سزا دینا بھی تھا۔ آپؐ فُرع کے علاقے میں بُحران تک تشریف لے گئے۔ لیکن تصادم کی نوبت نہیں آئی۔ [1]

---

[1] واقدی وطبقات ابن سعد۔

Marfat.com

سرایا اور غزوات کے مقاصد

یہاں تک ان واقعات کا اجمالی ذکر ہوا ہے جو ہجرت کے تیسرے سال کے پانچویں مہینے اور غزوۂ اُحد سے چار ماہ پہلے یعنی ماہِ رمضان تک رونما ہوئے تھے۔ اِن سب سرایا اور غزوات سے دنیا پر یہ واضح کرنا تھا کہ مدینہ کی قیادت ہر رُخ پر نظر رکھے ہوئے ہے اور شر کی ہر چنگاری کو بروقت بجھانے اور شریروں کی سرکوبی کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ اس کا مقصد قریش کو یہ بتانا تھا کہ مسلمانوں سے دشمنی رکھیں گے تو قدیم اور معروف تجارتی شاہراہ پر ان کے تجارتی قافلے محفوظ نہیں رہیں گے۔ اِن مہمات کے ذریعہ اردگرد کے دیگر قبائل کو بھی یہ بتادیا گیا کہ قریش کے ساتھ حلیفانہ تعلقات قائم کر کے مدینہ کی ریاست سے دشمنی مول لینا انہیں مہنگا پڑے گا۔ اگرچہ اسلام میں جہاد کی غایت مال و دولت اور کشور کشائی نہیں ہے لیکن اگر دشمن دعوتِ حق کے لیے امن کا ماحول پیدا ہونے ہی نہ دیں اور مسلسل رزم و پیکار ہی کی فضا بنی رہے تو دشمن سے چھینے ہوئے اموال آج کی جدید دنیا میں بھی فاتح ہی کے قبضے میں آتے ہیں اور یہ اس کی صوابدید پر ہوتا ہے کہ ان اموال کو قومی خزانے میں ڈال لے یا بطورِ انعام ورعایت اپنے فوجیوں میں تقسیم کر دے۔ اسلامی قانون کے مطابق اس طرح ہاتھ آنے والے اموال کا پانچواں حصہ ریاست کی اعلیٰ اتھارٹی یا بالفاظِ دیگر قومی خزانہ میں جمع کرانے کے بعد باقی چار حصے ان فوجی سپاہیوں کا حق ہوتے ہیں جو شجاعت اور جانبازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کو شکست سے دوچار کرتے ہیں۔ چنانچہ اِن مہمات سے ہاتھ آنے والے مالِ غنیمت کی وجہ سے مسلمان مجاہدین کے انفرادی اور ریاست کے اجتماعی معاشی مسائل کے حل کی ایک صورت پیدا ہوگئی تھی۔

Marfat.com

غزوۂ اُحد (شوال 3ہجری)

بدر کا معرکہ سر کرنے کے بعد بھی مدینہ کی بستی مسلسل ہنگامی حالات سے گزر رہی تھی اور مسلمان بدستور حالتِ جنگ میں تھے۔ حالات کی نزاکت کا اندازہ اِس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ قریش اور دیگر دشمن قبائل کے فتنوں کی خبر لینے اور ان کی طرف سے چھوٹی موٹی شر انگیزیوں اور فساد خیزیوں سے نمٹنے کے لیے بھی رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس نکلتے تھے۔ یہ ایک انتہائی ذمہ دار، ہمہ وقت چوکس اور بیدار مغز قائد کا وہ اُسوہ ہے جس کی نظیر ہمیں کہیں اور نہیں ملتی۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ کی ریاست کے سربراہ تھے۔ آپ ﷺ کے جان نثار صحابہؓ آپؐ کے اشارے پر ہر خطرے میں کود پڑنے اور اپنے دین و ایمان کی حفاظت اور اپنے رہبر و رہنما کے دفاع کے لیے اپنی جانیں نچھاور کرنے کے لیے تیار تھے اس کے باوجود آپ ﷺ اکثر مہمات کی قیادت خود کرتے تھے۔ کسی سمت سے بھی شر اور فساد کے کسی سنپولیے کی مدینہ کے اطرف میں رینگتے ہوئے نظر آنے کی اطلاع ملتی، اس کا سر کچلنے میں ایک لمحہ ضائع نہیں کیا جاتا تھا۔ ان جنگی مہموں کا بڑا فائدہ تو دشمن کے مکروہ عزائم سے باخبر رہنا اور اس کی ترک تازیوں کو روکنا تھا لیکن ان کی ایک نوعیت جنگی مشقوں کی بھی تھی جو آج کے جدید دور میں ہر ملک کی فوجیں جاری رکھتی ہیں۔ اِن مہموں کے ذریعہ مہاجر صحابہؓ کو مدینہ کے چاروں طرف کے جغرافیائی ماحول کی واقفیت ہو رہی تھی جو دعوتی اور دفاعی دونوں لحاظ سے ضروری تھی۔ دشمن کے تجارتی اور جنگی دستے اکثر مقابلے سے فرار اختیار کرتے ہوئے اپنے ہتھیار اور ساز و سامان پیچھے چھوڑ جاتے تھے۔ اس سے مسلمانوں کے اسلحہ اور معاشی وسائل میں بہتری آ جاتی تھی۔ ہر وقت چوکس فوجی دستوں کی مسلسل گردش سے دشمن کی تجارتی اور جنگی نوعیت کی حرکات پر

Marfat.com

کڑی نظر رہتی تھی۔

غزوۂ اُحد کے اسباب

ڈاکٹر علی محمد الصلابی نے ان اسباب کا حصر چار عنوانات میں کیا ہے۔مشرکین کو بدر کے میدان میں ذلت آمیز شکست کھانے کے بعد ڈر تھا کہ اسلام کی اُٹھتی ہوئی لہر میں اور تیزی آ جائے گی۔اِسلام کے پھیلاؤ میں وہ اپنے اُن مشرکانہ عقائد کی موت دیکھ رہے تھے جن پر اُن کے سارے جاہلی نظام کی عمارت کھڑی تھی۔وہ سارے مالی اسباب بروئے کار لاکر اِسلام کے پھیلاؤ کے آگے بند باندھنا چاہتے تھے۔اپنے مال سے بے پناہ محبت کے باوجود وہ جو مال لگا رہے تھے تو اس لیے تاکہ کسی طرح اسلام کا راستہ روک دیں۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۙ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَ يَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ ع﴾ (الانفال: 36، 37)

’’جن لوگوں نے حق کو ماننے سے انکار کیا ہے وہ اپنے مال خُدا کے راستے سے روکنے کے لیے صرف کر رہے ہیں اور ابھی اور بھی خرچ کرتے رہیں گے،مگر آخر کار یہی کوششیں اُن کے لیے پچھتاوے کا سبب بنیں گی،پھر وہ مغلوب ہوں گے،پھر یہ کافر جہنم کی طرف گھیر کر لائے جائیں گے تاکہ اللہ گندگی کو پاکیزگی سے چھانٹ کر الگ کرے اور ہر قسم کی گندگی کو ملا کر اکٹھا کرے پھر اُس پلندے کو جہنم میں جھونک دے۔یہی لوگ اصلی دیوالیے ہیں۔‘‘

دوسرا سبب اجتماعی یا معاشرتی نوعیت کا تھا۔بدر میں اُن کے سارے نامور سردار ڈھیر ہو گئے تھے۔ذلت اور رسوائی ان کے گلے میں پڑ گئی تھی۔وہ ہر حال میں اس ذلت کا داغ اپنے دامن سے دھونا چاہتے تھے تاکہ اردگرد کے قبائل میں ان کی جو ہیٹی اور رسوائی ہوئی تھی

Marfat.com

اور رعب داب اٹھ گیا تھا اس کا مداوا کر سکیں۔ ابوسفیان جو تجارتی سامان شام لے کر گیا تھا اس کا منافع وہ اسی غرض کے لیے خرچ کرنے پر تیار تھے۔ وہ وہاں سے جو کثیر سامان لایا تھا قریش کی روایت کے مطابق دارالندوۃ میں اس کا ڈھیر لگا دیا گیا تھا۔ ان کے سارے نمایاں لوگ رضا مند ہو گئے تھے کہ یہ مال اور اس کا سارا منافع محمد مصطفی ﷺ کے خلاف جنگ کی تیاری میں صرف کریں گے۔ عکرمہ بن ابی جہل، حارث بن ہشام، حویطب بن عبدالعزیٰ اور صفوان بن امیہ وغیرہ جن کے باپ بھائی اور قریبی عزیز بدر میں قتل ہوئے تھے وہ ابوسفیان کے پاس گئے اور کہا: 'محمد تم پر بھاری پڑ گیا ہے۔ تمہارے بہترین لوگ قتل ہو گئے ہیں۔ اب اِس مال سے جنگ کی تیاری میں ہماری مدد کرو، شاید ہمارے زخموں پر مرہم کا کوئی سامان ہو جائے۔' ابوسفیان نے کہا: 'میں سب سے پہلے تمہاری آواز پر لبیک کہنے والا ہوں۔'[1]

جنگِ اُحد کا تیسرا سبب اقتصادی نوعیت کا تھا۔ سرایا کا جو سلسلہ نبی اکرم ﷺ کی قیادت میں جاری تھا وہ گویا قریش کی اقتصادی رگ پر پنجہ رکھنے کے مترادف تھا۔ ان کی مالداری میں گرمیوں میں شام اور سردیوں میں شام کے سامان کو یمن لے جا کر تجارت کی گرما گرمی کا بہت بڑا دخل تھا، وہ تجارت خطرے میں پڑ گئی تھی۔ ان تجارتی سفروں اور امن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ القریش میں فرمایا ہے۔

﴿ لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ ۝١ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۝٢ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ۝٣ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ۝٤ ﴾ (القریش)

"چونکہ قریش مانوس ہوئے (یعنی) جاڑے اور گرمی کے سفروں سے مانوس، لہٰذا اُن کو چاہیے کہ اِس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے اِنہیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا اور خوف سے بچا کر امن دیا۔"

اُن کو ڈر تھا کہ جس کعبہ کی تولیت کی برکت سے انہیں یہ مقام حاصل تھا کہ سارا عرب سخت بدامنی کی لپیٹ میں ہوتا اور قریش کو کعبہ کی نسبت کی وجہ سے کوئی نہیں چھیڑتا تھا، اُس

[1] ابن ہشام۔

Marfat.com

کعبہ کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے اصل دینی وارث مسلمان ان سے چھین لیں گے۔

قریش کے غزوۂ اُحد کے لیے نکلنے کا چوتھا سیاسی سبب تھا۔ساری عرب دنیا میں ان کی قیادت وسیادت مسلمہ تھی۔عرب کے سارے قبائل ان کی برتری کو تسلیم کرتے تھے۔مدتیں ہو رہی تھیں ان کی اس برتری کو کسی نے چیلنج نہیں کیا تھا۔اب وہ اسے خطرے میں محسوس کر رہے تھے اور بہر صورت اسے بچانا چاہتے تھے۔ [1]

دشمن کی جنگی تیاریاں

قریش نے بڑے جوش وخروش سے جنگی تیاریاں شروع کر رکھی تھیں۔آج کی اصطلاح میں انہوں نے ایک جنگی فنڈ قائم کر دیا تھا اور لوگوں سے اپیل کی تھی کہ جنگ کی تیاری کے لیے زیادہ سے زیادہ چندہ دیں۔فوجی لام بندی یعنی عام بھرتی کا سلسلہ بھی شروع کر دیا گیا تھا۔احابیش، کنانہ اور اہلِ تہامہ کو ترغیب دی گئی کہ وہ جنگ میں لڑاکا نفری اور مال کی صورت میں حصہ ڈالیں۔ [2] پیچھے غزوۂ سویق کے ذکر میں یہ بات آچکی ہے کہ ابوسفیان نے بنو نضیر کے ایک یہودی سردار کے ہاں رات کا کچھ حصہ گزارا تھا اور اس سے مسلمانوں کے بارے میں کچھ تازہ ترین معلومات حاصل کی تھیں۔اس کا یہودی سردار کے ہاں ٹھہرنا محض شراب پینے کے لیے تو نہیں تھا۔اس ملاقات میں انہوں نے ضرور کسی بڑی جارحانہ کارروائی کی کوئی منصوبہ بندی بھی کی ہوگی اور یہودیوں کی طرف سے اس کو تعاون کی یقین دہانی بھی کرائی گئی ہوگی۔

دشمن کی پیش قدمی

ایک سال کی تیاری کے بعد آخر انتقام کی آگ میں سلگتا ہوا تین ہزار جنگجوؤں کا لشکر لے کر مشرکین مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔تین ہزار اونٹوں اور دو سو گھوڑوں پر جنگی سامان جا رہا تھا۔سات سو زرہیں الگ سواریوں پر لدی ہوئی تھیں۔ابوسفیان کی بیوی سمیت کئی اہم

[1] غزوات الرسول۔دروس وعبر وفوائد۔ [2] الرحیق المختوم۔

Marfat.com

قریشی لیڈروں کی بیویاں بھی اس لشکر میں شامل تھیں تا کہ وہ مردوں کو جوش اور غیرت دلائیں۔ ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان وحشی کو خاص طور پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو نشانہ بنانے پر ابھار رہی تھی ۔ ہند کا باپ عتبہ بدر کے معرکہ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت سے اپنے دل میں بھڑکتی انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنا چاہتی تھی۔ لشکر کی قیادت ابوسفیان کر رہا تھا۔ سوار دستوں کی کمان خالد بن ولید کے سپرد تھی اور عکرمہ بن ابی جہل اس کا معاون تھا۔ پرچم برداری پرانی روایت کے مطابق بنی عبدالدار کو سونپی گئی تھی۔ یہ لوگ جب مدینہ کے قریب ابواء کے مقام پر پہنچے تو سب سے پہلے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ کی قبر کی بے حرمتی کی کوشش کی۔ اسے کھودنا چاہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں ہمت نہ دی۔ [1]

مدینہ کی مستعد اور باخبر قیادت

رسول اللہ ﷺ مکہ والوں کے عزائم اور جنگی تیاریوں سے نہ تو بے خبر تھے اور نہ تیاری سے غافل۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب جو اسلام قبول کر چکے تھے لیکن ابھی مصلحتاً انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا، فدیہ دے کر رہا ہونے کے بعد مکہ پہنچے تو وہاں جذبات کی آگ لگی دیکھ کر تشویش کا شکار ہو گئے ۔ انہوں نے اپنے ذرائع سے نبی اکرم ﷺ کو قریش کی جنگی تیاریوں اور روانگی کے پروگرام سے آگاہ کر دیا تھا۔ وہاں تو ویسے بھی ہنگامی حالات تھے۔ مسلمان نماز بھی ہتھیار پہن کر ادا کرتے تھے۔ انصار نے بیعتِ عقبہ میں رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کا جو عہد کیا تھا اس کی پاسداری میں خاص طور پر حضرت سعد بن معاذ، حضرت اسید بن حضیر اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم راتیں حضور ﷺ کے دروازے پر پہرے میں گزارتے تھے۔ کچھ چیدہ دستے مسلسل گردش میں رہ کر دشمن کے بارے میں خبریں لا رہے تھے اور کچھ نے ان راستوں پر چوکیاں قائم کر لی تھیں جدھر سے دشمن کی یلغار کا امکان تھا۔ [2]

---

[1] اِتحافُ الوریٰ جلد اول.

[2] الرّحیق المختوم.

Marfat.com

مشاورت

جنگوں میں عموماً ہائی کمان کو اپنی ذمہ داری پر اہم اور حتمی فیصلے کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ اسلام نئی تہذیبی روایات، نئی معاشرتی اقدار اور ایک جدید ریاستی نظام کی تشکیل کر رہا ہے۔ اس نظام میں مشاورت کو کلیدی حیثیت حاصل تھی۔ چنانچہ مشورۂ عام طلب کیا گیا۔ صحابہؓ کی تربیت اس انداز میں ہو رہی تھی کہ وہ اپنی رائے کا کھل کر اظہار کریں۔ سوال یہ تھا کہ مدینہ شہر کے اندر رہ کر گوریلا طرز کی جنگ لڑیں یا میدان میں نکل کر دشمن سے دوبدو مقابلہ کریں؟ رسول اکرم ﷺ کی اپنی رائے یہ تھی کہ مدینہ کی عمارتوں کو دفاعی قلعوں کے طور استعمال کیا جائے اور اندر محفوظ ٹھکانوں پر رہ کر دشمن کو زک پہنچائی جائے۔ لیکن انصار میں سے بعض صحابہؓ اسے اپنی توہین سمجھتے تھے کہ دشمن ان کے گھروں کے اندر تک گھس آئے۔ انہوں نے کہا کہ 'ہم نے جاہلیت کے دور میں بھی کبھی گوارا نہیں کیا تھا کہ کوئی مدینہ کے اندر آکر ہم پر حملہ کرے۔ اب جب کہ دین کی نعمت سے سرفراز ہو چکے ہیں تو ہم کیوں دشمن کو اپنے گھروں تک پہنچنے دیں۔ ہماری رائے ہے کہ میدان میں نکل کر دشمن سے دو دو ہاتھ کیے جائیں۔'

کھلے میدان میں لڑنے کے حامیوں میں ایسے صحابہؓ بھی تھے جو جنگِ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ ان کے دل میں حسرت تھی کہ انہیں اپنی بہادری کے جوہر دکھانے کا موقع ملے اور وہ بدر میں اپنی غیر حاضری کی تلافی کریں۔ اتفاق یہ تھا کہ بزرگ اور تجربہ کار صحابہؓ کے علاوہ رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی بھی حضور ﷺ سے متفق تھا کہ مدینہ کے اندر رہ کر لڑائی لڑی جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے جب دیکھا کہ اکثریتی رائے باہر نکل کر لڑنے کے حق میں ہے تو آپؐ تیاری کے لیے اندر تشریف لے گئے۔ اب باہر نکل کر لڑنے کے لیے اصرار کرنے والے صحابہؓ کو محسوس ہوا کہ انہوں نے حضورؐ پر دباؤ ڈال کر گستاخی کا ارتکاب کیا ہے۔ انہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کے پاس بھیجا کہ آپؐ جس اقدام کو حکمت کے مطابق خیال فرماتے ہیں اس پر عمل فرمائیں لیکن حضورؐ نے فرمایا: 'ایک نبی جب جنگی لباس

Marfat.com

پہن لیتا ہے تو پھر اس وقت تک نہیں اتارتا جب تک جنگ نہ کر لے۔' [1]

فوج کے تین ڈویژن

اگرچہ نبی پاک ﷺ نے اپنی تلوار میں سوراخ، ایک گائے کے ذبح ہونے اور اپنا دستِ مبارک ایک زرہ میں ڈالنے کے مناظر ایک خواب میں دیکھے تھے اور اُن کی تعبیر یہ بتائی تھی کہ اہلِ بیت میں سے ایک آدمی شہید ہوگا، صحابہؓ کی ایک جماعت قتل ہو جائے گی اور پھر شہر مدینہ زرہ ثابت ہوگا۔ [2] پیغمبر کا خواب محض کسی وہمہ کا نتیجہ نہیں بلکہ حقیقت میں رونما ہونے والے نتائج کی نشاندہی تھی لیکن اللہ کے نبی خوابوں کی بنیاد پر عملی اقدامات سے دست بردار نہیں ہوا کرتے۔ اس لیے دشمن سے مقابلہ کے لیے جتنے مادی وسائل بروئے عمل لائے جا سکتے تھے اور جتنی تدابیر اختیار کی جا سکتی تھیں وہ سب کچھ کیا گیا۔ حضور ﷺ نے غزوۂ اُحد کے موقع پر ایک کے بجائے دو زرہیں پہنی تھیں۔

فوجی حکمتِ عملی کے تحت رسول پاک ﷺ نے اسلامی فوج کو تین ڈویژنوں میں تین کمانڈروں کی کمان میں میدان کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ انصار میں اوس پر حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ کو کمانڈر مقرر کیا گیا۔ اس ڈویژن کا علم انہی کے ہاتھ میں تھا۔ خزرج کے دستے کی کمان حضرت خباب المنذر رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی اور انہی کے ہاتھ میں اس کا علم تھا۔ مہاجرین کے عَلم بردار حضرت مُصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے۔ اِس مدینہ طیبہ کو انہوں نے بیعتِ عقبہ اولیٰ کے بعد اپنی دعوت سے فتح کیا تھا، آج وہ اِس کے دفاع کے لیے اپنی تلوار لے کر میدان میں اُتر رہے تھے۔ دعوت کا موقع ہو تو ہر مسلمان کو ایک داعی اور مبلّغ کا کردار ادا کرنا ہوتا ہے لیکن جب معاملہ دین و وطن کی حفاظت کا آپڑے تو ہر داعی اور مبلّغ ایک مجاہد کی صورت میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کا مکلّف ہوتا ہے۔

مسلمان فوج ثنیۃ الوداع سے کچھ آگے گئی تو حضور ﷺ نے ایک اور مسلّح دستے کو ساتھ

---

[1] اتحاف الوری، جلد اول، و السیرة النّبوية الصّحيحة.

[2] بخاری، مسلم، ترمذی، احمد، ابن ماجہ.

Marfat.com

متحرک دیکھا۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ یہ خزرج یا عبداللہ بن ابی کے حلیف یہودی ہیں جو ان کے ساتھ اپنے پرانے معاہدوں کے تحت مدینہ پر حملہ آور دشمن کے مقابلے کے لیے آئے ہیں۔ ایک روایت میں ان کو بنو قینقاع کے لوگ بتایا گیا ہے لیکن پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ بنو قینقاع جنگِ بدر کے بعد مدینہ سے نکالے جا چکے تھے۔ اگر طبقات الکبریٰ کی اس روایت کو تسلیم کیا جائے تو یہ چونکہ خزرج اور یہود کے مابین پرانے قبائلی معاہدوں کی بنیاد پر ملنے والی حمایت تھی جو خالص اسلامی مقاصد کے ساتھ لڑی جانے والی جنگ سے میل نہیں کھاتی تھی اس لیے رسول پاک ﷺ نے فرمایا ہمیں اہلِ شرک کے خلاف اہل کفر کی امداد قبول نہیں ہے۔ [1]

فوج کا جائزہ

الشیخان یا شیخین کے مقام پر پہنچ کر نبی پاک ﷺ نے اسلامی لشکر کا معائنہ فرمایا۔ دیکھا کہ 14 لڑکے بھی لشکر میں شامل ہو گئے ہیں جن کی عمریں چودہ سال یا اس سے بھی کم تھیں۔ بدر و اُحد میں حق کی راہ میں اور اِسلام اور اللہ کے نبیؐ کے دفاع میں لڑنے سے بڑھ کر جنّت کی یقینی ضمانت اور کہاں ہو سکتی ہے۔ آج اسلام کے نام پر دہشت گردی کی وارداتوں میں کم عمر لڑکوں کو جنّت کی خوش خبری دے کر خودکُش حملوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن افرادی قوّت کی سخت ضرورت کے باوجود رسول اللہ ﷺ پندرہ برس سے کم عمر کے لڑکوں کو جنگ میں شرکت کی اجازت نہیں دیا کرتے تھے۔ اِن میں سے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے سخت اصرار اور تیر اندازی میں ان کی زبردست مہارت کی بنا پر اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ جب رافعؓ کو شریکِ لشکر ہونے کی اجازت ملی تو ایک اور کم عمر نوجوان حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے رافعؓ سے کشتی لڑا کر دیکھ لیں میں ان سے زیادہ طاقتور ہوں۔ اس پر انہیں بھی اسلامی فوج میں شامل کر لیا گیا۔ [2]

---

[1] الحیاة العسکریة لاکرم ضیاء العمری.

[2] بخاری، مسلم و سیرت ابن ہشام.

Marfat.com

منافق چھٹ گئے

شوط کے مقام پر پہنچ کر عبداللہ بن ابی اپنے تین سو حامیوں کو لے کر واپس چل پڑا۔ عذر یہ کیا کہ میری یہ رائے نہیں مانی گئی کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ وہ اس نازک مرحلے پر اسلامی فوج میں انتشار اور افراتفری پیدا کرنا چاہتا تھا۔ انصار میں سے اوس کے بنو حارثہ اور خزرج کے بنو سلمہ بھی وقتی طور پر اس کے چکر میں آ گئے اور انہوں نے بھی واپس جانے کا ارادہ کر لیا لیکن جلد ہی متزلزل دلوں میں ثبات آ گیا اور بزدلی کی راہ پر اٹھے ہوئے قدم عزیمت پر جم گئے۔ قرآنِ پاک میں انہی کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

﴿ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ ﴾ (ال عمران: 122، 123)

''یاد کرو جب تم میں سے دو گروہ بزدلی دکھانے پر آمادہ ہو گئے تھے، حالانکہ اللہ اُن کی مدد پر موجود تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ آخر اس سے پہلے جنگِ بدر میں اللہ تمہاری مدد کر چکا تھا حالانکہ اُس وقت تم بہت کمزور تھے۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ اللہ کی ناشکری سے بچو، اُمید ہے کہ اب تم شکر گزار بنو گے۔''

ابن اسحاق کی ایک مُرسل روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ ان منافقین کو خُدا کا واسطہ دے کر کہتے رہے کہ ''اس نازک ترین مرحلہ پر اسلامی فوج سے دغا اور غدّاری نہ کرو'' لیکن انہوں نے کہا کہ ''ہمیں تو لڑائی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ ہمیں اگر یقین ہوتا کہ لڑائی ہو گی تو ہم تمہیں چھوڑ کر نہ جاتے۔'' ابن اسحاق کی روایت کے مطابق سورہ ال عمران کی آیت: 166 اور 167 میں انہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔

﴿ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ

Marfat.com

قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ۚ

"جو نقصان لڑائی کے دن تمہیں پہنچا وہ اللہ کے اِذن سے تھا اور اِس لیے تھا کہ اللہ دیکھ لے تم میں مومن کون ہیں اور منافق کون۔ وہ منافق کہ جب اُن سے کہا گیا 'آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا کم از کم (اپنے شہر کی) مدافعت ہی کرو'، تو کہنے لگے 'اگر ہمیں علم ہوتا کہ آج جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے'۔ یہ بات جب وہ کہہ رہے تھے تو اُس وقت وہ ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہوتیں، اور جو کچھ دلوں میں چھپاتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ ان لوگوں کی منافقت اور اللہ اور اس کے رسولؐ سے دشمنی کو بھانپ کر آخر یہ کہتے ہوئے واپس آ گئے کہ 'اے اللہ کے دشمنو! اللہ تمہیں دور کر دے، اللہ اپنے نبی کو تم سے ضرور دور کر دے گا'۔ ابن کثیر نے بھی لکھا ہے کہ اوپر کی دو آیات سے یہی منافق لوگ مراد ہیں۔

اسلامی فوج کی پیش قدمی

فوج کے معائنہ اور اس کی تنظیم و ترتیب سے فراغت تک مغرب کی نماز کا وقت ہوا۔ مغرب اور عشاء وہیں پر ادا کی گئیں۔ رسول پاک ﷺ اور مجاہدین نے وہ رات شیخین ہی میں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ رات کو حفاظتی پہرے اور گشت کے لیے حضورؐ نے محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچاس جانبازوں کو مقرر کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ مامور ہوئے۔ وہ رات ایک لمحہ کے لیے بھی حضورؐ سے دور نہ ہوئے۔ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد آگے بڑھنا تھا۔ حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ قریب ترین راستہ سے واقف تھے۔ حضور ﷺ ان کے ساتھ حرہ بنی حارثہ اور وہاں موجود باغات کے درمیان سے گزرتے

Marfat.com

ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ ایک نابینا منافق مربع بن قیظی کا باغ آ گیا۔ منافق کیا، اپنے رویے سے کھلا اسلام دشمن نظر آ رہا تھا۔ اس نے کھولتے ہوئے خبثِ باطن کا اظہار یہ کہہ کر کیا کہ 'اے محمد! اگر تم اللہ کے رسول ہو تو میں تیرے لیے حلال نہیں سمجھتا کہ تو میرے باغ سے گزرے۔' اس نے مٹھیوں میں مٹی بھری ہوئی تھی اور کہہ رہا تھا کہ 'خدا کی قسم! اے محمد! اگر میں یہ دیکھ سکتا کہ یہ مٹی کسی اور کو نقصان نہیں پہنچائے گی تو میں یہ تیرے منہ پر پھینکتا۔'

صحابہ کرامؓ اس کی اس گستاخی پر اسے سزا دینے کے لیے آگے بڑھے۔ لیکن حضور ﷺ نے فرمایا 'یہ آنکھ کا بھی اندھا ہے اور دل کا اندھا بھی۔ اسے قتل نہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ کسی معذور شخص کی حق دشمنی اور معاندانہ جذبات اگر کسی کھلے آزار اور نقصان کا موجب نہ بنے ہوں تو اس کی زبانی شرارت اور گستاخی پر اسے قتل نہیں کیا جانا چاہیے۔ لیکن اس کی بدزبانی سے مشتعل ہو کر حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی اس کے سر پر وار کر کے اسے زخمی کر دیا تھا۔ ❶

پچاس تیر انداز

ہجرت کا تیسرا سال تھا اور شوال کی 7 تاریخ۔ سنیچر کے روز رسول اللہ ﷺ اُحد پہاڑ کی طرف سے گھاٹی میں پہنچے۔ جنگی تدبیر کے طور پر پہاڑ کو پشت پر رکھا اور مجاہدین کے رُخ مدینہ کی طرف رہے۔ حضور ﷺ نے پچاس تیر انداز چھانٹے اور حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اس دستے کو جبلِ اُحد کے مقام عَینَین پر متعین فرمایا اور تاکید کی کہ 'جب تک میرا پیغام نہ ملے تم اس مقام سے ہرگز نہ ہٹنا خواہ تم دیکھو کہ پرندے ہماری لاشیں نوچ کر کھا رہے ہیں۔' (بخاری) ایک اور روایت کے الفاظ یوں ہیں: 'ہماری پشت کی حفاظت کرتے رہنا۔ ہمیں قتل ہوتا ہوا بھی دیکھو تو (اس جگہ کو چھوڑ کر) ہماری مدد کو نہ آنا۔ ہمیں مالِ غنیمت سمیٹتے ہوئے بھی دیکھو تو اس میں شریک ہونے کے لیے یہاں سے نہ اترنا۔' ❷ ممکن ہے کہ

---

❶ صحیح بخاری، صحیح مسلم۔
❷ حاکم، احمد [احمد شاکر کی تحقیق کے مطابق یہ صحیح ہے]۔

Marfat.com

نبی پاک ﷺ نے ان تیر اندازوں کو کچھ وقفہ کے ساتھ یہ دونوں تاکیدیں کی ہوں۔

فوجیں آمنے سامنے

اب اسلامی تحریک کا ایک ایسی آزمائش میں داخل ہونے کا وقت آ گیا تھا جہاں جان و مال کی محبت، قوم قبیلہ کے تعلق، غرض دنیا کی ہر محبت اور وابستگی ایک طرف تھی اور دوسری طرف اللہ اور اُس کے رسولؐ سے محبت اور سولہ برس کی مسافتیں طے کر کے اِس مرحلے تک پہنچنے والی اِسلامی تحریک کی بقا اور اِس کا تابناک مستقبل تھا۔ قبائلی اور دنیوی وابستگی نے قبیلۂ اوس سے تعلق رکھنے والے اہلِ ایمانؓ کو پکارا۔ ابو عامر عبد عمرو بن صیفی اس قبیلہ کا ایک شخص تھا۔ یہ راہب مشہور تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فاسق کا لقب دیا تھا۔ اپنی اسلام دشمنی کی وجہ سے یہ مدینہ چھوڑ کر مکہ میں جا بسا تھا۔ وہاں قریشِ مکہ کو یقین دلایا کرتا تھا کہ مقابلے کا وقت آئے گا تو میں اپنی قوم کے لوگوں کو پکاروں گا، سب محمد کا ساتھ چھوڑ کر میرے ساتھ آ ملیں گے۔ میدانِ جنگ میں آ کر اس نے اپنی قوم کے لوگوں کو آواز دی کہ مشرکین کی صف میں آ جاؤ۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے سرشار اور دِین کی سربلندی کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے کے لیے تیار کھڑے قبیلۂ اوس کے مجاہدین نے اسے جواب دیا: 'او فاسق! اللہ تجھے کبھی کوئی خوشی نہ دے۔' اب نادم ہو کر کہنے لگا کہ میری قوم میرے بعد خرابی میں مبتلا ہو گئی ہے۔ اور پھر خفت میں اور کچھ نہ کر سکا تو پتھر برسانے لگ گیا۔ میدانِ جنگ میں وہ گڑھا جس کے اندر حضور ﷺ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ گرے تھے، اسی کا کھودا ہوا تھا۔ [1]

معیارات کا فرق

سورہ اٰل عمران میں جنگِ بدر پر بھی جامع تبصرہ ہے اور جنگِ اُحد بھی اس کے اہم موضوعات میں سے ہے۔ غور کیا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ صبر اور تقویٰ اس سورہ کا مغز اور نچوڑ ہے۔ پامردی تو اہلِ مکہ بھی دکھا رہے تھے۔ اپنے باطل نظریہ اور کافرانہ و مشرکانہ عقیدہ اور جاہلی نظام کی بقا کی خاطر وہ جان اور مال کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ لیکن

[1] السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ.

Marfat.com

مسلمانوں کا ایمان اور تعلق باللہ، ان کا ہر حال میں تقویٰ، ان کے نصب العین کی سچائی اور بلندی وہ خطِ امتیاز تھا جو انہیں کافروں اور مشرکین سے ممتاز اور جدا کر رہا تھا۔ اس خطِ امتیاز کو نمایاں کرنے کے لیے ایک مثال کافی ہے۔ کسی فوج کا جھنڈا اس کے عقیدہ اور نظریہ وفکر کی علامت ہوتی ہے۔ جھنڈے کو سربلند رکھنے کے لیے سپاہی کٹ مرتے تھے۔ بنو عبدالدار مشرکین کے علم بردار تھے۔ وہ ایک ایک کر کے کٹتے اور گرتے رہے۔ لیکن انہوں نے اپنے عقیدہ اور نظریہ کی علامت کو بلند رکھا۔ یہاں تک کہ نو آدمیوں نے پے در پے اس کی خاطر جان دی۔ ان نو میں سے پانچ آدمی اکیلے قزمان کے ہاتھوں مرے۔ قزمان کون تھا؟ وہ نہ ایمان باللہ کا حامل تھا، نہ تعلق باللہ کا اور نہ ہی اسے مسلمانوں کے نصب العین کی صداقت سے کوئی سروکار تھا۔ منافق تھا۔ اس کی قبائلی حمیت نے اسے مشرکین سے بھڑا دیا تھا جو اس کے خیال میں اس کے شہر اور قبیلے پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اس نے اتنی زبردست بہادری دکھائی مگر اس میں ایمان، صبر اور تقویٰ نہیں تھا اس لیے جب اس کو لگنے والے زخموں کی تکلیف بڑھی تو اس نے اپنی تلوار زمین میں گاڑی اور اس پر سینہ رکھ کر خودکشی کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ دوزخی ہے۔ کیوں کہ وہ اس عقیدہ اور نظریہ وفکر سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا جس کی خاطر مسلمان لڑ رہے تھے۔ (1) مسلمانوں کا ایمان ہے کہ جنگ میں فتح وشکست کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس کے فیصلوں میں مسلمانوں کی ایمانی کیفیات اور ان کے اخلاقی معیارات کی بڑی اہمیت ہے۔ مسلمانوں کو ایمانی معیار سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝١٣٩﴾

(آلِ عمران: 139)

''دِل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔''

لیکن اِس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ دنیوی اسباب اور عقلی تدابیر کی حد تک جو کام

(1) الصادق الامين بحواله صحيح بخاری.

Marfat.com

مسلمانوں کے اپنے کرنے کا ہے خود کرنے کے بجائے اُس کو بھی اللہ کے ذمہ چھوڑ دیں ۔نبوت سے قبل محمد بن عبداللہ ﷺ نے نہ تو کبھی روم و ایران کی جنگوں کا کوئی مشاہدہ کیا تھا، نہ عربوں کی کسی جنگ میں حصہ لیا تھا اور نہ کسی ملک کے عسکری ماہرین کی کسی مجلس میں شریک ہوئے تھے۔لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان فوج کے چیف کمانڈر کی حیثیت سے حضورؐ نے اس جنگ کے لیے اپنی حد بہترین جنگی پلان تیار کیا اور ماہر فوجی قیادت کو فوج کے مختلف بازوؤں پر مقرر کیا تھا۔

مشرکین کی فوجی ترتیب

مشرکین کے گھوڑے کھیتوں کو روندتے ہوئے ،ان کے اونٹ ان کی فصلیں چاٹتے ہوئے اور ان کے پیدل ہر چیز کو روندتے ہوئے اپنے جنگی مقام پر پہنچے۔فوج کی عمومی کمان ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی۔دائیں بائیں ان کے دو بڑے کمانڈر خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل مقرر تھے۔پیدل فوج کی قیادت صفوان بن اُمیہ کر رہا تھا اور تیر انداز دستے عبداللہ بن ربیعہ کے ماتحت تھے۔سات سو زرہ پوش الگ تھے۔فوجیوں کی فوری ضروریات کی تکمیل کے لیے غلاموں کی بڑی تعداد بھی ساتھ تھی۔علم برداری بنی عبدالدار کے سپرد تھی۔ابوسفیان انہیں غیرت دلا رہا تھا کہ بدر کی لڑائی میں ہم پر ٹوٹنے والی مصیبت کے تم ذمہ دار تھے کیوں کہ تم جھنڈا نہ تھام سکے تھے۔اب اگر یہ ذمہ داری نباہ سکو تو علم اپنے ہاتھ میں لو۔اس کو نہ سنبھال سکو تو ہٹ جاؤ، اس اہم منصب پر کسی اور کو کھڑا کیا جائے۔زمانۂ جاہلیت میں قدیم عرصہ سے قریش کی علم برداری کا منصب بنو عبدالدار کے پاس چلا آ رہا تھا۔انہوں نے کہا کہ کل میدان میں تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم پرچم کی حفاظت کس طرح کرتے ہیں۔چنانچہ انہوں نے جنگ میں اپنا یہ عہد پورا کیا اور سب سے زیادہ ثابت قدم وہی رہے۔ [1]

طبلِ جنگ بج گیا

اُس دور کی روایت کے مطابق سب سے پہلے فریقین کے بہادروں کا انفرادی مقابلہ

[1] الصّادِق الامین ﷺ.

Marfat.com

ہوتا تھا۔ یہ مقابلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مشرکین کے علم بردار طلحہ بن عثمان کے درمیان ہوا۔ حضرت علیؓ نے ایک ہی وار میں اُس کا کام تمام کر دیا۔ اب دونوں فوجیں ایک دوسری پر کھل کر حملہ آور ہوئیں۔ بدر کی لڑائی میں دشمن مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تعداد میں تھا اور آج اُحد میں تعداد میں چار گنا سے بڑھ کر اور سامانِ جنگ میں کوئی نسبت ہی نہ تھی۔ لیکن شجاعت و بسالت، جان بازی و جان سپاری، جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت، اطاعت اور حُبِّ رسول ﷺ کی جیسی مثالیں اس جنگ میں پیش کی گئیں، چشمِ فلک بھی حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی ہو گی۔

کمانڈر اپنے سپاہیوں کا مزاج شناس

روحانی قُوت اور نسبتِ رسولؐ کی حرارت تیز کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنی تلوار لہرائی اور پوچھا: 'یہ تلوار مجھ سے کون لے گا؟' فراوانیِ محبت اور اس تلوار کی لاج رکھنے کے شوق میں سب نے ہاتھ بڑھائے۔ حضورؐ نے پھر فرمایا: 'آج کون اِس کا حق ادا کرے گا؟' لوگ سمجھ گئے کہ یہ اعزاز کسی خاص صحابی کے لیے طے ہو چکا ہے اس لیے اشتیاق و انتظار میں سب کی نظریں نبی پاک ﷺ پر جمی ہوئی تھیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے، جو ایک آزمودہ شجاع اور جری مجاہد تھے، تینوں مرتبہ 'میں' کہہ کر ہاتھ بڑھایا لیکن نبی ﷺ کسی اور کو آزمانا چاہتے تھے۔ حضرت ابو دجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: 'اے اللہ کے رسول! اس تلوار کا کیا حق ہے؟' آپؐ نے فرمایا: 'یہ کہ تم اس کو دشمن پر اتنا چلاؤ کہ یہ مُڑ جائے۔' انہوں نے لپک کر تلوار ہاتھ میں لے لی کہ میں اِس کا حق ادا کروں گا۔' اور واقعہ یہ ہوا کہ ان کے ہاتھوں دشمن کی کھوپڑیوں پر چلتے چلتے یہ مُڑ گئی۔ ابو دجانہؓ نے اس کا حق ادا کر دیا۔ [1]

وہ اس تلوار کا حق ادا کرنے کے شوق میں بڑھتے ہوئے وادی کے اندر وہاں تک پہنچ گئے جہاں مشرکین کی عورتیں رجز گا کر اپنے مردوں کے حوصلے بڑھا رہی تھیں۔ سب سے نمایاں عورت ہند بنت عتبہ تھی اس پر تلوار لہرائی اور پھر پیچھے کر لی کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی

[1] صحیح مسلم، مسند احمد، ابن هشام.

Marfat.com

تلوار کسی عورت پر چلائی گئی تو یہ اس تلوار کی توہین ہوگی۔

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

یوں تو 'اَمِتْ ، اَمِتْ ' کے جنگی شعار کے ساتھ ہر مسلمان نے اپنے اپنے طور پر جرأت و بسالت کی تاریخ رقم کی۔ لیکن تاریخ اسلام نے جس مجاہد کے کارنامے کو اپنے اوراق کا نمایاں ترین عنوان بنایا وہ شیر خدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت تھی۔ مشرکین نے مکہ سے چلنے کے ساتھ ہی انہیں ہدف بنانے کا عزم کر لیا تھا۔ اُن کے قاتل کے لیے روانگی سے بہت پہلے انعام مقرر ہو گئے تھے۔ جنگِ بدر میں مشرکین کے ایک بڑے سردار عتبہ بن ربیعہ اور جبیر بن مطعم کے چچا طعیمہ بن عدی کو حضرت حمزہؓ ہی نے واصلِ جہنم کیا تھا۔ ابوسفیان کی بیوی اور عتبہ کی بیٹی ہند بھی حضرت حمزہؓ کے خون کی پیاسی تھی اور جبیر بن مطعم بھی اپنے چچا کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے غلام 'وحشی' سے، جو بھالا پھینکنے کا ماہر تھا، یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ اگر اس نے حمزہؓ کو قتل کر دیا تو وہ اُسے آزاد کر دے گا۔

حضرت حمزہؓ میدانِ وغا میں دادِ شجاعت دیتے اور کافروں کے کشتوں کے پشتے لگاتے ہوئے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ وحشی ایک چٹان کے پیچھے گھات لگائے بیٹھا تھا کہ حضرت حمزہؓ اس کے نشانے پر آئیں تو وہ اپنا نیزہ پھینکے۔ جب حضرت حمزہؓ اس کے قریب سے گزرے تو اس نے تاک کر اپنا نیزہ پھینکا جو ان کی ناف اور مثانے کے درمیان سے پیٹ میں آر پار ہو گیا۔ ❶ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت تمام مسلمانوں ہی کے لیے غم انگیز تھی لیکن رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ ایسا صدمہ تھا جسے آپؐ ساری زندگی فراموش نہ کر سکے۔ اسی لیے وحشی کے مسلمان ہو جانے کے بعد آپؐ نے اسے تاکید فرمائی کہ وہ کبھی آپؐ کے سامنے نہ آئے، کیوں کہ اس کا سامنے آنا رسول پاک ﷺ کے غم کو تازہ کرنے کا موجب بنتا تھا۔ ہند بنت عتبہ نے بدر میں اپنے باپ، چچا اور بھائی کے قتل کے بدلے کے لیے بے چین تھی اور جبیر بن مطعم اپنے چچا کے قتل کے انتقام کی آگ میں سلگ رہا تھا۔ وحشی نے حضرت حمزہؓ کی

❶ بخاری، احمد، ابن اسحاق.

Marfat.com

لاش کے اعضا کاٹے اور ہند نے ان کے کنگن اور پازیب بنا کر پہنا اور کلیجہ ٹھنڈا کیا۔ ❶

داعی و مبلغِ اسلام مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت

پیچھے ذکر ہو چکا ہے کہ مدینہ میں دعوتِ حق کی فصل بونے اور اس کے برگ و بار لانے کا سہرا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے سر تھا۔ آج اُحد میں برپا معرکۂ حق و باطل میں اسلامی فوج کا علم ان کے ہاتھ میں تھا۔ پامردی سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ مکہ میں ناز و نعم کی زندگی گزارتے تھے۔ سب سے زیادہ خوش پوش اور جدید اصطلاح میں فیشن کے دلدادہ تھے۔ لیکن اسلام کی دولت نصیب ہوئی تو سب عیش و آرام اور ساری نعمتوں پر ٹھوکر مار کر زندگی اسلام کے حوالے کر دی۔ آخر اسی اسلام کا دفاع کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر لیا۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ’ہم نے رسول اللہ کے ساتھ ہجرت کی۔ اللہ کی رضا کے سوا اور کوئی طلب نہیں تھی۔ اللہ کے ہاں ہمارا اجر یقینی ہے۔ لیکن ہم میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جنہیں ہجرت کے ثمرات میں سے کچھ بھی دنیوی پھل نہیں ملا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا شمار انہی لوگوں میں ہوتا ہے۔ جنگِ اُحد میں ان کو شہید کر دیا گیا۔ سوائے ایک چادر کے انہوں نے اپنے پیچھے دنیوی سامان میں سے کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا۔ ان کو اسی چادر کا کفن دیا گیا۔ چادر اتنی چھوٹی تھی کہ ہم اُن کا سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور پاؤں پر چادر ڈالتے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ آخر رسول اللہ ﷺ نے ہدایت کی کہ اس سے سر ڈھانک دو اور پاؤں پر اِذخِر کے پتے ڈال دو۔‘ ❷ جناب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد علم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تھام لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بدر و اُحد دونوں مقامات پر قائدانہ صلاحیتوں اور شجاعانہ کارناموں کی تاریخ رقم کی۔ مشرکین کے نو آدمی اپنے پرچم کے دفاع میں جب کھیت رہے تو پھر ان کا پرچم اُٹھانے کے لیے کوئی آگے نہ بڑھا۔ پرچم نگوں ہونا اور پھر اس کو اٹھانے کی جرأت نہ کرنا اعترافِ شکست کی علامت تھی۔

---

❶ المغازی الواقدی و تاریخ خلیفه بن خیاط بحواله السّیرة النّبویة فی ضوء المصادر الاصلیة.
❷ بخاری.

Marfat.com

تیر اندازوں کی لغزش

اِس کتاب کے حصہ دوم کے آخری باب کا عنوان ہے 'حقوقُ النبی ﷺ' ۔اس میں رسول اللہ ﷺ کے حقوق کا بہت تفصیل کے ساتھ ذکر آ رہا ہے۔ وہاں قارئین پڑھیں گے کہ محبت، ادب و تعظیم اور اطاعت حبیب اللہ، خیر البشر، سیدِ الابرار ﷺ کے وہ حقوق ہیں جن کو ادا کیے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ساری اسلامی تہذیب حقوق اللہ کے ساتھ نبی ﷺ کے ان حقوق پر کھڑی ہے۔ نبیؐ کی اطاعت مسلمانوں کا اختیاری معاملہ نہیں ہے کہ جب اور جہاں چاہیں اور جتنی مرضی ہو اطاعتِ رسولؐ کریں اور مرضی نہ ہو تو اس سے نکل جائیں۔ نبیؐ کی اطاعت میں اللہ کی اطاعت مضمر ہے۔ مسلمانوں نے بہت مختصر عرصہ میں، بہت تھوڑی تعداد اور بہت کم وسائل کے باوجود جو کامرانیاں حاصل کی تھیں ان میں اللہ کی نصرت کے بعد سب سے بڑا دخل رسول اکرم ﷺ کی محبت، ادب و تعظیم اور اطاعت سے نمو پانے والے نظم وضبط، تنظیم و ترتیب، قرینہ و سلیقہ اور ڈسپلن کا تھا۔

اُحد کے میدان میں برسرِ پیکار ہر مجاہد نبی پاکؐ کی محبت، ادب و تعظیم اور اطاعت کے جذبے سے سرشار تھا۔ لیکن پہاڑی پر متعین پچاس تیر اندازوں میں سے دس بارہ کو چھوڑ کر باقی سب سے اس ضمن میں ایک بہت بڑی لغزش سرزد ہوئی۔ انہوں نے ڈسپلن کو توڑا اور ہر حال میں اس پہاڑی مورچے پر جمے رہنے کی اس سخت تاکید کو نظر انداز کر دیا جو انہیں وہاں متعین کرتے وقت اللہ کے رسولؐ نے کی تھی۔ میدان میں بے جگری سے لڑنے اور اپنی جانیں قربان کرنے والے فتح کے قریب پہنچ گئے تھے۔ دشمن سخت بدحواس ہو کر فرار ہو رہا تھا۔ ان کی عورتیں بھی ان کے پیچھے بھاگی چلی جا رہی تھیں۔ فتح مسلمانوں کے قدم چومنے والی تھی اور قریش کا غرور خاک میں ملنے والا تھا۔ مسلمانوں کو اپنی فتح کے آثار صاف نظر آ رہے تھے۔

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ﴾

'اللہ نے (تائید و نصرت کا) جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ اُس نے پورا کر دیا۔ ابتدا

Marfat.com

میں اُس کے حکم سے تم ہی اُن کو قتل کر رہے تھے۔۔۔‘‘

آگے اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ تمہاری فتح شکست میں کیوں بدل گئی۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَ عَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الِ عمران:152)

’’مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا، اور جوں ہی کہ وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (یعنی مالِ غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔ اِس لیے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔۔تب اللہ نے تمہیں کافروں کے مقابلہ میں پسپا کر دیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے۔اور حق یہ ہے کہ اللہ نے پھر بھی تمہیں معاف کر دیا کیوں کہ مومنوں پر اللہ بڑی نظرِ عنایت رکھتا ہے۔‘‘

تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ ایک قوم، معاشرے، تنظیم اور تحریک میں چند افراد یہاں تک کہ کسی ایک فرد کی ہولناک غلطی سے ساری قوم، پورے معاشرے اور تمام تنظیم اور کامل تحریک کو ایسا نقصان پہنچتا ہے جس کی تلافی مدتوں تک نہیں ہو پاتی۔ یہاں یہی ہوا۔ کچھ لوگوں کا تحریکی شعور اور نصب العین کی روشنی حرص و ہوس کی دھند کی لپیٹ میں آگئے تو قدموں کو چھوتی ہوئی شاندار فتح قریب آکر پلٹ گئی۔ اس روش نے اسلامی تحریک کے اجتماعی وجود پر بڑا گہرا گھاؤ لگایا۔ خالد بن ولید کا گھڑسوار دستہ جبلِ اُحد کے پیچھے سے ایک لمبا چکر کاٹ کر اسی درّے سے مسلمانوں پر عقب سے حملہ آور ہوا جس درّے کو تیر اندازوں نے ڈسپلن کی خلاف ورزی اور اللہ کے رسولﷺ اور اپنے کمانڈر عبداللہ بن جبیرؓ کے احکام سے روگردانی کرتے ہوئے خالی کر دیا تھا۔

Marfat.com

پیچھے سے ہونے والے اس اچانک حملے سے ابھی مسلمان مجاہد سنبھلے بھی نہیں تھے کہ آگے سے فرار ہوتے ہوئے دشمن پلٹ کر ٹوٹ پڑے۔ مسلمانوں کی صفیں بکھر گئیں، ترتیب بگڑ گئی، دفاعی لائین ٹوٹ گئی، ہواس گم ہو گئے اور عقلیں جواب دے گئیں۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے بوڑھے والد اسی افراتفری میں مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ [1]

حالات اس نہج پر پہنچ گئے

حالات اس نہج پر چلے گئے کہ رسول اللہ ﷺ کے شہید ہو جانے کی خبر پھیل گئی۔ اس خبر نے مزید بدحواسی پیدا کر دی۔ کچھ لوگوں نے ہتھیار پھینک دیے۔ کچھ یہ کہتے ہوئے رنجور و مغموم حالت میں مدینہ کی طرف چل پڑے کہ جب رسول اللہ نہیں رہے تو اب کس کے لیے لڑنا۔ کچھ میدان ہی میں بیٹھ گئے اور کچھ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ البتہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بن نضر جیسے لوگ بھی تھے جنہوں نے اپنے غم کو ایک نئے عزم میں ڈھال لیا اور جی جان سے دشمن کے ساتھ معرکہ آرا ہو گئے۔ لڑتے ہوئے اس طرح شہید ہوئے کہ بدن پر اسّی سے زیادہ زخم تھے اور زخموں سے چہرے کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ پہچانا نہیں جا رہا تھا۔ جنگِ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ اس کا انہیں افسوس تھا۔ عہد کر رکھا تھا کہ اب بھی اگر دشمن سے مقابلہ آ پڑا تو بدر کی کسر بھی پوری کروں گا۔ انہوں نے اپنے عہد کی لاج رکھی اور واقعی بدر کی غیر حاضری کی ساری کسر پوری کی اور جانبازی کے سارے ارمان نکالے۔ جنگ کا ہنگام چھٹا تو حضور ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی تلاش میں بھیجا۔ اس وقت ان کے کچھ سانس باقی تھے۔ حضرت زیدؓ بن ثابت نے رسول پاک ﷺ کی طرف سے سلام کہا۔ سلام کا جواب دیا اور اتنا کہا: "مجھے تو جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ پھر اپنے انصاری بھائیوں کے لیے پیغام دیا کہ آخری دم تک رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرتے رہیں۔ اگر تم میں سے کسی کے اندر زندگی کی آخری رمق تک بھی باقی ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کو کوئی گزند پہنچ گئی تو اللہ کے ہاں تمہارا کوئی عذر قبول نہ ہو گا۔ [2]

---

[1] مستدرك الحاكم. [2] ابن اسحاق.

Marfat.com

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾ (الاحزاب:23)

''ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔انہوں نے اپنے رویّے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔'' (1)

اس آیت کا مصداق حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کو ہی بتایا گیا ہے۔کچھ روایات کے مطابق حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

جنگ میں مسلمان عورتوں کا کردار

روایات بتاتی ہیں کہ جنگِ اُحد میں مسلمان عورتیں بھی اپنے فرض سے غافل نہ رہیں۔اُم عمارہ، حمنہ بنت جحش، اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، اُم سلیط اور اُم سُلَیم رضوان اللہ علیہن کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔یہ رضا کارانہ طور زخمیوں کو پانی پلانے کی ڈیوٹی دینے کے لیے میدان میں آ گئی تھیں لیکن بعض خواتین کو عملی طور پر لڑنے کی ضرورت بھی پیش آ گئی تھی۔ڈاکٹر لقمان سلفی نے 'الصادق الامین' میں الاکتفاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ اُمّ عمارہ نسیبہ بنت کعب المازنیہ رضی اللہ عنہا نے خود بتایا کہ وہ صبح اس ارادے سے نکلی تھیں کہ دیکھیں مجاہدین کس حال میں ہیں۔پانی کا مٹکا یا مشکیزہ ساتھ لے گئی تھیں۔ابتدا میں انہوں نے دیکھا کہ جنگ کا پانسا مسلمانوں کے حق میں تھا۔لیکن پھر جنگ کے حالات ایسے بدلے کہ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ بھاگنے لگے۔وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئیں اور تلوار لے کر حضورؐ کے دفاع میں لڑنے لگیں اور شدید زخمی ہو گئیں۔بہت بعد اُمّ سعد بنت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہا نے ان کے کندھے پر زخم کے نشان دیکھے تو پوچھا یہ زخم کیسے لگے تھے؟ انہوں نے بتایا: 'اللہ ابن قمیہ کو ہلاک کرے۔جب لوگ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ابن قمیہ یہ کہتا ہوا حضورؐ کی طرف بڑھ رہا ہے کہ

(1) بخاری، مسلم و ابن هشام.

Marfat.com

'کوئی مجھے محمد دکھادے، اگر وہ بچ گیا تو میں نجات نہیں پاؤں گا'۔ یہ سن کر میں مصعبؓ بن عمیر اور کچھ اور صحابہ کے ساتھ اس کو روکنے کے لیے آگے بڑھی۔ میں نے اس کے کندھے پر تلوار کے کئی وار کیے لیکن اس نے دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد نے السّیرة النّبویة فی ضوء المصادر الاصلیة میں صحیح مسلم کے حوالے سے لکھا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب جنگ کو جاتے تو حضرت امّ سُلَیم رضی اللہ عنہا اور چند دیگر انصاری صحابیات کو ساتھ لے جاتے تھے۔ وہ مجاہدین کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

دفاعِ رسولؐ پر قائم ایک جماعت

شدتِ غم کا یہ ایک عجیب پہلو ہے کہ اس حالت میں اکثر انسان کی صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت سلب ہو جاتی ہے۔ منافق تو دیکھے بھالے اور جانے پہچانے تھے لیکن وہ جو رسول پاک ﷺ کی شہادت کی خبر ملتے ہی میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے وہ منافق نہیں تھے۔ صادق الایمان اور مخلص لوگ تھے۔ بس غم والم نے ان کو نئی صورتِ حال میں کوئی صحیح فیصلہ کرنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ اُس گھڑی کے لیے صحیح ترین فیصلہ تو یہ تھا کہ قائدِ تحریکِ اسلامی اور رہبر و رہنمائے انسانیت جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے دفاع میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جاتا۔ کفر و شرک کی قوتوں کا خیال تھا کہ اس مرحلے پر تحریک کے قائد کو ختم کر دینے سے اس تحریک کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے گا جو انسانیت کی رہنمائی، اصلاح اور حقیقی فلاح کے لیے حضرت آدمؑ کے وقت سے جاری ہے اور جسے اللہ کے ہر نبی نے آگے بڑھایا۔ اب سیّد الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے پاسدار ہیں۔ حضورؐ کے بعد قیامت تک کے لیے یہ فریضہ اُمتِ مسلمہ کو ادا کرنا ہے۔ مسلمان دشمن کے تیغ و تبر کے زخموں سے زیادہ غم کی وجہ سے نڈھال تھے۔ کچھ نے بھاگتے ہوئے مدینہ کا رخ کر لیا تھا اور کچھ پہاڑ پر چڑھ گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ پیچھے سے بذاتِ خود اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ، اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ کے الفاظ سے انہیں پکار رہے تھے لیکن ان کے اکھڑے ہوئے قدم رک نہیں رہے تھے۔

Marfat.com

﴿ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ فِیْٓ اُخْرٰىکُمْ ﴾

''یاد کرو جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے، کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کا ہوش تمہیں نہیں تھا، اور رسول تمہارے پیچھے سے تم کو پکار رہا تھا۔''

دس بارہ صحابہؓ کی ایک مٹھی بھر جماعت تھی جو اُحد پہاڑ سے بھی زیادہ مضبوط عزم اور استقامت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا دفاع کر رہی تھی۔ مشرکین کی ساری توجہ اس شیطانی منصوبے پر تھی کہ کسی طرح وہ اللہ کے رسولؐ کی جان لینے میں کامیاب ہو جائیں۔ حضور ﷺ کے گرد گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ افراتفری کی حالت میں سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضورؐ زندہ ہیں۔ انہوں نے خوشی کی کیفیت میں لوگوں کو پکار کر یہ خبر پہنچانی شروع کی۔ لیکن انہیں خاموش کرا دیا گیا تا کہ مشرکین کی یلغار ایک بار پھر اسی طرف نہ ہو جائے۔ [1]

اس وقت آپ ﷺ کے گرد موجود صحابہ میں سات انصار تھے اور دو مہاجر۔ ساتوں کے ساتوں انصار نے ایک ایک کر کے حضور ﷺ کے دفاع میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔ شاید اُس وقت رسول اللہ ﷺ کو احساس ہوا کہ مہاجرین کو سب سے بڑھ کر جو کام کرنا چاہیے تھا اس کا سارا بوجھ انصار نے اپنے کندھوں پر لے لیا تھا۔ حضورؐ کے دفاع کے لیے مہاجرین کو انصار سے بڑھ کر جانفشانی دکھانی چاہیے تھی۔ اسی لیے آپؐ نے دو قریشی ساتھیوں سے فرمایا:
'ہم نے (مراد قریشی صحابہ نے) ان بھائیوں سے انصاف نہیں کیا۔' [2]

حُب و دفاعِ رسولؐ میں جن صحابہ نے اس روز محیّر العقول کارنامے انجام دیے ان میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا احسان اُمت قیامت تک نہیں بھلا پائے گی۔ ان کی ایک ایک ادا اور حرکت سے عزیمت و شجاعت اور رسول اللہ ﷺ کے لیے محبت و عقیدت کے چشمے بہہ رہے تھے۔ حضورؐ پر برسنے والا ہر تیر اپنے ہاتھ اور بازو پر روکتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کا

[1] مستدرك الحاكم، ابو نعيم.
[2] صحيح مسلم.

Marfat.com

ایک ہاتھ شل ہو گیا۔ ❶ حضور ﷺ نے اسی موقع پر فرمایا تھا: 'طلحہ نے اپنے لیے جنت واجب کر لی' اور یہ بھی فرمایا تھا: 'جو کوئی زمین پر زندہ چلتے پھرتے شہید کو دیکھنا چاہے وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے۔' ❷

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک ماہر تیر انداز تھے۔ رسول اللہ ﷺ خود انہیں تیر پکڑاتے اور فرماتے: 'نشانہ لگاؤ، تیر چلاؤ اے سعد! میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں!' (بخاری) حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کا کردار اپنا ایک انوکھا پن رکھتا ہے۔ انہوں نے اپنی پیٹھ کو رسول اللہ ﷺ کی ڈھال بنا دیا تھا۔ حضورؐ پر مشرکین کے تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور ابو دجانہؓ حضورؐ پر اس طرح جھکے ہوئے تھے کہ آنے والا ہر تیر ان کی پیٹھ پر آ کر برستا تھا۔ ان کی پیٹھ تیروں سے چھلنی ہو گئی تھی۔ ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بھی خوب دادِ شجاعت دی۔ ایک آدمی کے ہاتھ میں تیروں سے بھرا ہوا ترکش دیکھ کر حضورؐ نے حکم دیا کہ یہ سارے تیر ابو طلحہ کو دے دو۔' ❸ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی ایک ٹانگ میں لنگ تھا۔ انہیں اس عذر کی بنا پر نبی ﷺ نے خود جہاد میں شریک ہونے سے رخصت دے دی تھی۔ مگر جنت کی طلب میں وہ شاملِ معرکہ ہونے کے لیے بے تاب تھے۔ اصرار کر کے اجازت لی۔ میدان میں اپنی لنگڑی ٹانگ کے ساتھ اچھل اچھل کر دشمن پر تلوار کے وار کرتے رہے۔ اسی حالت میں مرتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اس دعا کے ساتھ میدان میں اترے تھے کہ وہ دشمن سے لڑیں، مقابلہ میں مارے جائیں اور دشمن ان کا پیٹ چاک کرے اور ان کی لاش کا مثلہ کرے۔ یہ دعا قبول ہوئی اور ان کی لاش کا بھی ان کے ماموں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرح مثلہ کیا گیا۔ حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ کی اسی روز شادی ہوئی تھی۔ دلہن کے ساتھ ایک شب گزاری تھی کہ انہیں جہاد کی پکار سنائی دی۔ ابھی غسل بھی نہیں کیا تھا۔ حالتِ

---

❶ بخاری.

❷ السّیرة النّبویة فی ضوء المصادر الاصلیة بحواله بخاری ، ابن هشام ،سلسلة الاحادیث الصّحیحة للالبانی. ❸ بخاری

Marfat.com

جنابت ہی میں نکل کھڑے ہوئے اور دادِ شجاعت دیتے ہوئے مرتبۂ شہادت کو پہنچ گئے۔حضورؐ نے فرمایا: ''تمہارے ساتھی کو فرشتے غسل دے رہے ہیں۔''❶ جب مسلمانوں کو یہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ کے زندہ ہیں تو ان کے حوصلے بلند ہو گئے تھے۔اسی دوران میں اللہ کی قدرت سے سب پر ایک اونگھ طاری ہوگئی۔اس کیفیت سے نکلے تو ہمتیں بحال ہو گئی تھیں۔دشمن کو ان کے سنبھلنے کی ہرگز یہ توقع نہیں تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی کیفیت

اُحد کی جنگ میں ستر صحابہؓ شہید ہوئے۔ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے انداز میں جریدۂ تاریخ پر اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت اور اطاعت، نصب العین کی عظمت و صداقت پر یقین اور جرأت و بہادری کی ان مٹ داستان رقم کی۔مسلمانوں کا اتنا جانی نقصان ہوا اور ان کی صفیں اُلٹ پلٹ گئیں۔رسول اللہ ﷺ کے نچلے رباعی دانت کا اوپر کا حصہ ٹوٹ گیا مگر اس سے ایسا کوئی ظاہری عیب پیدا نہ ہوا۔ایک مشرک عبداللہ بن قمیہ نے تلوار کے دو وار آپؐ پر کیے لیکن چونکہ آپؐ نے دہری زرہ پہن رکھی تھی اس لیے تلوار سے کوئی زخم نہ آیا، لیکن شانے پر ایسی چوٹ لگی جس کا درد آپؐ کو تیس چالیس دن تک محسوس ہوتا رہا۔خود کی کڑیاں ٹوٹ کر آپؐ کے رخسار میں کھب گئیں اور خون بہنے لگا۔حضرت علیؓ پانی لائے جو ذائقہ میں پینے کے لائق نہیں تھا۔اس سے حضورؐ کے زخم دھوئے گئے اور سکون کی خاطر سر پر بہایا گیا۔گڑھے سے نکل کر آپ ﷺ ایک چٹان پر چڑھنا چاہتے تھے لیکن تھکن اور نقاہت کی وجہ سے اٹھ نہ سکے۔آپؐ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی پیٹھ پر پاؤں رکھ کر چٹان کی چوٹی تک پہنچے۔نماز کا وقت ہو رہا تھا۔آپؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی۔❷

دشمن میدان چھوڑ گیا

اپنی جزوی مگر مسلمانوں کے لیے خاصی نقصان دہ فتح کا قریش کوئی بڑا ثمر سمیٹ نہ

❶ مستدرك الحاكم.

❷ سیرتِ رحمتِ دارین ﷺ اور الصادق الامین۔

Marfat.com

سکے۔ انہوں نے واپسی کا راستہ پکڑ لیا۔ اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چھتیس سینتیس مسلمانوں کی خطا ولغزش کی جو سزا اور جو سبق مسلمانوں کو دینا چاہتا تھا وہ دے کر اُس نے خود ہی دشمنانِ اسلام کا رُخ مکہ کی طرف پھیر دیا۔ ابوسفیان یہ تسلی کرنا چاہتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ سمیت اسلامی تحریک کی صفِ اول کی ساری قیادت ختم کر دی ہے۔ وہ اس چٹان کے نیچے تک پہنچ گیا تھا جہاں حضور ﷺ تشریف رکھتے تھے۔ اس نے آواز دی کہ 'کیا تم میں محمد ہے؟' حضورؐ نے جواب دینے سے منع کر دیا تھا۔ اس نے پھر پکارا: 'کیا تم میں ابو قحافہ کا بیٹا (ابوبکر صدیقؓ) ہے؟' کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ پھر اس نے کہا: کیا خطاب کا بیٹا (عمرؓ) ہے؟' پھر بھی کوئی جواب نہ دیا گیا تو بڑبڑانے لگا کہ 'لگتا ہے سب مارے گئے ہیں۔ اگر کوئی زندہ ہوتا تو جواب دیتا۔' اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا۔ انہوں نے اسے پکار کر کہا: 'او دشمن خُدا! اللہ نے تمہیں ناخوش رکھنے کے لیے ان سب کو زندہ رکھا ہے۔' اس نے ہُبل زندہ باد کا نعرہ لگایا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'تم کہو اَللّٰہُ اَعْلٰی وَ اَجَلُّ (اللہ ہی اعلیٰ اور برتر و بلند ہے) اس نے کہا: 'ہمارے پاس عُزّیٰ ہے، تمہارا کوئی عُزّیٰ نہیں۔' حضورؐ نے فرمایا کہ جواب دو: 'اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلیٰ لَکُمْ (اللہ ہمارا ولی و مددگار ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں)' اس کے بعد ابوسفیان نے کہا کہ آج ہم نے بدر کا بدلہ لے لیا ہے۔ جنگ (نتائج کے لحاظ سے) اسی طرح کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر ڈولتی ہے۔ گویا ہم اور تم برابر رہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: 'ہم اور تم برابر نہیں ہیں، ہمارے مقتول جنت میں جائیں گے اور تمہارے مقتول دوزخ میں۔'[1] ابوسفیان نے کہا کہ تمہارے مقتولوں کا مُثلہ ہوا ہے۔ میں نے کسی کو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا لیکن جو ہوا اس کا مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔'[2] ابوسفیان نے یہ بھی کہا کہ آئندہ برس میدانِ جنگ میں پھر مقابلہ ہو گا۔ مسلمانوں نے یہ چیلنج قبول کر لیا۔

قریش کے روانہ ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم

---

[1] مسنداحمد، ابن هشام.

[2] بخاري و مغازی ابن ابی شیبه.

Marfat.com

کرنے کے لیے بھیجا کہ قریش اونٹوں پر سوار ہیں اور گھوڑے ان کے پہلوؤں میں ہیں یا وہ گھوڑوں پر سوار ہیں اور اونٹوں کو خالی ہنکا کر لے جا رہے ہیں؟ وہ کس سمت میں جا رہے ہیں؟ ان کی حرکات سے مدینہ پر حملہ کرنے کا کوئی اشارہ ملتا ہے یا وہ مکّہ ہی کی طرف گامزن ہیں؟ ❶ حضرت علیؓ کی رپورٹ کے مطابق قریش نے جتنا کچھ اس جنگ سے حاصل کیا اس سے زیادہ کی ان میں کوئی خواہش نظر نہیں آ رہی تھی اور وہ سیدھے مکّہ کے راستے پر جا رہے تھے۔

شُہداء کی تدفین اور صبر کے ایمان افروز مظاہرے

کچھ شُہداء کے وارث تدفین کے لیے ان کی میّتیں مدینہ لے گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ انہیں واپس لایا جائے تا کہ جس جگہ وہ شہید ہوئے وہیں انہیں دفن کیا جائے۔ اللہ کی راہ میں جانیں دینے والے اور اِسلام کو اپنے خون سے تا قیامت زندگی بخشنے والے یہ مجاہد چونکہ ساتھ ساتھ گرے تھے اور جانیں دی تھیں، شاید اسی وجہ سے دو دو تین تین کو ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ ❷ حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا مدینہ سے اپنے بھائی کا منہ دیکھنے آئی تھیں اور ساتھ ان کے کفن کے لیے دو کپڑے لائی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کو جب ان کے آنے کا پتہ چلا تو حضرت زبیرؓ سے کہا کہ ''انہیں واپس لے جاؤ۔ وہ اپنے بھائی کی مثلہ زدہ لاش کو دیکھ کر صبر نہیں کر پائیں گی۔'' جب حضرت زبیرؓ نے اپنی والدہ کو حضور ﷺ کا پیغام دیا تو وہ کہنے لگیں: ''مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کی لاش کو مسخ کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ سب اس پر اللہ کی راہ میں بیتی ہے اس لیے ہم بخوشی قبول کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں صبر کروں گی اس امید پر کہ اس صبر کا اللہ کے ہاں اجر ہے۔ نبی پاک ﷺ نے انہیں حضرت حمزہؓ کی میّت دیکھنے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے لاش پر نظر ڈالی، اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا، دعا کی اور کفن کے لیے جو دو کپڑے لائی تھیں وہ زبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے کیے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے ساتھ ہی ایک انصاری صحابی کی اسی طرح مثلہ کی

❶ ابن هشام، طبری.

❷ فتح الرّبانی، ترمذی.

Marfat.com

ہوئی لاش تھی۔ عدل اسلام کا وہ زرّیں اصول ہے جس کا اطلاق زندوں پر ہی نہیں مرحومین پر بھی کیا جاتا ہے۔ اسلام میں خاص اور عام، غریب اور امیر، اپنے اور پرائے اور بلند و پست میں امتیاز کا کوئی تصور نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے یہ گوارا نہ کیا کہ آپؐ کے چچا کو تو دو کپڑوں کا کفن دیا جائے اور ساتھ ایک دوسرے شہید کو کفن کے بغیر قبر میں اتارا جائے۔ حضرت صفیہؓ کے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑے سے دوسرے شہید کو کفن دیا گیا۔

اپنے بیٹوں، بھائیوں، شوہروں اور دیگر عزیزوں کی شہادت پر مسلمان عورتوں کے صبر کے ضمن میں ابن ہشام نے اُس عظیم خاتون کے صبر کا ذکر کیا ہے جسے اس کے والد، شوہر، بھائی اور بیٹے کی شہادت کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے کہا تھا کہ مجھے بس رسول اللہ ﷺ کے بخیر و سلامت ہونے کے بارے میں بتا دو۔ جب بتایا گیا کہ حضورؐ سلامت ہیں تو انہوں نے کہا تھا کہ 'آپؐ سلامت ہیں تو پھر ہر مصیبت ہلکی اور بے معنی ہے۔' قاضی محمد سلیمان سلمان پوری اور طالب الہاشمی کی تحقیق کے مطابق یہ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہند تھیں۔ ان کے سوا اور کوئی ایسی عورت نہیں جس کے رشتوں میں اُحد کے میدان میں اتنے شہید ہوئے ہوں۔ تاہم ان کے قریبی شہداء میں ان کے والد نہیں تھے۔ ابن ہشام کے راوی نے شاید سہواً بیٹے کی جگہ باپ بیان کر دیا۔ ہندؓ کا اسی پہلو سے اس کتاب کے دوسرے حصہ میں 'حقوق النبی ﷺ' کے عنوان کے تحت آ رہا ہے۔ صبر کا مظاہرہ حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا نے بھی کیا تھا لیکن ان کے بارے میں ابن اسحاق اور ابن ماجہ کی کسی قدر ضعیف روایت میں یہ دلچسپ بات آئی ہے کہ انہیں جب اُن کے بھائی عبداللہ بن جحش کے شہید ہونے کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا اور صبر کیا۔ پھر بتایا گیا کہ ان کے ماموں حضرت حمزہ بھی شہید ہو گئے تو اس پر بھی انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا اور صبر کیا۔ لیکن جب انہیں بتایا گیا کہ اُن کے شوہر حضرت مصعبؓ بن عمیر بھی شہید ہو گئے تو ان کی چیخیں نکل گئیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا: 'واقعی عورت کے لیے اس کے شوہر کا مقام بہت اہم ہے۔'

جس طرح دنیا میں اسلام کی رو سے امتیاز کی بنیاد تقویٰ ہے اسی طرح شہدائے اُحد میں

Marfat.com

جو امتیاز برتا گیا اس کی بنیاد قُرآن کا علم تھا۔ صحیح بخاری اور سنن ابی داود کی روایت بتاتی ہے کہ دو دو تین تین کو ایک ایک قبر میں دفناتے وقت رسول اللہ ﷺ دریافت فرماتے کہ ان میں سے حفظ وعِلم قُران میں کس کو فضیلت و برتری حاصل تھی؟ جس کے بارے میں بتایا جاتا اسے آگے رکھ کر فرماتے کہ 'قیامت کے روز میں ان کے حق میں گواہ ہوں گا۔ شہداء کو بغیر غسل کے اسی طرح خون آلود حالت میں دفن کیا گیا۔ [1] وہ احادیث جن میں بتایا گیا ہے کہ شہداء کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی وہ ان کے کے مقابلے میں قابلِ ترجیح ہیں جن میں جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ [2]

مشرکین کا تعاقب

عزیمت واستقامت کی یہ انوکھی مثال ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود زخمی تھے۔ صحابہ کرامؓ میں سے بھی اکثر زخموں کی تکلیف اور نقاہت کا شکار تھے۔ مدینہ کے ستر گھرانے تو براہِ راست شہداء کے غم کی لپیٹ میں تھے اور ان کے اعزہ واقارب کو شمار کیا جائے تو اس کی کم و بیش نصف آبادی غم والم میں ڈوبی ہوئی تھی۔ لیکن دفاعی نقطۂ نظر سے یہ ضروری تھا کہ دشمن کو یہ تأثر نہ ملے کہ اس نے مدینہ کی ریاست، اس کی عسکری قوت اور ساری تحریکِ اسلامی کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ مشرکین کو کچھ دور جا کر اپنی حماقت کا احساس ہوا کہ وہ جنگ کو کسی حتمی نتیجہ تک پہنچائے بغیر لوٹ رہے ہیں۔ انہوں نے پھر تدبیریں شروع کر دی تھیں۔ مدینہ کے اندر بیٹھے منافقین اور پہلو میں بسے ہوئے یہودیوں میں بھی سازشی ہواؤں کے تیز جھکڑ بننے کا امکان تھا۔ مدینہ کے مضافات میں بسنے والے مشرک قبائل بھی سر اٹھا سکتے تھے۔ چنانچہ ان سب عناصر پر یہ واضح کرنا ضروری تھا کہ قریش نے مسلمانوں کو نقصان ضرور پہنچایا ہے لیکن کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ انہیں تر نوالہ کی طرح نگل کر چلے گئے ہیں۔ سب کو یہ بتانا تھا کہ مسلمانوں کی دفاعی قوت برقرار ہے۔ کسی نے شرارت کی کوشش کی تو اسے کچلنے کے لیے

---

[1] بخاری، ترمذی، ابی داود.

[2] السّیرۃ النّبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ.

Marfat.com

مسلمان پوری طرح چوکس ہیں۔رسول پاک ﷺ نے حکم دیا کہ جو مجاہدین اُحد کے معرکہ میں شریک تھے وہ ہتھیار کھول کر بیٹھنے کے بجائے تیار ہو کر نکل آئیں۔حمراء الاسد تک دشمن کا پیچھا کرنا ہے۔ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کے مطابق 630 مسلمان یعنی شہداء کے سوا سارے شرکائے معرکہِ اُحد تیار ہو کر آ گئے۔تین روز تک حمراء الاسد میں قیام کیا۔معبد الخزاعی مسلمان فوجوں کے پاس سے گزرا اور اس نے ان کے جوش و خروش اور عزم و حوصلہ کا مشاہدہ کیا۔اس نے جا کر ابوسفیان کو آگاہ کیا کہ مسلمان مدافعت کے لیے پوری طرح تیار ہیں اور اسے مزید کسی مہم جوئی سے منع کر دیا۔[1] غم و الم اور تکالیف کے باوجود رسول اللہ ﷺ کی پکار پر مسلمانوں کا اس طرح پھر آمادۂ پیکار ہو جانے کی تحسین اللہ کی کتاب میں یوں آئی ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾ (ال عمران:172)

'جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسولؐ کی پکار پر لبیک کہا۔۔۔اُن میں جو اشخاص اور پرہیزگار ہیں ان کے لیے بڑا اجر ہے۔'

[1] السّیرة النّبویة الصّحیحه.

Marfat.com

ہجرت کا چوتھا سال ۔۔ اہم واقعات

غزوۂ اُحد کے بعد شول کا تقریباً نصف مہینہ اور ذی القعدہ اور ذی الحجہ کے دو مہینے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں گزارے۔ وقت جذباتی صدموں کا سب سے بڑا مرہم ہوتا ہے۔ اقارب کی شہادت کا صدمہ ہو یا جسموں پر لگے تلواروں کے گھاؤ، اہلِ ایمان کے لیے یہی تلقین تھی کہ اللہ کی رضا پر راضی رہیں اور صبر کو شیوہ بنائیں۔ یہود اور منافقین نے مسلمانوں کے زخموں پر نمک چھڑکنے کی مہم شروع کر دی تھی۔ وہ اب اِس آس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مسلمانوں پر اُحد کی طرح کی ایک اور کاری ضرب لگے تو وہ ان کے کھیتوں اور باغات اور مال مویشیوں پر قابض ہو جائیں۔ اردگرد کے قبائل میں جو پہلے آنکھ اٹھانے کی جرأت نہیں کرتے تھے انہوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔ یہودی، منافق اور مدینہ کے اندر کے مشرکین ایک طرف اپنی مجلسوں میں مسلمانوں کا خوب مذاق اڑاتے تھے اور دوسری طرف مسلمانوں سے جھوٹی ہمدردی جتلا کر یہ جاننے کی کوشش کرتے تھے کہ مستقبل کے خطرات سے نمٹنے کے لیے وہ کیا تدبیر اور تیاری کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی مسلمانوں کو خبردار کر رکھا تھا کہ اسلامی تحریک اور مسلم سوسائٹی کے افراد ان حاسد، عناد پرور اور بغض شعار گروہوں کو اپنے اندر کی باتیں نہ بتائیں۔

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا۟ مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ ٱلْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَٰهِهِمْ وَمَا تُخْفِى صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ ٱلْءَايَٰتِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾ ﴾

(آل عمران:118)

Marfat.com

'اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا دوسروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔ وہ تمہاری خرابی کے کسی موقع سے فائدہ اُٹھانے میں نہیں چُوکتے۔ تمہیں جس چیز سے نقصان پہنچے وہی اُن کو محبوب ہے۔ اُن کے دل کا بغض ان کے منہ سے نکلا پڑتا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے۔ ہم نے تمہیں صاف صاف ہدایات دے دی ہیں، اگر تم عقل رکھتے ہو (تو ان سے تعلق رکھنے میں احتیاط برتو گے)'۔

مزید یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ مسلمانوں کے غم والم اور ان کو پہنچنے والے صدموں سے ان ظالموں کو دلی خوشی ہوتی ہے۔ تاہم ان کی تضحیک و تمسخر اور طعن اور اشتعال انگیزیوں پر صبر اور تقویٰ ہی بہتر راستہ ہے۔

﴿اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۚ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴾ (ال عمران:120)

'تمہارا بھلا ہوتا ہے تو ان کو بُرا معلوم ہوتا ہے اور تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ خوش ہوتے ہیں۔ مگر ان کی کوئی تدبیر تمہارے خلاف کارگر نہیں ہوسکتی بشرطیکہ تم صبر سے کام لو اور اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اُس پر حاوی ہے'۔

سریّہ ابو سلمہؓ یا سریّہ قطن

3 ہجری کے ماہِ ذوالحجہ کے آخری دنوں میں رسول پاک ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو اسد بن خزیمہ آمادۂ جارحیت ہیں۔ خویلد کے دو بیٹے طلیحہ اور سلمہ اس قبیلے کے سردار تھے۔ وہ اپنے قبیلے والوں کو مدینہ پر حملے کے لیے تیار کر رہے تھے۔ حضور ﷺ نے فوراً ایک سو پچاس انصار اور مہاجرین پر مشتمل ایک دستہ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ اس غزوہ میں بڑے

Marfat.com

جلیل القدر صحابہ حضرت ابو سلمہ عبداللہ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں شریک ہوئے۔ وہ خود بھی بڑے مرتبہ کے صحابی تھے۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ دعوتِ حق کے اوائل ہی میں ایمان لے آئے تھے اور اللہ کی راہ میں انہوں نے اپنی زوجہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ بڑے شدائد و مصائب دیکھے تھے۔ مہاجرینِ حبشہ میں بھی شامل تھے۔ ہجرتِ مدینہ کی راہ پر سب سے پہلے انہی کے قدم اٹھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں ان دونوں میاں بیوی کی خدمات اور قربانیوں کی بڑی قدر و اہمیت تھی۔

مدینہ کے باہر اس طرح کی مہموں میں پہلی بار انصار کو بھی شریک کیا گیا ورنہ اس سے قبل کے چھوٹے موٹے غزوات اور سرایا میں مہاجرین ہی کو بھیجا جاتا تھا۔ اِس مہم کی نہ تو مدینہ کے یہود اور منافقین کو خبر ہونے دی گئی اور نہ مشرکین کو اس کی بھنک پڑنے دی گئی۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اپنا دستہ لے کر بڑی رازداری کے ساتھ یکم محرم کو قطن پہاڑ کے قریب ایک چشمے پر پہنچے اور اس فسادی گروہ کو آ لیا۔ ان کے لیے یہ اچانک افتاد تھی جس کا وہ مقابلہ نہ کر سکے۔ بدحواس ہو کر ادھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ مجاہدین نے ان کے اونٹ اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اپنے قبضہ میں لے لیے۔ تقریباً ایک مہینہ کے بعد یہ مہم کامیابی کے ساتھ واپس آئی۔ ❶

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ جنگِ اُحد میں شدید زخمی ہو گئے تھے۔ اس اڑھائی مہینے کی مدت میں ان کے زخم بظاہر ٹھیک ہو گئے تھے۔ لیکن اس مہم کے دوران میں نقل و حرکت اور جہادی کارروائی میں ان کے زخم پھر کھل گئے جن کی وجہ سے وہ اس سریّہ سے واپسی کے چند دن بعد ہی فوت ہو گئے۔ ایک لحاظ سے ان کا شمار بھی شہداءِ اُحد میں ہوتا ہے۔ تحریکِ اسلامی ابھی اپنی حتمی کامرانیوں کی راہ میں تھی کہ یہ بھی مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جیسے ان عظیم صحابہ کی صف میں شامل ہو گئے جنہوں نے اس تحریک کی سربلندیوں میں سے پھل کچھ بھی نہیں کھایا اور اپنے خون سے اس کو سینچ کر راہِ آخرت پکڑ لی۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کی موت کا بڑا شدید صدمہ ہوا۔

---

❶ واقدی، طبقات ابن سعد.

Marfat.com

سریۂ عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ

وادیِ عُرَنہ میں بنولحیان کے سردار خالد بن سفیان ہذلی (یا سفیان بن خالد ہذلی) مدینہ پر حملہ کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ رسول پاک ﷺ نے اس کا سر کچلنے کے لیے بلا تاخیر ایک فوجہ دستہ روانہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ اس دستے کے کمانڈر تھے۔ ہجرت کے چوتھے سال محرم کی 5 تاریخ کو یہ دستہ وادیِ عُرَنہ میں پہنچا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس دستے کے کمانڈر کو باغی گروہ کے سردار کا مکمل حلیہ بتا دیا تھا۔ سرکش گروہ کے سردار کو بھاگنے کا موقع نہ ملا۔ حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ کسی طرح اس کے بالکل قریب پہنچ گئے اور اس کا سر کاٹ لیا گیا۔ غالباً 22 محرم کو یہ دستہ واپس مدینہ پہنچا۔ رسول اللہ ﷺ اس کی کارکردگی پر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ الْوَجْهُ یعنی 'یہ چہرا جو میرے سامنے ہے) کامیاب ہوا'۔ عبداللہ بن اُنیسؓ کو اپنے گھر لے گئے اور ان کو یہ کہتے ہوئے اپنا عصا عطا کیا کہ جنّت میں اس کے سہارے چلنا۔ اُن کے انتقال پر یہ عصا ان کے ساتھ ہی دفن کیا گیا۔ [1]

رجیع کی مہم

سریّہ سے مراد وہ فوجی مہم ہے جو رسول اللہ ﷺ دشمن کی نقل و حرکت، تجارتی قافلوں اور شر پسندانہ کارروائیوں کی پیش بندی کے لیے روانہ کیا کرتے تھے۔ ایسا فوجی دستہ عموماً پانچ سے لے کر پانچ سو مجاہدین پر مشتمل ہوتا تھا۔ رجیع کی مہم فوجی نہیں بلکہ دعوتی، تعلیمی اور تربیتی مقاصد کے لیے بھیجی گئی تھی اسی لیے بعض سیرت نگاروں نے اس کے لیے 'بعث' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ قبیلہ ہذیل والوں نے اپنے سردار خالد بن سفیان ہذلی کا انتقام لینے کے لیے ایک سازش تیار کی۔ مضر کے قبیلہ عَضَل اور قارہ نے اس سازش کو عملی طور پر بروئے کار لانے میں مکروہ کردار ادا کیا۔ ان کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر درخواست کی کہ انہیں اسلام کی تعلیم دینے اور قُرآن سکھانے کے لیے کچھ صحابہ کو ان کے ساتھ بھیجیں۔ بخاری کی روایت کے مطابق حضورؐ نے دس صحابہ کو اس کام کے لیے بھیجا۔ ابن

[1] ابن اسحاق، البیہقی، احمد، سیرۃُ النّبویۃ ابن کثیر، زاد المعاد۔

Marfat.com

اسحاق نے ان کی تعداد چھ اور موسیٰ بن عقبہ نے سات بتائی گئی ہے۔ حضرت عاصم بن ثابت انصاری اس جماعت کے امیر مقرر ہوئے۔ یہ جماعتِ صحابہ جب عسفان اور مکّہ کے درمیان مقامِ رجیع پر ہذیل کے ایک کنویں پر پہنچی تو ہذیل کی ایک شاخ بنولحیان کے دو سو اور ایک روایت کے مطابق ایک سو افراد نے، جو سب بڑے تیر انداز تھے، ان صحابہ کو گھیر لیا۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ان لوگوں کی غداری اور بدعہدی کی علامات اور خطرناک عزائم دیکھ کر ایک بلند چوٹی پر چڑھ گئے۔ بدوؤں نے انہیں جان کی سلامتی کی یقین دہانی کراتے ہوئے نیچے اتر آنے کا کہا لیکن حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے ان پر اعتبار نہ کیا۔

حضرت عاصمؓ بن ثابت نے صورتِ حال کی سنگینی دیکھ کر دعا کی کہ 'اے اللہ! ہماری آزمائش کی خبر اپنے نبی کو دے دے۔' صحابہ کی اس مختصر سی جماعت کی ان لوگوں کے ساتھ لڑائی چھڑ گئی۔ چھ صحابہ ان کافروں کے تیروں کا نشانہ بن کر شہید ہو گئے۔ یہ حضرت خبیب، حضرت زید بن دثنہ اور حضرت عبداللہ بن طارق ان پر اعتبار کر کے چوٹی سے نیچے اتر آئے۔ بدعہدوں نے انہیں ان کی کمانوں کے تاروں سے باندھ دیا۔ عبداللہ بن طارق نے مزاحمت کی تو شہید کر دیے گئے۔ ان لوگوں نے ان دو صحابیوں کو مکّہ والوں کے ہاتھ بیچ دیا۔

جنگِ بدر میں حارث بن عامر بن نوفل حضرت خُبیب کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ حضرت زید بن دثنہ نے امیہ بن خلف کو قتل کیا تھا، اس لیے انہیں صفوان بن اُمیہ نے خریدا تھا۔ دونوں سے وہ اپنے مقتولوں کا بڑے وحشیانہ انداز میں بدلہ لینا چاہتے تھے۔ حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ کچھ روز تک قید میں رہے آخر ان کو شہید کرنے کے لیے مشرکین حرم میں تنعیم کے پاس ایک مجمع میں لے گئے۔ انہوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت مانگی۔ نماز کو مختصر کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ گمان نہ ہوتا کہ تم لوگ میری لمبی نماز کو موت سے بچنے کا بہانہ سمجھو گے تو میں اور نماز پڑھتا۔ پھر انہوں نے وہاں دعا کی: 'اے اللہ! ان میں سے ایک ایک کو شمار کر لے اور ان کو چن چن کر مار۔' پھر اشعار پڑھے جن کا ترجمہ ہے: 'اگر اسلام کی حالت میں مارا جا رہا ہوں تو کوئی پروا نہیں کہ میں کس پہلو پر قتل ہو رہا ہوں

کچھ مجھ پر گزر رہی ہے یہ اللہ کی خاطر بھگت رہا ہوں۔ اللہ چاہے گا تو میرے کٹے ہوئے اعضا پر اپنی رحمت و برکت نازل فرمائے گا۔' حضرت خبیب رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کافروں کے ہاتھوں مارے جانے سے پہلے نماز کی سنّت قائم کی۔ اس کے بعد ان ظالموں نے اس صحابیِ رسولؐ کو بے رحمی کے ساتھ شہید کر دیا تھا۔

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے سے پہلے ابوسفیان نے ان سے کہا: 'زید! میں تمہیں خُدا کا واسطہ دے کر پوچھ رہا ہوں کہ کیا تم اس بات پر راضی ہو گے کہ اس وقت تمہاری جگہ محمد (ﷺ) ہماری گرفت میں ہوں۔ ان کی گردن مار دیں اور تم خوش وخرم اپنے اہل وعیال میں چلے جاؤ؟' انہوں نے عظمت و تعظیم اور حُبّ رسولؐ کی کیفیات میں ڈوب کر جواب دیا: 'اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میں یہاں سے چھوٹ کر بال بچوں میں چلا جاؤں اور میرے بدلے محمدؐ کو ایک کانٹا بھی چبھے۔' اس پر ابوسفیان نے اعتراف کیا کہ 'میں نے کبھی کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محبت محمدؐ سے ان کے اصحاب کرتے ہیں۔' ان دونوں کی شہادت کا واقعہ بخاری، مسند احمد، سنن ابوداود، مصنف عبدالرزاق اور ابنِ اسحاق نے روایت کیا ہے۔

بئر معونہ کا المیہ

بئر معونہ کا المیہ اور رجیع کا دردناک واقعہ ساتھ ساتھ ہی ماہِ صفر میں رونما ہوئے۔ اس کی اطلاع رسول پاک ﷺ کو اسی رات ہوگئی تھی جس رات رجیع کی المناک خبر آپؐ کو پہنچی۔ بئر معونہ کے بارے میں صحیح بخاری کی روایت ہے کہ ستّر چیدہ صحابہ نجد کی طرف روانہ کیے گئے تھے۔ یہ دن کے مزدور اور شب کے عبادت گزار لوگ تھے۔ بخاری اور مُسلم کی روایت ہے کہ یہ صحابہؓ راتیں اللہ کی عبادت میں گزارتے تھے اور دن کے وقت لکڑیاں اکٹھی کر کے بیچتے اور اس رقم سے اہلِ صُفّہ کی ضروریات پوری کرتے تھے۔ بعض ائمہ مغازی کی روایت ہے کہ نجد کے علاقہ سے ابو براء عامر بن مالک بن جعفر عامری رسول اللہ ﷺ کے لیے کچھ تحائف لے کر آیا۔ حضور ﷺ نے اس سے کہا: 'میں مشرکوں کے تحفے قبول نہیں

Marfat.com

کرتا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے تحفے قبول کرلوں تو تم اسلام قبول کرلو۔' اس نے فوری طور پر نہ تو اسلام قبول کیا اور نہ اس سے انکار کیا البتہ یہ کہا: 'اے محمد! جس چیز کی طرف آپ مجھے بلا رہے ہیں یہ بہت اچھی ہے۔ بہتر ہوگا اگر آپ اپنے صحابہ کو اہلِ نجد کے پاس بھیجیں۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ آپ کی دعوت قبول کرلیں گے۔' آپ ﷺ نے فرمایا: 'مجھے ان (اہل نجد) کے بارے میں خدشہ ہے کہ وہ کوئی نقصان پہنچائیں گے۔' ابو براء نے ذمہ داری لی کہ وہ ان صحابہؓ کی حفاظت کرے گا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ ستر صحابہ کو روانہ کر دیا۔

ان صحابہؓ نے بنی عامر اور حُرۂ بنی سلیم کے درمیان کے علاقہ میں معونہ کے کنویں پر جا کر قیام کیا۔ حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کا خط دے کر بنی عامر کے سردار عامر بن طفیل کے پاس بھیجا۔ اُس نے سارے آدابِ میزبانی کو پسِ پشت ڈال دیا اور حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو پیچھے سے نیزہ مارا جو ان کے جسم سے پار ہو گیا۔ ان کی زبان سے اس موقع پر جو الفاظ نکلے وہ تھے: 'اللہ اکبر! ربِّ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔' انہوں نے جسم سے بہتا ہوا خون اپنے چہرے اور سر پر مل لیا۔ [1] عامر بن طفیل نے بنو عامر کو حکم دیا کہ سارے مسلمانوں کو قتل کر دیں۔ ابو براء نے چونکہ ان مسلمانوں کی ضمانت دے رکھی تھی اس لیے انہوں نے اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ پھر اس نے بنو سلیم کے قبائل عصیہ، رعل اور ذکوان کو اس پر آمادہ کیا۔ اپنی باطنی خباثت کی وجہ سے وہ اس خون آشامی پر تیار ہو گئے اور ان صحابہؓ پر حملہ کر دیا۔ سارے مسلمان شہید کر دیے گئے۔ صرف حضرت کعب بن زید رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو مردہ ظاہر کر کے مسلمانوں کی لاشوں میں پڑے رہے اس لیے بچ گئے تھے۔ اس جماعتِ صحابہؓ نے اپنے دو ساتھیوں ۔عمرو بن امیہ ضمری اور منذر بن محمد۔ کو سامان کی حفاظت کے لیے چھوڑا تھا۔ انہوں نے جب مقتل کے اوپر پرندوں کو اڑتے دیکھا تو وہاں پہنچے۔ دشمن ان پر بھی پل پڑے۔ منذر بن محمد رضی اللہ عنہ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو قید کر لیا گیا۔ بعد

[1] بخاری، ابن ہشام، واقدی.

Marfat.com

میں عامر بن طفیل نے اپنے خیال میں اپنی ماں پر واجب ایک کفّارہ کے سلسلے میں انہیں چھوڑ دیا۔ وہی یہ جانکاہ خبر نبی رحمت ﷺ کے پاس لائے۔ حضور ﷺ کو دونوں المیوں کا سخت صدمہ ہوا۔ آپؐ تیس دن تک فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نمازوں میں قبائلِ رعل، ذکوان اور عُصیہ پر بدعا کے طور پر قنوتِ نازلہ پڑھتے رہے۔ [1]

خُدا کی زمین پر اٹھنے والی کسی بھی صالح دعوتی، اصلاحی اور انقلابی تحریک کے تربیت یافتہ افراد اس کا بہت بڑا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔ معرکۂ بدر کے 14، غزوۂ اُحد کے شہداء میں، وہیں پر لگنے والے زخموں کی وجہ سے ایک ماہ بعد وفات پانے والے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو شمار کریں تو تعداد 71 ہو جاتی ہے، رجیع کے 10 اور اب بئر معونہ میں دشمن کے مکر و فریب اور بدعہدی کا شکار بننے والے 70 صحابہ کو جمع کریں تو یہ چمنِ اسلام کے کل 165 بہار آفریں شجر بنتے ہیں، جن سے انسانیت کے دامن میں خیر اور بھلائی اور ایمان اور ہدایت کا پھل پڑنا تھا۔ اِسلام کے تصور زندگی میں ایسی کوئی تقسیم نہیں ہے کہ لڑائی صرف سپاہیوں کی ذمہ داری ہو اور دعوت صرف مبلّغین کے کسی خاص گروہ کا فرض ہو، عِلم مدرسہ کے طلبہ پر واجب ہو اور معاش دنیادار طبقہ سے تعلق رکھنے والا معاملہ ہو۔ یہ سب شہداء جہاں 'قُرّاء' یعنی عالم فاضل، قُرآن کے حافظ و مُعلّم، دِین کے داعی، اسلام کے سانچے میں ڈھلے ہوئے بہترین انسان تھے، وہیں ان میں سے ہر ایک مردِ میدان اور جری سپاہی بھی تھا۔ رمضان 2 ہجری سے لے کر صفر 4 ہجری تک کے تقریباً ڈیڑھ سال کے عرصہ میں ہمہ جہتی صلاحیتوں کی مالک اس افرادی قوت سے محرومی پر رسول اللہ ﷺ کا رنجیدہ ہونا بالکل فطری بات تھی۔

غزوۂ بنی نضیر

﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ

[1] ابوداؤد، احمد، حاکم۔

Marfat.com

اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۖ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَ اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۖ فَاعْتَبِرُوْا يٰاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ وَ لَوْ لَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۖ وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝﴾ (الحشر: 1 تا 3)

'اللہ ہی کی تسبیح کی ہے ہر اُس چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اور وہی غالب اور حکیم ہے۔ وہی ہے جس نے اہلِ کتاب کافروں کو پہلے ہی ہلّے میں اُن کے گھروں سے نکال باہر کیا۔ تمہیں ہرگز یہ گمان نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے، اور وہ بھی یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ اُن کی گڑھیاں انہیں اللہ سے بچالیں گی۔ مگر اللہ ایسے رُخ سے اُن پر آیا جدھر اُن کا خیال بھی نہ گیا تھا۔ اُس نے اُن کے دلوں میں رُعب ڈال دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے بھی اپنے گھروں کو برباد کر رہے تھے اور مومنوں کے ہاتھوں سے بھی برباد کروا رہے تھے۔ پس عبرت حاصل کرو اے دیدۂ بینا رکھنے والو۔ اگر اللہ نے اُن کے حق میں جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو دنیا ہی میں وہ انہیں عذاب دے ڈالتا، اور آخرت میں تو اُن کے لیے دوزخ کا عذاب ہے ہی۔'

سورہ حشر کے آغاز میں غزوۂ بنی نضیر کے موقع کی یہ وہ تصویر دکھائی گئی ہے کہ کیسے یہودی قبیلہ بنونضیر کے لوگ جلاوطنی کے وقت خود اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو تباہ و برباد کر رہے تھے۔ مسلمان بھی ان کے گھروں اور باغات کو اجاڑ رہے تھے۔ ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد السّیرة النّبویة فی ضوء المصادر الاصلیة میں لکھتے ہیں کہ بخاری اور مستدرک حاکم میں عروہ سے اور مصنف عبدالرّزاق میں زہری سے مروی روایت آئی ہے کہ یہ غزوہ بدر الکبریٰ کے بعد اور غزوۂ اُحد سے پہلے پیش آیا۔ لیکن اہلِ سیرت و مغازی کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ غزوۂ اُحد کے بعد کا واقعہ ہے۔ ابن اسحاق کے بقول یہ 4 ہجری میں

Marfat.com

پیش آیا۔ واقدی اور ابن سعد کا بیان ہے کہ یہ ہجرتِ مدینہ کے بعد 37 ویں مہینے ربیع الاوّل کی بات ہے۔ مولانا مودودیؒ نے سورہ حشر کے دیباچہ میں اس کے زمانہ نزول کے بارے میں ابن سعد، ابن ہشام اور بلاذری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ غزوہ ربیع الاول 4 ہجری میں پیش آیا۔ مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت کے مطابق یہ شریر یہودی قبیلہ جنگِ بدر کے بعد بھی ایک بار رسول اللہ ﷺ کی جان لینے کی کوشش کر چکا تھا۔ لیکن اب نئی بات یہ ہوئی کہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ جو بئر معونہ کے سانحہ میں بچ نکلے تھے، یہ خبر لے کر مدینہ آ رہے تھے۔ راستے میں انہیں بنو کلاب کے دو آدمی ملے۔ ان دونوں کے پاس نبی پاک ﷺ کا معاہدہ تھا جس کی حضرت عمروؓ بن امیہ کو خبر نہیں تھی۔ انہوں نے موقع پا کر اپنی دانست میں اپنے شہید ساتھیوں کا انتقام لینے کے لیے ان دونوں کو قتل کر دیا اور آ کر رسول اللہ ﷺ کو اپنے اس کارنامہ سے آگاہ کیا۔ حضورؐ نے اس پر سخت ناراضی کا اظہار کیا کیوں کہ عہد معاہدہ کی پاسداری اسلام کے بنیادی اصولوں میں شامل ہے۔

یہود کی مکّارانہ حرکت

معاہدہ کی رو سے ان دو مقتولوں کی دیت مسلمانوں پر لازم تھی۔ میثاق کی شرائط کے تحت اس نوعیت کے واقعات میں دِیت کی رقم میں بنو نضیر کو بھی ایک حصہ دینا تھا۔ اسی لیے حضور ﷺ دیت کی رقم یا مال لینے کے لیے کچھ صحابہؓ کے ہمراہ خود ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ دیت کی رقم کا انتظام کر رہے ہیں۔ اس دوران میں حضور ﷺ وہاں ایک دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے۔ جب انہوں نے اللہ کے رسولؐ کو دیوار کے سائے میں بیٹھا دیکھا تو آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) کو ختم کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی موقع نہیں ہوگا۔ انہوں نے اپنے ایک شخص عمرو بن جحاش کے ذمہ لگایا گیا کہ وہ مکان کی چھت پر چڑھ کر اوپر سے ایک بھاری سِل رسول اکرم ﷺ کے اوپر گرا دے۔ اللہ تعالیٰ نے بروقت اپنے نبیؐ کو ان کے اس مکروہ منصوبہ سے آگاہ کر دیا۔ آپؐ فوراً وہاں سے اٹھ کر مدینہ واپس آ گئے۔ ایک یہودی کنانہ بن صویرا نے بنو نضیر کے ذمہ داروں سے کہا کہ

Marfat.com

محمد اللہ کے نبی ہیں۔انہیں تمہارے ارادے سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔اس نے وہ سب کچھ اُن کے سامنے رکھا جو ان کے ساتھ پیش آنے والا تھااور اس صورتِ حال سے بچنے کے لیے انہیں ایمان لے آنے کی تلقین کی۔لیکن وہ تیار نہ ہوئے۔اس دوران میں جو صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے تھے وہ بھی اٹھ کر آ گئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہود کے منصوبے سے آگاہ کیااور ساتھ ہی جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ساتھ ہی محمد بن مسلمہ کو یہ پیغام دے کر ان کے پاس بھیجا کہ تم نے بدعہدی کی اور مجھے دھوکے سے قتل کرنے کی سازش کی اس لیے اب تمہارے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ میرے شہر سے نکل جاؤ۔مسلمانوں نے کوئی موقع ضائع کیے بغیر بنونضیر کا محاصرہ کر لیا۔چھ دن محاصرہ جاری رہا۔انہیں دس دن کی مہلت دی گئی کہ اس دوران میں وہ اپنا اسلحہ چھوڑ کر باقی سامان اونٹوں پر لاد کر لے جائیں اور یہ علاقہ خالی کر دیں۔وہ اس شرط پر گھر بار چھوڑنے پر تیار ہو گئے۔

رئیس المنافقین کی اشتعال انگیزی

بنو قینقاع کے مدینہ سے اِخراج اور کعب بن اشرف کے قتل کے بعد یہودیوں کے باقی دو بڑے قبیلے سہم گئے تھے۔کچھ عرصہ تک وہ دبے رہے لیکن غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو جو شدید دھچکا لگا تھا اس نے ان کے خفتہ جذبوں میں ایک بار پھر جان ڈال دی اور ان کے اسلام دشمن عزائم پھر ابھر کر سامنے آ گئے۔ادھر مدینہ کے معاشرہ کے اندر عبد اللہ بن ابی کی صورت میں مسلمانوں کی آستین میں بیٹھا ہوا منافقت کا زہریلا سانپ بھی پھن پھیلا رہا تھا۔اُس نے انہیں پیغام بھیجا کہ تم گھروں سے نہ نکلو۔میرے ساتھ اپنی قوم اور دیگر عرب قبائل کے دو ہزار جنگجو موجود ہیں۔وہ تمہارا دفاع کریں گے۔بنو قریظہ بھی تمہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے اور تمہارے حلیف بنو غطفان بھی تمہاری مدد کو آ جائیں گے۔اگر جنگ کی گئی تو ہم تمہارے ساتھ مل کر جنگ کریں گے اور اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے۔اس تھپکی پر حُیَیی بن اخطب بھی اکڑ دکھانے لگا۔قُرآنِ پاک میں منافقین کی ان یقین دہانیوں کا ذکر آیا ہے۔

Marfat.com

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١١﴾ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١٢﴾ ﴾ (الحشر: 11، 12)

'تم نے دیکھا نہیں اُن لوگوں کو جنہوں نے منافقت کی روش اختیار کی ہے؟ یہ اپنے کافر اہلِ کتاب بھائیوں سے کہتے ہیں' اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے، اور تمہارے معاملہ میں ہم کسی کی بات ہرگز نہیں مانیں گے، اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔' مگر اللہ گواہ ہے کہ یہ لوگ قطعی جھوٹے ہیں۔ اگر وہ نکالے گئے تو یہ اُن کے ساتھ ہرگز نہ نکلیں گے، اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ اُن کی ہرگز مدد نہ کریں گے، اور اگر یہ اُن کی مدد کریں بھی تو پیٹھ پھیر جائیں گے اور پھر کہیں سے کوئی مدد نہیں پائیں گے۔'

بنونضیر کا سردار حُیَی بن اخطب عبداللہ بن ابی کی باتوں میں آچکا تھا۔ اسے سلّام بن مشکم جیسے کچھ معاملہ فہم لوگوں نے سمجھانے کی بہتیری کوشش کی تھی کہ' ابن ابی کی ہلاکت کی طرف دھکیلنے والی باتوں میں آکر تصادم کی راہ اختیار نہ کرو۔ محمد (ﷺ) نے تم پر چڑھائی کی تو وہ تمہاری مدد کے لیے ہرگز اپنے گھر سے نہیں نکلے گا۔ بنوقینقاع ابن ابی کے حلیف تھے۔ اسی کے کہنے پر وہ جنگ پر آمادہ ہوئے لیکن آخر وقت تک اس کی مدد کا انتظار کرتے رہے۔ یہ گھر میں بیٹھا رہا۔' حُیَی بن اخطب پر کسی خیرخواہ کی نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے اپنے بھائی جدیّ بن احطب کو رسول پاک ﷺ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہم نہ گھروں سے نکلیں گے اور نہ اپنے اموال چھوڑیں گے۔ حضور ﷺ کو یہ پیغام ملا تو آپؐ کی زبان سے بآوازِ بلند اللہ اکبر کے کلمات نکلے۔ آپؐ کی آواز سن کر مسلمانوں نے بھی تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔

Marfat.com

اخراج کی کارروائی

نبی اکرم ﷺ صحابہؓ کو لے کر نکلے۔عصر کی نماز بنی نضیر کے علاقے میں جا کر پڑھی۔ وہ لوگ اپنے قلعوں کی دیواروں پر چڑھ کر تیر اور پتھر برسانے لگے۔بنو قریظہ الگ تھلگ رہے اور عبداللہ بن ابی کا وہ انتظار ہی کرتے رہ گئے۔ بخاری کی روایت ہے کہ اب رسول اللہ ﷺ نے ان کے کھجوروں کے باغ جلانے کا حکم دے دیا۔رات کو حضور ﷺ باقی صحابہؓ کو محاصرہ قائم رکھنے کی ہدایت دے کر خود دس ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ واپس تشریف لے گئے۔ جب حُیَیّ بن اخطب نے اپنے باغات کی پامالی کا منظر دیکھا تو اپنے انجام کے تصور نے اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔اُس نے پیغام بھیجا کہ ہم مدینہ سے نکل جانے کے لیے تیار ہیں۔وہ اپنے گھروں کی چوکھٹیں اور دروازے اور چھتوں کے شہتیر خود اپنے ہاتھوں سے اکھاڑ رہے تھے اور ان کو توڑ پھوڑ رہے تھے تاکہ ان کے بعد یہ کسی کے رہنے کے قابل نہ رہیں۔ [1] جو کچھ لے جانے کی انہیں اجازت ملی وہ اونٹوں پر لاد کر خیبر چلے گئے۔کچھ آگے شام کی طرف نکل گئے۔

ابن ہشام کی روایت کے مطابق جب یہ لوگ خیبر پہنچے تو وہاں کے یہودی قبائل نے حُیَیّ بن اَخطب کی سرداری قبول کر لی۔اس قبیلہ کے دو آدمی یامین بن عمیر اور ابو سعد بن وہب مسلمان ہو گئے۔ان کو جان اور مال کی حفاظت کی ضمانت مل گئی۔عمرو بن جحاش یہودی جس نے دیوار کے سائے میں بیٹھے ہوئے نبی اکرم ﷺ پر بھاری سِل پھینکنے کی ذمہ داری لی تھی اسے قبیلہ قیس کے ایک آدمی نے اپنے چچا زاد بھائی ابن یامین کے ساتھ مل کر قتل کر دیا۔بنو نضیر کے قلعوں میں سے پچاس زرہیں، پچاس خَود، تین سو چالیس تلواریں برآمد ہوئیں۔بنو نضیر کا علاقہ چونکہ باقاعدہ جنگ کر کے قبضہ میں نہیں آیا تھا اس لیے ان کے سات باغات اور دیگر منقولہ و غیر منقولہ اموال، غنیمت کے اصول کے مطابق تقسیم نہیں ہوئے بلکہ یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص ہو گئے تھے۔صحیح بخاری کی روایت کے مطابق ان

[1] سنن ابی داؤد.

Marfat.com

اراضی اور باغات کی آمدنی سے آپؐ اپنے اہل وعیال اور اقارب کے ایک سال کے اخراجات نکال کر باقی پیداوار جنگی سامان اور جہاد کے لیے گھوڑے خریدنے پر صرف کرتے تھے۔ ❶

دعوت اور جہاد ساتھ ساتھ

اس وقت کے واقعات میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ مدینہ کی ریاست اور اسلام کے سائے میں ایک نئی پاکیزہ وضع میں ڈھلتا ہوا معاشرہ سخت ہنگامی حالات سے گزر رہا تھا۔ خطرات کے بادل تھے کہ ٹلنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ مسلسل جنگی کیفیت میں تھے۔ لیکن ان حالات میں بھی دِین کی دعوت کا عمل ایک لمحہ کے لیے نہ رکا۔ اِسلام کی اصل غایت بنی نوع انسان کو اپنے سائے میں لینا ہے۔ انسانیت کو اسلام کے ثمرات اسی صورت میں ملتے ہیں جب لوگ اس کے خنک سائے میں آجائیں، ان کی زندگیوں میں یہ اپنی پوری اخلاقی اور روحانی بہار پر دکھائے، اپنی کامل صورت میں جلوہ گر ہو، انفرادی اور اجتماعی زندگی پر اس کی حکمرانی ہو، اس کے اوامر اور نواہی کارفرما ہوں، خاندانی، سماجی، سیاسی اور ریاستی نظام اس کے اصولوں پر قائم ہو، اس کے قانون لاگو ہوں اور اس کی شریعت نافذ ہو۔ پچھلے صفحات میں ہم نے دیکھا کہ کفروشرک اور فساد کی چنگاریاں اُٹھتیں اور بار بار ان کے شعلے مدینہ کی طرف لپکتے تھے۔ عوام کے عقیدہ وایمان، ان کے اخلاق اور جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت ریاست کا اوّلین اور سب سے بڑا فرض ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو بار بار اسی فرض کی ادائیگی کے لیے نکلنا پڑتا تھا۔

بنیادی چیز دعوت اِلی اللہ ہے۔ اسی سے تاریک دلوں کو روشنی اور جہل و ضلالت کی دلدل میں دھنسے ہوؤں کو سلامتی کی طرف لایا جاتا ہے۔ سخت ہنگامی حالات میں دعوت کا عمل جہاد کے ساتھ ساتھ جاری رہا۔ مسلمانوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ ان کی تربیت، تزکیۂ نفس، تعمیرِ سیرت اور اصلاحِ اخلاق کے عمل میں جہاد کی سرگرمی کے عرصے میں بھی کوئی تعطل نہ آیا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعظیم ومحبت اور اطاعت واتباع کے جذبوں کی

---

❶ الصّادق الامین، السّیرة النّبویة فی ضوء المصادر الاصلیة.

Marfat.com

فراوانی میں کوئی کمی نہ آئی۔ چراغ سے چراغ جلتا رہا اور اس میں تذکیر، تعلیم اور تربیت کا روغن برابر ڈلتا رہا۔ قرآن کا جتنا حصہ اس وقت تک نازل ہو چکا تھا اسے حفظ کرنے کی کوشش بھی ہوتی اور اس کے فہم کا تو ہر کوئی حریص تھا۔ ہم نے دیکھا کہ غزوۂ بدر سے لے کر بئر معونہ کے المیہ تک 165 صحابہؓ شہید ہو گئے تھے۔ لیکن مدینہ کی فضاؤں میں نہ کوئی ہیجان اور اضطراب پیدا ہوا، نہ کوئی احتجاج اور ہنگامہ ہوا، نہ شہداء کے لواحقین کو یہ شکوہ ہوا کہ کوئی ان کا پرسانِ حال نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے بغیر ہی جذبۂ اخوت کے تحت ہر شخص دوسرے مسلمان بھائی کا معاون اور مددگار بن جاتا تھا۔ باہر کے قبائل سے جو لوگ مسلمان ہو کر مدینہ میں آ بستے تھے، یہی اخوت انہیں دامن میں سمیٹ لیتی تھی۔ دعوت کا عمل کسی جماعت یا تنظیم کی ہدایات کا محتاج نہیں ہوتا۔ اسی لیے وہاں ہر مسلمان داعی تھا اور اپنی صلاحیت کے مطابق اس عمل میں اپنے طور پر مصروف تھا۔ اسے کہیں رپورٹ نہیں دینی ہوتی تھی۔ اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ تھا اور وہ اللہ ہی کے لیے اس کے دِین کی دعوت کو اپنے اوپر لازم سمجھتا تھا۔ غزوۂ اُحد میں سچے اور کھرے جو مسلمان میدانِ جہاد میں گئے تھے ان کی تعداد سات سو تھی۔ ہم آگے دیکھیں گے کہ غزوۂ بدر (ثانی) کے لیے نبی اکرم نکلے تو آپؐ کے ہمراہ غزوۂ اُحد سے دگنی سے بھی زیادہ تعداد میں یعنی پندرہ سو مجاہد تھے۔ یہ سب دعوت ہی کی برکت اور اسی کا ثمرہ تھا۔

غزوۂ بدر (ثانی)

﴿ اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَہُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَکُمۡ فَاخۡشَوۡہُمۡ فَزَادَہُمۡ اِیۡمَانًا ٭ۖ وَّ قَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَ نِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَضۡلٍ لَّمۡ یَمۡسَسۡہُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰہِ ؕ وَ اللّٰہُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیۡطٰنُ یُخَوِّفُ اَوۡلِیَآءَہٗ ۪ فَلَا تَخَافُوۡہُمۡ وَ خَافُوۡنِ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۷۵﴾ ﴾ (آل عمران:173، 175)

Marfat.com

'جن لوگوں سے کہا گیا کہ 'تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں، اُن سے ڈرو' تو یہ سُن کر اُن کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے جواب دیا کہ 'ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔' آخر کار وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹ آئے، اُن کو کسی قسم کا ضرر بھی نہ پہنچا اور اللہ کی رضا پر چلنے کا شرف بھی انہیں حاصل ہو گیا، اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔ اب تمہیں معلوم ہو گیا کہ وہ دراصل شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے خواہ مخواہ ڈرا رہا تھا۔ لہٰذا آئندہ تم انسانوں سے نہ ڈرنا، مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحبِ ایمان ہو۔'

غزوۂ اُحد کو ایک سال ہو رہا تھا۔ شعبان کا مہینہ تھا یا ایک اور روایت کے مطابق ذی القعدہ شروع ہو گیا تھا۔ اُحد سے واپس جاتے ہوئے ابوسفیان یہ دھمکی دے گیا تھا کہ ایک سال بعد دار الصفرا ء ہماری تمہاری جنگ کا میدان ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے 'انشاء اللہ' کہہ کر اس کا چیلنج قبول کر لیا تھا۔ اب وہ وقت آ پہنچا تھا۔ اگر دشمن وہاں آ جاتا اور مسلمان نہ نکلتے تو ان کی ہوا اکھڑ جاتی تھی۔ قریش قحط سالی کی زد میں تھے۔ ان کی تجارتی آمدنی بھی کم ہو گئی تھی۔ اقتصادی حالات ان کو مکہ سے اتنے دور ایک نئی جنگ کے لیے جانے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ اس لیے ابوسفیان نے میدان میں لڑنے کے بجائے نفسیاتی جنگ کا حربہ آزمایا۔ مسلمانوں کو مرعوبیت کا شکار کرنے کے لیے اس نے معاوضہ دے کر نعیم بن مسعود نام کے ایک شخص کی خدمات حاصل کیں۔ وہ شخص مدینہ گیا اور بڑی مکاری سے یہ خبریں پھیلائیں کہ قریش ایک بہت بڑے لشکر اور زبردست تیاری کے ساتھ مدینہ پر حملہ کے لیے بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ رجیع اور بئر معونہ کے جانی نقصان کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ مسلمانوں پر ایک نفسیاتی دباؤ پڑنے کے امکانات تھے۔ انہیں اس فکر میں ڈالا جا رہا تھا کہ دشمن کے مقابلہ کے لیے بدر کے مقام پر جانے کی ان میں طاقت نہیں ہے۔ ایک بڑا یہودی قبیلہ جو مدینہ میں ابھی موجود تھا اس کا جوشِ انتقام بھی زوروں پر تھا اور منافقین کی افواہ فیکٹریاں بھی خوب افواہیں اگل رہی تھیں۔ مسلمانوں کی ہمتیں کمزور

Marfat.com

پڑنے کا احتمال تھا۔اوپر درج قرآنی آیات میں دشمن کے اسی نفسیاتی حربہ کا ذکر ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو علم تھا کہ دشمن ایک خاص چال کے طور پر مسلمانوں کی نفسیاتی ہزیمت کے لیے فضا تیار کر رہا ہے۔آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے مشورہ طلب کیا۔ان دونوں نے پورے عزم واستقلال کے ساتھ عرض کیا:' یارسول اللہ! اللہ اپنے دین کو غالب کرے گا اور اپنے نبی کو عزت بخشے گا۔ہم نے مکہ کے مشرکین کا چیلنج قبول کر کے وعدہ کر رکھا ہے کہ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے **بدر الموعد** پر پہنچیں گے۔اگر ہم وعدہ کے مطابق وہاں نہ گئے تو یہ ہماری بزدلی اور کمزوری شمار ہوگی۔اس لیے آپ وعدہ کے مطابق ضرور نکلیں۔اللہ کی قسم! اس میں بھلائی ہے۔' رسول اللہ ﷺ کو اپنے دو معتمد ترین رفیقوں کی اس گفتگو سے بہت خوشی ہوئی۔حضور ﷺ نے فرمایا: اُس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں ضرور نکلوں گا خواہ میرے ساتھ اور کوئی نہ نکلے۔اللہ کے نبیؐ کا یہ عزم دیکھ کر تمام مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔آپؐ روانہ ہوئے تو پندرہ سو مجاہدین پر مشتمل فوج آپؐ کے ہمراہ تھی۔نبی ﷺ نے مدینہ میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا۔مسلمان بدر کے مقام پر پہنچے تو دور دور تک وہاں قریش کی موجودگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

ابوسفیان مکہ سے دو ہزار کی سپاہ کے ساتھ نکلا تھا۔لیکن اس نے اپنے لوگوں کو قحط سالی کے اثرات کا احساس دلا کر واپسی پر تیار کر لیا۔ مرّ الظہران جو مکہ کے قریب ہی ایک مقام ہے، وہاں سے اپنے لوگوں کو لے کر واپس چلا گیا۔اس وجہ سے اُحد میں انہیں جو جزوی کامیابی ملی تھی اس کے اثرات مٹ گئے اور مسلمانوں کو جو دھچکا لگا تھا اس کی تلافی ہو گئی۔اردگرد کے قبائل پر ان کی دھاک بیٹھ گئی۔مسلمان آٹھ روز وہاں رہے۔اس زمانے میں ہر فوج کے پاس ایسا تجارتی سامان ضرور ہوتا تھا جس کے ساتھ جنگ نہ ہونے کی صورت میں وہاں اپنے قیام کو وہ تجارتی سرگرمی میں بدل لیتی تھی۔مسلمانوں نے بھی اپنے مال سے اچھا منافع کما لیا۔دور ونزدیک کے عرب قبائل میں یہ خبر پھیل گئی کہ قریش نے

Marfat.com

شکست قبول کرلی ہے۔ ❶

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے شادی

ڈاکٹر محمد لقمان سلفی نے ان دو اُمہات المومنین سے رسول پاک ﷺ کی شادی بالترتیب شوال اور ذی القعدہ 4ہجری کا وقعہ بتایا ہے۔'رحمۃ للعالمین' میں قاضی محمد سلیمان سلمان پوریؒ نے حضرت ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد کی رسول اللہ ﷺ سے قرابت داری کی تفصیل بتائی ہے۔وہ حضورؐ کی پھوپھی برّہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادہ تھے۔ایک اور خاص بات یہ تھی کہ حضرت حمزہؓ کی طرح ابو سلمہؓ بھی آپؐ کے رضاعی بھائی تھے۔اُمّ سلمہؓ اور ابوسلمہؓ نہایت قدیم الاسلام تھے۔ابو سلمہؓ کا تو ایمان لانے والوں میں گیارھواں نمبر تھا۔ دونوں میاں بیوی نے اللہ کی راہ میں بڑی آزمائشیں کاٹی تھیں۔حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے فوت ہوتے وقت دعا کی تھی کہ'الٰہی! میرے پیچھے میرے اہل وعیال کی اچھی نگہداشت فرمانا'۔ رسول اللہ ﷺ کو اس گھرانے کی دینی خدمات اور اللہ کی راہ میں آزمائشوں اور قربانیوں کا پورا احساس تھا۔اُمّ سلمہؓ بڑی مدبّر، دانش منداور معاملہ فہم خاتون تھیں۔مصائب ومشکلات اور دین کے سچے فہم نے انہیں کندن بنا دیا تھا۔حالات ومعاملات کے سارے پہلوؤں کو جاننے سمجھنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔خود انہی سے روایت ہے کہ جب ابوسلمہؓ نے وفات پائی تو میں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن پڑھا اور دعا کی کہ اے اللہ! مصیبت برداشت کرنے کے لیے مجھے ہمت اور صبر عطا کر اور مجھے ابوسلمہؓ کا نعم البدل دے۔پھر میں نے خود اپنے آپ سے کہا کہ ابوسلمہ سے بہتر کوئی کہاں مل سکتا ہے؟

جب عدت پوری ہوگئی تو ایک روز رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ملنے کی اجازت چاہی۔وہ کیکر کے پتوں سے چمڑے کی کوئی چیز صاف کر رہی تھیں۔انہوں نے چمڑے کا ایک تکیہ حضورؐ کے بیٹھنے کے لیے رکھ دیا۔آپؐ نے انہیں شادی کی تجویز دی۔اُمّ سلمہؓ نے عرض کیا کہ'ایک تو میرے اندر غیرت کی شدت ہے۔(یعنی شوہر کی محبت میں کسی اور کی

---

❶ الصّادق الامين بحواله زاد المعاد و الحياة العسكرية.

Marfat.com

شراکت برداشت نہیں کر سکتی) دوسری بات یہ ہے کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور پھر میری عمر بھی خاصی ہو چکی ہے۔' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری شدتِ غیرت اللہ رفع کر دے گا۔ تمہارے بچوں کو میں اپنے بچوں کی طرح سمجھوں گا اور جہاں تک عمر کا تعلق ہے تو میں خود بھی اب بڑی عمر کا ہوں۔' وہ کہتی ہیں کہ اس پر میں نے اپنے معاملات اللہ کے سپرد کر دیے اور رسول اکرم ﷺ کی رائے کو قبول کر لیا۔ میری سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ابو سلمہؓ کا نعم البدل عطا کر دیا۔

یہ رسول اللہ ﷺ کی چوتھی زوجہ تھیں۔ ایک ہی سال قبل 3 ہجری میں حضورؐ حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں لے چکے تھے۔ اس سے پہلے ان کی شادی خُنَیس بن حُذافہ سہمی رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ طالب الہاشمیؒ کے مطابق وہ جنگِ بدر میں شہید ہوئے اور صاحب 'رحمۃ للعالمین' کی رائے ہے کہ اُحد میں شریک ہوئے اور یہیں زخمی ہو کر وفات پائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے عقد ثانی کے لیے خود جلیل القدر صحابہؓ سے رجوع کر رہے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بات کی تو وہ ٹال گئے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا تو انہوں نے بھی توجہ نہ دی۔ حضرت عمرؓ کو اس کا رنج ہوا اور اس کا تذکرہ نبی پاک ﷺ سے کیا۔ حضورؐ نے فرمایا: ''حفصہؓ کو عثمانؓ سے بہتر شوہر ملے گا اور عثمانؓ کو حفصہؓ سے بہتر بیوی ملے گی۔'' چنانچہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ نے شادی کر لی تھی۔ جنگِ بدر میں فتح کے روز رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئی تھیں۔ حضورؐ نے اپنی دوسری بیٹی حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کو حضرت عثمانؓ سے بیاہ دیا۔ اسی نسبت سے انہیں ذوالنورین کہا جاتا ہے۔ یوں حفصہؓ کو عثمانؓ سے بہتر شوہر اور عثمانؓ کو حفصہؓ سے بہتر بیوی نصیب ہو گئی تھی۔

غزوہ دُومۃ الجندل

غزوہ بدر الموعد (بدر ثانی) میں قریش کی مقابلے سے پہلو تہی کی وجہ سے حالات مجموعی طور پر مسلمانوں کے حق میں تھے۔ دشمنانِ اسلام مرعوب ہو کر خاموش بیٹھ گئے تھے۔ مدینہ کے اندر اور اس کے اطراف میں مکمل امن و امان تھا۔ اس پر امن فضا میں رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہیں رہے۔ آپؐ نے ساری توجہ مدینہ کی ریاست اور معاشرہ کے داخلی تنظیم و انصرام اور دعوت و تربیت اور رشد و ہدایت پر مرکوز رکھی۔ قُرآن سیکھنے سکھانے اور سمجھنے سمجھانے پر خاص طور پر دھیان تھا۔ مسلمان عورتیں بھی اس پاکیزہ سرگرمی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھیں۔ تمام ذکور و اناث پر یہ امر واضح تھا کہ قرآن کی روشنی ہی میں مسلمانوں کو ایک مثالی زندگی بسر کر کے دنیا کے لیے نمونہ بننا تھا۔

چھ ماہ تک اس پر امن ماحول کو منفی طور پر متاثر کرنے والی کوئی حرکت کسی طرف سے نہ ہوئی۔ بدر الصُّغریٰ یا بدر الموعد یا بدر ثانی کے چھ ماہ بعد نبی اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ شام کی سرحد پر ڈاکہ زنی کی بڑی وارداتوں کا سلسلہ جاری ہے۔ دومۃُ الجندل کے ارد گرد آباد قبائل نے شام اور یمن کی معروف شاہراہ پر تجارتی قافلوں کو لوٹنا شروع کر رکھا تھا۔ یہ اطلاعات بھی تھیں کہ یہ قبائل مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ فتنہ کے خطرہ بننے سے پہلے اس کو کچلنا ضروری سمجھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ ربیع الاوّل 5 ہجری کو ایک ہزار صحابہؓ کو لے کر نکلے۔ بنی عذرہ کے ایک آدمی کو، جو ان راستوں سے خوب واقف تھا، بدرقہ کے طور پر ساتھ لیا۔ نقل و حرکت کو پوشیدہ رکھنے کے لیے حضور ﷺ نے یہ پالیسی بنائی کہ دن کو یہ لشکر پہاڑوں میں چھپ جاتا اور رات کو سفر کرتا تا کہ دشمن کو خبر ہونے سے پہلے اس کے سر پر پہنچ جائے۔ جب ان سرکش قبائل کو مسلمانوں کی خاص ان کے علاقہ میں موجودگی کا پتہ چلا تو منتشر ہو گئے۔ ان کے مال مویشی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔ حضور ﷺ نے چھوٹے چھوٹے دستے ادھر اُدھر بھیجے۔ لیکن کسی طرف بھی کسی شریر گروہ کو مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی۔ گزشتہ سال ربیع الثّانی کے اواخر یا جمادی الاوّل میں بنو غطفان کے دو قبیلوں، بنو ثعلبہ اور بنو محارب کی گوشمالی کی جا چکی تھی۔ بنو غطفان کے بطن بنو ذُبیان کی ایک شاخ بنو فزارہ کے سردار عُیینہ بن حصن فزاری نے حضور ﷺ کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر لیا۔ یہ بنو غطفان کی سب سے بڑی شاخ تھی۔ اس مہم سے فارغ ہو کر نبی اکرم ﷺ کی مدینہ میں ربیع الثّانی کے مہینے میں واپسی ہوئی۔ یہاں یہ امر دہرا دینا ضروری ہے کہ مسلمان جس مہم پر بھی نکلتے، دشمن سے مقابلہ نہ

Marfat.com

ہونے کی صورت میں جب لوگوں یا غیر متحارب قبیلوں سے واسطہ پڑتا ان میں اسلام کی دعوت پھیلانے میں غفلت نہیں برتتے تھے۔ قرآن پاک کا نزول جاری تھا اور اب اسلامی قوانین دیے جا رہے تھے۔ ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری نے انساب الاشراف کے حوالے سے بلاذری کا ایک قول نقل کیا ہے کہ 4 ہجری میں شراب کی ممانعت کا قانون نازل ہو چکا تھا۔ [1]

غزوۂ بنو مُصطلِق یا غزوۂ مُریسیع

اس غزوہ میں اگر پوری مسلم سوسائٹی کو شدّت کے ساتھ متأثر کرنے والے دو واقعات نہ ہوتے تو اس کو اتنی اہمیت نہ ملتی۔ بعض سیرت نگاروں کی رائے میں غزوۂ بنو مُصطلِق جنگِ احزاب یا غزوۂ خندق کے بعد ہوا اور اکثر اسے شعبان 5 ہجری کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ یہ لوگ یمن کے قحطانی قبیلہ بنو خزاعہ کی ایک شاخ تھے۔ یوں ان کا نسب اوس اور خزرج سے بھی جا کر ملتا ہے۔ عمرو بن عامر کی اولاد میں تھے۔ عمر بن عامر اوس اور خزرج کے دوسرے اور بنو مصطلِق کے چوتھے دادا تھے۔ یہ مکّہ اور مدینہ کو ملانے والے راستے پر مدینہ سے جنوب میں تقریباً 125 کلومیٹر کے فاصلے پر مرّ الظہران اور ابواء کے درمیان قدید اور عسفان کی بستیوں میں رہتے تھے۔ جیسا کہ پیچھے یہ تفصیلات گزر چکی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ حالات کی نبض پر رہتا تھا۔ ایک بے مثل اور ہمہ وقت بیدار قائد کی حیثیت سے اسلامی تحریک کے خلاف اٹھنے والی آندھیوں کی رفتار اور رُخ کا اندازہ کر کے بطورِ پیش بندی اِقدام کو ترجیح دیتے تھے۔ نہ تو از خود جنگ مول لینا آپؐ کا اصول تھا اور نہ ہی جنگ پر آمادہ قوتوں سے غافل رہنا آپؐ کا معمول تھا۔ یہ اطلاعات آ رہی تھیں کہ بنو مصطلِق کا سردار حارث بن ضرار مدینہ پر حملے کی تیاری کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت بُریدہ بن حُصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو ان اطلاعات کی تصدیق کے لیے بھیجا۔ انہوں نے بظاہر اپنے مشن کو چھپائے ہوئے چند دن ان میں گزار کر ان کے عزائم کا اندازہ لگایا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ اطلاع درست ہے۔ ہجرت کے بعد یہ پانچواں سال تھا اور 2 شعبان کو ذہبی کی تاریخ اسلام کی روایت کے مطابق 700

---

[1] زاد المعاد، السّيرة النّبوية الصّحيحة، الرّحيق المختوم.

Marfat.com

مجاہدین کو لے کر روانہ ہوئے۔

حضور ﷺ کا دستور تھا کہ اس طرح کی جنگی مہمات میں اُمہات المومنین میں سے کسی کو ساتھ لے جاتے تھے۔ اس سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں۔ اسلامی لشکر نے مُریسیع کے کنویں پر جا کر پڑاؤ ڈالا اور اچانک اس قبیلے پر حملہ کر دیا۔ جیسا کہ اس سے قبل یہ بات ایک سے زیادہ بار آ چکی ہے کہ اسلام حق اور راستی کا دِین ہے۔ اس کی روشنی دعوت سے پھیلتی ہے۔ جنگ اس کا مقصود نہیں ہے۔ یہ تو اس لیے کی جاتی ہے کہ دعوت کے راستے میں کھڑی رکاوٹوں کو ہٹایا جائے اور اسلامی زندگی سے مزاحم قوتوں کی مزاحمت کو توڑا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ دستور تھا کہ دشمن سے مقابلہ سے پہلے اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتے تھے۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ان لوگوں تک اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی اس کے باوجود انہوں نے جنگِ اُحد میں قریش کا ساتھ دیا تھا۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ ان کے ساتھ باقاعدہ جنگ ہوئی جس میں انہیں شکست ہوئی۔ واقدی نے لکھا ہے کہ جنگ میں ان کے دس آدمی قتل ہوئے اور باقی قیدی بنا لیے گئے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ان کی بے خبری میں اچانک حملہ کیا گیا اور وہ مغلوب ہو گئے۔ ان کی عورتیں اور بچے قیدی بنا لیے گئے۔ فتح الباری میں ابن حجر نے دونوں روایتوں میں تطبیق پیدا کرتے ہوئے لکھا کہ ممکن ہے کہ ابتدا میں انہوں نے کچھ دیر مقابلہ کیا ہو اور پھر ہتھیار ڈال دیے ہوں۔ قیدیوں کے علاوہ ان کے دو ہزار اونٹ، چالیس بوری غلّہ اور پانچ ہزار بکریاں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں۔ واقدی کی روایت مین اونٹوں کی تعداد ایک ہزار بتائی گئی ہے۔ حارث بن ضرار اپنے کچھ قریبی لوگوں کے ساتھ فرار ہو گیا تھا اس لیے قیدی بننے سے بچ گیا تھا۔ قیدی عورتوں میں حارث بن ضرار کی بیٹی جویریہؓ بھی تھیں۔ لونڈی غلاموں کی تقسیم میں جویریہؓ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں۔ سردار کی بیٹی ہونے کی وجہ سے انہیں لونڈی بننا گوارا نہ ہوا اس لیے مکاتبت کے ذریعہ آزاد ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ 19 اوقیہ سونے کے عوض وہ انہیں آزاد کرنے پر تیار ہو گئے۔ جویریہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

Marfat.com

حاضر ہو کر اپنا تعارف کرایا اور زرِ مکاتبت کے لیے مدد مانگی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: 'کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ میں زرِ مکاتبت ادا کر کے تم سے نکاح کرلوں؟' وہ اس پر راضی ہوگئیں اور اسلام قبول کر کے رسول پاک ﷺ کی زوجیت میں آگئیں۔ مختلف اور روایات کے مطابق حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا جب مدینہ پہنچ گئیں تو حارث بن ضرار بہت سا مال لے کر مدینہ گیا تا کہ اپنی بیٹی کو چھڑا لائے۔ اسے بتایا گیا کہ اب اس کی بیٹی کنیز کی حیثیت میں نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی کی حیثیت سے یہاں رہ رہی ہے۔ اس کے باوجود حضورؐ نے اس سے کہا کہ بہتر ہے کہ وہ اپنی بیٹی سے مل کر پوچھ لے کہ وہ واپس جانا چاہتی ہیں یا یہاں رہنا چاہتی ہیں۔ اس نے اپنی بیٹی سے ملاقات کر کے بات کی تو انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت ہی میں رہنا چاہتی ہوں۔ صحابہ کرامؓ نے اس رشتے کے احترام میں اس قبیلے کے سارے قیدی آزاد کر دیے۔ اسی پر حضرت عائشہؓ نے کہا تھا کہ 'میں نے جویریہ سے بڑھ کر کسی عورت کو اپنی قوم کے لیے باعثِ برکت نہیں پایا'[1]

منافقین کی شرانگیزی

﴿هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

(منافقون: 7، 8)

'یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ کے ساتھیوں پر خرچ کرنا بند کر دو تا کہ یہ منتشر ہو جائیں۔ حالانکہ زمین اور آسمانوں کے خزانوں کا مالک اللہ ہے مگر یہ منافق نہیں سمجھتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم مدینہ واپس پہنچ جائیں تو جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کرے گا۔ حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے

[1] طالب الهاشمی بحواله ابن هشام، طبقات ابن سعد، اسد الغابه.

Marfat.com

رسولؐ اور مومنین کے لیے ہے، مگر یہ منافق جانتے نہیں ہیں۔'

منافقین اسلامی لشکر میں اس نیت سے شامل ہوتے تھے کہ موقع ملتے ہی شر اور فتنہ کی آگ بھڑکائیں یا مسلمانوں کو کوئی بھاری ضرب لگے تو یہ اس کا تماشا دیکھیں۔ اس غزوہ میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بھی موجود تھا۔ یہاں ان کی توقع کے خلاف بنو مُصطلِق ذلّت آمیز شکست سے دوچار ہوئے۔ منافقین کے دلوں میں حسد اور بغض کی آگ بھڑک اٹھی۔ اب وہ اس تاک میں تھے کہ کسی اور طریقے سے مسلمانوں کو زک پہنچائیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ حضرت عمرؓ کے ملازم جہجاہؓ بن مسعود غفاری اور ایک خزرجی انصاری صحابی سنان بن وبر الجہنی کا کنویں پر اپنے مویشیوں کو پانی پلاتے ہوئے جھگڑا ہو گیا۔ جہجاہؓ نے سنانؓ کی سرین پر لات ماری جسے انصار نے اپنی بہت بڑی توہین گردانا۔ عبداللہ بن ابی وہاں موجود تھا۔ اس نے انصار اور مہاجرین کی عصبیت کو ہوا دینے کی کوشش کی۔ انصاری نے خزرج کو مدد کے لیے پکارا تو مہاجر نے مہاجرین کو آواز دی۔ یہ جاہلی عصبیت کو جگانے کی بات تھی جس کا رسول اللہ ﷺ کو سخت رنج ہوا۔ تاہم معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ جن کے دلوں میں نفاق تھا وہ اس میں کھولتے ہوئے عبداللہ بن ابی کے پاس گئے۔ ایک میٹنگ کی صورت بن گئی۔ انہوں نے شکایت کی کہ 'تم سے امید تھی کہ ہماری حمایت کرو گے مگر لگتا ہے کہ تم ان کنگلوں کے مددگار بن گئے ہو' وہ خود جلا بھنا بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے غیض و غضب کا اظہار اس طرح کیا:

'یہ سب تمہارا اپنا کیا دھرا ہے۔ تم لوگوں نے ان کو اپنے ہاں جگہ دی۔ ان پر اپنے مال خرچ کیے، یہاں تک کہ یہ پھل پھول کر خود ہمارے ہی حریف بن گئے۔ ہماری اور ان قریش کے کنگلوں کی (یا اصحابِ محمدؐ کی) حالت پر یہ مثل صادق آتی ہے کہ اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرتا کہ تجھی کو پھاڑ کھائے۔ تم لوگ ان سے ہاتھ روک لو تو یہ چلتے پھرتے نظر آئیں گے۔ خدا کی قسم! مدینے واپس پہنچ کر ہم میں سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو نکال دے گا۔'[1]

انہی کی قوم کے ایک کم عمر صحابی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اس مجلس میں موجود تھے جہاں

[1] تفہیم القرآن جلد پنجم، سیرتِ رحمتِ دارین ﷺ۔

Marfat.com

یہ باتیں ہوئیں۔انہوں نے خزرج کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو جا کر بتایا۔یہ زید رضی اللہ عنہ بن ارقم کے حقیقی چچا نہیں تھے۔ان کے حقیقی چچا تو ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ تھے لیکن ایک اچھی اور مستحکم معاشرت میں محلے ،بستی اور قوم قبیلہ کے چھوٹے سب بڑوں کو چچا ماموں جیسے رشتوں سے بلاتے ہیں۔سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو ان باتوں سے آگاہ کیا۔اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس موجود تھے۔انہیں سخت غصہ آیا اور کہنے لگے:'اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے ، میں اس منافق کی ابھی گردن اڑا دیتا ہوں۔'حضور ﷺ نے فرمایا: چھوڑ دو رہنے دو،لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کراتا ہے۔'

عبداللہ بن ابی کے سچے اور مخلص مسلمان بیٹے کو جن کا نام عبداللہ ہی تھا، ان باتوں کا پتہ چلا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کچھ لوگ ان کے منافق باپ کے قتل کی باتیں کر رہے ہیں تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:'یا رسول اللہ ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے باپ کی جو باتیں آپ تک پہنچی ہیں،ان کی وجہ سے اسے قتل کرانا چاہتے ہیں۔ آپ حکم دیں میں ابھی اس کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں گا۔اللہ کی قسم ! خزرج میں مجھ سے بڑھ کر اپنے والد کا فرماں بردار کوئی نہیں ہے۔اگر کسی اور نے آپ کے حکم سے میرے باپ کو قتل کر دیا تو مجھے ڈر ہے کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو زندہ چلتا پھرتا دیکھ کر برداشت نہیں کر سکوں گا اور اپنے کافر باپ کے بدلے میں اس کو مار کر جہنم میں چلا جاؤں گا۔' حضور ﷺ نے فرمایا:'نہیں، بلکہ ہم رواداری کا مظاہرہ کریں گے۔جب تک وہ (زبانی دعویٔ ایمان کے ساتھ) ہمارے ساتھ ہے اس سے اچھا برتاؤ کریں گے۔'[1] اس لشکر کے مدینہ واپس آنے کے وقت ابن ابی کے یہ بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ ننگی تلوار لے کر اس کے راستے میں کھڑے ہو گئے اور کہا کہ'جب تک رسول اللہ اجازت نہیں دیں گے میں آپ کو مدینہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔'[2] اس کے بعد عبداللہ بن ابی اپنے ہی لوگوں کی کی نظروں میں گر گیا۔اس کی قوم کے لوگ اس کی حرکتوں پر اسے کوستے اور ملامت کرتے تھے۔اس پر رسول

---

[1] ابن هشام، طبرانی، هیثمی . [2] ترمذی.

Marfat.com

اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے کہا: 'عمر دیکھو! اللہ کی قسم، اگر تم اس روز اسے قتل کر دیتے تو بہت سے لوگ ناک بھوں چڑھاتے۔ آج حالت یہ ہے کہ میں اس کی قوم کے کسی آدمی کو حکم دوں تو وہ اسے جان سے مارنے پر تیار ہو جائے گا۔' حضرت عمرؓ نے عرض کیا: 'اللہ کی قسم! میرا یہ کامل یقین ہے کہ اللہ کے رسول کی رائے میری رائے کے مقابلے میں زیادہ افضل اور مبارک ہے۔'[1]

واقعۂ اِفک

افتراق وانتشار اور تعصب ومنافرت بھری چہ میگوئیوں کے اس ماحول کو صاف کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک بالکل فطری نفسیاتی طریقہ یہ اختیار کیا کہ لشکر کو واپسی کے لیے روانگی کا حکم دے دیا۔ عام طور پر ایسے وقت میں رسول پاک ﷺ کوچ کا حکم نہیں دیا کرتے تھے۔ مسلسل 30 گھنٹے تھکا دینے والے سفر کے بعد مدینہ کے قریب پڑاؤ کیا گیا۔ لوگ طویل سفر سے تھک گئے تھے۔ پڑ کر سو گئے۔ یہاں سے روانہ ہونے کا وقت آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رفعِ حاجت کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ واپس آئیں تو احساس ہوا کہ وہ ہار جو اپنی بہن سے عاریتاً لے کر آئی تھیں، کہیں گر گیا ہے۔ ہار کی تلاش میں پھر واپس چلی گئیں۔ اس موقع پر پردہ کی وجہ سے اور کچھ دیگر قرائن سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ غزوۂ بن مُصطَلِق دراصل غزوۂ خندق کے بعد ہوا تھا۔

ایک تو پردے کی وجہ سے کوئی ہودج کے اندر جھانک کر دیکھ نہ سکا کہ حضرت عائشہؓ اندر ہیں یا نہیں۔ دوسرے ابھی کم عمر لڑکی ہونے کی وجہ ان کا جسم اتنا ہلکا تھا کہ ہودج اٹھانے والوں کو یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ اس میں سوار نہیں ہوئی ہیں۔ انہوں نے جلدی میں ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔ جب وہ اپنا ہار تلاش کر کے واپس آئیں تو لشکر روانہ ہو چکا تھا۔ اس اعتماد کے ساتھ کہ جب رسول اللہ ﷺ کو یا لشکر کے دیگر لوگوں کو ان کے ہودج میں نہ ہونے کا علم ہو گا تو ضرور کوئی ان کو لینے کے لیے آ جائے گا۔ طویل سفر کی تکان اور نیند کا غلبہ تھا اس لیے

[1] السّيرة النّبوية فى ضوء المصادر الاصلية بحواله ابن اسحاق، واقدى.

Marfat.com

جہاں بیٹھیں وہیں سو گئیں۔ رسول اللہ ﷺ کے بہت ہی معتمد اور قریبی صحابی حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ جو دیر سے جاگنے کی عادت کی وجہ سے پچھلی منزل پر رہ گئے تھے، وہ وہاں سے گزرے تو حضرت عائشہؓ کو لیٹا ہوا دیکھ کر پہچان لیا۔ انہوں نے خاموشی سے اونٹ بٹھایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی کچھ کہے پوچھے بغیر اونٹ پر سوار ہو گئیں۔ صحابیِ رسول نے اونٹ کی مہار پکڑی اور خود پیدل چلتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ اس دوران میں مجاہدین اور نبی پاک ﷺ بھی مدینہ پہنچ گئے تھے۔

منافقین نے اسلامی تحریک کے اتحاد اور یکجہتی پر جو وار بنی مُصطَلِق کے علاقے میں کیا تھا اس کے خالی جانے پر وہ خاصی خِفت محسوس کر رہے تھے۔ اب انہوں نے اسلامی سوسائٹی کی اخلاقی بنیادوں کو کھوکھلا ثابت کرنے کے لیے ایک اور وار کی تدبیر کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کردار میں ایک بہت بڑے عیب کا پراپیگنڈا کر کے اسلامی تحریک کے قائدؐ کے اعصاب توڑنے کی مذموم کوشش کی۔ عبداللہ بن ابی اس سازش کا سرغنہ تھا۔ کچھ مسلمان بھی اس کے ہمنوا بن گئے۔ غزوۂ بنی مُصطَلِق کے غزوۂ احزاب کے بعد ہونے کے قائل ایک دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شادی غزوۂ احزاب (خندق) ہی کے عرصے میں ہوئی تھی۔ ان کی بہن حمنہؓ بنت جحش منافقین کے بھرّے میں آ کر جو منافقین کی اس مکروہ مہم میں شامل ہو گئی تھیں تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی بہن کی سوکن کی قدر و قیمت اور حیثیت و اہمیت گھٹانا چاہتی تھیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ایک قریبی عزیز مِسطح بن اُثاثہؓ اور شاعرِ دربارِ رسالت حضرت حسان بن ثابتؓ بھی اس سازشی مہم کا حصہ بن گئے تھے، حالانکہ کہ مِسطح بن اُثاثہؓ کے خاندان کی کفالت صدیق اکبر حضرت ابو بکرؓ کرتے تھے۔

اگرچہ یہ خالص گھریلو معاملہ تھا لیکن اس کے دور رس اثرات پوری اسلامی ریاست اور مسلم معاشرے پر پڑنے کا احتمال تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے مشورہ کرنا مناسب سمجھا۔ حضورؐ نے اپنے نوجوان مگر بہت عزیز اور قابلِ اعتماد صحابی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ کے حق میں کلمۂ خیر کہا اور ان کی پاکدامنی کی

Marfat.com

گواہی دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جہاں یہ کہا کہ 'آپ کے لیے عورتوں کی کمی نہیں ہے، وہیں حضورؐ کو اپنی خاص خادمہ بریرہؓ سے گواہی لینے کا مشورہ دیا۔ آپؐ نے اپنی خادمہ حضرت بریرہؓ کو بلا کر حضرت عائشہؓ کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا کہ: 'ایک کمسن لڑکی ہونے کی وجہ سے تھوڑی غافل ہیں، آٹا گوندھ کر اسے ڈھکے ڈھانپے بغیر سو جاتی ہیں اور وہ کبھی کبھی بکری کھا جاتی ہے، اس کے سوا میں نے ان میں کوئی عیب نہیں دیکھا' میزبانِ رسولؐ حضرت ابو ایوب انصاری اور دیگر سادات صحابہؓ نے اسے بہتانِ عظیم قرار دیا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے کہا کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ کی اہلیہ سیرت و کردار کی ایسی ناپاکی میں مبتلا ہوں۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اپنی بہن کے بھڑکانے کے باوجود اس مکروہ مہم سے بالکل دور اور خاموش تھیں۔

حضرت عائشہؓ کی حالت

غزوۂ بنی مُصطلق کے سفر سے واپس مدینہ آنے کے بعد حضرت عائشہؓ بیمار پڑ گئی تھیں۔ انہیں کچھ خبر نہیں تھی کہ باہر ان کے بارے میں کیا کہانیاں گھڑی اور پھیلائی جا رہی ہیں اور ان کے دامنِ عفت و پاکیزگی میں کیسے داغ ڈھونڈے جا رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ابھی تک ان سے اس موضوع پر کوئی گفتگو کی تھی اور نہ کچھ پوچھا تھا۔ یہ ضرور تھا کہ اس سے پہلے جب وہ ناسازیِ طبع کا شکار ہوتیں تو ان پر رسول اللہ ﷺ جو لطف و کرم اور عنایت اور توجہ فرماتے تھے اس میں کمی کا انہیں احساس ہو رہا تھا۔ آپؐ گھر میں تشریف لاتے تو بس خیریت دریافت کرنے کے لیے چند کلمات کہتے اور چلے جاتے تھے۔ ایک رات حضرت عائشہؓ مسطح کی والدہ کے ساتھ رفعِ حاجت کے لیے باہر گئیں۔ واپسی پر اُمِّ مِسطح کا پاؤں اپنی چادر میں الجھ کر پھسلا۔ ان کے منہ سے 'برا ہو مسطح کا' کے الفاظ نکلے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا: 'آپ ایک بدری صحابی کو بددعا دے رہی ہیں' اس پر اُمِّ مِسطح نے انہیں پوری تفصیل بتائی کہ باہر ان کے خلاف کیا طوفان برپا ہے اور یہ کہ مِسطح بھی یہ کہانیاں پھیلانے والوں میں شامل ہے۔ اب بیماری کی تکلیف پر یہ ایک اور افتاد آ پڑی۔ اس صدمہ نے انہیں نڈھال کر دیا تھا۔

Marfat.com

صورتِ حال سے صحیح آگاہی سے قبل براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے کچھ پوچھنا بھی وہ مناسب نہ سمجھتی تھیں۔

آنحضور ﷺ سے اجازت لے کر اپنے والدین کے گھر چلی گئیں۔ وہاں اپنی والدہ سے شکوہ کیا کہ 'باہر تہمت و بہتان کا جو غبار اٹھا ہوا ہے اس کے بارے میں آپ نے کیوں نہ مجھے بتایا۔ بتائیں اصل قصہ کیا ہے؟' اس پر ان کی والدہ نے بس صبر کی تلقین کی اور کہا کہ 'دیکھو جن عورتوں پر سوتنیں ہوتی ہیں ان کے خلاف ایسا ہو جایا کرتا ہے۔' اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غم کی کیفیت فزوں تر ہو گئی۔ مسلسل روتی تھیں۔ آنسو تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ اس معاملہ کو ایک مہینہ گزر گیا تھا۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے۔ حال پوچھا اور پھر فرمایا: 'عائشہ، تیرے بارے میں یہ باتیں ہوئی ہیں۔ اگر تو پاک دامن ہے تو اللہ خود تیری برأت ظاہر کر دے گا اور اگر تجھ سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اللہ کی طرف رجوع کرو اور توبہ کرو۔ بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔'

کہتی ہیں کہ 'میں گنگ ہو گئی۔ غم اور حیرت سے میرے آنسو خشک ہو گئے۔ میں نے اپنے ماں باپ کی طرف دیکھا کہ شاید وہ میری معصومیت کی گواہی دے دیں لیکن ان کا اپنا خون خشک ہوا جا رہا تھا۔ اس گھڑی بے شک آلِ ابو بکرؓ بڑی سخت مصیبت اور آزمائش میں تھے۔ جب میں نے اپنے والدین کو بھی ساکت و صامت دیکھا تب میرے لب کھلے۔ میں نے کہا کہ 'میں ایک کمسن لڑکی ہوں۔ ابھی میں نے قرآن بھی بہت زیادہ نہیں پڑھا ہے۔ یہ جانتی ہوں کہ اگر میں اپنی پاکیزگی کے بارے میں خود یقین دلاؤں تو آپ لوگ اس پر یقین نہیں کریں گے۔ لیکن اگر میں ان خرافات اور اتہامات کو قبول کر لوں جو میرے بارے میں پھیلائے جا رہے ہیں تو مجھے سچا سمجھا جائے گا۔ اس وقت میری حالت وہی ہے جو یوسفؑ کے والد نے کہا تھا: فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ط وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُونَ (اچھا، صبر کروں گا اور بخوبی صبر کروں گا جو بات تم بنا رہے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے) یہ کہہ کر میں نے منہ پھیر لیا اور سر تکیہ پر ڈال دیا (غم کی وجہ سے یعقوبؑ کا نام بھول گئی تھیں)۔'

Marfat.com

کہتی ہیں: 'مجھے اپنی عفت و پاک دامنی کی وجہ سے یہ یقین تو تھا کہ اللہ ضرور میری مدد کو آئے گا لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ میری پاک دامنی کی گواہی کے لیے اللہ تعالیٰ آیات نازل کرے گا۔ ابھی گھر کے افراد میں سے کوئی باہر نہیں گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ پر نزولِ ﷺ وحی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ حضورؐ کی پیشانی اور رخساروں پر موتیوں کی طرح پسینے کے قطرے نمودار ہوئے۔ اس کیفیت میں مجھے جتنا اطمینان اور سکون مل رہا تھا، میرے والدین کی تو گویا اسی قدر جان نکلی جا رہی تھی کہ نہ معلوم اللہ تعالیٰ کیا حق ظاہر کرنے والا ہے۔'

حضور ﷺ پر سے وحی کیفیت ختم ہوئی تو فرمایا: 'اے عائشہؓ تجھے مبارک و بشارت ہو کہ اللہ نے تجھے اس تہمت سے پاک کر دیا اور تیری پاکیزگی کی گواہی دی ہے۔ اس نے تیرے حق میں قرآن کی آیات نازل کی ہیں۔

﴿ إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿11﴾ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿12﴾ لَّوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿13﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿14﴾ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿15﴾ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿16﴾ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿17﴾ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿18﴾ ﴾ (نور: 11 تا 18)

Marfat.com

'جو لوگ یہ بہتان گھڑ لائے ہیں وہ تمہارے ہی اندر کا ایک ٹولہ ہیں۔ اس واقعے کو اپنے حق میں شر نہ سمجھو بلکہ یہ بھی تمہارے لیے خیر ہی ہے۔ جس نے اُس میں جتنا حصہ لیا اس نے اتنا ہی گناہ سمیٹا، اور جس شخص نے اس کی ذمہ داری کا بڑا حصہ اپنے سر لیا اس کے لیے تو عذابِ عظیم ہے۔ جس وقت تم لوگوں نے اسے سنا اُسی وقت کیوں نہ مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے آپ سے نیک گمان کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح بہتان ہے؟ وہ لوگ (اپنے الزام کے ثبوت میں) چار گواہ کیوں نہ لائے؟ اب کہ وہ گواہ نہیں لائے ہیں، اللہ کے نزدیک وہ جھوٹے ہیں۔ اگر تم لوگوں پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور رحم و کرم نہ ہوتا تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے ان کی پاداش میں بڑا عذاب تمہیں آ لیتا۔ (ذرا غور کرو، اُس وقت تم کیسی سخت غلطی کر رہے تھے) جب کہ تمہاری ایک زبان سے دوسری زبان اِس جھوٹ کو لیتی چلی جا رہی تھی اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہے جا رہے تھے جس کے متعلق تمہیں کوئی علم نہ تھا۔ تم اسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے، حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ بڑی بات تھی۔ کیوں نہ اسے سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ 'ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا، سُبحان اللہ، یہ تو ایک بہتانِ عظیم ہے۔' اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا اگر مومن ہو۔ اللہ تمہیں صاف صاف ہدایات دیتا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے۔'

اللہ نے وحی کے ذریعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دامن تہمت و افترا کے داغ سے صاف کر دیا اور ان کی برأت نازل فرما دی۔ رسول اللہ ﷺ، آلِ ابوبکرؓ اور خود حضرت عائشہؓ کی بے پناہ خوشی کا مقام تھا۔ کہتی ہیں کہ آیاتِ برأت کے نزول کے بعد والدہ نے کہا 'اٹھو اور رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کرو۔' میں نے کہا نہ میں اِن کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور نہ آپ دونوں (والدین) کا، بلکہ میں اس اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے میری برأت نازل فرمائی۔ آپ سب نے تو اس بہتان کا انکار تک نہ کیا تھا۔' [1]

[1] أصحُّ السِّیر، الصّادق الامین، تفہیم القرآن جلد سوم۔

Marfat.com

بہتان کی اس مہم کا ایک مقصد رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچانا تو تھا ہی، ان مقاصد میں اس سے بڑی بات یہ بھی تھی کہ نبیؐ اور ان کے گھرانے کی اخلاقی ساکھ کو پر حملہ کیا جائے۔ یہ ساکھ اٹھ گئی تو سارے دِین پر اعتبار اٹھ جائے گا۔ مسلمانوں کے سب سے بڑے مرکزِ عقیدت و محبت کو بے اعتبار بنا دیا گیا تو اس دِین کی اصل روح نکل جائے گی۔

تیمم کا حکم

اگرچہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بالجزم یہ نہیں فرمایا کہ غزوۂ مُصطلق کے سفر میں تیمم کا حکم نازل ہوا۔ وہ تو کہتی ہیں ’ایک دفعہ میرا ہار گم ہو گیا تھا اس پر اہلِ اِفک کو جو کچھ کہنا تھا انہوں نے کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تلاش کے لیے سفر روک دیا۔ سب لوگ وہیں پر ٹھہر گئے۔ مقام ایسا تھا کہ اردگرد پانی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ پانی کی نایابی سے پریشان لوگ حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور شکایت کی کہ ان کی بیٹی کی وجہ سے ساری جماعت ایسی جگہ رُکنے پر مجبور ہوئی ہے جہاں قریب پانی کا انتظام نہیں ہے کہ وضو بھی کر سکیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ غصے میں بھرے ہوئے میرے پاس آئے۔ اس وقت رسول پاک میرے زانو پر سر رکھے سو رہے تھے۔ ابو بکرؓ نے مجھے سخت کوسا اور مجھے مارا بھی کہ میری وجہ سے لوگوں کو اتنی پریشانی دیکھنی پڑ رہی ہے۔‘

رات اسی طرح گزر گئی۔ صبح ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیتِ تیمم نازل ہوئی۔ صحابہؓ کو اس اتنی بڑی مستقل رعایت پر بہت خوشی ہوئی۔ حضرت اُسید بن حُضیرؓ نے کہا: ’اے آلِ ابو بکر! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی اِس اُمت کو تمہاری وجہ سے کئی برکتیں اور آسانیاں مل چکی ہیں۔‘ جو لوگ ہار تلاش کرنے گئے ہوئے تھے وہ خالی ہاتھ لوٹے۔ سفر کی تیاری ہو گئی۔ جس اونٹ پر حضرت عائشہؓ کو سوار ہونا تھا وہ اٹھا تو ہار اس کے نیچے سے مل گیا۔ گویا سفر میں یہ تعطّل، جس کے لیے ہار ایک بہانہ بنا، اسی آیتِ تیمم کے نزول ہی کے لیے ہوا تھا۔ ہجرت کے چوتھے سال شراب کی حُرمت کا حکم بھی نازل ہوا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بیٹے حسینؓ کی پیدائش بھی ہجرت کے چوتھے سال کا واقعہ ہے۔

Marfat.com

غزوۂ خندق یا احزاب

اس غزوہ کے ماہِ وقوع کے بارے میں اگرچہ دو مختلف قول ہیں لیکن جیسا کہ ابن القیمؒ نے لکھا ہے کہ دو میں سے صحیح قول کے مطابق یہ 5 ہجری کے ماہِ شوال میں ہوا۔ ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد نے لکھا ہے کہ جو لوگ غزوۂ خندق کو 4 ہجری کا واقعہ شمار کرتے ہیں وہ تاریخ کا آغاز اس محرم سے کرتے ہیں جو ہجرتِ مدینہ کے بعد آیا۔ اسی لیے ان کے حساب سے غزوۂ بدر 1 ہجری میں اور غزوۂ اُحد 2 ہجری میں ہوا۔ 3 ہجری میں قریش بدر ثانی میں مقابلے پر نہ آئے۔ چنانچہ ان کے لحاظ سے غزوۂ خندق 4 ہجری میں پڑتا ہے۔ بدر و اُحد کے معرکوں تک جزیرۃ العرب کی ظُلمت پسند قوتوں کے اصل نمائندہ قریشِ مکّہ ہی تھے۔ وہی کفر و شرک اور جہل و ضلالت کی سیاہ آندھی کی صورت میں اٹھتے اور توحید کی جلوہ نمائی کو روکنے کی کوشش کرتے رہے۔ اُحد کے میدان میں آخری مرحلے کی جزوی کامیابی کے باوجود وہ اسلامی عقیدہ وفکر کی لہروں کے آگے کوئی بڑا بند نہیں باندھ سکے تھے۔ اُحد کے میدان میں مسلمانوں کے وقار کو جو دھچکا لگا تھا، بدر الموعد یا بدر ثانی میں قریش کے مقابلہ سے گریز کی وجہ سے اس کی تلافی ہو گئی تھی۔ اہلِ ایمان کے حوصلے بلند ہو گئے اور ان کا اعتماد بحال ہو گیا تھا۔ اردگرد کے مشرک قبائل میں سے جس نے اس عرصہ میں سر اٹھایا رسول اللہ ﷺ نے اُس کی سرکوبی میں دیر نہ کی تھی۔ دامنِ اسلام سے الجھنے والی چھوٹی چھوٹی چنگاریوں کو حضور ﷺ کی حکیمانہ قیادت میں فوری طور پر بجھا دیا جاتا رہا۔

یہودی منصوبہ سازی

مسلمانوں کے ہاتھوں زخم تو قریشِ مکّہ اور اردگرد کے کئی اور قبائل کو بھی لگے تھے لیکن

Marfat.com

ذلّت کا جوزخم مدینہ سے نکالے ہوئے دو یہودی قبیلوں کو لگا تھا اس کا درد وہ شدت سے محسوس کر رہے تھے۔ وہ کسی ایسی جوابی کارروائی کی سازش تیار کر رہے تھے جو مسلمانوں پر ایسی کاری ضرب ثابت ہو کہ وہ کبھی اٹھنے کے قابل نہ رہیں۔ چنانچہ انہوں نے نظریاتی اور فکری قیادت اپنے ہاتھ میں لے کر کفر کی ساری قوتوں کا ایک متحدہ محاذ قائم کرنے کی تحریک شروع کر دی۔ وہ چاہتے تھے کہ تحریکِ اسلامی پر ایسا فیصلہ کن وار کریں کہ اسلام کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہو جائے۔ اس مہم کی منصوبہ سازی یہودی قبیلہ بنونضیر کے سرداروں نے اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی۔ ان کے بیس سرکردہ آدمی پہلے مکّہ گئے۔ قریش کے لیڈروں کو ترغیب دی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف اٹھیں تو شمال کے یہود ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہوں گے اور اس مہم میں اپنی مالی اور افرادی قوت کا بھرپور حصہ ڈالیں گے۔ ابن اسحاق اور ابن کثیر نے اپنی تاریخ اور طبری نے اپنی تفسیر میں سورہ النسآء کی 51 ویں آیت کی تفسیر میں ان یہودی سرداروں کی اس مضحکہ خیز بات کا ذکر کیا ہے کہ اسلام کی حقانیت کو اپنی کتابوں کی روشنی میں روزِ روشن کی طرح دیکھنے کے باوجود قریش کو پرچانے کے لیے ان سے کہا کہ تمہارا دِین محمدؐ کے دِین سے بہتر ہے۔

﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَ الطَّاغُوۡتِ وَ يَقُوۡلُوۡنَ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا هٰٓؤُلَاۤءِ اَهۡدٰى مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا سَبِيۡلًا ۝۵۱﴾

'کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ دیا گیا ہے اور اُن کا حال یہ ہے کہ جبت اور طاغوت کو مانتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں سے تو یہی زیادہ صحیح راستے پر ہیں۔'

قریش کو راضی کرنے کے بعد انہوں نے غطفان کے قبائل کے دورے کیے اور انہیں اس جنگ کے لیے تیار کیا۔ موسیٰ بن عقبہ کی روایت کے مطابق غطفان کو چھ ہزار افراد پر مشتمل عسکری قوت فراہم کرنے کے عوض اس سال خیبر میں کھجور کی ساری پیداوار انہیں دینے

Marfat.com

کا وعدہ کیا۔ سکیم یہ تھی کہ شمال میں خیبر اور وادی القریٰ سے بنوقینقاع اور بنونضیر کے دو یہودی قبیلے، مشرق سے غطفان کے قبائل (بنوسلیم، فزارہ، مرہ، اشجع، سعد اور اسد) اور جنوب سے قریش اپنی جمعیت لے کر نکلیں گے اور یہ متحدہ قوت یک بارگی مدینہ پر حملہ آور ہوگی۔ مدینہ میں موجود ایک اور بڑے یہودی قبیلہ بنوقریظہ کو در پردہ تیار کیا گیا تھا کہ وہ اندر سے اپنی کمک فراہم کرے گا اور پیٹھ کے پیچھے سے مسلمانوں پر اپنی مخاصمت وعداوت کا خنجر چلائے گا۔ یوں عرب میں کفر کی جو شکلیں بھی موجود تھیں وہ ساری اکٹھی ہو کر اسلام پر ٹوٹ پڑنے کو نکل رہی تھیں۔ اللہ کی کتاب میں انہیں احزاب کہا گیا ہے اور اس غزوہ کو غزوۂ احزاب کا نام دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۫ وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِیْمَانًا وَّ تَسْلِیْمًا ؕ﴾

(الاحزاب:22)

’(سچے مومنوں نے کی کیفیت یہ تھی کہ) جب انہوں نے حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے کہ 'یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اُس کے رسولؐ نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اللہ اور اُس کے رسولؐ کی بات بالکل سچی تھی'۔ اِس واقعہ نے اُن کے ایمان اور اُن کی سپردگی کو اور زیادہ بڑھا دیا۔‘

رسول اللہ ﷺ کی پیش بندی

یہ ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے نبی ہونے کے باوجود، اللہ کے حکم سے ہر اہم معاملہ میں مشورہ کے اصول پر کاربند تھے۔ جب آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ کفر کے لشکر مرّ الظّہران کی طرف روانہ ہو چکے ہیں تو حضورؐ نے اپنے صحابہؓ کو مشورہ کے لیے طلب فرمایا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی اس مشاورتی اجتماع میں موجود تھے۔ مدینہ کے جنوب میں گھنے باغات سے گزر کر کفار کا حملہ کرنا محالات میں سے تھا۔ دائیں بائیں دو حرّے (لاوے کی بڑی چٹانیں) حصار کا کام دے رہی تھیں۔ صرف اُحد کے مشرقی اور مغربی

Marfat.com

کنارے تھے جدھر سے حملے کا امکان تھا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ اگر مشرق اور مغرب کی لاوے کی چٹانوں کے اُحد کی طرف والے کناروں کے درمیان ایک خندق کھود دی جائے تو دشمن کی فوج مدینہ پر براہِ راست حملہ کرنے کے قابل نہیں رہے گی۔ عرب میں یہ ایک بالکل انوکھا طریقۂ دفاع تھا۔ اس کی افادیت کو دیکھ کر رسول پاک ﷺ نے اس تجویز کو پسند کیا۔ اس پر بلا تاخیر عمل شروع ہو گیا۔

مشقت اور بھوک میں افسر و ماتحت برابر

دس دس صحابہ کی ٹولیاں بنا کر ہر ٹولی کو اندازاً بیس میٹر خندق کھودنے کا کام سونپا گیا۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے بخاری میں روایت ہے کہ ہم سب خندق کے عمل میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھے۔ کھودنے والے کھودتے جاتے تھے اور ہم اس کی مٹی اپنی پیٹھ پر اٹھا کر باہر پھینکتے جاتے تھے۔ ایک طرف جوش و جذبہ کا یہ عالم تھا اور دوسری طرف بھوک اور تھکن میں سب کی ایک ہی کیفیت۔ کھانے کو جو کچھ ملتا تھا وہ مٹھی بھر جَو کے آٹے کی انتہائی بدمزہ تیل میں پکی ہوئی روٹی تھی جسے حلق سے نیچے اتارنا مشکل ہوتا تھا، لیکن بہ امر مجبوری کھا لیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور پر بھوک کی وجہ سے نقاہت کے آثار دیکھ کر ایک روز حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک بکری ذبح کی۔ ان کی اہلیہ نے جَو کا آٹا پیس کر کھانا تیار کیا اور چپکے سے حضور ﷺ کو کھانے کی دعوت دی۔ یہ کیوں کر ہوسکتا تھا کہ اسلامی تحریک کا قائد تو چپکے سے کسی کے ہاں دعوت کھا آئے اور اس کے کارکن اور ساتھی بھوکے رہیں۔ رسول پاک ﷺ نے خندق کھودنے والے سب صحابہؓ کو ساتھ لے لیا۔ جابر بن عبداللہؓ بہت پریشان ہوئے کہ کھانا تو بمشکل چار پانچ آدمیوں کا ہے اور یہ ایک ہزار افراد حضورؐ کے ساتھ ہو لیے ہیں۔ ایمانی معاملات کو اپنی محدود عقل سے جانچنے والے لوگ معجزات کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں لیکن وہاں ہوا یہ کہ آپ ﷺ نے کھانا لانے کی ہدایت کی۔ صاحب خانہ نے جتنا کھانا موجود تھا سامنے لا کر رکھ دیا۔ ایک ہزار افراد سے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ گھر والوں نے خود بھی کھایا۔ اس کے باوجود اتنا بچ گیا کہ پاس پڑوس

Marfat.com

والوں کو بھی بھیجا۔ ❶

آج کے جدید جمہوری دور میں انسانی مساوات کے بہت چرچے ہیں لیکن کہیں کسی فوج میں ایسی مثال نہیں ملتی کہ افسر سپاہیوں کے برابر کام کرتے ہوں اور افسروں اور جوانوں کے لیے ایک جیسا کھانا پکتا ہو۔ رسول اللہ ﷺ خود خندق کی کھدائی کے اس عمل میں برابر شریک تھے۔ ایک روز بعض صحابہؓ نے شکایت کی کہ 'یا رسول اللہ! تین دن سے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر ایک ایک پتھر باندھ لیا ہے۔' حضور ﷺ نے اپنا پیٹ دکھایا تو دو پتھر باندھے ہوئے تھے۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خندق کی کھدائی میں ایک مقام پر ایک سخت چٹان آ گئی۔ کدالیں اور پھاوڑے سب اسے توڑنے میں ناکارہ ثابت ہو رہے تھے۔ آخر صحابہؓ نے یہ مسئلہ حضور ﷺ کے سامنے رکھا۔ آپ تشریف لائے۔ کدال ہاتھ میں لی اور بسم اللہ پڑھ کر ایک ہی ضرب ایسی لگائی کہ اس کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ کر الگ ہو گیا۔ پہلی ضرب کے بعد فرمایا: 'اللہ کی قسم! میں سرخ محلات کو دیکھ رہا ہوں۔' پھر دوسری ضرب لگائی۔ دو تہائی چٹان ریزہ ریزہ ہو گئی اور فرمایا: 'اللہ کی قسم! میں مدائن کے سفید محل اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں۔' تیسری ضرب سے ساری چٹان ٹوٹ کر الگ ہو گئی اور فرمایا: 'اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں عطا کر دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں صنعاء کو یہاں کھڑے کھڑے دیکھ رہا ہوں۔' ❷ اسی موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو خبر دی تھی کہ 'تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔' ❸ سات دنوں میں تقریباً 4 کلومیٹر لمبی، 7 میٹر چوڑی اور 5 سے 8 میٹر گہری خندق تیار ہو گئی۔ واقدی اور ابن سعد کی بتائی ہوئی تفصیل کے مطابق مہاجرین نے مشرق میں راتج کے قلعہ سے ذباب تک کھدائی کی اور انصار نے مغرب میں ذباب سے جبل بنی عبید تک کھدائی کا کام کیا۔ ❹

---

❶ بخاری. ❷ احمد، نسائی، فتح الباری.

❸ صحیح مسلم.

❹ السّیرة النّبویة فی ضوء المصادر الاصلیة.

Marfat.com

بشریت اور نبوت

سیرتِ طیبہ کے مطالعہ میں ہم بشریت کے عجز، نارسائی اور بے بسی کو اور رسالت و نبوت کی معجزاتی شان کو ساتھ ساتھ دیکھتے ہیں۔ غزوۂ خندق کی تیاری میں رسول اللہ ﷺ ایک صاحبِ بصیرت، باتدبیر اور پرعزم بشر کی حیثیت سے جلوہ گر ہیں۔ جتنے دنیوی اسباب میسر ہیں ان کو بروئے کار لا رہے ہیں۔ حکمت و تدبیر اور مادی وسائل کا پورا استعمال کر رہے ہیں۔ آپؐ اپنے اسوۂ پاک سے اپنے صحابہؓ کو یہ سبق دے رہے ہیں کہ جنگ کے لیے ہر ممکن تیاری کی ضرورت ہے۔ انجام کار کامیابی تو اللہ تعالیٰ کی نصرت ہی سے ملنی ہے لیکن السّعیُ مِنّا یعنی اپنی طرف سے جدوجہد اور کوشش کے تقاضے پورے کرنے لازم ہیں۔ یہ سوچ کر جنگ کی تیاری میں کوتاہی نہیں کرنی ہے کہ نبوت کی روحانی اور ماورائے عقل و فطرت قوت سے دشمن تہس نہس ہو جائے گا۔

نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کے دفاع کے لیے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر عمل کر کے خندق کھودنے کا حکم دے دیا۔ اس عمل میں حضور ﷺ کا اپنا جسد اطہر گرد سے اٹ گیا ہے۔ بھوک اور تکان جس طرح آپؐ کے صحابہؓ کو ستا رہی ہے اسی طرح خود آپؐ پر بھی یہ بشری کمزوریاں غالب ہیں۔ جتنے دفاعی انتظامات ضروری ہیں وہ سب ہو رہے ہیں اور ساتھ رَب سے رجوع میں بھی کوئی کسر نہیں رکھی جا رہی ہے۔ اللہ سے دعائیں مانگی جا رہی ہیں: اَللّٰھُمَّ منزّل الکِتَاب، سَرِیعُ الحِسَاب، اھزِم الأحْزاب، اَللّٰھُمَّ اھْزِمھُم و زَلزِلھُم [1] 'اے کتاب کے نازل کرنے والے! اے جلدی حساب لینے والے اللہ! ان جتھوں کو شکست سے دوچار کر دے، ان کے قدم اکھاڑ دے۔' اَللّٰھُمَّ اسْتر عَورَاتِنَا و اٰمِن رَوعَاتِنَا [2] 'اے اللہ! ہماری اندرونی حالت پر پردہ ڈالے رکھ اور ہماری گھبراہٹ کو امن اور سکون میں بدل دے۔'

سخت چٹان کو توڑتے وقت نہ صرف یہ کہ نبیؐ کے ہاتھ پر اللہ کا معجزہ رونما ہوا بلکہ زمان

---

[1] بخاری. [2] احمد.

Marfat.com

ومکان کے پردے ہٹ گئے اور مستقبل کے آفاق روشن ہو گئے۔ صاف بتادیا کہ اردگرد کے شاہی اقتدار مٹیں گے اور ان ملکوں کی کنجیاں اس اُمت کے ہاتھ آجائیں گی۔ لیکن مدینہ کو دشمن کی یلغار سے محفوظ رکھنے کے لیے جہاد اور ایثار وقربانی سے منہ پھیرنا ایمان کا نہیں منافقت کا شیوا ہے۔ کل ملنے والی عظمت وشوکت کا انحصار بھی اس بات پر ہے کہ آج اہلِ ایمان کتنی جدوجہد اور محنت کرتے ہیں اور کس بے جگری سے دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں۔

انبیاء امورِ غیب جاننے کے خواہ کتنے ہی حاجت مند ہوتے تھے اللہ تعالیٰ ان پر غیب کے پردے ہٹا کر ان کے پیچھے چھپے راز اسی صورت میں کھولتا تھا جب ان کا کھولنا اس کی حکمت کے مطابق مناسب ہوتا تھا۔ واقعۂ اِفک میں رسول اللہ ﷺ کی محبوب، پاکباز اور باوفا رفیقۂ حیات پر منافقوں نے ایک سخت تہمت لگائی تھی۔ ایک ماہ تک آپ ﷺ سخت ذہنی اذیت کا شکار رہے۔ اضطراب اور پریشانی کی یہ حالت تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کبھی اپنے صحابہؓ سے پوچھتے اور کبھی گھر کی نوکرانی سے دریافت کرتے تھے۔ اس تکلیف دہ صورتِ حال میں مبتلا رہنے کی وجہ یہی تھی کہ غیب تک آپؐ کی رسائی نہیں تھی کہ اصل حقیقت سے فوراً آگاہ ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ جس قدر اور جب آپؐ پر غیب کے راز کھولنا ضروری سمجھتا تھا، اسی وقت کھولتا تھا۔ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ (اس کی معلومات میں کوئی چیز ان کی گرفتِ ادراک میں نہیں آسکتی اِلّا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے)۔ اللہ تعالیٰ نے آخر ایک ماہ بعد رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعہ حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی سے آگاہ کیا۔ وحی آپؐ کے اختیار کا معاملہ ہوتا تو الزام لگتے ہی جبریلؑ کو بلا کر حضرت عائشہؓ کی بے گناہی کی تصدیق کر لیتے۔

جس جنگی مہم میں اس اُمت کے لیے اللہ تعالیٰ نے تیمم کی سہولت دی تھی، اس سفر میں حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہو گیا تھا۔ مجاہدین کا پڑاؤ ایک ایسی جگہ تھا جہاں پانی نایاب تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی پر سخت برہم تھے کہ اس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اور سارا جنگی قافلہ پریشانی میں مبتلا ہے۔ ہار اس اونٹ کے نیچے دبا ہوا تھا جس پر حضرت عائشہؓ کو سوار

Marfat.com

ہونا تھا لیکن اونٹ کے اٹھنے تک جس طرح اور لوگ بے خبر تھے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے علم میں نہ تھا کہ ہار اونٹ کے نیچے ہے۔ وحی کا رسالت کے منصب سے تعلق تھا لیکن اس کا نزول اللہ کی حکمت اور وقت کی ضرورت پر منحصر تھا۔ ضرورت کا تعین رسولِ پاک ﷺ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ خود کرتا تھا۔

منافقین کا مکروہ کردار

مسلمان حملہ آور فوجوں کے مقابلہ کی تیاری میں مصروف تھے۔ منافقین اس دوران میں شر پھیلانے اور اہلِ ایمان کے حوصلے پست کرنے کی حرکتوں میں لگے ہوئے تھے۔ وہ کبھی ٹھٹھا مذاق کرتے اور کبھی طعن تعریض کے تیر پھینکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے سخت چٹان پر ضربیں لگاتے ہوئے مستقبل کی فتوحات کے بارے میں پیش گوئی فرمائی تو منافقین کہنے لگے: 'لیجیے صاحب، ہم تو خندق کھودنے میں لگے ہوئے ہیں اور یہ فارس کی کنجیوں کی باتیں کر رہے ہیں۔' وہ میدانِ جنگ سے خود بھی سرکنا چاہتے تھے اور دوسروں کو بھی پھسلانے کی کوشش کرتے تھے۔ دفاعی تیاریوں اور دشمن سے مقابلہ کے معاملہ سے ان کا گریز صاف نظر آ رہا تھا۔ اس غزوہ کی تیاریوں سے لے کر دشمن کے ساتھ جھڑپوں تک انہوں نے جو مکروہ کردار ادا کیا سورہ الاحزاب کی 12 ویں سے 20 ویں آیت میں اس کی پوری تصویر نظر آتی ہے۔

﴿وَ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَ اِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَ یَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِیَّ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَ مَا هِیَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَ لَوْ دُخِلَتْ عَلَیْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُىِٕلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَ مَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ اِلَّا یَسِیْرًا ﴿۱۴﴾ وَ لَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا یُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ یَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَ اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا

Marfat.com

قَلِيۡلًا ﴿۱۱﴾ قُلۡ مَنۡ ذَا الَّذِيۡ يَعۡصِمُكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ اِنۡ اَرَادَ بِكُمۡ سُوۡٓءًا اَوۡ اَرَادَ
بِكُمۡ رَحۡمَةً ؕ وَ لَا يَجِدُوۡنَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيۡرًا ﴿۱۷﴾ قَدۡ
يَعۡلَمُ اللّٰهُ الۡمُعَوِّقِيۡنَ مِنۡكُمۡ وَ الۡقَآئِلِيۡنَ لِاِخۡوَانِهِمۡ هَلُمَّ اِلَيۡنَا ۚ وَ لَا
يَاۡتُوۡنَ الۡبَاۡسَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۙ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً عَلَيۡكُمۡ ۖۚ فَاِذَا جَآءَ الۡخَوۡفُ رَاَيۡتَهُمۡ
يَنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ تَدُوۡرُ اَعۡيُنُهُمۡ كَالَّذِيۡ يُغۡشٰى عَلَيۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ ۚ فَاِذَا
ذَهَبَ الۡخَوۡفُ سَلَقُوۡكُمۡ بِاَلۡسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الۡخَيۡرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمۡ
يُؤۡمِنُوۡا فَاَحۡبَطَ اللّٰهُ اَعۡمَالَهُمۡ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرًا ﴿۱۹﴾ يَحۡسَبُوۡنَ
الۡاَحۡزَابَ لَمۡ يَذۡهَبُوۡا ۚ وَ اِنۡ يَّاۡتِ الۡاَحۡزَابُ يَوَدُّوۡا لَوۡ اَنَّهُمۡ بَادُوۡنَ فِي
الۡاَعۡرَابِ يَسۡاَلُوۡنَ عَنۡ اَنۡۢبَآئِكُمۡ ؕ وَ لَوۡ كَانُوۡا فِيۡكُمۡ مَّا قٰتَلُوۡۤا اِلَّا
قَلِيۡلًا ﴿۲۰﴾ ع ﴾

'یاد کرو وہ وقت جب منافقین اور وہ سب لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا صاف صاف کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ نے جو وعدے ہم سے کیے تھے وہ فریب کے سوا کچھ نہ تھے۔ جب اُن میں سے ایک گروہ نے کہا کہ 'اے یثرب کے لوگو، تمہارے لیے اب ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، پلٹ چلو۔' جب ان کا ایک فریق یہ کہہ کر نبیؐ سے رُخصت طلب کر رہا تھا کہ 'ہمارے گھر خطرے میں ہیں' حالانکہ وہ خطرے میں نہ تھے، در اصل وہ (محاذِ جنگ سے) بھاگنا چاہتے تھے۔ اگر شہر کے اطراف سے دشمن گھس آئے ہوتے اور اُس وقت انہیں فتنے کی طرف دعوت دی جاتی تو یہ اُس میں جا پڑتے اور مشکل ہی سے انہیں شریکِ فتنہ ہونے میں کوئی تامل ہوتا۔ ان لوگوں نے اس سے پہلے اللہ سے عہد کیا تھا کہ یہ پیٹھ نہ پھیریں گے، اور اللہ سے کیے ہوئے عہد کی باز پرس تو ہونی ہی تھی۔ 'اے نبیؐ، ان سے کہو، اگر تم موت یا قتل سے بھاگو تو یہ

Marfat.com

بھاگنا تمہارے لیے کچھ بھی نفع بخش نہ ہوگا۔اِس کے بعد زندگی کے مزے لُوٹنے کا تھوڑا ہی موقع تمہیں مل سکے گا۔ان سے کہو،کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکتا ہو اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے؟اور کون اس کی رحمت روک سکتا ہے اگر وہ تم پر مہربانی کرنا چاہے؟اللہ کے مقابلے میں تو یہ لوگ کوئی حامی و مددگار نہیں پا سکتے۔'اللہ تُم میں سے اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو (جنگ کے کام میں) رُکاوٹیں ڈالنے والے ہیں،جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ'آؤ ہماری طرف'۔ جولڑائی میں حصہ لیتے بھی ہیں تو بس نام گنانے کو،جو تمہارا ساتھ دینے میں سخت بخیل ہیں۔خطرے کا وقت آجائے تو اس طرح دِیدے پھرا پھرا کر تمہاری طرف دیکھتے ہیں جیسے کسی مرنے والے پر غشی طاری ہورہی ہو،مگر جب خطرہ گزر جاتا ہے تو یہی لوگ فائدوں کے حریص بن کر قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبانیں لیے تمہارے استقبال کو آجاتے ہیں۔'یہ لوگ ایمان نہیں لائے،اسی لیے اللہ نے ان کے سارے اعمال ضائع کر دیے۔اور ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔یہ سمجھ رہے ہیں کہ حملہ آور گروہ ابھی گئے نہیں ہیں۔اور اگر وہ پھر حملہ آور ہو جائیں تو اِن کا جی چاہتا ہے کہ اُس موقع پر کہیں صحرا میں بدّوں کے درمیان جا بیٹھیں اور وہیں سے تمہارے حال پوچھتے رہیں۔تاہم اگر تمہارے درمیان رہے بھی تو لڑائی میں کم ہی حصہ لیں گے۔'

مدینہ کا حصار

منافقین میں ایمان کی کمی تھی۔وہ ذمہ داری کے اس شعور و احساس سے محروم تھے جو نصب العین کی سچائی پر محکم یقین سے پیدا ہوتا ہے۔اسی لیے وہ بزدلی اور مکر و فریب کی حرکتیں کر رہے تھے۔لیکن سچے مسلمان سراپا عزم و ہمت تھے۔بھوک پیاس اور سخت مشقت کے باوجود ان کے فدا کارانہ جذبے عروج پر تھے۔دفاعِ مدینہ کا جو خاکہ تیار کیا گیا تھا مسلمانوں کی جانفشانی سے دشمن کے پہنچنے سے پہلے وہ ایک دفاعی سکیم کی صورت میں پایۂ

Marfat.com

تکمیل کو پہنچ گیا تھا۔خندق کی کھدائی میں مسلسل چھ روز اعصاب شکن محنت کے باوجود وہ میدان، جنگ میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھے۔دشمن 10 ہزار کا لشکر لے کر مدینہ کے دروازے پر پہنچا تو 3 ہزار مجاہدین مقابلے کے لیے مستعد تھے۔

ابن حزمؒ نے مسلمانوں کی تعداد کے بارے میں یہ سوال اٹھایا کہ جنگِ اُحد میں جب مجاہدین کی تعداد 7 سو تھی تو درمیان میں ایک سال کے وقفہ کے بعد یہ تین ہزار تک کیسے پہنچ سکتی تھی؟ شاید ان کے سامنے وہ حقیقت نہیں تھی جس کی طرف پیچھے میں نے بار بار اشارے کیے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اسلام دینِ دعوت ہے۔غزوۂ بدر سے 5 ہجری کے ماہِ شوال تک مسلمان صرف لڑائیاں ہی نہیں لڑتے رہے تھے۔دعوتی اور تبلیغی سرگرمیاں ایک لمحہ کے لیے بھی معطل نہیں ہوئی تھیں۔اس دعوت کے نتیجے میں ان کی افرادی قوت میں اضافہ کوئی ناقابلِ فہم بات نہیں ہے۔اس عرصہ میں دیگر مقامات سے ہجرت کر کے مدینہ میں وارد ہونے کا سلسلہ بھی جاری رہا ہوگا۔اردگرد کے مشرک اور بے دین قبائل میں بھی اسلام کی نعمت پانے والے لوگ موجود تھے۔اس مشکل گھڑی میں ان میں سے بھی کچھ ضرور اس جہاد میں شریک ہوئے ہوں گے۔

شیخ محمد الغزالیؒ نے فقہ السیرۃ میں لکھا ہے کہ غزوۂ خندق ہتھیاروں کی ضربوں سے زیادہ ایک زبردست اعصابی جنگ تھی۔اس میں مسلمان شہداء کی تعداد تو آٹھ سے زیادہ نہیں تھی لیکن اعصابی تناؤ اور نفسیاتی دباؤ کے اعتبار سے یہ اسلامی تاریخ کی سخت ترین جنگ تھی۔ایسی کیفیت تھی گویا وہ ایک بلند نوکیلی چٹان کے کنارے پر کھڑے ہوں یا تنی ہوئی رسّی پر چل رہے ہوں جہاں توازن کا ذرا سا بگڑنا اور لمحہ بھر کی غفلت گہری کھائی میں گر کر ہلاکت سے دوچار کر سکتی تھی۔رسول اللہ ﷺ نے شہر کی حفاظت کے لیے کچھ دستے متعین کر دیے تھے جو تکبیر کے نعرے بلند کرتے ہوئے مسلسل گشت کر رہے تھے۔ابن اسحاق اور ابن سعد کی کچھ روایات کے مطابق عمرو بن عبدود، عکرمہ بن ابی جہل، ضرار بن الخطاب پہلے ہلّے میں گھوڑے دوڑاتے ہوئے آئے تو دیکھا کہ آگے گہری خندق ہے۔کہنے لگے: خُدا کی قسم! یہ

Marfat.com

جنگ کی ایسی چال ہے جو عرب میں آج تک کسی نے نہیں چلی'۔ اس کے بعد ان کے کچھ شہسواروں نے ایک تنگ جگہ سے خندق عبور کر لی تھی لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو واصل جہنم کر دیا تھا۔ اس صورتِ حال میں انہیں کسی بڑی کامیابی کا کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ سازش یہود کا پرانا ہتھیار تھا اسی کو آزمانے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہودی سردار حی بن احطب نے پہلے ہی خفیہ سفارت کاری سے بنو قریظہ کو آمادہ کر لیا تھا کہ وہ اندر سے اور پیچھے سے مسلمانوں کو زک پہنچائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ کو بنو قریظہ کے پاس یہ معلوم کرنے کے لیے روانہ کیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ پر قائم ہیں یا انہوں نے معاہدہ توڑ دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ یہودی فطرت کے عین مطابق غدر اور عہد شکنی کے مرتکب ہو گئے ہیں۔ اس خبر نے مسلمانوں کو اپنی عورتوں اور بچوں کی سلامتی کے معاملے میں بجا طور پر تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس وقت جو کیفیت کی اس کا ذکر سورہ الاحزاب کی دسویں اور گیارھویں آیت میں یوں ملتا ہے:

﴿ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ ﴾

'جب دشمن اُوپر سے اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے، جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آ گئے، اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے، اس وقت ایمان لانے والے خوب آزمائے گئے اور بری طرح ہلا مارے گئے۔'

اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ

اس نازک صورتِ حال میں رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ اور متحدہ محاذ کی قیادت کے باہمی اعتماد میں دراڑ پیدا کرنے اور ان کی صفوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے back door (پسِ پردہ) سیاست کاری کا طریقہ اختیار کیا۔ دشمن کو دھوکا دینے کا یہ طریقہ قدیم دور میں بھی

Marfat.com

تھا اور آج جدید دور کی جنگوں میں تو اس کے بے شمار سائنسی اور نفسیاتی طریقے نکال لیے گئے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ صحیحین کی اس روایت کا مطلب ہے کہ جنگ فریب ہی کا نام ہے یا جنگ میں دشمن کو دھوکا دینا جائز ہے۔ دشمن مدینہ کے اندر سے مسلمانوں پر بنو قریظہ کے ذریعہ ضرب لگانے کی چالیں چل رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ بنو غطفان کی نفسیات سے واقف تھے کہ وہ کسی اعتقادی یا سیاسی داعیہ کے تحت متحدہ محاذ میں شامل نہیں ہوئے ہیں۔ لوٹ مار اور غنیمت کے مال کے سوا ان کا اور کوئی مقصد نہیں۔ چنانچہ حضور ؐ نے پہلے ان کی اس حریصانہ نفسیات کے مطابق ان سے معاملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ غطفان کے دو افراد۔ عینیہ بن حصن اور حارث بن عوف ۔ سے ایک خفیہ ملاقات کر کے ان کے سامنے یہ تجویز رکھیں کہ غطفان اگر مدینہ پر حملہ آور دوسرے لوگوں سے الگ ہو جائیں تو انہیں مدینہ کی کھجور کی اس سال کی کل پیداوار کا ایک تہائی دیا جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ یہ تجویز انصار پر تھوپنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لیے آپ ؐ نے انصار کے زعماء میں سے حضرت سعد بن معاذ ؓ اور سعد بن عبادہ ؓ کو بلا کر ان سے رائے لی۔ سعدین ؓ نے عرض کیا: 'یا رسول اللہ! اگر یہ اللہ کی طرف سے حتمی فیصلہ ہے تو ہماری مجال نہیں کہ اس سے گریز کریں۔ اگر یہ آپ کی اپنی خواہش ہے تو ہم دل و جان سے آپ کی خواہش کا احترام کریں گے۔ لیکن کیا آپ یہ معاہدہ ہمارے مفاد کے لیے کر رہے ہیں؟' آپ ﷺ نے فرمایا: 'میں دیکھ رہا ہوں کہ آج سارے عرب ایک ہی کمان سے تم پر یکمشت تیر برسانے کے لیے اکٹھے ہو گئے ہیں۔ انہوں نے تمہیں گھیر لیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے خلاف اس محاذ کو توڑ دوں۔' اس پر سعد بن معاذ ؓ نے کہا: 'یا رسول اللہ! ہم اور وہ لوگ کبھی ایک ہی طرح شرک میں مبتلا تھے۔ ہم بھی بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ اُس حالتِ شرک میں بھی انہوں نے کبھی ہم سے خرید و فروخت یا ضیافت کے سوا کھجور کا ایک دانہ لینے کی جرأت نہیں کی تھی۔ اب جب کہ اللہ نے ہمیں ایمان کا شرف بخشا، ہدایت عطا کی اور غلبہ بھی دیا ہے تو کیا ہم اپنا مال (صلح کے عوض) انہیں دے دیں؟ نہیں ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اب

Marfat.com

انہیں جو کچھ دیں گے اپنی تلوار ہی سے دیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کردے۔' نبی اکرم ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: 'ٹھیک ہے۔' [1]

بوغطفان کی ایک شاخ اُشجع کے حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کچھ ہی عرصہ پہلے مسلمان ہوئے تھے لیکن ابھی ان کے اسلام لانے کی کسی کو خبر نہیں تھی۔ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میرے مسلمان ہونے کا کسی کو علم نہیں ہے۔ مجھے اس موقع پر اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی جو ذمہ داری سونپی جائے میں بجالانے کے لیے تیار ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: 'تم ہی موزوں آدمی ہو۔ ہو سکے تو دشمنوں میں پھوٹ کی تدبیر کرو۔ جنگ میں دشمن کو دھوکا دینا ہوتا ہے۔' حضرت نعیمؓ کا بنوقریظہ کے لوگوں سے پرانا تعلق تھا۔ انہوں نے بنوقریظہ کے کچھ نمایاں لوگوں کے پاس جا کر کہا کہ محاصرہ طویل ہوتا نظر آ رہا ہے۔ قریش اور بنوغطفان اس سے تنگ آ کر واپس چلے جائیں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں اس جنگ کا سارا ملبہ تم لوگوں پر آ پڑے۔ تم اس جنگ میں اس وقت تک حصہ نہ لو جب تک وہ لوگ اپنے کچھ سرکردہ آدمی یرغمال کے طور پر تمہارے حوالے نہ کریں۔ بنوقریظہ نے اس سے اتفاق کیا۔ نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ وہاں سے متحدہ محاذ کے کیمپ میں گئے۔ ان سے کہا کہ بنوقریظہ پر آنکھیں بند کر کے اعتماد نہ کر لینا۔ وہ لڑائی کے معاملے میں کچھ بد دل نظر آتے ہیں۔ بعید نہیں ہے کہ وہ لڑائی میں سرگرم حصہ لینے کے بدلے تمہارے کچھ آدمی بطور یرغمال اپنے پاس رکھنے کا مطالبہ کریں۔ یوں قریش اور بنوغطفان والوں کے دلوں میں کھٹک سی پیدا ہو گئی۔ ان کے لیڈروں نے بنوقریظہ کو پیغام بھیجا کہ ہم طویل محاصرہ سے تنگ آ گئے ہیں۔ جنگ کو کسی حتمی نتیجہ تک پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ تم اندر سے مسلمانوں پر حملہ کرو اور ہم باہر سے یلغار کر دیں۔ بنوقریظہ نے جواب میں پیغام بھیجا کہ جب تک تم اپنے کچھ نمایاں آدمی ہمارے سپرد نہ کرو، ہم جنگ کا خطرہ نہیں مول لے سکتے۔ اس پر متحدہ محاذ کی قیادت کو حضرت نعیم بن

---

[1] واقدی، البدایة والنّهایة، القیادة العسکریة فی عهد الرسول ﷺ، محمد احمد باشمیل.

Marfat.com

مسعود رضی اللہ عنہ کی بات کا یقین آ گیا۔ انہوں نے اپنے آدمی یرغمال میں دینے سے انکار کر دیا۔ اب بنو قریظہ بھی سوچنے لگے کہ نعیم نے قریش اور ان کے اتحادیوں کے بارے میں جو کہا تھا وہ غلط نہیں ہے۔ یہ حربہ کامیاب رہا۔ بنو قریظہ اور باہر کے حملہ آور لیڈروں میں اعتماد کی فضا یکدم ختم ہو گئی۔ [1]

پہلا اسلامی ملٹری اسپتال

ابن اسحاق، واقدی اور ابن سعد کی روایت کے مطابق اس جنگ میں کل چھ صحابہ شہید ہوئے اور تین مشرک مارے گئے۔ اس سے قبل جنگوں میں زخمیوں کی تیمارداری اور مرہم پٹی اکثر ان کے اہلِ خانہ ہی کیا کرتے تھے۔ غزوۂ اُحد میں بعض خواتین نے بھی قابلِ قدر خدمات انجام دی تھیں۔ غزوۂ خندق کے ضمن میں ڈاکٹر عبداللہ السّعید نے اپنی کتاب 'المستشفیات الاسلامیة' میں لکھا ہے کہ سب سے پہلا اسلامی ملٹری اسپتال اسی غزوہ میں قائم ہوا۔ مسجدِ نبوی کے صحن میں ایک خیمہ نصب کر کے اسے ابتدائی طبی امداد کا کلنک بنایا گیا۔ اس کی نگران یا سپرنٹنڈنٹ حضرت رفیدہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ دشمن کا تیر لگنے سے شدید زخمی ہو گئے تو حضورؐ نے فرمایا: 'سعد کو رفیدہ کے خیمہ میں لے جاؤ' اسلام کی راہ میں غیر معمولی خدمات انجام دینے والوں کی جان رسول اللہ ﷺ کو کتنی عزیز تھی، اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضورؐ چاہتے تھے کہ سعد بن معاذؓ کا علاج معالجہ اور دیکھ بھال آپؐ کی آنکھوں کے سامنے ہو۔ اس لیے انہیں حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا کے کلنک میں رکھا گیا تاکہ حضورؐ ہر وقت سعدؓ کی صحت کے بارے میں باخبر رہ سکیں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے دعا کی تھی کہ 'اے اللہ! مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک بنو قریظہ کے بارے میں میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔' چنانچہ انہی کے فیصلے کے مطابق جب بنو قریظہ اپنے انجام کو پہنچ گئے تو وہ اسلام کی عظیم خدمات کا سرمایہ دامن میں لے کر وہ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

---

[1] ابن اسحاق، واقدی، تفہیم القرآن جلد چہارم۔

Marfat.com

عناصرفطرت کے لشکر

ہم نے پیچھے رسول پاک ﷺ کی دو دعائیں نقل کی ہیں۔ اللہ نے وہ دعائیں قبول فرمائیں اور عناصر فطرت کے لشکر دشمن پر مسلّط کر دیے۔ اس غزوہ پر سورہ الاحزاب کی آیت 9 سے 20 تک میں جو جامع تبصرہ ہے اس کا آغاز ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کے ذکر سے کیا ہے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۚ﴾

'اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یاد کرو اللہ کے احسان کو جو (ابھی ابھی) اُس نے تُم پر کیا ہے۔ جب لشکر تم پر چڑھ آئے تو ہم نے اُن پر ایک سخت آندھی بھیج دی اور ایسی فوجیں روانہ کیں جو تم کو نظر نہ آتی تھیں۔ اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جو تم لوگ اس وقت کر رہے تھے۔'

ان عناصرِ فطرت میں رات کا ایسا گُپ اندھیرا تھا جس میں اپنے پرائے کو پہچاننا مشکل تھا۔ ٹھنڈی اور تیز ہوائیں تھیں جو زوردار آندھی میں بدل گئیں۔ دشمن کے کیمپ میں ہر طرف بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ ان ہواؤں کی شدت نے ان کے خیمے اکھاڑ دیے تھے۔ ان کے چولہے ٹھنڈے ہو گئے اور ان پر چڑھی دیگیں اُلٹ گئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو دشمن کے حالات جاننے کے لیے بھیجا۔ وہ اس تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے کیمپوں کے اندر پہنچ گئے۔ وہ کہتے ہیں کہ: 'میں نے سنا کہ ابوسفیان کہہ رہا تھا کہ اے اہلِ قریش! تم اپنے شہر میں نہیں ہو۔ ہمارے اونٹ اور دیگر جانور ہلاک ہو گئے ہیں۔ بنو قریظہ کے بارے میں بھی یہ بری خبریں مل رہی ہیں کہ انہوں نے ہمارے ساتھ کیا ہوا معاہدہ ختم کر دیا ہے۔ ہوائیں برا حال کر رہی ہیں۔ نہ آگ جلتی ہے اور نہ دیگیں چولہوں پر پکتی ہیں۔ کوئی خیمہ اپنی جگہ پر قائم نہیں رہا ہے۔ اس لیے تم لوگ جلد از جلد یہاں سے نکل چلو۔ میں بھی کوچ کرنے والا ہوں۔' اس نے اونٹ کی رسّی کھولی، اس پر سوار ہو کر اسے

Marfat.com

چابک مارا تو وہ اچھل کر کئی قدم آگے جا کھڑا ہوا' حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے مجھے وہاں کی خبر لانے کے سوا کسی اور حرکت سے باز رہنے کا پابند نہ کیا ہوتا تو میں ایک ہی وار کر کے آسانی سے ابوسفیان کو قتل کر دیتا۔' ❶

یہ غزوۂ خندق اپنے ممکنہ مضمرات کے اعتبار سے اوّلین اسلامی تاریخ کا خطرناک ترین غزوہ تھا۔ اگر اللہ کی قدرت سے عین کڑے وقت میں حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کا کردار سامنے نہ آجاتا اور اندر سے بنوقریظہ اور باہر سے کافروں کی متحدہ فوجیں اپنے منصوبے کے مطابق کام کرنے کے قابل ہو جاتیں تو مسلمانوں کے لیے بڑے ہولناک نتائج سامنے آتے۔ حضرت نعیمؓ نے لڑے بغیر تنہا ایک بڑے لشکر کا کام کر دیا۔ قریش اور یہودی اپنی جس قدر طاقت جمع کر سکتے تھے انہوں نے اس غزوہ میں جھونک دی تھی۔ اس غزوہ کے نتائج سے رسول اللہ ﷺ کو صاف نظر آنے لگ گیا تھا کہ طاقت کا توازن بدل گیا ہے۔ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کفّار کے لشکر کی واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'اب وہ ہم پر حملہ نہیں کریں گے بلکہ ہم اِقدام کر کے ان کے علاقے میں ان پر حملہ آور ہوا کریں گے۔' ❷

﴿وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۚ﴾ (الاحزاب:25)

'اللہ نے کفّار کا منہ پھیر دیا، وہ کوئی فائدہ حاصل کیے بغیر اپنے دل کی جلن لیے یونہی پلٹ گئے، اور مومنین کی طرف سے اللہ ہی لڑنے کے لیے کافی ہو گیا، اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔'

بنوقریظہ کا انجام

غزوۂ خندق میں ذوالقعدہ کا مہینہ بیت گیا تھا۔ ذوالحجہ کا آغاز ہو چکا تھا۔ بنوقریظہ نے

❶ الصّادق الامین بحوالہ مسند احمدو مستدرک حاکم۔

❷ مجمع الزّوائد، طبرانی۔

Marfat.com

غزوۂ خندق میں جو مکروہ کردار ادا کیا آج جدید ترین ریاستوں میں بھی اسے غداری اور بغاوت ہی شمار کیا جاتا ہے اور غداروں اور باغیوں کو موجودہ دور میں بھی عبرت ناک سزا دی جاتی ہے۔رسول پاک ﷺ پوری تحقیق کر کے ہی اس سرکش اور بدعہد قبیلہ کو سزا دینا چاہتے تھے۔اس قبیلہ کی غداری کے ابتدائی آثار سامنے آتے ہی آپؐ نے سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، ابن رواحہ اور خوات رضی اللہ عنہم کو تحقیق حال کے لیے بھیجا تھا۔آپؐ کی تاکید تھی کہ اگر غداری اور بغاوت کی خبر غلط ہو تو واپس آ کر بلند آواز میں اس کی اطلاع دیں اور اگر خبر درست ہو تو مجھے اشارہ سے بتا دیں۔انہوں نے واپس آ کر اشارے سے رسول پاک ﷺ کو آگاہ کیا کہ یہ قبیلہ واقعی آمادۂ بغاوت ہے۔

اب جب کہ قریش اور ان کے اتحادی میدان چھوڑ کر واپس چلے گئے تھے، بنو قریظہ کو مزید کسی شرارت کی مہلت دینا حکمت کے خلاف تھا۔اس لیے نبی پاک ﷺ نے غزوۂ خندق سے واپس آتے ہی اعلان فرما دیا تھا کہ مسلمان اپنا اسلحہ نہ اتاریں اور اسی حالت میں بنو قریظہ سے جنگ کے لیے نکل چلیں۔بخاری کی روایت کے مطابق ہر شخص کو عصر کی نماز (مسلم کی روایت کے مطابق ظہر کی نماز) بنو قریظہ کے علاقے میں پہنچ کر پڑھنے کا حکم تھا۔نماز کا وقت ہو جانے پر ہنگامی صورتِ حال کی وجہ ہی سے ایک فقہی مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ بعض نے اس حکم سے یہ مراد لی کہ ہر حال میں بنو قریظہ کے علاقے میں پہنچ کر ہی نماز پڑھنی ہے اور بعض نے اس حکم کو جلدی وہاں پہنچنے کی تاکید خیال کیا اور نماز راستہ میں پڑھ لی۔حضورؐ نے ان میں سے کسی گروہ کی اجتہادی رائے کو غلط قرار نہیں دیا تھا۔ [1]

شہداء اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سوا غزوۂ خندق میں شریک ہونے والا سارا لشکر آپؐ کے ہمراہ تھا۔بغض و عداوت میں ڈوبے ہوئے اور بدعہدی اور سرکشی کے مرتکب اس قبیلہ کو فوری طور پر محاصرہ میں لے لیا گیا۔راجح قول کے مطابق 25 دن تک یہ محاصرہ جاری رہا۔آخر مجبور ہو کر بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے بارے میں فیصلے کا اختیار دے

[1] بخاری و مُسلم.

Marfat.com

کر ہتھیار ڈالنے کی پیش کش کی۔حضرت ابو لبابہ رضی اللہ عنہ سے اس قبیلے والوں کے تعلقات تھے۔ان سے اس قبیلہ کے لوگوں نے اپنی سزا کے بارے میں معلوم کرنا چاہا تو انہوں نے حلق کی طرف اشارہ کر کے بتا دیا کہ تمہارے حق میں قتل کے سوا کسی اور سزا کی توقع نہیں۔اشارہ سے یہ راز فاش کرنے پر انہیں اتنی سخت ندامت ہوئی کہ اپنے آپ کو سزا دینے کے لیے خود کو مسجدِ نبوی کے ستون سے باندھ لیا۔اللہ نے ان کی توبہ قبول کی تو انہیں کھولا گیا۔

بنوقریظہ نے آخر مزاحمت ختم کر کے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ ان کے بارے میں ان کے حلیف قبیلے اوس کا سردار سعد بن معاذ فیصلہ کرے۔حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا کہ ان کے قابلِ جنگ تمام مرد قتل کر دیے جائیں،ان کی عورتوں اور بچوں کو قید میں ڈال دیا جائے اور ان کے مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیے جائیں۔حضورؐ نے اس پر فرمایا:'تم نے وہی فیصلہ دیا جو ان کے بارے میں اللہ نے کر رکھا تھا۔'[1]

رسول اللہ ﷺ کی ہمیشہ کوشش ہوتی تھی کہ جانیں مارنے سے زیادہ کسی نہ کسی بہانے جانیں بچائی جائیں اِلّا یہ کہ اس میں اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہ ہوتی ہو۔بنوقریظہ کے چار سو قابلِ جنگ لوگ قتل کر دیے گئے۔تین نے اسلام قبول کر لیا تھا اس لیے بچ گئے۔دو آدمی محاصرے کے دوران میں مسلمانوں سے کیے ہوئے عہد پر قائم رہے تھے اس لیے ان کو کسی صحابی نے امان دے دی تھی۔ایسی ہی رعایت کے حق دار سمجھ کر کچھ اور لوگوں کی بھی جان بخشی ہوگئی تھی۔باقی قیدیوں کی گردنیں ماردی گئی تھیں۔عورتوں میں سے صرف ایک کو قتل کیا گیا کیوں کہ اس نے خلّاد بن سوید رضی اللہ عنہ پر چکی کا پاٹ پھینک کر انہیں شہید کر دیا تھا۔ان لوگوں کے مال اور بال بچے مسلمانوں میں تقسیم کر دیے گئے۔[2]

---

[1] بخاری ، مسلم ، صحیح ابن حبان، نسائی.

[2] السّیرة النّبویة فی ضوء المصادر الاصلیة بحواله بخاری ، مسند احمد، سنن ابی داود، ترمذی،ابن ماجه، ابن هشام.

Marfat.com

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات

ابتدائی طبی امداد سے حضرت سعدؓ کا زخم مندمل ہو گیا تھا۔ اس دور کی طبی تکنیک کے مطابق زخم کو دو دفعہ داغا گیا جس سے ان کے ہاتھ پر ورم آ گیا۔ انہوں نے شدید تکلیف میں دعا کی: 'اے اللہ! اگر تو نے قریش کے کافروں کے خلاف اپنے نبی کی کوئی اور جنگ باقی رکھی ہے تو مجھے زندہ رکھ اور اگر ان سے جنگ کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے تو مجھے اپنے پاس بلا لے۔' اس دعا کے بعد ان کا زخم پھر کھل گیا۔ اس سے اتنا خون جاری ہوا کہ مسجد نبوی ہی میں نصب بنی غفار کے ایک خیمے تک پہنچ گیا۔ آخر موت نے انہیں اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس جلیل القدر صحابی کی موت پر ساری اسلامی جماعت شدید غم اور صدمہ میں ڈوب گئی۔ بڑے صبر و ہمت والے صحابہؓ بھی پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ 'میں اپنے حجرے میں بیٹھی ابو بکر اور عمر کے رونے کی آواز سنتی رہی۔' جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'سعد بن معاذ کی موت سے اللہ کا عرش تک ہلنے لگ گیا تھا۔' (بخاری و مسلم) ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'سعد بن معاذ کی موت پر ستّر ہزار ایسے فرشتے بھی زمین پر اترے جنہوں نے اس سے قبل کبھی زمین پر پاؤں نہیں رکھا تھا۔ ❶ جنابِ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور ان کی وفات پر غم و الم کی کیفیت بیان کرنے والی اور بھی کئی صحیح روایت ہیں۔ ❷

6 ہجری کے سرایا

مولانا ابو البرکات عبدالرؤف دانا پوری نے 'اصح السیر' میں اور طالب الہاشمی نے 'سیرتِ رحمتِ دارین ﷺ' میں غزوۂ بنو قریظہ اور صلح حدیبیہ (ذی القعدہ) کے درمیان ایک غزوہ بنی لحیان اور 13 سرایا کے نام گنوائے ہیں۔ عبدالرؤف دانا پوریؒ نے لکھا ہے کہ 'حدیبیہ سے قبل 6 ہجری میں بعض سرایا کا ذکر واقدی نے کیا ہے اور روضۃ الاحباب، مواہب لدنیۃ، معارج النبوۃ، مدارج النبوۃ وغیرہ میں بھی اُن کا ذکر آتا ہے مگر ان سرایا کی ترتیب میں بڑا

❶ بزاز. ❷ الصّادق الامین.

Marfat.com

اختلاف ہے۔ٹھیک زمانہ کی تعیین بہت مشکل ہے۔ اِن سرایا کا ذکر احادیثِ صحیحہ میں موجود ہے مگر اُن میں بھی تاریخ مذکور نہیں۔ البتہ بعض شواہد ایسے موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حدیبیہ کے پہلے کے واقعات ہیں یا بعد کے یا کون پہلے اور کون بعد کے۔ میں زمانی ترتیب سے ہٹ کر سرایا سے پہلے اس عرصہ کے واحد غزوۂ بنی لحیان کا ذکر کر دینا چاہتا ہوں۔

غزوۂ بنی لحیان (ربیع الاوّل یا ربیع الثانی 6 ہجری)

رجیع کے المیہ میں ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت خُبَیب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا تھا اس کے ذمہ دار بدعہد اور غارت گر لوگ وادیِ غُران میں حُدَیبیہ اور مکہ مکرمہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ انہوں نے جس جگہ اصحابِ رسولؐ کو مبتلائے مصیبت اور نشانہ قتل بنایا تھا وہ اَمج اور اُسفان کے درمیان کا علاقہ تھا۔ ان کو سزا دینے کی غرض سے رسول اللہ ﷺ خود نکلے۔ حضورؐ کے خود اس مہم پر جانے کے دو مقاصد تھے۔ ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ کے دل میں اپنے ان مظلوم صحابہؓ کی بڑی قدر اور اہمیت تھی۔ آپؐ ضروری سمجھتے تھے کہ خود جا کر بنو لحیان سے ان کا بدلہ اور قصاص لیں۔ دوسرا یہ کہ بنی لحیان وادی غُران میں حُدَیبیہ اور مکّہ کے پڑوس میں بستے تھے۔ حضور ﷺ مکّہ والوں پر واضح کرنا چاہتے تھے کہ ان کے قرب و جوار میں بھی جس گروہ کے سر میں شرارت و خباثت کا خمار اور طاقت کا نشہ نظر آئے گا میں خود وہاں پہنچ کر اُس سر کو کچلنے میں دریغ نہیں کروں گا۔ اس سفر کو بڑی حد تک پوشیدہ رکھا گیا تھا تا کہ شریر گروہ کو بے خبری میں آلیا جائے۔ اس لیے پہلے رسول پاک ﷺ نے شام کی طرف رُخ کیا۔ صخیرات الیمام پہنچ کر مَجَہ کی طرف پلٹے۔ رجیع پہنچ کر آپؐ نے وہاں شہید صحابہؓ کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کی۔

تمام تر رازداری کے باوجود بنو لحیان کو رسول پاک ﷺ کی آمد کا پتہ چل گیا اور وہ بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔ حضور ﷺ نے عُسفان ہی کے کیمپ سے مختلف اطراف میں صحابہؓ کی مسلّح ٹولیاں روانہ کیں۔ حضرت ابو بکرؓ یا سعد بن عبادہؓ کی قیادت میں دس افراد کی ایک ٹولی کراع الغمیم تک گئی۔ کہیں بھی دشمن سے مقابلہ نہ ہوا۔ عُسفان میں خالد بن ولید

Marfat.com

کی قیادت میں قریش کا ایک دستہ گشت پر تھا۔ان لوگوں نے حضورؐ کی امامت میں ظہر کی نماز ادا ہوتی دیکھی۔نماز کے بعد ان کو احساس ہوا کہ نماز کے دوران میں مسلمانوں پر حملہ کا ایک اچھا موقع انہوں نے کھو دیا۔اب انہوں نے عصر کی نماز میں حملہ کی اسکیم بنائی۔اگرچہ علماء کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ کس موقع پر صلوٰۃِ خوف کا حکم ہوا۔لیکن امام احمد کی روایت کے مطابق جسے ابن کثیرؒ اور طبریؒ نے اپنی تفاسیر میں نقل کیا ہے کہ اس موقع پر جب خالد بن ولید کا دستہ عصر کی نماز میں حملہ کا ارادہ کر رہا تھا جبریل امین سورہ نساء کی صلوٰۃِ خوف اور قصر والی 101 سے 103 تک کی آیات لے کر آ گئے۔وادی عُسفان میں چودہ روز تک قیام کے بعد حضور ﷺ واپس مدینہ تشریف لائے۔

سریہ عبداللہ بن عتیک (ابو رافع کا قتل)

ابو رافع ان یہودی سرداروں میں پیش پیش تھا جنہوں نے عرب کی ساری قوت اکٹھی کر کے مدینہ پر حملہ کرنے کی تحریک چلائی تھی۔اسی کے نتیجہ میں غزوۂ خندق ہوا تھا۔ابو رافع کا اصل نام عبداللہ بن ابی الحُقَیق یا سلام بن ابی الحُقَیق تھا۔ان یہودی سرداروں نے غطفان اور دیگر مشرکین قبائل کو کافی مال دے کر متحدہ محاذ میں شامل ہونے پر راضی کیا تھا۔غزوۂ خندق کے آخری مرحلہ میں جب اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تیز آندھی نے کافروں کے جنگی کیمپ اکھاڑ دیے اور ابو سفیان نے میدان چھوڑ مکہ کی طرف روانہ ہو جانے کا اعلان کر دیا تو حُیَی بن اخطب کے ساتھ ابو رافع بھی بنو قریظہ کے ہاں جا کر ٹھہر گیا تھا۔مسلمانوں نے جب بنو قریظہ پر حملہ کیا تو حُیَی بن اخطب وہاں قتل ہو گیا لیکن ابو رافع بچ کر واپس خیبر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے پھر وہی حسد و عناد اور فتنہ و فساد کی زہریلی مہم شروع کر دی تھی۔

یہودی سردار کعب بن اشرف اوس والوں کا اتحادی تھا۔اسے واصلِ جہنم کرنے میں اوس سے تعلق رکھنے والے صحابہؓ شامل تھے۔دورِ جاہلیت کی جاہلانہ مخاصمت میں اوس اور خزرج مدتوں سے ایک دوسرے کے حریف چلے آ رہے تھے۔اسلام کی روشنی پانے کے بعد ان کے آپس کے مقابلہ نے ایک بڑی سعادت مندانہ صورت اختیار کر لی۔اب وہ نیکیوں

Marfat.com

اور دفاع و خدمتِ اسلام میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگے تھے۔ خزرج کے نوجوانوں نے رسول اللہ ﷺ سے ابو رافع کو ٹھکانے لگانے کی اجازت مانگی۔ آپؐ نے اس شرط پر اجازت دی کہ اس مہم میں کسی عورت اور بچے کی جان نہ جائے۔ پانچ نوجوان حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اس مشن پر نکلے۔ اپنے پروگرام کے مطابق یہ شام کے وقت ابو رافع کے قلع کے سامنے پہنچ گئے۔ عبداللہ بن عتیکؓ نے اپنے دیگر ساتھیوں کو قلعہ سے باہر کھڑا کیا۔ نیم اندھیرے میں دربان نے ان کو بھی قلعہ کے اندر ہی کا کوئی آدمی سمجھا اور آواز دی کہ اندر داخل ہو جائیں ورنہ وہ قلعہ کا دروازہ بند کر دے گا۔ قلعہ میں داخل ہو کر مختلف دروازے عبور کرتے ہوئے یہ ابو رافع کی خواب گاہ تک پہنچ گئے۔ اس خیال سے کہ اندھیرے میں ان کے ہاتھوں کوئی عورت یا بچہ نہ مارا جائے، انہوں نے ابو رافع کو پکارا۔ اس نے جب 'کون ہے؟' پکارا تو اس کی آواز سے اندازہ ہو گیا کہ اس کا بستر کہاں ہے۔ ٹھیک اس کے سر پر پہنچ کر اس پر تلوار کے وار کیے اور اسے اس کے انجامِ بد تک پہنچا دیا۔ واپسی پر قلعہ کی دیوار پھلانگتے ہوئے ان کا پاؤں یا پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ انہوں نے اپنی چادر سے ٹانگ کس کر باندھی اور اپنی مہم کی کامیابی کی خبر لے کر لنگڑاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حضورؐ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا: 'اَفْلَحَتِ الْوُجُوْهُ' یعنی چہرے بتاتے ہیں کہ یہ کامیاب لوٹے ہیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ 6 ہجری کے کس مہینے کا واقعہ ہے لیکن یہ امر طے ہے کہ غزوۂ خندق کے بعد ہی کے مہینوں میں اس دشمن اسلام سے خدا کی زمین کو پاک کیا گیا۔ بخاری میں واقعہ مذکور ہے لیکن یہ صراحت نہیں کہ یہ کس مہینہ میں ہوا۔

سریۂ نجد

اس سریہ کے لیے تیس سواروں پر مشتمل دستے کی کمان حضرت محمد بن مُسلمہ رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی تھی۔ ان کے نام کی نسبت سے اسے سریہ محمدؓ بن مُسلمہ بھی کہتے ہیں۔ یہ دستہ نجد کے ایک قبیلہ بنو قرطاء کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا گیا تھا۔ ابن سعد نے اس کو ہجرت کے چھٹے سال

Marfat.com

کے ماہِ محرم کا واقعہ لکھا ہے۔ دن کو چھپتے اور رات کو سفر کرتے ہوئے یہ صحابہؓ بنو قرطاء کے سر پر جا پہنچے۔ جھڑپ میں اس قبیلہ کے دس آدمی مارے گئے اور باقی سب فرار ہو گئے۔ ان کے اونٹ اور بکریاں ہانک کر یہ دستہ واپس آ رہا تھا کہ راستے میں ان کو بنو حنیفہ کا ایک آدمی ملا۔ یہ اس کو پکڑ کر مدینہ لے آئے۔ ان کو نہیں معلوم تھا کہ جس آدمی کو گرفتار کر کے لے جا رہے ہیں وہ اپنی قوم کا ایک سردار ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اسے پہچاننے میں دیر نہ لگی کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کا ایک بڑا دشمن ثمامہ بن اثال حنفی ہے۔ آپؐ کے حکم سے اسے مسجدِ نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا۔ نبی پاک ﷺ نے اس سے پوچھا: 'تمہارے پاس کیا ہے؟' یا صاحبِ اصحّ السیّر کے مطابق 'ثمامہ تمہارا کیا حال ہے؟' اس نے جواب دیا کہ 'اے محمد! مجھے قتل کرو گے تو ایک خون والے کو قتل کرو گے اور اگر چھوڑ دو گے تو ایک احسان شناس اور شکرگزار آدمی کو چھوڑو گے۔' تین دن تک اسے باندھے رکھا گیا۔ صرف حاجاتِ ضروریہ کے لیے اسے کھولا جاتا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ نو دس آدمیوں کے برابر کھانا کھاتا تھا۔ اس کے قُوت کے حساب سے اسے کھانا دیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا اس کے ساتھ یہ مکالمہ تین دن جاری رہا۔ ہر بار اس کا ایک ہی جواب ہوتا تھا۔ آخر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسے کھول دو۔ تین دن تک نبی رحمتؐ کے کریمانہ برتاؤ، مسجد کے روحانی ماحول اور مسلمانوں کی بندگی و عبادت کے مشاہدہ نے اس کے اندر کی دنیا بدل دی تھی۔ آزاد ہو کر سیدھا ایک قریبی نخلستان میں گیا۔ غسل کیا اور آ کر کلمۂ شہادت پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ کہنے لگا: 'اے اللہ کے رسول! اس سے پہلے آپ کے چہرے سے زیادہ کوئی مبغوض چہرہ نہ تھا، اس شہر سے زیادہ کوئی ناپسندیدہ جگہ نہ تھی اور اب آپ کے چہرے سے کوئی محبوب چہرہ اور آپؐ کے اس شہر سے زیادہ پسندیدہ اور کوئی جگہ نہیں ہے۔

اب ثمامہؓ نے عرض کیا: 'یا رسول اللہ! میں عمرہ کے ارادے سے مکہ کے سفر پر نکلا ہوا تھا۔ آپ اجازت دیں تو میں یہ نیک ارادہ پورا کر لوں۔' رسول اللہ ﷺ نے اسے عمرہ کے اسلامی آداب و مناسک سکھائے اور جنّت کی خوشخبری اور عمرہ کے سفر کی اجازت دے دی۔

Marfat.com

ثمامہ رضی اللہ عنہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اسلام کی تعلیم کے عین مطابق عمرہ کیا۔ مکہ پہنچے تو مکہ کے کسی آدمی نے طعنہ دیا کہ ثمامہ صابی 'بے دین' ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا: 'نہیں میں مسلمان ہو گیا ہوں۔' مکہ والوں کو غلہ کی فراہمی یمامہ سے ہوتی تھی۔ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ نے اعلان کر دیا کہ 'آئندہ رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر تمہیں غلے کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچنے دوں گا۔' واپس آئے تو انہوں نے اپنی قسم کے مطابق قریش کو غلہ کی ترسیل روک دی۔ مکہ والوں نے مجبور ہو کر غلہ کی ترسیل کی بحالی کے لیے رسول پاک ﷺ سے رجوع کیا۔ آپ ﷺ نے ترس کھا کر اجازت دی تو مکہ والوں کو یمامہ سے غلہ کی فراہمی بحال ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جو فتنۂ ارتداد اٹھا حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ نے اس کو کچلنے میں بڑا زبردست مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ [1]

سریہ عُکاشہ بن محصن (الغمر)

'غمر' مدینہ کے راستے میں بنی اسد کا ایک کنواں تھا۔ یہاں کے لوگ پہلے 4 ہجری میں بھی اپنی شیطنت کا مظاہرہ کر چکے تھے۔ اس وقت حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ بن عبداللہ الاسدی کو بھیجا گیا تھا کہ ان لوگوں کو سبق سکھائیں۔ غزوۂ خندق کے بعد یہاں سے گزرنے والے مسلمانوں کے لیے یہ ایک بار پھر درپے آزار بن رہے تھے۔ ہجرت کے چھٹے برس ماہِ ربیع الاول میں رسول پاک ﷺ نے حضرت عُکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ عنہ کو چالیس گھڑسواروں کے ساتھ ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ عُکاشہ رضی اللہ عنہ جب 'غمر' کنویں پر پہنچے تو وہ لوگ فرار ہو کر پہاڑوں پر چڑھ گئے، اس لیے کوئی مسلح جھڑپ نہیں ہوئی۔ مجاہدین کو معلوم ہوا کہ قریب ہی ایک مقام پر ان کے مویشی موجود ہیں۔ چنانچہ وہ ان کے دو سو اونٹ اپنے قبضے میں لے کر مدینہ واپس آئے۔

سریہ محمد بن مُسلمہ رضی اللہ عنہ (ذی القصہ)

ذی القصہ کے مقام پر بنی ثعلبہ کا ایک شریر گروہ آباد تھا جو امن امان کے لیے خطرہ بنا

[1] اصحّ السّیرہ و السّیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ.

Marfat.com

ہوا تھا۔رسول پاک ﷺ نے ربیع الاول ہی کے مہینہ میں ان کے خلاف کارروائی کے لیے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دس مجاہدین کا ایک دستہ روانہ کیا۔مسلمان دستہ رات کو وہاں پہنچا تھا۔گھات لگا کر بیٹھے بیٹھے سب مجاہد سو گئے۔اس شیطانی دستے نے جس کی تعداد ایک سو کے قریب تھی مسلمان دستے پر سوتے ہوئے حملہ کر دیا۔مجاہدین جاگے۔فریقین ایک دوسرے پر تیر برسا رہے تھے۔ اس دوران میں دیہاتی مشرکین نے آ کر نیزوں سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ٹخنے کی ایک شدید چوٹ سے بے ہوش ہو گئے۔ مشرکوں نے انہیں مردہ تصور کر کے چھوڑ دیا۔باقی سب مسلمان شہید کر دیے گئے۔کچھ دیر بعد اتفاقیہ طور پر مقتولین کے پاس سے ایک مسلمان کا گزر ہوا۔اس نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو شدید زخمی حالت میں دیکھا تو وہ انہیں اپنے کندھوں پر اٹھا کر مدینہ لایا۔رسول اللہ ﷺ کو اس مہم کے المناک انجام کی تفصیل معلوم ہوئی تو آپ سخت رنج ہوا۔

سریہ ابی عبیدہ رضی اللہ عنہ (ذی القصہ)

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے مقتول ساتھیوں کا بدلہ لینے اور ان لوگوں کی سرکشی کو مٹانے کے لیے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ماہِ ربیع الآخر کے اواخر میں چالیس مجاہدین کا ایک دستہ بھیجا۔وہ شر پسند لوگ پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے۔ان کا ایک آدمی پکڑا گیا جو مسلمان ہو گیا تھا۔مجاہدین بڑی تعداد میں ان لوگوں کے مال مویشی ہانک کر لے آئے۔

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (جموم)

اوپر قوسین میں درج جموم دراصل مرّ الظّہران میں بنو سُلَیم کے ایک کنویں کا نام تھا۔ان لوگوں نے غزوۂ احزاب میں اسلام دشمن قوتوں کا ساتھ دیا تھا۔ان کا معمول تھا کہ مسلمانوں کو تنگ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ان کی تادیب کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اسی سال ربیع الثانی میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی قیادت میں کچھ مجاہدین کو روانہ کیا۔اس طرح کے شر پسند اور بغاوت شرست لوگ کھل کر سامنے مقابلہ سے ہمیشہ کتراتے تھے۔یہ لوگ بھی تتر بتر ہو گئے۔لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ کو وہاں قبیلہ مُزینہ کی حلیمہ

Marfat.com

نام کی ایک عورت ملی۔اس نے ان لوگوں کے ٹھکانوں اور مویشیوں کی نشاندہی کی۔ مسلمانوں نے حملہ کر کے ان کے کچھ آدمی گرفتار کر لیے۔ایک روایت کے مطابق حلیمہ بھی قیدیوں میں شامل تھی۔رسول اللہ ﷺ نے اس عورت اور اس کے شوہر کو آزاد کر دیا۔

سریہ زید بن حارثہؓ (العِیص)

رسول اللہ ﷺ کی اردگرد کے حالات پر کڑی نظر تھی۔ یہ جو پے در پے جنگی مہمیں ارسال کی جاتی تھیں ان کا ایک مقصد تو کفر کی قوتوں کو عملی طور پر یہ پیغام دینا ہوتا تھا کہ مدینہ کی قیادت اپنے ریاستی مفادات کے دفاع اور عوام کی جان و مال کے تحفظ کے معاملے میں غافل بیٹھی ہوئی نہیں ہے۔ان کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ فتنوں کی چنگاریاں جہاں سے بھی اٹھیں، شعلہ بننے سے پہلے ان کو بجھا دیا جائے۔تیسرا مقصد یہ تھا کہ مکہ والوں کی وہ تجارتی سرگرمیاں بغیر کسی روک ٹوک کے جاری نہ رہیں جن سے بھاری منافع کما کر وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں کرتے ہیں۔جمادی الثانی کے مہینے میں رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام سے بھاری مال کے ساتھ واپس آ رہا ہے۔ایک دشمن اسلام صفوان بن امیہ کا مال چاندی کی بھاری مقدار میں اس قافلے کے پاس ہے۔ اس مال کو قبضے میں لینا بوجوہ ضروری تھا۔چنانچہ نبی پاک ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہی کی قیادت میں ایک سو ستر (170) گھڑسواروں کا ایک مضبوط دستہ اس تجارتی قافلہ پر حملہ کے لیے بھیجا۔ مدینہ سے تھوڑے فاصلہ پر ساحلِ سمندر کے قریب بنوسُلَیم کے علاقے العِیص کے مقام پر اس دستے نے قافلے کو گھیرے میں لے لیا۔اس کا سارا سامانِ تجارت قبضہ میں لے لیا۔قافلے میں شامل بہت سے لوگ گرفتار کر لیے گئے۔ قیدیوں میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابوالعاص بن ربیع بھی تھے۔

واضح رہے کہ ابوالعاص بن ربیع غزوۂ بدر کے قیدیوں میں سے تھے اور حضرت زینبؓ دُخترِ رسول ﷺ نے ان کی رہائی کے لئے بطورِ فدیہ اپنی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یادگار ایک ہار بھیجا تھا۔اس وقت ابوالعاص کو اس شرط پر رہائی ملی تھی کہ وہ واپس جا کر حضرت

Marfat.com

زینبؓ کو مدینہ بھیج دیں گے۔انہوں نے حسبِ وعدہ حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دیا تھا۔اب مدت بعد جب ایک بار پھر وہ قیدی بن گئے تو انہوں نے کسی طرح حضرت زینبؓ سے رابطہ کر کے ان کی امان حاصل کر لی۔مذکورہ قافلے کا تجارتی مال انہی کی نگرانی میں مکہ جا رہا تھا اس لیے ان کی پوری کوشش تھی کہ کسی طرح مال واپس مل جائے۔حضرت زینبؓ کی امان پر نہ صرف ابوالعاص کو رہا کر دیا گیا بلکہ اس قافلے کا جتنا مال تحویل میں لیا گیا تھا وہ واپس کر دیا گیا۔روایت کے مطابق وہ قریش کا یہ مال لے کر مکہ گئے۔مال ان کے مالکوں کے حوالے کیا اور وہیں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔اس کے بعد وہ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری نے 'اصح السیر' میں ابن اسحاق کی بیان کردہ روایت پر کئی قابلِ غور سوالات اٹھائے ہیں۔یہ بھی لکھا ہے کہ ابوالعاص نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا۔

سریہ الخبط

یہ ہجرت کے چھٹے سال میں ماہِ رجب کا واقعہ ہے۔قریش کے ایک تجارتی قافلہ پر حملے کے لیے ممتاز صحابی حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو سیف البحر کی طرف بھیجا گیا تھا۔تین سو سواروں پر مشتمل دستہ ان کے ساتھ تھا۔وہ تقریباً ایک ماہ تک قافلے کی گھات میں بیٹھے رہے۔جو سامانِ خورد ونوش ساتھ لے گئے تھے وہ ختم ہو گیا۔سخت بھوک میں ان کو وہاں کیکر کے پتے بھی کھانے پڑے تھے۔اسی وجہ سے تاریخ میں اس سریہ کا نام 'سریۃ الخبط' پڑ گیا۔خوراک کا معاملہ جب مزید سنگین ہو گیا تو انہوں نے اونٹ ذبح کرنے شروع کر دیے۔جب اونٹوں کے اس طرح ختم ہو جانے کا خدشہ پیدا ہوا تو سالارِ مہم نے اونٹوں کو ذبح کرنے سے روک دیا۔گشت کے دوران میں انہوں نے دیکھا کہ پانی کی لہروں نے چٹان جیسی ایک ویل مچھلی ساحل پر اچھال دی ہے۔اب اگلے پندرہ دن تک وہ اس کا گوشت کھاتے اور اس کا تیل استعمال کرتے رہے۔خوراک کے بحران کے دنوں میں ان کے جسموں میں جو کمزوری پیدا ہوئی تھی وہ مچھلی کا یہ وافر مقدار میں گوشت کھانے سے دور

Marfat.com

ہوگئی۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ اس مہم میں شامل ایک صحابی نے اس مچھلی کا کچھ گوشت مدینہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جسے آپؐ نے شوق سے کھایا۔ یہ سریہ صلح حدیبیہ سے پہلے کا ہے۔

عمرو بن امیہ ضمری کی مہم

پے در پے نامرادیوں کی وجہ سے ابوسفیان کا بغض و عناد اور جذبۂ انتقام اتنی شدت اختیار کر گیا تھا کہ وہ حسد اور حسرت کے مارے کہتا پھرتا تھا کہ ''محمد (ﷺ) بازاروں میں کھلا گھومتا پھرتا ہے۔ کیا کوئی نہیں جو جا کر اس کا کام تمام کر دے؟'' آخر اس نے ایک اجرتی قاتل کی خدمات حاصل کیں۔ وہ آدمی راستوں سے خوب واقف تھا اور اس کے پاس چیل کے پر کی طرح کا ایک باریک مگر مضبوط خنجر تھا جو دیکھنے میں کنگھی کی مانند تھا۔ ابوسفیان نے اسے ایک اونٹنی اور مدینہ کے سفر کا سامان فراہم کیا۔ چھ دن کے سفر کے بعد وہ مدینہ پہنچا اور حضور ﷺ کے بارے میں لوگوں سے پوچھنے لگا۔ حضورؐ اس وقت بنو عبدالاشہل کی مسجد میں تھے، جب وہاں آ کر اس نے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ ﷺ کی نظر اس پر پڑی تو آپؐ نے فرمایا: 'یہ آدمی بری نیت سے آیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کے ارادے میں حائل ہے۔' وہ ملاقات کی غرض سے آگے بڑھا تو حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اس کا کپڑا پکڑ کر اسے پیچھے کھینچ لیا۔ ازار کے اندر چھپا ہوا خنجر سامنے آ گیا۔ حضورؐ نے اس سے وعدہ کیا کہ اگر وہ سب کچھ سچ بتا دے تو اسے معاف کر دیا جائے گا۔ اس نے ابوسفیان کے ساتھ اپنا سارا قصہ بیان کر دیا۔ آپؐ نے اس کی جان بخشی کر دی۔ اس شانِ کریمی نے اسے متاثر کیا اور وہ مسلمان ہو گیا۔

الطّبقات الکبریٰ اور السّیرۃ النّبویۃ (ابن ہشام) کے علاوہ السنن الکبریٰ اور دلائل النّبوۃ میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے۔ ابوسفیان کی اس حرکت کا جواب دینا اور بدلہ لینا ضروری سمجھتے ہوئے رسول پاک ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اور سلمہ بن اسلم بن جریش رضی اللہ عنہ کو مکّہ روانہ کیا۔ ان دونوں حضرات نے مکّہ میں اجنبی زائرین کی صورت میں پہلے کعبہ کا طواف کیا اور نماز ادا کی۔ اس دوران میں قریش والوں نے عمرو بن امیہ ضمری کو پہچان لیا۔

Marfat.com

انہیں کھٹک محسوس ہوئی کہ یہ کسی خطرناک ارادے سے یہاں آئے ہیں اس لیے ان کے قتل کرنے کا پروگرام بنا لیا۔ یہ دونوں صحابیؓ اہلِ مکہ کے ارادے کو بھانپ کر بروقت وہاں سے بھاگ نکلے اور صحیح سلامت مدینہ پہنچ گئے۔

سریہ کرز بن جابر فہری

مولانا ابو البرکات عبدالرؤف دانا پوری، ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد، ڈاکٹر محمد لقمان سلفی نے قدیم مصادر کی روشنی میں اسے چھ ہجری کے ماہِ شوال کا واقعہ لکھا ہے۔ واقدی اور ابن سعد کی ایک معلق روایت کے مطابق عُکل اور عُرینہ کے قبیلوں سے کچھ لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کے پاس آ کر قبولِ اسلام کیا۔ مدینہ میں قیام کے عرصہ میں بدوی خوراک کے بجائے شہری خوراک کھانے سے ان کے پیٹ خراب ہو گئے۔ حضورؐ نے انہیں آبادی سے باہر اس جگہ جا کر قیام کرنے کی ہدایت کی جہاں ایک چرواہا اونٹوں کے ساتھ چھوڑا گیا تھا۔ وہ بد طینت لوگ جب وہاں تندرست ہو گئے تو شیطان نے انہیں بہکایا اور مرتد ہو گئے۔ انہوں نے یسار نام کے اُس چرواہے کو قتل کیا اور اونٹ ہنکا کر لے گئے۔ حضور ﷺ کو جب ان کے فساد اور خیانت کی اطلاع ہوئی تو ابن سعد کی روایت کے مطابق آپؐ نے کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ کو بیس گھڑسواروں کا دستہ دے کر ان شرپسندوں کے تعاقب میں بھیجا۔ بہت جلد وہ گھیرے میں آ گئے۔ انہیں رسیوں سے باندھ کر مدینہ لایا گیا۔ ارتداد، غدر اور چوری جیسے تین سنگین جرائم کی پاداش میں جو فساد فی الارض شمار ہوتے ہیں، انہیں عبرت کا نشان بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے اور ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دی گئیں۔ بعید نہیں ہے کہ سورہ المآئدۃ کی 33 ویں آیت کچھ اور مواقع پر بھی منطبق ہوتی ہو، لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ یہ آیت اسی واقعہ کے تناظر میں نازل ہوئی تھی۔

﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

Marfat.com

عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾

'جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں اُن کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں، یا سولی پر چڑھائے جائیں، یا اُن کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں، یا وہ جلاوطن کر دیے جائیں۔ یہ ذِلّت و رسوائی تو ان کے لیے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لیے اس سے بڑی سزا ہے۔'

سریہ زید بن حارثہؓ (وادی القریٰ)

الرحیق المختوم اور الصادق الامین کی تفصیل کے مطابق یہ سریہ اسی سال کے ماہِ رجب میں ہوا۔ صاحب 'اصح السیر' کے نزدیک یہ ماہِ رمضان کا واقعہ تھا۔ ہنگامی حالات میں رسول اللہ ﷺ مدینہ کے دور و نزدیک مختلف قبائل کے عزائم اور حرکات معلوم کرنے کے لیے صحابہؓ کی ٹولیاں روانہ کرتے رہتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کا ایک گروہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مدینہ سے پندرہ دن کی مسافت پر ایک قبیلہ بنوفزارہ کے ہاں بھی گیا تھا۔ ان کی ایک شاخ بنی بدر فساد پر تیار بیٹھی تھی۔ چنانچہ ان کے ساتھ ایک سخت جھڑپ ہو گئی جس میں کچھ صحابہؓ کی جان گئی۔ خود حضرت زیدؓ زخمی ہو گئے تھے۔ حضرت زیدؓ کے زخم ٹھیک ہو جانے کے بعد انہی کی قیادت میں ایک دستہ اس سرکش گروہ کی سرکوبی کے لیے دوبارہ بھیجا گیا۔ پھر لڑائی کی نوبت آئی۔ اب دشمن گروہ کے بہت سے لوگ مارے گئے، باقی بھاگ گئے۔ ان کی عورتیں اور بچے قیدی بنا کر مدینہ لائے گئے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مالِ تجارت لے کر شام کے سفر پر گئے اور واپسی پر وادی القریٰ میں بنی فزارہ کے لوگوں نے اس تجارتی قافلہ پر ڈاکہ ڈالا اور سارا مال لُوٹ لیا۔ اس وجہ سے بنوفزارہ کے خلاف یہ جنگی مہم روانہ کی گئی۔ لیکن یہ کہانی قرینِ صواب نظر نہیں آتی۔

سریہ علیؓ بن ابی طالب (سعد بن بکر)

رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی تھی کہ فدک کے مقام پر مقیم بنی سعد بن بکر نے جنگجوؤں کی

Marfat.com

ایک خاصی تعداد جمع کر رکھی ہے اور وہ خیبر کے یہودیوں کو مدد فراہم کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ساز باز کسی بڑے خطرے کا پیش خیمہ بن سکتا تھا۔ ابن قیم نے واقدی کے حوالہ سے لکھا ہے اور طبقات ابن سعد اور عیون الاثر میں بھی اس کا ذکر ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک سو مجاہدین کا دستہ دے کر اس سرکشی کو کچلنے کے لیے بھیجا تھا۔ اس طرح کے دشمنوں کی سرکوبی کے لیے بھیجے جانے والے دستوں کو یہ ہدایت ہوتی تھی کہ راتوں کو سفر کریں اور دن کو ممکنہ حد تک اپنی موجودگی ظاہر نہ ہونے دیں تاکہ شرپسندوں کو خبر ہونے سے پہلے مجاہدین ان کے سر پر پہنچ جائیں۔

بنوسعد بن بکر نے اپنا ایک جاسوس خیبر کے یہودیوں کے پاس اس سودا بازی کے لیے بھیجا ہوا تھا کہ جس طرح انہوں نے غزوۂ احزاب کے لیے آمادۂ تعاون کرنے کے لیے غطفان اور دیگر مشرک قبائل کو مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہونے کے لیے خیبر کی کھجور دینے کا وعدہ کیا تھا، اگر وہ ایسا ہی وعدہ اس قبیلے کے ساتھ کر لیں تو یہ مسلمانوں سے کسی جنگ میں ان کا حلیف بن کر شریک ہوں گے۔ وہ جاسوس مسلمان دستے نے پکڑ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے اس شرط پر امان دینے کا وعدہ کیا کہ وہ بنی سعد بن بکر کے گھروں اور ان کے مویشیوں کی جگہیں بتا دے۔ اس کی رہنمائی میں اس دستے نے اچانک اس شریر قبیلے پر حملہ کر دیا۔ لیکن وہ جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ البتہ ان کے پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں اس دستے نے اپنے قبضے میں لے لیں۔

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (الطّرف او الطّرق)

یہ سریہ بھی 6 ہجری کے ماہِ جمادی الثانی ہی میں بھیجا گیا تھا۔ طرق یا طرف بنوثعلبہ کا ایک کنواں تھا۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے یہی لوگ قاتل تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو پندرہ مجاہدین کے ساتھ ان لوگوں کی طرف بھیجا۔ جنگ کی نوبت آنے سے پہلے ہی یہ اپنے بیس اونٹ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ چار دن مدینہ سے باہر رہنے کے بعد یہ دستہ بیس اونٹوں کو لے کر مدینہ کو پلٹا۔

Marfat.com

صُلحِ حدیبیہ......تمہیدِ فتحِ مُبین

(ذی القعدہ 6 ہجری)

اس مطالعہ میں غزوۂ خندق سے لے کر اس سفرِ عُمرہ تک جن سرایا کی تفصیل بیان کی گئی یا ہورہی ہے اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی مسلسل ستیزہ کار رہا۔ شرک و جہل کی جو بڑی مہیب گھٹائیں اٹھی تھیں، وہ معرکۂ خندق میں خائب و خاسر ہو کر ٹل گئی تھیں۔ فتنہ وفساد کے چھوٹے چھوٹے بگولے اٹھتے تھے، کچھ گرد اڑاتے تھے، تھوڑی سی پریشانی پیدا کرتے تھے اور پھر مٹ جاتے تھے۔ غزوۂ خندق کے بعد کفر کی طاقتوں پر واضح کر دیا گیا تھا کہ مدینہ کی ریاست پر کفر و شرک کی یہ آخری چڑھائی ہے۔ آئندہ مسلمان دفاعی پوزیشن اختیار کرنے کے بجائے اِقدامی صورت میں خود آگے بڑھیں گے۔ اب جارحیت کی کوئی مخالف موج جہاں سے اٹھے گی، ٹھیک اس کی جگہ پر جا کر اس کے آگے چٹان بن کر کھڑے ہوں گے۔

دعوتِ اِسلام کی اس تحریک کو برپا ہوئے انیسواں سال اور غزوۂ خندق کے بعد یہ گیارھواں مہینہ تھا۔ مکمل امن کے حالات ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ شرپسند اور فتنہ پرور گروہوں کی سرکوبی کے لیے مختلف اطراف میں مسلسل مسلّح دستے روانہ کر رہے تھے۔ اب اچانک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو خواب میں عمرہ کے لیے ٹھیک اُس بستی کے اندر جانے کا حکم دے دیا تھا جو رُوئے زمین پر پاکیزہ ترین قطع ہونے کے باوجود ان مسلمانوں کے لیے درندوں کا بھٹ بنی ہوئی تھی جنہوں نے اللہ کی عبدیت و بندگی کا سچا عہد رکھا تھا اور جو کعبہ کے حقیقی وارث تھے۔ اس بستی کی طرف سفر کا حکم ہو رہا تھا جس سے ایمان و ہدایت

Marfat.com

اور توحیدِ خالص کے مقدس جرم کی پاداش میں اللہ کے رسولؐ اور اس کے اصحاب کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ اس پر بھی اسلام دشمنوں کے عناد کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی تو ابھی ایک سال پہلے تک اس شہر پر بھی وہ بار بار حملے کر چکے تھے جہاں مسلمانوں نے آ کر پناہ لی تھی۔

اس سفر کا ارادہ کرنا بجائے خود کھرے اور کھوٹے ایمان کو جانچنے کا پیمانہ بن رہا تھا۔ جن کا ایمان متزلزل تھا وہ سوچتے تھے کہ قریش اور ان کے ہم عقیدہ دیگر قبائل جن کو مسلمانوں کا مدینہ میں سکھ کے ساتھ جینا گوارا نہیں ہے وہ کیوں کر برداشت کر سکتے ہیں کہ وہ مکہ میں داخل ہو کر عمرہ کی عبادت کریں۔ ان کا خیال تھا کہ اس سفر پر جانا خود اپنے آپ کو موت کے منہ میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔ لیکن جن کا ایمان مضبوط تھا ان کی نگاہِ ایمان اس حقیقت پر تھی کہ جس رب نے انہیں مکہ کی ابتلاؤں سے سلامت نکالا اور مدینہ میں امن کی جگہ دی اور یہاں مکہ والوں کی بار بار کی یلغاروں کے باوجود انہیں محفوظ رکھا، وہ مکہ میں لے جا کر ان کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ ان کے دلوں میں تو آتشِ شوق بھڑک اٹھی تھی کہ انہیں اپنے رب کے اُس گھر کی زیارت اور طواف کی سعادت حاصل ہونے والی ہے جس گھر سے جُدا ہوئے انہیں 19 برس ہو رہے تھے۔

صادق الایمان صحابہؓ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت پر پروانہ وار اٹھے اور کعبہ کی زیارت کے شوق میں اللہ کے رسول کے ساتھ عازمِ سفر ہو گئے۔ اللہ کی خاص حکمت تھی کہ اِس سال عمرہ کی سعادت نہ ملی لیکن وہاں مشرکینِ مکہ کے ساتھ ایک صُلح نامہ طے کرنا تحریکِ اسلامی کے لیے ایک انتہائی اہم اور فیصلہ کن موڑ ثابت ہوا۔ ظاہری نگاہوں میں عمرہ کے بغیر لوٹنا حسرت اور نامرادی کا سفر تھا لیکن صُلحِ حدیبیہ کو اللہ تعالیٰ نے جو فتحِ مُبین قرار دیا ہے، وقت کے پردے اس پر سے ہٹے تو یہ ثابت ہو گیا کہ پانچ سال کی جنگوں کے نتیجہ میں مسلمانوں کو وہ کامرانیاں نصیب نہیں ہوئیں جو اس صُلح نامہ کے نتیجے میں ہوئیں۔ اس کے فیصلہ کن موڑ ہونے کا اندازہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم

Marfat.com

کے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ایک قول سے لگایا جا سکتا ہے جو بخاری، مُسلم، مُسند احمد اور ابن جریر نے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "لوگ فتح مکّہ کو فتح سمجھتے ہیں، حالانکہ ہم اصل فتح حدیبیہ کو سمجھتے ہیں۔" [1]

سفر پر روانگی

ہوا یہ کہ رسول پاک ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ مکّہ مکرّمہ میں عمرہ ادا کیا۔ انبیاء کے خواب کوئی وہبے یا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ یعنی افکارِ پریشان نہیں ہوتے جو خوابوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہوں۔ انبیاء کے خواب وحی کی ایک صورت ہوتے ہیں۔ یہ خواب دکھایا بھی اللہ تعالیٰ نے تھا اور اس کو سچ کر دکھانا بھی اُسی کے ذمہ تھا۔

﴿ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴾ (الفتح: 27)

'فی الواقع اللہ نے اپنے رسول کو سچّا خواب دکھایا تھا جو ٹھیک حق کے مطابق تھا۔ اِن شاء اللہ تم ضرور مسجد حرام میں پورے امن کے ساتھ داخل ہو گے، اپنے سر منڈواؤ گے اور بال ترشواؤ گے، اور تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔ وہ اُس بات کو جانتا تھا جسے تم نہ جانتے تھے اس لیے وہ خواب پورا ہونے سے پہلے اُس نے یہ قریبی فتح تم کو عطا فرما دی۔'

یہ ذی القعدہ ان حرام مہینوں میں ایک ہے جن میں قدیم جاہلیت میں بھی کوئی مکّہ میں داخل ہونے سے کسی کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتا تھا۔ اس لیے بادیہ نشینوں اور دیہاتی لوگوں میں بھی، جو ایمان کا دعویٰ رکھتے تھے، عام منادی کرا دی گئی کہ جو عمرہ پر جانا چاہیں وہ ضروری تیاری کر کے قافلہ میں شامل ہونے کے لیے آ جائیں۔ لیکن خوف کے مارے وہ کترا گئے۔ لیکن انصار و مہاجرین میں سے چودہ سو صحابہؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تیار ہو گئے۔

[1] تفهيم القرآن جلد پنجم.

Marfat.com

ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری جیسے ایک معتبر محقق کی یہ رائے باعثِ تعجب ہے کہ مسلمانوں نے جنگ کے امکان کی وجہ سے ہتھیار اپنے ساتھ لے لیے تھے۔ حج اور عمرہ کا سفر ہو یا کوئی عام سفر عربوں کا پرتل میں تلوار رکھ کر نکلنا جنگ کی علامت نہیں بلکہ ایک معمول کی بات تھی۔ اس کو جنگ کے لیے پوری تیاری سے تعبیر نہیں کیا جاتا تھا۔ قربانی کے جو ستر جانور ساتھ جانے تھے روانگی کے وقت ہی ان کے گلے میں قلادے ڈال دیے گئے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر کے پاس ہی سے اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہوئے۔ ابن حجرؒ نے 'فتح الباری' میں صحیح بخاری کی روایت کی ذیل میں لکھا ہے کہ مدینہ سے چھ میل آگے ذوالحلیفہ کے مقام پر ظہر کی نماز ادا کی گئی اور وہیں پر احرام باندھے گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت بسرؓ بن سفیان الخزاعی الکعبی کو بطورِ مُخبر قریشِ مکّہ کے عزائم معلوم کرنے کے لیے بھیج رکھا تھا۔ عُسفان کے مقام پر مُخبر نے اطلاع دی کہ قریش مسلمانوں کو مکّہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے پوری تیاری کے ساتھ ذی طُویٰ کے مقام پر پہنچ گئے ہیں۔ وہ شہر جس کے لیے ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رَب سے دعا کی تھی: رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا (اے پروردگار، اِس شہر کو امن کا شہر بنا) آج جناب ابراہیمؑ کی اولاد ہونے کے دعویدار قریش خود اس کے حدود میں جنگ کی آگ بھڑکانے پر تُلے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جن ایمان والوں کو اپنے باپ ابراہیمؑ کی مِلّت پر قائم ہونے کی سند بخشی تھی ان کو جناب ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کے تعمیر کیے ہوئے کعبہ کے طواف اور زیارت سے روکنے کے لیے وہ خم ٹھونک کر کھڑے ہو گئے تھے۔ دنیا پر ظاہر کرنے کے لیے کہ حرم کعبہ کی زیارت اور طواف تو ایک بہانہ ہے، مسلمان اصل میں لڑائی کی نیّت سے آئے ہیں، وہ بار بار اشتعال اور تصادم کی صورت پیدا کرتے تھے۔ خالد بن ولید دو سو سواروں کا رسالہ لے کر مکّہ سے 64 کلومیٹر کے فاصلے پر کراع الغمیم کے مقام پر پہنچے ہوئے تھے تاکہ راستے میں ہی ٹکراؤ ہو جائے۔

Marfat.com

حدیبیہ میں قیام

رسول پاک ﷺ نے قریش کے ارادوں کی اطلاع ملتے ہی راستہ بدل لیا تاکہ تصادم کی نوبت نہ آئے۔ ایک مشکل راستہ اختیار کر کے آپؐ اپنے صحابہؓ کے ہمراہ حدیبیہ پہنچ گئے جو حرم کی سرحد پر ایک مقام تھا۔ یہاں حضور ﷺ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ صحابہ کرامؓ نے سمجھا کہ یہ تھک کر بیٹھ گئی ہے۔ اس لیے انہوں نے کہا کہ یہ نہیں اُٹھے گی۔ آپؐ نے فرمایا: 'چلنے سے انکار اس اونٹنی کی عادت نہیں ہے۔ جس ہستی نے ہاتھیوں کو مکّہ میں داخلے سے روکا تھا اسی نے اس کو اس کی جگہ پر روک دیا ہے۔'[1] یہاں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: 'اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اہلِ قریش اگر کوئی ایسا سمجھوتا پیش کریں جس میں شعائر کی تعظیم اور کعبہ کی حرمت و تقدیس کا پہلو ہو تو میں اسے قبول کرلوں گا۔'[2] پھر آپؐ نے حدیبیہ کی وادی کے کسی قدر دور والے حصے میں ایک کنویں کے قریب خیمہ زن ہونے کا فیصلہ کیا۔ یہاں اللہ نے اپنے نبی ﷺ کے ہاتھ پر کچھ معجزات بھی دکھائے۔ کنویں میں بہت کم پانی تھا۔ چودہ سو صحابہؓ کے پینے اور دیگر ضروریات کے لیے جب اس میں پانی نہ رہا تو آپؐ نے ایک تیر کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا۔ اس سے کنویں میں اتنا پانی ابل آیا کہ پھر اس کی کمی کی شکایت نہ رہی۔[3] پانی کی طرح یہاں خوراک کی کمی بھی محسوس کی گئی۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ نے بھوک کی وجہ سے سواری کے جانور ذبح کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ لیکن نبی اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ ایک چادر بچھائیں اور اپنی اپنی تھیلیوں کا کھانا اس چادر پر ڈھیر کردیں۔ سب لوگوں نے اپنی تھیلیاں خالی کیں تو یہ ایک بیٹھی ہوئی بکری کے برابر چھوٹی سی ڈھیری بنی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس ڈھیری سے سب اپنی اپنی ضرورت کے مطابق کھانا لیتے جائیں۔ راوی کہتے ہیں کہ سب نے اس ڈھیری سے سیر ہو کر کھانا کھایا اور اپنی تھیلیوں میں بھی اچھی طرح کھانا بھرلیا۔[4]

---

1. بخاری.
2. بخاری.
3. مسند احمد، سیرت ابن ہشام.
4. بخاری و مسلم.

Marfat.com

سفارت کاری اور مذاکرات

یہاں بنوخزاعہ کا سردار بُدَیل بن ورقاء اپنے قبیلے کے چند آدمیوں کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا۔اس نے آپؐ سے اس سفر کی غرض و غایت معلوم کی۔آپؐ نے اسے بتایا کہ لڑائی ہرگز ہمارا مقصد نہیں ہے۔ہم بیت اللہ کی زیارت اور اس کا طواف کرنے کی نیت سے آئے ہیں۔بُدَیل نے جا کر قریش کے سامنے یہ حقیقت رکھی کہ یہ لوگ حرم کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ان کا راستہ روکنا مناسب نہیں ہے۔لیکن قریش نے اس کی بات نہ مانی۔انہوں نے اپنی طرف سے احابیش کے سردار حُلَیس بن علقمہ کو رسول پاک ﷺ کے پاس بھیجا۔لیکن اس نے سارے قافلے کو احرام باندھے،قربانی کے جانوروں کے گلے میں قلادے اور زیارت و طوافِ کعبہ کی ساری علامتیں دیکھیں تو یہ رائے قائم کرنے میں اس کو دیر نہ لگی کہ یہ انداز جنگ کے لیے آنے والے کسی گروہ کا ہرگز نہیں ہے۔اُس نے قریش کے سرداروں پر واضح کر دیا کہ 'اگر تم نے حرمتوں کا لحاظ نہ کیا اور ان زائرینِ حرم کو زیارتِ کعبہ سے روکا تو پھر ہم کسی معاملہ میں تمہارا ساتھ نہیں دیں گے۔'

اپنے بھیجے ہوئے دو نمائندوں کا اپنی توقع کے خلاف موقف دیکھ کر قریش نے مِکرز بن حفص بن اخیف کو بھیجا۔رسول پاک ﷺ کی اس پر نظر پڑی تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ شخص دھوکے باز ہے۔تاہم اس کو بھی آپؐ نے وہی جواب دیا جو اس سے پہلے بُدَیل اور حُلَیس بن علقمہ کو دیا تھا۔اِس سفارتی کوشش میں قریش کی طرف سے اب ایک اور سردار عُروہ بن مسعود ثقفی آیا۔اُس نے پہلے ممکنہ خطرناک نتائج سے دھمکانے کی کوشش کی۔لیکن رسول اللہ ﷺ نے اسے بھی یہی بتایا کہ ہم حُرمتوں کو پامال کرنے والے نہیں ہیں۔زیارتِ کعبہ کے لیے آئے ہیں۔لڑائی ہرگز ہمارا مقصد نہیں ہے۔عُروہ نے یہاں رسول اللہ ﷺ کے لیے صحابہ کرامؓ کی محبت، ادب و تعظیم اور فدائیت و اطاعت کے مناظر کا بہت غور سے مشاہدہ کیا۔واپس جا کر اس نے قریش سے کہا:'میں قیصر اور کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں گیا ہوں۔اللہ کی قسم! میں نے اصحابِ محمدؐ کے فدائیت اور محبت کے جو انداز دیکھے وہ مجھے کسی

Marfat.com

بڑے سے بڑے بادشاہ کے لیے بھی نظر نہیں آئے تھے۔ یہ لوگ تو محمدؐ کے وضو کے پانی کا کوئی قطرہ زمین پر نہیں گرنے دیتے۔ آگے بڑھ کر اس پانی کو ہاتھوں پر لیتے اور اپنے جسم اور کپڑوں سے مل لیتے ہیں۔ اُن کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں۔ ادب و تعظیم کا یہ حال ہے کہ کوئی نظر اُٹھا کر انہیں دیکھنے کی جسارت نہیں کرتا۔ اس لیے میرا مشورہ ہے کہ محمد (ﷺ) نے مفاہمت کی جو بہتر صورت پیش کی ہے اسے قبول کرلو۔' ❶

ایلچیوں کی اس آمد و رفت کے دوران میں قریش کی شرارتیں بھی جاری رہیں تا کہ مسلمان اشتعال میں آ کر کوئی جوابی کارروائی کریں اور اہلِ مکّہ دنیا کو باور کرا سکیں کہ دیکھو یہ لوگ عمرہ کے بہانے جنگ کے لیے آئے تھے۔ ایک دفعہ رات کے وقت ان کے چالیس پچاس آدمی آئے اور انہوں نے مسلمانوں کے کیمپ پر پتھراؤ کیا۔ وہ سب پکڑ لیے گئے لیکن نبی پاک ﷺ نے انہیں چھوڑ دیا۔ ایک اور موقع پر ان کے 80 آدمیوں نے تنعیم کی طرف سے عین اس وقت کیمپ پر چھاپہ مارا جب مسلمان فجر کی نماز ادا کر رہے تھے۔ وہ سب بھی گرفتار ہو گئے۔ لیکن حضورؐ نے انہیں بھی رہا کر دیا۔ اس طرح بار بار چنگاریاں پھینک کر ان سے جنگ کا شعلہ بھڑکانے کی ہر حرکت ناکام بنادی گئی۔ ❷

بیعتِ رِضوان

قریش کی اِن سفارتوں کے ساتھ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی قریش کو قائل کرنے کے لیے اپنے نمائندے اُن کے پاس بھیجے۔ حضورؐ نے پہلے خِراش بن امیہ کو پیغام دے کر قریشی عمائدین کے پاس بھیجا۔ خِراش مکّہ میں داخل ہوئے تو عکرمہ بن ابی جہل نے ان کی اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ وہ لوگ خِراش کو بھی قتل کرنے پر تیار ہو گئے تھے مگر احابیش کے سرداروں نے انہیں روک دیا۔ اس طرح خِراش جان بچا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آ گئے۔ ❸

---

❶ البزاز، کشف الاستار عن زوائد مسند البزاز.

❷ تفهیم القرآن جلد پنجم.

❸ الصّادِق الامین.

Marfat.com

پھر نبی اکرم ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر سفارتی مہم پر بھیجا کیوں کہ وہاں ان کا قبیلہ اس وقت سب سے با اثر تھا۔ بخاری، ترمذی اور مسند احمد میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ ''وادیِ مکہ میں عثمانؓ سے بڑھ کر کوئی معزز آدمی ہوتا تو رسول پاک ﷺ اس کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجتے۔'' آپؐ نے ان سے کہا کہ قریش کو جا کر سمجھائیں کہ ہم جنگ کے لیے نہیں بلکہ صرف عمرہ کی نیت سے آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو یہ تاکید بھی کی کہ مکہ میں موجود ان صاحبِ ایمان لوگوں سے بھی رابطہ کریں جن کے حالات نے انہیں ہجرت کی اجازت نہیں دی اور وہ اپنا ایمان کو چھپا کر وہاں رہ رہے ہیں۔ انہیں خوشخبری دیں کہ اللہ اپنے دِین کو غالب کرنے والا ہے تاکہ کسی مسلمان مرد یا عورت کو اپنا ایمان چھپا کر نہ رہنا پڑے۔ مقامِ بلدح پر ابان بن سعید بن العاص نے عرب کے قانونِ اِستجار کے تحت اعلان کر دیا کہ حضرت عثمانؓ اس کی پناہ میں ہیں۔ انہیں گھوڑے پر اپنے پیچھے بٹھا کر ابوسفیان اور دیگر زعمائے قریش کے پاس لے گیا۔ جناب عثمانؓ نے ان کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا اور امن اور صلح کے لیے ان سے مذاکرات کیے اور رسول پاک ﷺ کی ہدایت پر موقع کی مناسبت سے اسلام کی دعوت بھی دی۔ قریش کے لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ عثمانؓ مکہ میں موجود کچھ مسلمانوں سے خفیہ رابطے کر رہے ہیں تو وہ کہنے لگے کہ عثمانؓ اپنی حد سے تجاوز کر رہے ہیں۔ چنانچہ انہیں محبوس کر دیا گیا۔ حدیبیہ میں خیمہ زن مسلمانوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ [1]

ایک سفیر کو قتل کرنا قدیم سے دنیا کے کسی قانون میں کبھی جائز نہیں رہا۔ چنانچہ شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر پر رسول اللہ ﷺ نے سخت موقف اختیار کیا اور فرمایا: 'اب ہم عثمان کے خون کا بدلہ لیے اور قریش سے نمٹے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے۔' اسی موقع پر آپؐ کے ہاتھ پر مرنے مارنے کی وہ بیعت ہوئی جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے یہ بیعت کرنے والوں کو اپنی خوشنودی کی خوش خبری دی اور اس کا نام 'بیعتِ رِضوان' پڑ گیا۔

---

[1] مسند احمد، ابن سعد، ابن هشام، زاد المعاد.

Marfat.com

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ (الفتح:18)

'اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔ اُن کے دلوں کا حال اُس کو معلوم تھا اس لیے اُس نے ان پر سکینت نازل فرمائی، اُن کو انعام میں قریبی فتح بھی بخشی۔'

اس سکینت کے حاصل ہونے کے بعد چودہ سو صحابہؓ میں سے اگر کسی کے دل میں خوف اور گھبراہٹ کا کوئی اثر تھا بھی تو وہ زائل ہو گیا۔ اب اس سے بے نیاز ہو کر کہ ہم قلیل تعداد میں ہیں اور بڑی حد تک غیر مسلّح حالت میں دشمن کے گھیرے میں ہیں، چودہ سو صحابہؓ پورے اطمینان اور سکون کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے پر تیار ہو گئے۔ سب سے پہلے حضرت ابو سنان عبد اللہ بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ نے فتح یا شہادت پر بیعت کی۔ پھر سب نے ابو سنانؓ کی بیعت کے مطابق بیعت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے خود اپنے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس دوران میں یہ اطلاع آ گئی کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر درست نہیں ہے۔ کچھ دیر بعد وہ خود بھی صحیح سلامت واپس آ گئے۔

صُلح نامہ حُدیبیہ

قریش نے جب اپنے پہلے بھیجے ہوئے سفیروں کے تأثرات پر غور کیا تو انہیں احساس ہو گیا کہ اگر انہوں نے ان زائرینِ کعبہ کے ساتھ حرام مہینہ کے اندر جنگ کی تو سارے عرب میں فضا ان کے خلاف ہو جائے گی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر یہ بتایا کہ قریش نے ضد کی روش چھوڑ کر اپنے رویے میں خاصی نرمی پیدا کر لی ہے۔ اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ مسلمان جنگ کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے گھر کی تعظیم ہی کے لیے آئے ہیں۔ لیکن وہ اس سال عمرہ کی اجازت نہیں دیں گے۔ کچھ دیر بعد قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو مذاکرات کے لیے مسلمانوں کے کیمپ میں پہنچ گیا۔ قریش نے اسے پابند کیا تھا کہ جو معاہدہ بھی ہو اس میں مسلمانوں سے یہ شرط ضرور منوائی جائے کہ وہ اس مرتبہ عمرہ کے بغیر

Marfat.com

لَوٹ جائیں گے۔ رسول پاک ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا: "سہیل بن عمرو کا آنا تمہارے لیے خوش آئند ہے۔ امید ہے کہ اب آسانی سے معاملات طے پا جائیں گے۔"[1] کافی گفت و شنید کے بعد آخر درج ذیل شرائط پر ایک صلح نامہ طے پا گیا۔

1- دس سال تک فریقین میں جنگ بند رہے گی۔ وہ ایک دوسرے کے خلاف خفیہ یا علانیہ کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔

2- اس عرصے میں قریش کا جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر بھاگ کر محمد ﷺ کے پاس جائے گا اسے آپ واپس کر دیں گے اور آپ کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس چلا جائے گا اسے وہ واپس نہ کریں گے۔

3- قبائلِ عرب میں سے جو قبیلہ بھی فریقین میں سے کسی ایک کا حلیف بن کر اِس معاہدے میں شامل ہونا چاہے گا اُسے اِس کا اختیار ہوگا۔

4- محمد ﷺ اِس سال واپس جائیں گے اور آئندہ سال وہ عمرے کے لیے آ کر تین دن مکّہ میں ٹھہر سکتے ہیں، بشرطیکہ پرتلوں میں صرف ایک ایک تلوار لے کر آئیں اور کوئی سامانِ حرب نہ لائیں۔ ان تین دنوں میں اہلِ مکّہ اُن کے لیے شہر خالی کر دیں گے (تاکہ کسی تصادم کی نوبت نہ آئے) مگر واپس جاتے ہوئے وہ یہاں کے کسی شخص کو اپنے ساتھ لے جانے کے مجاز نہیں ہوں گے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی مصالحانہ شان

معاہدہ کے ضبطِ تحریر میں لائے جانے کے دوران میں کئی بار ایسے مواقع آئے کہ اگر رسول اللہ ﷺ مصالحانہ طرزِ عمل اختیار نہ کرتے تو امن اور مصالحت کا یہ موقع ضائع ہو جاتا۔ حضورؐ اس معاہدے میں اسلامی جھلک کو نمایاں دیکھنا چاہتے تھے لیکن سہیل بن عمرو کے اعتراضات کی وجہ سے آپؐ نے کسی بات پر اصرار نہیں کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ معاہدہ لکھ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لکھو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اس پر سہیل بن

[1] صحیح بخاری۔ [2] تفہیم القرآن جلد پنجم۔

Marfat.com

عمرو نے مداخلت کی کہ خُدا کی قسم میں کسی رحمان کو نہیں جانتا۔ اس کے بجائے لکھو باسمك اللّٰھمَّ ۔سب مسلمانوں نے بِسْمِ اللہ کے سوا کچھ اور لکھنے پر احتجاج کیا لیکن نبی پاک ﷺ نے حضرت علیؓ کو وہی لکھنے کا حکم دے دیا جو سہیل بن عمرو کا تقاضا تھا۔ پھر اگلا فقرہ یہ تھا کہ 'یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد (ﷺ) رسول اللہ نے اتفاق کیا'۔ سہیل بن عمرو نے پھر اعتراض کیا کہ خُدا کی قسم! اگر ہم نے آپ (ﷺ) کو اللہ کا رسول مان لیا ہوتا تو ہم نہ آپ کو زیارتِ کعبہ سے روکتے اور نہ آپ (ﷺ) سے ہماری کوئی جنگ ہوتی۔ بہتر ہے کہ یہاں رسول اللہ کے بجائے محمد بن عبداللہ لکھیں'۔ آپ ﷺ نے فرمایا 'اللہ کی قسم! خواہ تم مانو یا نہ مانو، میں یقیناً اللہ کا رسول ہوں'۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو محمد بن عبداللہ لکھنے کا حکم دے دیا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا: 'ہمیں زیارت وطوافِ کعبہ کی اجازت دی جائے'۔ سہیل بن عمرو نے کہا: 'خُدا کی قسم! تم لوگ اس سال مکّہ شہر میں داخل نہیں ہو سکتے۔ ہاں آئندہ سال اس کی اجازت ہوگی'۔ چنانچہ یہ جملہ معاہدے کی ایک شق بنا دیا گیا۔ [1]

عین اس دوران میں جب یہ معاہدہ ضبطِ تحریر میں لایا جا رہا تھا سُہیل بن عمرو کے اپنے صاحبزادے ابو جندلؓ جو ایمان لانے کی پاداش میں حبسِ بے جا میں رکھے گئے تھے، کسی طرح وہاں سے نکل کر حدیبیہ پہنچ گئے۔ ابو جندلؓ پکار رہے تھے کہ 'اے مسلمانو! کیا تم مجھے مشرکوں کے پاس بھیج دو گے تاکہ یہ مجھے جان سے ماردیں؟' مسلمان ان کی مظلومانہ کیفیت دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ حضورؐ نے سہیل سے کہا کہ ابھی معاہدے پر دستخط نہیں ہوئے ہیں، اس لیے ابو جندل مکّہ سے مدینہ جانے والوں کو لوٹانے کی شرائط میں شامل نہیں ہے۔ سُہیل نے سخت برہمی میں کہا: 'خدا کی قسم! میں تمہارے ساتھ معاہدہ نہیں کر سکتا جب تک تم اسے واپس نہ کر دو گے'۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ابو جندل سے فرمایا: 'ابو جندل! صبر کرو اور اللہ سے اجر کی نیت کر لو۔ یقیناً اللہ تمہارے لیے اور تمہارے دیگر مسلمان ساتھیوں کے لیے وسعت پیدا کرے گا اور نجات کی کوئی راہ نکالے گا۔ ہم نے مشرکین کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر لیا ہے۔

[1] السّیرۃ النّبویۃ الصّحیحۃ.

Marfat.com

ہم کسی کو دھوکا نہیں دینا چاہتے۔'[1]

صحابہ کرامؓ کا اضطراب اور دل گرفتگی

بیڑیوں میں جکڑے اور تشدد کے نشانات لیے ہوئے ابو جندل کو دیکھ کر ہی صحابہ کرامؓ کو شدید رنج ہوا تھا لیکن اب جب انہیں مزید ظلم وستم سہنے کے لیے ان کی آہ وفریاد کے باوجود سہیل بن عمرو کی تحویل میں دینے کا فیصلہ ہوا تو اصحابِ رسولؐ کی دل گرفتگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ معاہدے کی شرائط کو وہ اپنے لیے ذلت کا سامان باور کر رہے تھے۔ ان کی نظر میں وہ اس معاہدہ کو آج کے دور میں استعمال ہونے والی اصطلاح میں میدان میں جیتی ہوئی جنگ کو مذاکرات کی میز پر ہار دینے کے مترادف سمجھتے تھے۔ شاید ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ واحد رفیقِ نبوّت تھے جو 'وہ اللہ کے رسول ہیں، اللہ ان کو ضائع نہیں کرے گا' کی کیفیتِ اطمینان کے ساتھ سب کو تسلی دے رہے تھے۔ باقی کسی سے اپنے دلِ مضطرب کی حالت چھپائے چھپ نہیں رہی تھی۔ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی سخت بے چینی کی حالت میں سوال کر رہے تھے کہ 'کیا حضورؐ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کیا یہ مکّہ والے مشرک نہیں ہیں؟ پھر ہم اپنے دِین کے معاملے میں یہ ذلت کیوں اختیار کریں؟'

اس معاہدہ کے نتیجے میں مستقل قریب کے جن امکانات وثمرات کو نبی اکرم ﷺ کی دور رس نگاہ دیکھ رہی تھی وہاں تک دوسروں کی نظر نہیں جا رہی تھی۔ مکّہ سے بھاگ کر مدینہ جانے والوں کو واپس قریش کے حوالے کر دینے، لیکن جو مدینہ سے بھاگ کر مکّہ چلا جائے اسے قریش کا واپس نہ کرنے کی شرط کو وہ ناانصافی تصور کرتے تھے۔ عمرے کی غرض سے جان جوکھوں میں ڈال کر اتنے پر مشقت سفر کے باوجود یہ سعادت حاصل کیے بغیر لوٹ جانا بھی انہیں بری طرح کھل رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس معاملے میں تشفّی بخش جواب دیے لیکن رنج کی کیفیت رفع نہیں ہو رہی تھی۔

معاہدہ پر دستخط ہو گئے تھے اور یہ امر طے تھا کہ اب یہیں حُدیبیہ ہی سے واپس جانا

---

[1] بخاری، مسلم، مسند احمد.

Marfat.com

ہے۔ حضورؐ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ سب یہیں پر قربانی کریں، سر منڈوا لیں اور احرام کھول دیں۔ لیکن اسلامی تحریک کی گزشتہ 19 سال کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ تعمیلِ ارشاد میں کوئی ایک قدم بھی نہیں اٹھا۔ یہ نظمِ جماعت اور وجودِ اُمت کے لیے بھی اور خود رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی بظاہر تشویش اور دکھ کی بات تھی۔ آپ ﷺ اپنے خیمے میں تشریف لے گئے اور اپنی زوجہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اپنی تشویش اور صدمے کا اظہار کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپؐ خود قربانی کریں، اپنے بال منڈوائیں اور اپنا احرام کھول دیں۔ صحابہؓ کو احساس ہو جائے گا کہ یہ حتمی فیصلہ ہے۔ وہ غم کی جس کیفیت میں ہیں اس سے نکلیں گے اور آپ کی پیروی سے گریز نہیں کریں گے۔ ایسا ہی ہوا۔ دلوں کی کیفیت کو سنبھلنے میں وقت لگا مگر تمام صحابہؓ نے ایک ایک کر کے قربانی کی، بال منڈوائے اور احرام کھول دیے۔

تقریباً بیس دن حدیبیہ میں ٹھہرنے کے بعد واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قافلہ کراع الغمیم کے مقام پر پہنچا تو دیکھا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے گرد جمع تھے۔ آپؐ نے فرمایا: 'مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے زیادہ محبوب ہے۔' (بخاری و مسلم) پھر آپؐ نے سورۃ فتح کی ابتدائی پانچ آیات تلاوت کیں۔ حضرت عمرؓ اور بعض دیگر صحابہؓ نے سوال کیا کہ 'یا رسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟' آپؐ نے فرمایا: 'اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے، یقیناً یہ فتح ہے۔'[1]

صلحِ حدیبیہ کے ثمرات و برکات

مسلمان مشرکین کے گھر میں بیس روز گزار کر صحیح سلامت واپس آئے۔ قریش پہلے دنیا کو یہ باور کراتے تھے کہ مسلمان اپنے آبائی مذہب، اپنے خاندان اور قبیلے اور اپنی قدیم روایات سے منحرف کچھ بدعقیدہ لوگ ہیں جو بھاگ کر یثرب میں پناہ گزین ہو کر بیٹھے ہوئے

[1] ابو داود، مسند احمد اور ابن جریر۔

Marfat.com

ہیں۔لیکن اس معاہدہ کی صورت میں انہوں نے تسلیم کر لیا کہ مسلمان کوئی بھگوڑا گروہ نہیں بلکہ قریش کے مساوی ایک سیاسی طاقت ہیں۔قریش نے یہ شرط قبول کر لی کہ عرب کے دیگر قبائل قریش یا مسلمانوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں حلیفانہ تعلقات قائم کر سکتے ہیں۔اس کا مطلب تھا کہ انہوں نے مدینہ کو قانونی ریاست اور محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس ریاست کا آئینی سربراہ بھی مان لیا تھا۔مسلمانوں کے زیارت وطوافِ کعبہ کے حق کو تسلیم کر کے قریش نے اپنے ہی پروپیگنڈا کی نفی کر دی تھی کہ مسلمان کوئی بدعقیدہ لوگ ہیں۔

تحریکِ اسلامی اٹھی ہی اس لیے تھی کہ بندوں کا اُن کے رَب سے ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑے۔لوگوں کو بے شمار خداؤں اور طاغوتوں کی بندگی کو چھوڑ کر معبودِ حقیقی کی بندگی اختیار کرنے کے نقطے پر جمع کرے۔خالق اللہ ہے تو مالک بھی وہی ہے اور مالک وہ ہے تو اس کو حاکم ماننا خود بخود لازم آجاتا ہے۔حاکم ماننے کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں قانون بھی اسی کا چلے گا۔اس شعور کو اجاگر کرنے اور اس عقیدہ کو پھیلانے کا اصل ذریعہ دعوتِ دین تھا۔اگرچہ سخت ہنگامی حالات اور مسلسل جنگوں کے دوران میں بھی مسلمان دعوتِ حق سے غافل نہیں رہے تھے لیکن صُلح نامہ حدیبیہ میں دس سال کی جنگ بندی کی شق نے مسلمانوں کے لیے بے خطر اور یکسو ہو کر ساری توجہ اس دعوت پر مبذول کرنے کے راستے کھول دیے تھے۔ظُلمت کدۂ عرب ہی میں نہیں بلکہ کفر شرک کے زیر اثر ساری دنیا میں اسلام کی روشنی پھیلانے کے لیے حالات سازگار ہو گئے تھے۔مسلمانوں نے اس پر امن ماحول سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے دعوتی سرگرمیاں تیز تر کر دیں۔اس صلح نامہ کے بعد جب جنوب کا محاذ ٹھنڈا ہوا تو رسول پاک ﷺ کو شمال اور وسطِ عرب کی اسلام دشمن قوتوں سے نمٹنے کا موقع مل گیا۔چنانچہ حدیبیہ کی صلح کے تین ہی ماہ بعد سب سے پہلے شمال میں اُس یہودی فتنے کو کچلا گیا جو اسلامی ریاست کی سلامتی اور مسلم معاشرے کے امن کے لیے چھ سال سے مسلسل خطرہ بنا ہوا تھا۔

Marfat.com

غزوۂ خیبر

محرّم، 7ہجری

رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے ربیع الاوّل کے مہینہ میں مدینہ تشریف لائے تھے۔اس وجہ سے اصحاب ِسیر وتوارخ میں بعض نے ربیع الاوّل کو ہجری سال کا پہلا مہینہ شمار کیا اور اکثر نے محرّم کو اسلامی کیلنڈر کا آغاز قرار دیا۔اسی وجہ سے ہمیں سیرتِ نبویؐ کے واقعات کے زمانی تعیّن میں اختلاف نظر آتا ہے۔ زہریؒ اور اِمام مالِکؒ نے اس غزوہ کو چھ ہجری میں شمار کیا ہے۔ابن اسحاق اور واقدی میں بھی تھوڑا سا اختلاف ملتا ہے۔تاہم ابن حجرؒ نے ابن اسحاق سے اتفاق کرتے ہوئے غزوۂ خیبر کو محرّم 7ہجری کا واقعہ تسلیم کیا ہے۔سورہ فتح میں اس غزوہ کی طرف ایک خوشخبری کی صورت میں اشارہ کر دیا گیا تھا۔

﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَ لِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ يَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝٢٠ وَّ اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝٢١﴾ (الفتح:20، 21)

'اللہ تم سے بکثرت اموالِ غنیمت کا وعدہ کرتا ہے جنہیں تم حاصل کرو گے۔فوری طورتو یہ فتح (صُلح حدیبیہ) اس نے تمہیں عطا کر دی اور لوگوں کے ہاتھ تمہارے خلاف اٹھنے سے روک دیے تاکہ یہ مومنوں کے لیے ایک نشانی بن جائے اور اللہ سیدھے راستے کی طرف تمہیں ہدایت بخشے۔اِس کے علاوہ دوسری اور غنیمتوں کا بھی وہ تم سے وعدہ کرتا ہے جن پر تم ابھی قادر نہیں ہوئے ہواور اللہ نے ان کو گھیر رکھا ہے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'

سورہ الفتح میں جو خوش خبریاں ہیں وہ ایک لحاظ سے اُن چودہ سو صحابہؓ کی تسلی اور تسکین کی خاطر تھیں جو خطرات کو خاطر میں نہ لائے اور رسول اللہ ﷺ کی پکار پر آپؐ کے ہمراہ عمرہ

Marfat.com

کے سفر پر نکل کھڑے ہوئے تھے۔وہی تھے جن کو کعبہ کی زیارت اور طواف سے محرومی کا شدید صدمہ تھا اور انہی کو اس بات کا سخت رنج ہوا تھا کہ قریش کے ساتھ جو معاہدہ ہوا ہے اس میں بظاہر مسلمانوں کی ہیٹی اور کمزوری کا پہلو غالب ہے۔اس لیے نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ غزوۂ خیبر میں صرف وہی لوگ شریک ہوں گے جنہوں نے بیعتِ رضوان کی سعادت پائی تھی۔

خیبر کے یہودی اسلام اور پیغمبرِ اسلام اور مسلمان اُمت سے بغض و عناد اور حسد و رقابت میں اہلِ مکّہ سے بھی دو ہاتھ آگے تھے۔مکّہ والوں سے جنگ بندی کے معاہدہ کے بعد خیبر ہی اعداءِ اسلام کا سب سے بڑا مرکز تھا۔خیبر میں ایک طرف تین قلعے النطاۃ، الشق اور الناعم تھے اور دوسری طرف الکتیبہ، الوطیح، السُلالم تین اور قلعے تھے۔ابی الحُقیق کا قلعہ القمیص اور صعب بن معاذ دو اور قلعے تھے۔یوں یہ آٹھ قلعوں کا بہت مضبوط گڑھ تھا۔اردگرد کے چھوٹے موٹے قبائل ہی نہیں بلکہ قریش جیسا حرمِ کعبہ کا متولی قبیلہ بھی ان کی مذہبی سیادت اور علمی مرتبے کے آگے جھکتا تھا۔مال و دولت کے لحاظ سے خیبر کے یہودی سارے جزیرۃ العرب میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔ثمر آور باغوں اور سرسبز و شاداب لہلہاتی کھیتیوں اور منافع بخش تجارت سے بہت دولت کماتے تھے۔سود پر سرمایہ چڑھانا بھی ان کی ہوس پرست فطرت کا خاصہ تھا۔اس وجہ سے ان کے دماغ آسمانوں پر رہتے تھے۔مدینہ سے جلاوطن ہو کر جو قبائل یہاں آ کر بسے تھے خیبر والوں نے ان کے لیڈروں کی قیادت تسلیم کر لی تھی۔

مدینہ سے روانگی

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا۔چودہ سو صحابہؓ کے لشکر کے ساتھ آپؐ روانہ ہوئے۔اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا تو اس لیے ساتھ تھیں کہ عمرہ کے سفر والوں میں وہ شامل تھیں۔امیمہ بنت الصّلت رضی اللہ عنہا اور کچھ اور عورتیں مریضوں اور زخمیوں کی تیمارداری کے لیے رضاکارانہ طور پر فوج کے ساتھ شامل ہو گئی تھیں۔جنگی حکمتِ عملی کے تحت نبی اکرم ﷺ نے تمام تیاری پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا۔دو

Marfat.com

بدرقے ساتھ لیے۔ اسلامی لشکر نے خیبر اور غطفان کے درمیان وادیِ رجیع میں رات قیام کیا۔ اصَحُّ السِّیر کے مطابق سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے چچا یا ان کے بھائی اور بعض دیگر سیرت نگاروں کی روایت کے مطابق خود ابن الاکوعؓ حدی پڑھتے جا رہے تھے، جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"ترجمہ: 'اے اللہ! اگر تو نہ چاہتا تو ہمیں نہ ہدایت نصیب ہوتی، نہ ہم صدقہ کرتے، نہ نماز پڑھتے۔ اے اللہ! تو ہم پر سکون نازل فرما، اور دشمن کے مقابلے میں تو ہمیں ثابت قدم رکھ، ہمیں تو جب پکارا جاتا ہے ہم آ پہنچتے ہیں، اور ہمیں جو پکارتے ہیں وہ ہم پر اعتماد کرتے ہیں۔'

حضورؐ نے یہ رَجز سن کر خوشی کا اظہار کیا اور دعا دی: 'اللہ تم پر رحم فرمائے۔ کسی غزوہ میں نبی پاکؐ جب کسی کو ایسی دعا دیتے تھے تو مشہور تھا کہ اُسے مرتبۂ شہادت نصیب ہوگا، اسی لیے حضرت عمرؓ نے عرض کیا: 'یا رسول اللہ! (عامرؓ کے لیے مرتبۂ شہادت کی صورت میں) رحم واجب ہو گیا۔'

رات اس وادی میں گزار کر طلوعِ فجر سے پہلے یہودیوں پر اچانک حملہ کر دیا گیا۔ محنت مزدوری اور کام کاج پر نکلنے والے عام یہودی واپس گھروں کی طرف بھاگے۔ وہ بدحواسی میں پکار رہے تھے۔ 'محمدؐ اپنے سارے لشکر کے ساتھ آ گئے ہیں۔' رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس چیخ و پکار کے جواب میں بلند آواز میں فرمایا: 'اَللّٰهُ اَکْبَرُ! خَرِبَتْ خَيْبَرُ، اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ' 'اللہ اکبر، برباد ہو گیا خیبر، ہم جب کسی قوم پر حملہ آور ہوتے ہیں تو اُس کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔'[1]

حملے کا آغاز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی حکمتِ عملی کے تحت اپنا مرکزی فوجی کیمپ رجیع میں ہی رکھا تھا تا کہ اس راستے سے یہودیوں کو ان کے حلیف بنوغطفان کمک نہ پہنچا سکیں۔ اس کیمپ کی

[1] بخاری.

Marfat.com

نگرانی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ذمہ تھی۔وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ میں بھی شریک ہوجاتے تھے۔اب مسلمان مجاہدین نے یہودیوں پر اچانک دھاوا بول دیا۔یہودیوں کے لڑنے والے مرد اور ان کے بال بچے مضبوط قلعہ النطاۃ میں تھے۔سلام بن مشکم یہاں کا رئیس اور یہودی لشکر کا سالار تھا۔ان کے راشن کا سامان ناعم اور صعب نام کے دو اور قلعوں میں جمع کیا گیا تھا۔واقدی کی روایت کے مطابق 'صعب'، 'الشق' اور 'الکتیبہ' کے قلعوں کی فتح میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہودیوں نے مدتوں سے زبردست جنگی تیاریاں کر رکھی تھیں۔یہی وجہ ہے کہ بخاری، مسلم اور ابو داود کی روایات کے مطابق ان قلعوں کو فتح کرنے میں کئی دن لگے۔اس کے لیے مسلمانوں کو سخت مقابلے کا سامنا کرنا پڑا۔کئی قلعوں کی نوعیت ایسی تھی کہ وہ یک دوسرے کی توسیع لگتے تھے۔ایک قلعہ فتح ہوتا تھا تو یہودی بھاگ کر اگلے قلعوں میں اکٹھے ہو جاتے تھے۔آخر میں انہوں نے کنانہ بن ابی الحقیق کے مضبوط قلعہ 'قموص' میں آ کر پناہ لی، کچھ 'وطیح' اور 'سُلالم' کی طرف نکل گئے۔'ناعم' نام کے قلعہ کی فتح میں دس دن لگے۔محمود بن مُسلمہ رضی اللہ عنہ تنہائی اور سناٹا دیکھ کر تکان اور نیند کی وجہ سے 'ناعم' قلعہ کے نیچے سو گئے۔ابن ابی الحقیق یا مرحب نے انہیں لیٹا ہوا دیکھا تو اوپر سے ایک بھاری پتھر ان کے سر پر پھینکا اور وہ شہید ہو گئے۔'صعب' کا محاصرہ کیا گیا تو یہودیوں کا مشہور سورما مرحب میدان میں اترا اور اس نے دعوتِ مبارزت دی۔حضرت عامرؓ بن الاکوع اس کے مقابلے کے لیے بڑھے۔اُس نے تلوار کا وار کیا۔تلوار ان کی زرہ میں پھنس گئی۔انہوں نے نیچے سے اس کے پاؤں یا پنڈلیوں پر وار کرنا چاہا۔تلوار وہاں تک نہ پہنچی اور جھٹکے سے خود ان کی اپنی ران میں آ لگی۔اسی زخم سے وہ شہید ہوئے۔

قلعۂ 'قموص' کا محاصرہ

اس قلعہ کے محاصرے نے زیادہ طول کھینچا۔یہاں نبی اکرم ﷺ شدید سر درد کی وجہ سے خود میدان میں نہیں جا سکے تھے۔پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں پوری کوشش کی گئی لیکن قلعہ سر نہ ہو سکا۔حضورؐ کچھ خاص موقعوں پر حوصلہ افزائی کے لیے کسی صحابی

Marfat.com

کے لیے کسی ایسی صفت کا ذکر فرما دیتے تھے جو ہوتی تو سب میں تھی لیکن اس خاص موقع پر وہ صحابی سمجھتے تھے کہ یہ صفت انہی کے لیے خاص ہے۔ یہاں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'کل میں جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جس سے اللہ اور اس کے رسول ؐ کو محبت ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول ؐ کو محبوب رکھتا ہے۔ وہ فتح حاصل کیے بغیر واپس نہیں آئے گا۔' صحابہ ؓ میں سے کون ایسا تھا جس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ؐ سے محبت نہیں تھی، اور جس کو اللہ اور اس کے رسول ؐ کی محبت کی نعمت میسر نہیں تھی۔ یہ سب وہی بیعتِ رضوان والے صحابی ہی تو تھے جن کو سورہ فتح میں اللہ کی رضا مندیوں اور خوشنودیوں کی سند مل چکی تھی۔ لیکن ہر ایک نے پر جوش انداز میں حضور ؐ کی خوش خبری کا مصداق خود اپنے آپ کو سمجھا۔ اگلے روز نمازِ فجر کے بعد جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تھمایا گیا۔ ان کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ رسول پاک ﷺ نے ان کی آنکھوں کو اپنا لعابِ دہن لگایا اور دعا کی۔ آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔

یہاں بھی مرحب سے مقابلہ تھا۔ اس نے حضرت عامر ؓ بن الاکواع کو شہید کر دیا تھا۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ میدان میں آئے۔ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق حضرت علی ؓ نے اسے قتل کیا تھا۔ لیکن موسیٰ بن عقبہ اور ابوالاسود کی روایت ہے کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ کئی اور صحابہ کا بھی یہی موقف تھا۔ واقدی نے اس کی تطبیق اس طرح کی کہ محمد بن مسلمہ ؓ کی تلوار کی ضربوں سے مرحب کی پنڈلیاں کٹ گئی تھیں۔ حضرت علی ؓ نے آکر اس کی گردن مار دی۔ رسول اللہ ﷺ نے مرحب کی تلوار، خود اور نیزہ وغیرہ سب جن پر مرحب کا نام کندہ تھا حضرت محمد بن مسلمہ ؓ کو دیے تھے۔ [1]

اس کے بعد مرحب کا بھائی یاسر میدان میں آیا۔ یہ بڑا قوی الجثہ شخص تھا اور بہت شہ زور مانا جاتا تھا۔ اسے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے واصلِ جہنم کیا۔ یہ تاریخی حقیقت تو ناقابلِ انکار ہے کہ یہ قلعہ آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ اسی لیے ان کو فاتحِ خیبر کا لقب ملا۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ خود رسول اکرم ﷺ نے ان کے ہاتھوں اس

[1] بحوالہ اَصَحُّ السِّیَر.

Marfat.com

قلعہ کے فتح ہونے کی خوش خبری دی تھی لیکن اس کی تفصیل میں ابن ہشام، مدارج النبوہ، روضۃ الاحباب، معارج النبوۃ، مواہب لدنیہ اور حاکم اور بیہقی وغیرہ کی روایات میں حضرت علیؓ کے خیبر کے قلعہ کا دروازہ اکھاڑ کر اسے بطورِ ڈھال استعمال کرنے اور اس دروازے کے وزن اور حجم کے بارے میں جتنی کہانیاں مشہور ہیں ان میں سخت اختلاط اور بہت مبالغہ ہے۔ اسی لیے امام شافعی، سخاوی، ابن کثیر اور دیگر کئی بزرگوں نے ان کہانیوں کو 'واہیہ' یعنی فضول کہہ کر ان کا انکار کیا ہے۔ [1]

ان قلعوں کے نام دراصل یہودی آبادیوں کے لحاظ سے تھے۔ الزبیر، ابی اور النزار میں سے النزار کی فتح میں بھی خاصی مشکل پیش آئی۔ اس پر منجنیقوں سے بھاری پتھر پھینکے گئے۔ وطیح، سلالم اور قموص چودہ دن کے محاصرے کے بعد فتح ہوئے۔ سب سے سخت جنگ قموص کی فتح کے لیے لڑی گئی۔ یہ سارا علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا تو آخر کنانہ بن ابی الحقیق نے ایک یہودی شماخ کو صلح کی درخواست کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا۔ حضورؐ نے صلح کی پیش کش قبول کر لی کیونکہ یہ قرآن پاک کا مقرر کیا ہوا اصول ہے۔:

﴿وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝﴾ (الانفال:61)

'اور اے نبیؐ، اگر دشمن صلح و سلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو، یقیناً وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔'

صلح کی شرائط

کنانہ چند دوسرے یہودی سرداروں کے ہمراہ قلعہ سے نکل آیا۔ صلح کی درج ذیل شرائط طے ہوئیں۔

☆ غیر منقولہ جائداد یعنی زمینیں اور باغات اس شرط پر یہودیوں کی تحویل میں رہیں گے کہ

[1] اَصَحُّ السِّیَر، سیرتِ طیبہ رحمت دارین، السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ۔

Marfat.com

وہ ان پر محنت کریں گے۔ پیداوار میں سے نصف حصہ انہیں ملے گا۔ ❶

☆ ان زمینوں اور باغات پر اٹھنے والے اخراجات یہودی خود برداشت کریں گے۔ ❷

☆ یہودیوں کا خیبر میں رہنا مسلمانوں کی مرضی پر منحصر ہوگا۔ انہوں نے اگر کبھی کوئی شرارت یا نقضِ عہد کی کوئی صورت پیدا کی تو انہیں خیبر سے نکال دیا جائے گا۔ اسی شرط کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں انہیں خیبر سے نکال کر تیماء اور اریحا کے علاقوں میں دھکیل دیا تھا۔ ❸

☆ ایک مقرر مدت کے بعد رسول اللہ ﷺ کا ایک نمائندہ خیبر میں آ کر زمینوں اور باغات کی پیداوار کا اندازہ کر کے مسلمانوں کا حصہ وصول کیا کرے گا۔ ❹

☆ منقولہ سامان میں سے سونا، چاندی، زرہوں سمیت سارا اسلحہ رسول اللہ ﷺ کی ملکیت ہوگا۔ باقی سامان یہودیوں کی ملکیت میں رہے گا۔ وہ کوئی چیز نہ چھپائیں گے نہ غائب اور تلف کریں گے۔ اگر ایسی کوئی حرکت کی گئی تو وہ امان کے حقدار نہیں رہیں گے اور معاہدہ بھی برقرار نہیں رہے گا۔

غبن کی سزا

یہ شرائط طے ہو جانے کے بعد یہودیوں نے تمام قلعے مسلمانوں کے حوالے کر دیے۔ انہوں نے باقی تمام اموال و اسباب تو مالِ غنیمت میں رکھ دیے لیکن حُیَیْ بن اخطب کی مسک یعنی سونے چاندی اور دراہم و دنانیر سے بھری ہوئی چمڑے کی ایک تھیلی غائب کر دی گئی تھی۔ حُیَیْ بن اخطب بنونضیر کا بڑا مالدار سردار تھا۔ اس کی گائے کے چمڑے سے بنی اس تھیلی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو پہلے علم تھا۔ بنونضیر کی جلاوطنی ہوئی تو وہ اس تھیلی کو بچا کر ساتھ لے گیا تھا۔ غزوۂ احزاب کے لیے قریش اور غطفان کی انگیخت میں یہی پیش پیش تھا۔ غزوۂ خندق سے قریش اور غطفان جب میدان چھوڑ کر واپس ہو لیے تو یہ بنوقریظہ

---

❶ بخاری. ❷ صحیح مسلم.
❸ صحیح مسلم. ❹ مسند احمد.

Marfat.com

کے ہاں ٹھہر گیا تھا۔ وہیں بنو قریظہ کے ساتھ اسے قتل کیا گیا تھا۔ جب تھیلی کے بارے میں پوچھا گیا تو حُیَی بن اخطب کے چچا سعیہ نے کہا کہ وہ تو جنگی اخراجات اور دیگر ضروریات میں خرچ ہو گئی ہے۔ کچھ سختی کرنے پر آخر انہوں نے بتا دیا کہ تھیلی ایک ویران جگہ پر ایک جھاڑی میں چھپائی گئی ہے۔

کنانہ بن ابی الحُقیق کے زیورات اور اس کا خزانہ بھی مشہور تھا۔ وہ یہ زیورات عربوں کو ان کی تقریبات کے لیے کرائے پر دیا کرتا تھا۔ اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے قسم کھا کر وہی جواب دیا جو حُیَی بن اخطب کی تھیلی کے بارے میں دیا گیا تھا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی طرف سے ابوبکر، عمر، علی، زبیر رضی اللہ عنہم کو اور دوسری طرف سے دس یہود کو گواہ بنا کر کنانہ اور اس کے بھائی سے کہا کہ اگر وہ خزانہ تمہارے پاس سے نکل آیا تو پھر اللہ اور اس کا رسولؐ تم سے بری ہوں گے۔ پھر میں تم دونوں سے جو مال لوں اور تمہارا جو خون بہاؤں وہ میرے لیے حلال ہو گا اور تم دونوں معاہدہ سے خارج سمجھے جاؤ گے۔ خزانہ ایسی جگہ چھپایا گیا تھا کہ ان کی دانست میں اس کا برآمد ہونا ممکن نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے بڑے اعتماد کے ساتھ اپنے بارے میں اتنی کڑی شرط مان لی۔ رسول اللہ ﷺ نے ثعلبہ بن سلام بن ابی الحُقیق سے کنانہ اور ربیع کے خزانے کے بارے میں پوچھا۔ وہ خاصا کچا آدمی ثابت ہوا۔ اس نے بہت جلد نشاندہی کر دی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کچھ اور مسلمانوں کو ساتھ لے کر ثعلبہ کی بتائی ہوئی جگہ گئے۔ زمین کھودی گئی تو خزانہ برآمد ہو گیا۔ معاہدہ کے بالکل آغاز ہی میں غبن اور بدعہدی کی یہ ایسی مثال تھی جس کو نظر انداز کر دیا جاتا تو کوئی بعید نہ تھا کہ وہ لوگ ایک ایک کر کے معاہدے کی ساری شقوں سے منحرف ہو جاتے اور ایک بار پھر غدر اور فساد کا کھیل شروع کر دیتے۔ چنانچہ کنانہ بن ابی الحُقیق کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا گیا۔ انہوں نے اسے اپنے بھائی کے بدلے میں قتل کیا۔ ربیع بن ابی الحُقیق کو بشر بن براء رضی اللہ عنہ کے وارثوں کے سپرد کیا گیا۔ انہوں اس کو بشر بن براء رضی اللہ عنہ کے بدلے میں قتل کیا۔ ان کے مال مسلمانوں پر حلال ہو گئے اور بال بچے قیدی بنا لیے گئے۔

Marfat.com

اُمّ المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

دونوں یہودی اپنی عہدی کی وجہ سے قتل ہو گئے تو ان کی جو عورتیں اور بچے قید میں آئے ان میں حضرت صفیہؓ بھی شامل تھیں۔وہ حُیَی بن اخطب کی بیٹی اور کنانہ بن ابی الحُقیق کی بیوہ تھیں۔میکے اور سسرال دونوں طرف سے رئیسہ اور بہت معزز تھیں۔حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان کو اور ان کی بہن کو بارگاہِ رسالت میں لائے۔راستے میں اپنے رشتہ داروں کی لاشوں پر سے گزرتے ہوئے ان کی بہن نے تو بہت آہ و بکا کی لیکن صفیہؓ بڑے صبر اور وقار کے ساتھ وہاں سے گزریں۔جب قیدی عورتوں بچوں کی تقسیم ہوئی تو یہ حضرت دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ازدواجی رشتوں میں استقرار میں سماجی حیثیات کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے۔حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے شادی کی تجویز پر ہی حضرت زینبؓ اور ان کے خاندان کی برتر سماجی حیثیت کا احساس شدت کے ساتھ سامنے آ گیا تھا۔مرتبہ اور حیثیت میں یہ تفاوت ہی تھی جس کی وجہ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا ازدواجی تعلق طلاق پر منتج ہوا۔آخر حضرت زینبؓ رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں آ گئی تھیں۔اگرچہ حضرت زیدؓ کے حضرت زینبؓ کو طلاق دینے اور ان کے رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں آنے سے عظیم معاشرتی اصلاحات کی راہ ہموار ہوئی لیکن ان دینی حکمتوں سے قطعِ نظر یہ حقیقت ہے کہ زیدؓ اور زینبؓ کے ازدواجی رشتے کی ناکامی میں یہ سوچ پوری طرح کارفرما تھی کہ حضرت زینبؓ ایک معزز خاندان کی بیٹی ہیں اور زیدؓ خواہ مکہ میں زید بن محمدؐ ہی پکارے جاتے ہوں لیکن اپنی اصل کے اعتبار سے وہ ایک آزاد کردہ غلام ہیں۔غزوۂ بنو مصطلق کے قیدیوں میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی تھیں۔لیکن چونکہ وہ بھی ایک قبیلے کے سردار کی بیٹی تھیں اس لیے ان کو لونڈی بنا کر رکھنا مناسب نہ سمجھا گیا اور ان کو حرمِ نبویؐ میں شامل ہونے کا اعزاز نصیب ہو گیا۔اب حضرت صفیہؓ کے معاملہ میں بھی ان کے خاندانی وقار اور سماجی مرتبے کا لحاظ رکھتے ہوئے بعض صحابہؓ نے یہ رائے دی کہ ان کو نبی اکرم ﷺ کے سپرد کیا جائے۔آپؐ نے ان کو

Marfat.com

اختیار دے دیا کہ چاہیں تو اپنے خاندان میں چلی جائیں اور اگر پسند کریں تو حضورؐ کے نکاح میں آ جائیں۔ انہوں نے اسلام قبول کر کے حضورؐ کی زوجیت میں آنے کو ترجیح دی۔ [1]

مالِ غنیمت کی تقسیم

سارا مالِ غنیمت ایک جگہ لا کر ڈھیر کیا گیا۔ پانچ حصے کر کے ایک حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا الگ کر کے باقی سب مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔ اصحابِ حدیبیہ میں سے صرف حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کسی مجبوری کی وجہ سے غزوۂ خیبر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ لیکن چونکہ ان کا عذر جائز تھا اس لیے ان کا پورا حصہ نکالا گیا۔ اموالِ غنیمت کی تقسیم سے کچھ قبل جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سمیت مہاجرینِ حبشہ میں سے 53 یا کچھ اور روایات کے مطابق 172 افراد کا ایک گروہ یہاں پہنچ گیا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے کے کچھ لوگوں کے ساتھ کشتی میں حجاز آ رہے تھے لیکن تیز ہواؤں نے کشتی کو بحر احمر کے اس پار حبشہ کی طرف دھکیل دیا تھا۔ وہ وہیں مہاجرینِ حبشہ کے ساتھ رہنے لگے تھے۔ ان کی مدینہ واپسی بھی حضرت جعفرؓ کے قافلہ کے ساتھ ہی ہوئی۔ ان سب کے آنے سے رسول اللہ ﷺ کو بہت خوشی ہوئی۔ خاص طور پر اپنے چچا زاد بھائی حضرت جعفرؓ سے مل کر تو آپؐ بہت شاداں تھے۔ آپؐ نے ان کا ماتھا چوما اور انہیں گلے سے لگا لیا۔ فرمایا: 'میں نہیں جانتا کہ آج خیبر کی فتح کی زیادہ خوشی ہے یا جعفرؓ کے واپس آنے کی۔' مالِ غنیمت میں حبشہ سے واپس آنے والوں کو بھی حصہ دیا گیا۔ اس غزوہ میں رضا کارانہ طور پر شامل ہونے والی خواتین کو بھی کچھ نہ کچھ مال دیا گیا۔ مجاہدین کے گھوڑوں کے دو حصے رکھے گئے تھے۔ یوں گھڑ سوار دستے کو پیدل کے مقابل تین حصے، ایک مجاہد کا اپنا اور دو اس کے گھوڑے کے دیے گئے۔ فتحِ خیبر کے بعد ابھی رسول اللہ ﷺ وہیں مقیم تھے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں پہنچ گئے۔ وہ پہلے مدینہ گئے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ مسلمان یہودیوں سے جنگ کے لیے خیبر میں ہیں تو وہ بھی خیبر آ گئے۔

---

[1] صحیح بخاری، صحیح مسلم، طبقات ابن سعد.

Marfat.com

اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا، جن کا اصل نام رملہ تھا۔ نہایت قدیم الاسلام خاتون تھیں۔ اسلام کی خاطر انہوں نے بے پناہ مصائب اور تکالیف برداشت کیں۔ مکّہ کے ایک اہم قبیلے اور ایک بڑے با اثر سردار ابوسفیان کی بیٹی تھیں لیکن قبولیتِ اسلام کی پاداش میں آزمائشوں نے انہیں گھیر لیا۔ خاندان کے اندر رہتے ہوئے اذیتیں جب حد سے بڑھ گئیں تو اپنے شوہر عبیداللہ بن جحش کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ چلی گئیں۔ وہاں ایک اور افتاد آپڑی۔ عبیداللہ کو شراب کی لت پڑ گئی۔ اس کا اخلاقی فساد کی پھسلن پر رکھا ہوا قدم کچھ اور پھسلا تو مرتد ہو کر اس نے عیسائیت اختیار کر لی۔ کثرت شراب نوشی نے صحت بگاڑی تو وہیں انتقال ہو گیا۔ شوہر کا ساتھ چھوٹنے کے بعد غریب الوطنی میں اُمّ حبیبہؓ کے لیے اب صرف اللہ کا سہارا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کو ان کے حالات کی خبر ہوئی تو عمرو بن امیہ الفہری رضی اللہ عنہ کو ایک خط دے کر حبش کے بادشاہ کے پاس بھیجا کہ وہ اُمّ حبیبہؓ کو حضورؐ کی طرف سے شادی کا پیغام پہنچا دے۔ وہ پہلے ایک خواب دیکھ چکی تھیں کہ کوئی انہیں 'اُمّ المومنین' کہہ کر پکار رہا ہے۔ بادشاہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کا پیغام ملا تو اللہ کا شکر ادا کیا۔ اتنی خوش ہوئیں کہ جس لونڈی نے انہیں یہ پیغام پہنچایا، اپنے سارے زیور اتار کر اسے دے دیے۔ نجاشی نے حضورؐ کی نیابت میں نکاح پڑھایا۔ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ حضرت اُمّ حبیبہؓ کے وکیل بنے۔ حبشہ میں موجود تمام مسلمان اس تقریب میں شریک ہوئے۔ نجاشی نے اس خوشی میں ایک بڑی ضیافت کا اہتمام کیا۔ فتحِ خیبر کے موقع پر حضرت جعفرؓ کے ساتھ آنے والے قافلے میں یہ بھی شامل تھیں۔ حضرت جعفرؓ اور خیبر آنے والے باقی مہاجرینِ حبشہ اُمِّ حبیبہ اور حبش کے کچھ نو مسلموں کو مدینہ میں چھوڑ کر خیبر آ گئے تھے۔ [1]

فدک کے یہودی

فدک خیبر سے کچھ فاصلے پر ایک سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔ بنی مُرّہ اور بنی سعد بن بکر کے وہ لوگ بھی یہاں آباد تھے جو اصلاً یہودی نہیں تھے مگر یہودیوں کی قربت کے اثر سے

[1] رحمةُ للعالمین.

Marfat.com

انہوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ فَدَک خاصے مالدار یہودیوں کی بستی تھی۔ یہ قدیم یونانی شہری ریاستوں کی طرز پر ایک خودمختار ریاست بن گئی تھی۔ ان کو مسلمانوں کے ہاتھوں خیبر کے مفتوح ہونے کی اطلاع ہوئی اور وہ شرائط بھی معلوم ہوئیں جن پر خیبر کے یہودیوں کو وہاں رہنے کی اجازت مل گئی تھی تو ان کا سردار یوشع بن نون ایک وفد لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے انہی شرائط پر مسلمانوں کے ماتحت رہنے کی درخواست کی۔ حضورؐ نے ان کی پیش کش قبول کر لی۔ بعض اہلِ سِیر نے لکھا ہے کہ اہلِ فَدَک کے معاہدے میں خیبر کی طرح بٹائی پر زمینیں یہودیوں کے حوالے کرنے کے برعکس یہ شرط طے ہوئی کہ فدک کی پوری شہری ریاست کو دو حصوں میں بانٹ کر ایک حصہ یہودِ فَدَک کے پاس رہنے دیا جائے گا اور دوسرا حصہ مسلمانوں کے اپنے قبضے میں رہے گا۔ [1] لیکن اس طرح کی تقسیم عدل اور حکمت کے پہلوؤں سے قابلِ فہم نظر نہیں آئی۔ اس لیے قیاس ہے کہ شرط کی نوعیت یہ نہیں ہوگی۔

چرواہے کے مقاماتِ بلند

شہادت گاہِ اُلفت میں قدم رکھنے اور راہِ حق میں جان کی بازی لگانے والوں کو اُخروی فضیلتیں اور عظمتیں دنیا میں ان کی حیثیت اور مرتبے پر نہیں ملتی ہیں۔ یہ نصیب کا معاملہ ہے، اسی کو ملتی ہیں جس کا نصیبہ جاگ اٹھے۔ اس راہ میں کبھی شاہ کوسوں پیچھے رہ جاتے ہیں اور گدا و بے نوا بہت آگے نکل جاتے ہیں۔ غزوۂ خیبر میں انہی اصحاب کو شرکت کا اذن ملا تھا جو سفرِ حدیبیہ اور بیعتِ رضوان میں شریک تھے۔ ابن اسحاق نے جنگِ خیبر میں شہید ہونے والوں کی تعداد بیس بتائی ہے اور واقدی نے پندرہ لکھی ہے۔ تعداد جو بھی ہو ان میں ایک چرواہا بھی شامل تھا جو مدینہ سے اس جنگ میں شرکت کے لیے نہیں آیا تھا۔ خیبر ہی میں کسی یہودی کا ایک حبشی ملازم تھا۔ ابن اثیر کی روایت کے مطابق اس کا نام اسلم اور لقب اسود تھا۔ نطاۃ اور ناعم کے نام کے قلعوں کے محاصرے کے دنوں میں اسلم معمول کے مطابق اپنے آقا کی

---

[1] سیرتِ رحمتِ دارین ﷺ۔

Marfat.com

بکریاں چرانے کے لیے گیا ہوا تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ خیبر پر مسلمانوں نے حملہ کر دیا ہے۔ بکریوں کو لیے ہوئے وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ پہلے اسلام کی حقیقت معلوم کی۔ حضورؐ نے اس کو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ کیا۔ فوراً مسلمان ہو گیا۔ پوچھنے لگا: 'اب میں ان بکریوں کا کیا کروں؟' رسول اللہ ﷺ کے قائم کردہ اخلاقی معیارات کے مطابق جنگ میں دشمن کو دھوکہ دے کر اس کی جنگی چالیں ناکام بنانا تو جائز ہے لیکن دھوکے سے دشمن کا مال مار لینا جائز نہیں۔ چنانچہ اسلم کی نگرانی میں یہودیوں کی بکریوں کا جو ریوڑ تھا، اسے مالِ غنیمت قرار دے کر قبضے میں نہیں لیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: 'ان بکریوں کو بستی کی طرف ہنکا دو، یہ خود اپنے مالک کے ہاں چلی جائیں گی۔'

چرواہے نے کنکریاں مار کر بکریوں کو بھگا دیا۔ خود جہاد میں شریک ہو گیا اور بہت جلد مرتبۂ شہادت پر فائز ہو کر جنتیوں کی صف میں جا کھڑا ہوا۔ حضورؐ کے سامنے اس کی لاش لائی گئی۔ حضور نے ایک نظر ڈال کر رخ پھیر لیا۔ وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: 'اس وقت جنتی بیویوں میں سے دو اس کے ساتھ کھڑی ہیں۔' یہ بات ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ اور بیہقی کی روایت میں آئی ہے۔ حاکم بھی مستدرک میں اسے لائے ہیں۔ ڈاکٹر رزق اللہ مہدی احمد نے السّیرۃ النّبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ میں یہ حوالے پیش کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ایک راوی پر اعتراض کے باوجود معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی کوئی نہ کوئی حقیقت ضرور ہے۔ الدّرر السّنیۃ کے محقق نے تاریخِ اسلام کے حوالے سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک صحیح روایت نقل کی ہے۔ اس میں کسی غزوہ اور کسی شخص کا اس میں نام نہیں ہے لیکن متن کا اطلاق ٹھیک اسی واقعہ پر ہوتا ہے۔ مولانا عبدالرّؤف دانا پوری نے 'اصحّ السّیر' میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے۔ طالب الہاشمی نے یہ واقعہ زاد المعاد، اُسد الغابہ اور ابن کثیر کی السّیرۃ النّبویۃ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

زہر خورانی کا واقعہ

جنگ کا ماحول ختم ہوا اور یہودِ خیبر کے ساتھ منقولہ و غیر منقولہ اموال کے معاملے میں

Marfat.com

جب معاہدہ ہو گیا تو سلام بن اشکم کی بیوی زینب بنت الحارث نے بکری کا گوشت پکا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ اس بد باطن عورت نے گوشت میں زہر ملا دیا تھا۔ حضورؐ نے گوشت کا ٹکڑا منہ میں لیا تو زہر کو محسوس کر کے فوراً تھوک دیا۔ بعض روایات کے مطابق گوشت نے بول کر اپنے اندر زہر کی خبر دے دی تھی۔ حضورؐ کے ساتھ حضرت بشرؓ بن براء بن المعرور نے گوشت کے ذائقے میں ناگواری محسوس کی مگر منہ سے نکال پھینکنے کے بجائے اسے نگل لیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس عورت اور اس کے خاندان والوں کو بلا کر تحقیق کی تو انہوں نے گوشت کو زہر آلود کرنے کا اعتراف کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اس آزمائش کے لیے کھانے میں زہر ملایا تھا کہ اگر آپؐ سچے نبی ہیں تو آپؐ کو معلوم ہو جائے گا۔

اِمام زہری کی روایت ہے کہ نبوّت کی یہ علامت دیکھ کر وہ عورت مسلمان ہو گئی اور اسے معاف کر دیا گیا تھا۔ لیکن جب زہر کے اثر سے بشر بن براء رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو حضورؐ نے اس عورت کو قصاص میں قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ منہ میں نوالہ رکھنے کی اثنا میں گوشت میں داخل جتنا زہر حضورؐ پر اثر کر چکا تھا وہی رسول اللہ ﷺ کے مرض الموت کا سبب بنا تھا۔ ❶

دعوتِ دِین کا لزوم اور طریقے

دعوتِ دِین مسلمانوں کا اصل فریضہ ہے۔ اس کے لیے وقت اور مقام کی کوئی قید نہیں ہے۔ جو موقع بھی ملے اس سے فائدہ اٹھانا مسلمان کا فرض ہے۔ ہم نے حدیبیہ کی سفارت کاری کے تذکرہ میں لکھا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سردارانِ قریش کے پاس مذاکرات کے لیے بھیجتے وقت حضورؐ نے ان کو ہدایت کی تھی کہ مصالحتی گفت وشنید کے دوران میں ان لوگوں کو دعوتِ حق ضرور دینا۔ یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قلعہِ قموص کے معرکہ میں روانہ کرتے وقت رسول اکرم ﷺ نے تلقین کی تھی کہ حملے سے پہلے دشمن کو اسلام لانے کی دعوت دینا۔ پھر فرمایا: 'اللہ کی قسم! تیرے ذریعہ سے ایک آدمی کو بھی اللہ ہدایت عطا فرما دے تو یہ تیرے

❶ اَصَحُّ السِیَر.

Marfat.com

لیے مالِ غنیمت میں ملنے والے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔' آپؐ نے بھی فرمایا تھا: 'اُس وقت تک لڑائی جاری رکھنا جب تک وہ لوگ یہ گواہی نہ دے دیں کہ تنہا اللہ ہی حقیقی معبود ہے اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ یہ گواہی دے دیں تو اُن کے جان و مال محفوظ ہو جائیں گے۔ باقی ان کا حساب کتاب اللہ کے ذمہ ہے۔' (1)

بادشاہوں، سرداروں اور گورنروں کے نام مکتوبات

محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت کا دائرہ مکہ اور مدینہ یا جزیرۃ العرب کے حدود تک محدود نہیں تھا۔ ہدایت کا پیغام جو حضورؐ لے کر آئے، وہ زمان و مکان کی قیود کا پابند نہیں تھا۔ آپ ﷺ اس امر پر مامور تھے کہ اس روشنی کو تمام اکنافِ عالم میں پھیلائیں اور حق سے پھری ہوئی انسانیت کو صراطِ مستقیم پر گامزن کریں۔ اپنے خالق و مالکِ حقیقی بھولی ہوئی مخلوق کو اس کی یاد دلائیں اور بندوں کا رب سے ٹوٹا ہوا رشتہ پھر سے استوار کریں۔ لوگوں کو طاغوتوں کی عبادت سے نکال کر معبودِ حقیقی کی بندگی کا درس دیں۔ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوا ہے:

﴿قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ (الاعراف:158)

'کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔'

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝٢٨﴾

'اور (اے نبیؐ) ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔'

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ ۝١٠٧﴾ (الانبیاء:107)

'اے نبیؐ، ہم نے تم کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔'

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝٩﴾ (الصف:9)

(1) صحیح مُسلم۔

Marfat.com

'وہ (اللہ) ہی تو ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔'

صلح حدیبیہ کے نتیجے میں اہلِ مکّہ سے دس سال تک امن کا معاہدہ ہو گیا تھا۔ خیبر میں یہودی فتنے کا سر بھی کچلا جا چکا تھا۔ داعی اعظم ﷺ کو جوں ہی جنگوں سے کچھ فراغت ملی تو اصل کام ۔کارِ دعوت ۔کی طرف متوجہ ہو گئے ۔دعوت کے آفاق کو وسعت دی اور پیغامِ حق کو جزیرۃ العرب کی حدود سے باہر تک پہنچانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس وقت کی معلوم دنیا میں لوگ ملوکیت کے جبر و ستم میں پس رہے تھے۔ شمال اور مشرق میں قیصر اور کسریٰ دو سب سے بڑی سلطنتیں تھیں جن کا دائرۂ اثر و اقتدار یونان اور اٹلی تک پھیلا ہوا تھا۔ اردگرد کی اکثر بادشاہتیں، سرداریاں اور گورنریاں انہی دو بڑی طاقتوں کے تابع تھیں۔ اس سے قبل حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے طرزِ عمل سے یہ ثابت ہو چکا تھا کہ اگر ایک مطلق العنان بادشاہ کا سینہ ہدایت کے لیے کھل جائے تو اس کی رعایا میں دعوتِ حق کو پھیلانے کے لیے راستہ ہموار ہو جاتا ہے۔ حبشہ میں اہلِ مکّہ کے ہاتھوں بُری طرح ستائے ہوئے مسلمانوں کو صرف پناہ ہی نہیں ملی تھی بلکہ وہاں اسلام کا پیغام پھیلانے کی بھی ان کو آزادی حاصل تھی۔ ہم غزوۂ خیبر کے ذکر میں دیکھ چکے ہیں کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر مہاجرین حبشہ جب واپس آئے تو ان کے ساتھ ایسے افراد کا ایک گروہ بھی آیا تھا جو حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کی دعوت سے مسلمان ہوئے تھے۔ ایک بادشاہ اور حکمران کے راہِ راست پر آ جانے سے اس کی رعایا میں دینِ حق کو پھیلانے کے ہزار راستے نکل آتے ہیں۔

ایک زیرک داعی وقت اور حالات کی سنگین چٹانوں کے اندر حکمت تدبّر سے سرنگ لگا کر دعوت کے کئی چشمے نکال لیتا ہے۔ خط ہر دور میں کسی کو اپنے موقف، نظریہ وفکر اور عقیدے کا قائل بنانے کا سب سے مؤثر ذریعہ تصور ہوتا رہا ہے۔ خط پڑھتے وقت فوری ردّ و تنا کر، مناقشہ اور بحث و حجت کا ماحول نہیں ہوتا۔ مکتوب الیہ کو بات پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے

Marfat.com

موقع ملتا ہے۔ انبیاء اور رُسل کی تاریخ میں اس سے پہلے صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کی مثال ملتی ہے جنہوں نے ملکۂ سبا کو اسلام کی دعوت کے لیے خط و کتابت کا ذریعہ اختیار کیا تھا۔ رسول پاک ﷺ نے جزیرۃ العرب کے اطراف میں بادشاہوں، قبائلی سرداروں اور گورنروں تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے اسی ذریعہ کو اختیار کیا۔ ان کے علاقوں کی زبانیں جاننے والے صحابہؓ کو یہ مکتوبات دے کر بطورِ سفیران کے پاس روانہ کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے مختلف مذہبوں اور قوموں کی سرکردہ ترین اور نمائندہ شخصیات کو جو خط لکھے ان پر غور کریں تو کمال کی حکمتِ دعوت و تبلیغ نظر آتی ہے۔ جن بادشاہوں کو جو خط بھیجے گئے ان میں ان کے مقام و مرتبہ کا پورا لحاظ رکھا گیا۔ اسلوبِ تحریر اور طرزِ خطاب ایسا اختیار کیا گیا جس سے مکتوب الیہ میں اشتعال یا غصہ کے بجائے غور و تدبّر کا داعیہ ابھرے۔ عیسائی بادشاہوں کو لکھے گئے خطوط میں سورہ آل عمران کی 64 ویں آیت کے ذریعے اسلام اور عیسائیت میں مشترک بنیادوں کا طرف توجہ دلائی گئی۔

﴿قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾﴾

'اے نبیؐ، کہو 'اے اہلِ کتاب، آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رَب نہ بنائے۔ اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مُسلم ہیں۔'

ہر خط میں مکتوب الیہ پر واضح کیا گیا کہ یہ خط کسی عام آدمی کا نہیں بلکہ اللہ کے رسول محمدؐ کی طرف سے ہے۔ مکتوب الیہ کو یہ احساس دلایا گیا کہ اگر اسلام قبول کر لو گے تو ہمارے درمیان امن و سلامتی کا ماحول پیدا ہو گا۔ یہ بھی بتا دیا گیا کہ تمہارے اسلام نہ لانے کے نتیجے

Marfat.com

میں تمہاری رعایا کا وبال بھی تمہارے سر پر ہوگا۔خط پر سرکاری مُہر ثبت کرنے کے لیے ایک انگوٹھی تیار کرائی گئی جس پر اوپر سے نیچے کی طرف تین لفظ۔محمد رسول اللہ۔کندہ کرایا گیا تھا۔ درج ذیل آٹھ ملکوں کے بادشاہوں کو خطوط بھیجے گئے۔(1) شاہِ حبش نجاشی (2) مقوقس شاہِ مصر(3) کسریٰ شاہِ فارس (4) قیصر شاہِ روم (5) منذر بن ساوی حاکم بحرین (6) یمامہ کا حاکم ہوذہ بن علی (7) حارث بن ابی شمر صاحبِ دمشق (8) شاہِ عمان

ان میں سے اکثر کے درباروں میں نبی اکرم ﷺ کے سفیروں کے ساتھ مثبت اور حوصلہ افزا مکالمے ہوئے۔بعض کے ہاں سے تلخ جواب ملے۔کچھ نے غور و غوص کا وعدہ کیا۔ہرقل رومی سلطنت کی مشرقی شاخ کا طاقتور حکمران تھا۔حضرت دِحیہ بن خلیفہ الکلبی رضی اللہ عنہ نے اسے خط پہنچایا تو اس نے نامہ بر کے اعزاز و اِکرام میں دربار سجانے کا حکم دیا۔ پھر سفیرِ رسول ؐ سے بہت سے سوالات پوچھے۔اس نے حکم دیا کہ عرب سے کوئی تجارتی قافلہ شام آیا ہوا ہو تو مزید تصدیق و تحقیق کے لیے اسے دربار میں پیش کیا جائے۔ اتفاق سے ابوسفیان کی قیادت میں ایک تجارتی قافلہ شام گیا ہوا تھا۔ان کو دربارِ شاہی میں طلب کیا گیا۔ بادشاہ نے ان سے کئی اہم سوال پوچھے۔سب باتیں سن کر اس نے کہا کہ اس خط کے کاتب کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا ہے نبیِ موعود کی یہی نشانیاں ہماری مقدس کتابوں میں لکھی ملتی ہیں۔

مصر کے بادشاہ مقوقس کے پاس رسول اکرم ﷺ کا خط حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔اس نے جواب میں خط لکھوایا: 'بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد بن عبداللہ کی طرف عظیم قبطی بادشاہ مقوقس کی طرف سے۔آپ پر سلامتی ہو۔اَمّا بَعد، میں نے آپ کا نامۂ گرامی پڑھا ہے۔آپ نے جو کچھ لکھا اور جس چیز کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں وہ سب میری سمجھ میں آ گیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ ایک نبی کی بعثت ہونی ہے لیکن میرا گمان ہے کہ وہ شام میں ظاہر ہوگا۔باقی میں نے آپ کے نمائندے کو اِکرام و اعزاز بخشا ہے۔اس کے ذریعے آپ کو دو ایسی لونڈیاں بھیج رہا ہوں جو دربارِ قبط میں بڑا مقام رکھتی ہیں۔آپ کی سواری کے لیے ایک خچر بھی بھیج رہا ہوں۔والسلام علیک'۔مقوقس کی بھیجی ہوئی ان دو لونڈیوں

Marfat.com

میں ایک ماریہ قبطیہ تھیں۔آپ ﷺ نے ماریہؓ کو اپنے حرم میں رکھ لیا تھا اور دوسری لونڈی سیرین حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو دے دی تھی۔حضورؐ کے صاحبزادے ابراہیم حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ ❶ 'رحمۃ للعالمین' میں مقوقس کی حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ سے زبانی گفتگو یا خط کے متن کے چند اور جملے بھی نقل کیے گئے ہیں۔'میں نے اس نبی کے بارے میں غور کیا ہے لیکن ابھی مجھے کوئی رغبت محسوس نہیں ہو رہی ہے۔خط میں جو باتیں لکھی گئی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تکلیف پہنچانے والے کوئی جادوگر نہیں ہیں۔ جھوٹی خبریں لانے والے کاہن جیسی کوئی بات بھی ان میں نہیں ہے۔ان میں نبوت کی علامات پائی جاتی ہیں، پھر بھی مجھے مزید غور کرنا ہے۔'

ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کے پاس رسول اللہ ﷺ کا نامۂ مبارک لے کر حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی رضی اللہ عنہ گئے تھے۔اس بد بخت نے انتہائی رعونت اور تکبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ حضورؐ کا نامۂ مبارک چاک کر دیا بلکہ بڑے گستاخانہ انداز میں یمن میں اپنے وائسرائے باذان کو حکم بھیجا کہ اس شخص (نبی اکرم ﷺ) کو گرفتار کر کے میرے پاس روانہ کرو۔ ❷

ہجرت کے ساتویں سال کے بعض غزوات

مولانا عبدالرّؤف دانا پوری کے بقول ان غزوات کی ترتیب اور تاریخ میں کافی اختلاف ہے لیکن یہ امر طے ہے کہ یہ سب غزوۂ خیبر اور عمرۃُ القضا کے درمیانی عرصہ کے واقعات ہیں۔

سریہ غالبؓ بن عبداللہ اللّیثی

الرّحیقُ المختوم میں بہت مختصر انداز میں اس نام کے دو سریے مذکور ہیں۔ پہلی مہم ماہِ صفر یا ربیع الاول میں قدید کے علاقے میں بنو الملوح کے خلاف بھیجی گئی تھی۔ان لوگوں نے حضرت بشیر بن سوید رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کو قتل کیا تھا۔ ان کا بدلہ لینے کے لیے یہ مہم بھیجی گئی

❶ الرّحیقُ المختوم. ❷ رحمةُ للعالمین.

Marfat.com

تھی۔ رات کے وقت حملہ کیا گیا جس میں ان کے کچھ لوگ مار دیے گئے۔ اس کے بعد وہ لوگ ایک بڑا لشکر لے کر آ گئے تھے۔ لیکن اس دوران میں سخت بارش ہو گئی۔ سیلابی پانی دونوں لشکروں کے درمیان حائل ہو گیا۔ دوسری مہم اسی سال رمضان کے مہینے میں میفعہ میں حضرت غالبؓ بن عبداللہ اللیثی کی قیادت میں بنی عوال اور بنی عبد ثعلبہ کے خلاف روانہ کی گئی تھی۔ ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد کا خیال ہے کہ یہ دوسری جنگی کارروائی وہی ہے جس کو بخاری و مسلم اور ابن اسحاق کی روایت میں 'حدیث اسامہ بن زید' کا نام دیا گیا ہے۔ اس حدیث میں حضرت اسامہ بن زیدؓ خود بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جہینہ کے ایک قبیلے حرقہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا تھا۔ ہم نے صبح سویرے ان پر یلغار کی اور اس قبیلے کا جو آدمی بھی سامنے آیا اسے قتل کیا۔ ایک شخص کو جب گھیرے میں لیا تو اس نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ مسلمان ہے فوراً 'لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه' کہا۔ اس پر انصاری صحابی نے اپنی تلوار روک لی مگر میں نے نیزہ مار کر اس شخص کو ہلاک کر دیا۔ ابن اسحاق نے اس شخص کا نام مِرداس بن نہیک اور واقدی نے نہیک بن مِرداس لکھا ہے۔ ابن سعد نے مزید تفصیل بتائی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ اسامہؓ نے اس شخص کے کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کر دیا تو حضور سخت مضطرب ہوئے۔ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا کہ اس نے تو محض اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: 'کیوں نہ تم نے اس کا سینہ چیر کر دیکھ لیا کہ وہ ایمان میں سچا ہے یا جھوٹا۔' حضرت اسامہؓ نے اس موقعہ پر عہد کیا تھا کہ آئندہ میں کسی ایسے شخص کے ساتھ نہیں لڑوں گا جو زبان سے 'لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه' کا اقرار کرتا ہو۔ اس واقعہ سے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ کسی کلمہ گو شخص کو جو زبان سے اپنے مسلمان ہونے کی گواہی دے رہا ہو، قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

سریہ عمرؓ بن خطاب

واقدی اور ابن سعد دونوں کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ماتحت تیس مجاہد دے کر یہ جنگی دستہ ماہِ شعبان میں بنو نصر بن معاویہ بن بکر بن ہوازن اور بنو جُشم بن بکر بن

Marfat.com

ہوازن کے خلاف بھیجا گیا تھا۔ مسلمانوں کے آنے کی خبر ہو جانے پر وہ لوگ فرار ہو گئے۔ یوں کسی مقابلے کی نوبت نہیں آئی۔ مسلمان بغیر لڑائی کے واپس آ گئے۔

سریہ ابو بکر صدیقؓ

شعبان ہی کے مہینے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نجد کے علاقے میں بنو فزارہ کے خلاف کارروائی کے لیے بھیجا گیا۔ ان لوگوں سے مقابلے میں ان کے کئی افراد مارے گئے۔ ان کی عورتیں اور بچے قیدی بنا لیے گئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی بہادری پر ان کو قیدی عورتوں میں سے ایک خوبصورت لونڈی بطورِ انعام دی۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سلمہؓ بن اکوع سے وہ لونڈی مانگ لی۔ وہ مشرکین مکہ کو دے کر اس کے بدلے میں چند مسلمان قیدی رہا کرا لیے گئے۔

سریہ بشیرؓ بن سعد

حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو تیس آدمی دے کر فدک میں بنو مرّہ کی طرف بھیجا گیا۔ یہ بھی شعبان ہی کا واقعہ ہے۔ ان شریروں کی غیر موجودگی میں مسلمان ان کے مویشی ہانک کر لے آئے۔ ابھی وہ راستہ ہی میں تھے کہ وہ لوگ تعاقب میں نکل آئے۔ ان لوگوں نے مسلمان دستے کو گھیر کر سخت جانی نقصان پہنچایا۔ بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ بہادری سے لڑتے ہوئے سخت زخمی ہو کر گر گئے۔ ان لوگوں نے سمجھا کہ یہ مر گئے ہیں۔ وہ اپنے مویشی بھگا کر لے گئے۔ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ ہوش میں آئے تو زخم مندمل ہونے تک فدک میں ایک یہودی کے ہاں ٹھہرے رہے۔ زخم ٹھیک ہونے کے بعد مدینہ واپس آئے۔

سریہ عبداللہؓ بن رواحہ

شوال کے مہینے میں تیس سواروں پر مشتمل یہ مہم حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں خیبر کے علاقے میں بھیجی گئی تھی۔ وہاں ایک یہودی بشیر بن رزام یا دارم بنو غطفان کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے بھڑکا رہا تھا۔ مسلمان دستہ بشیر بن رزام کو یہ لالچ دے کر خیبر سے باہر لے آیا کہ رسول اللہ ﷺ اسے خیبر پر حکمران بنائیں گے۔ یہ

Marfat.com

گھوڑوں پر انہیں اس طرح باہر لائے کہ ہر گھوڑے کے سوار کے پیچھے ان میں سے ایک یہودی بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ دور لا کر ہر سوار نے اپنے اپنے ردیف کو قتل کر دیا۔ مسلمان سلامت رہے۔ صرف عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو کچھ چوٹیں آئیں۔

بشیرؓ بن سعد کے زیر کمان دوسرا سریہ

حُسیل بن نویرہ نے نبی اکرم ﷺ کو اطلاع دی کہ غطفان اور حیان کے لوگ 'جناب' کے علاقے میں جمع ہیں۔ انہوں نے عیینیہ بن حصن کے ساتھ ساز باز کر رکھی ہے۔ یہ سب مل کر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر راور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مشورہ سے حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو جھنڈا بنا کر تھمایا اور تین سو مجاہدین کا دستہ ان کی کمان میں دے کر انہیں اس مہم پر روانہ کیا۔ مسلمان 'جناب' کی طرف جاتے ہوئے 'سلاح' کے مقام پر خیمہ زن ہوئے۔ اس علاقے کے چرواہوں نے جا کر اپنی قوم کو مسلمان حملہ آوروں کی موجودگی کی اطلاع دی۔ یہ خبر سن کر وہ لوگ منتشر ہو گئے۔ مسلمان وہاں پہنچے تو وہاں لڑنے والا کوئی نہ تھا۔ یہ ان کے مال مویشی ہانک کر لے آئے۔ راستے میں عیینیہ کا ایک جاسوس ان کی گرفت میں آ گیا جسے انہوں نے قتل کر دیا۔ ابن ہشام کی حسن سند کے ساتھ روایت ہے کہ اس کے بعد عیینیہ نے اپنے حلیف حارث بن عوف مری اور فروہ بن ہبیرہ قشیری سے مشورہ کیا۔ انہوں نے اس سے کہا کہ کیا تو دیکھتا نہیں کہ محمدؐ سارے بلاد عرب پر غالب آتے جا رہے ہیں۔ تو کیوں بے مقصد دشمنی میں پڑا ہوا ہے۔ اس مشورے پر وہ مسلمان ہو گیا۔

سریہ ابی حدر الاسلمیؓ

ابن قیم نے ہجرت کے ساتویں برس عمرۃ القضاء سے قبل کے سرایا میں اس سریہ کا ذکر کیا ہے۔ سیرت ابن ہشام میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔ ہوا یہ کہ قیس بن رفاعہ یا رفاعہ بن قیس بنی جشم بن معاویہ کا ایک بااثر شخص تھا۔ اس کے پاس کچھ لوگ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی تجویز لے کر آئے۔ رسول اکرم ﷺ کو بروقت اس کی اطلاع ہو گئی۔ حضورؐ نے خبر کی تصدیق کے لیے ابو حدر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ دو آدمی بھیجے۔ یہ تینوں غروبِ آفتاب کے وقت اس

Marfat.com

علاقہ میں پہنچے۔ابو حدر رضی اللہ نے اپنے دونوں ساتھیوں کو ایک طرف چھپ جانے کی ہدایت کی اور خود دوسری طرف ایک پوشیدہ مقام پر بیٹھ گئے۔انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اگر میری طرف سے نعرہ تکبیر کی آواز سنو تو تم بھی نعرۂ تکبیر بلند کر کے نکل آنا۔اتفاق ایسا ہوا کہ قیس کے چرواہے کو ریوڑ لے کر واپس آنے میں کسی وجہ سے دیر ہوگئی۔وہ اس کی وجہ معلوم کرنے کے لیے تنہا نکلا۔وہ حضرت ابو حدرؓ کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ انہوں نے اس کے سینے کا نشانہ لے کر تیر پھینکا۔وہ وہیں گر گیا۔حضرت ابو حدرؓ نے آگے بڑھ کر تلوار سے اس کی گردن کاٹی اور نعرہ تکبیر بلند کیا۔اس پر دوسری سمت سے ان کے ساتھی بھی یہی نعرہ لگاتے ہوئے باہر نکل آئے۔قیس کی قوم نے سمجھا کہ کوئی بڑی فوج حملہ آور ہوگئی ہے۔وہ لوگ فرار ہو گئے۔یہ ان کے مویشی ہانک کر لے آئے۔ان میں سے تیرہ اونٹ حضرت ابو حدر الاسلمی کو ملے۔ان کی شادی ہونے والی تھی۔مہر میں دینے کے لیے ان کے پاس کچھ نہیں تھا۔اس سریہ میں ملنے والے مالِ غنیمت سے ان کی یہ مشکل دور ہوگئی۔

عمرۃ القضاء ذی القعدہ، 7ہجری

عمرۃ القضاء ہجرت کے ساتویں برس کے واقعات کی آخری بڑی کڑی اور اسلامی تحریک کی اس وقت تک کی تاریخ کا سب سے اہم واقعہ تھا۔حرمِ کعبہ سے بچھڑے اور مکہ کے گلی کوچوں سے نکلے تقریباً 7 سال بیت گئے تھے۔اُس خوش خبری کے پورا ہونے کی مبارک ساعتیں آ گئی تھیں جو سورہ فتح میں انہیں اس وقت دی گئی تھی جب ایک سال قبل وہ عمرہ کی سعادت حاصل کیے بغیر کعبہ کے قریب سے ایک احساسِ شکست کے ساتھ سخت دل گرفتہ حالت میں لوٹ رہے تھے۔اس وقت ان کو بتایا گیا تھا لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيۡنَ مُحَلِّقِيۡنَ رُءُوۡسَكُمۡ وَ مُقَصِّرِيۡنَ لَا تَخَافُوۡنَ ؕ

'ان شاء اللہ، تم ضرور مسجدِ حرام میں پورے امن کے ساتھ داخل ہو گے، (عمرہ کے بعد) اپنے سر منڈواؤ گے اور بال ترشواؤ گے، اور تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔'

Marfat.com

صلح حدیبیہ کی شرائط کے مطابق ذی القعدہ کے مہینے میں رسول اللہ ﷺ عمرہ کی غرض سے روانہ ہوئے۔ مشرکین مکّہ اس معاہدہ کے مطابق پابند تھے کہ تین دن کے لیے مسلمانوں کے لیے شہر خالی کر دیں تا کہ وہ بلا روک ٹوک عمرہ کے مناسک ادا کر سکیں۔ اکرم ضیاء العمری نے موسیٰ بن عقبہ کے حوالے سے اور ڈاکٹر رزق اللہ مہدی احمد نے بیہقی اور ابن سعد کے حوالے سے لکھا ہے کہ مسلمان کسی ممکنہ تصادم کے پیشِ نظر سارے جنگی ہتھیار ساتھ لائے تھے لیکن صلح کی شرائط کی پابندی کرتے ہوئے انہیں مکّہ سے آٹھ میل کے باہر یأجج کے مقام پر رکھ کر صرف تلواریں میانوں میں رکھ کر شہر کے اندر آئے تھے۔ 'اَصَحُّ السِّیَر' میں شاہ عبد الحق محدّث دہلوی کے حوالہ سے ہے کہ ذی الحلیفہ پہنچ کر گھوڑے آپؐ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیے اور حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو اسلحہ کی نگرانی سونپی۔ وہیں سے احرام باندھا اور تلبیہ کہا۔ گزشتہ سال عمرہ کے لیے آنے والوں کی تعداد چودہ سو تھی۔ اب ان چودہ سو کے علاوہ چھ سو اور مسلمان بھی اس مبارک سفر پر نکل آئے تھے۔ یوں ان کی کل تعداد دو ہزار تھی۔ رسول اکرم ﷺ شہر میں داخل ہو رہے تھے اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ساتھ رجز پڑھتے جاتے تھے:

'اے اولادِ کفار! ہمارے لیے راستہ چھوڑ دو، ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ (ورنہ) ہم تم سے جنگ کریں گے اور ایسی کاری ضربیں لگائیں گے کہ تمہارے سر کندھوں سے جدا ہو جائیں گے اور اس حالت میں دوست کو دوست کی خبر نہیں رہے گی۔' ❶

مسلمانوں نے امن اور وقار کے ساتھ عمرہ کیا۔ مکّہ میں یہ خبر عام تھی کہ مسلمان مدینہ کے موسمی بخار کی وجہ سے بیمار اور نحیف و نزار ہیں۔ اس تاثر کو رفع کرنے کے لیے حضور ﷺ نے انہیں خاص ہدایت کر رکھی تھی کہ طواف کے دوران میں وہ اس انداز سے حرکت کریں کہ ان کے جسموں کی پوری توانائی ظاہر ہو۔ اسی لیے وہ طواف کے تین چکر ہلکے سے انداز میں

❶ ترمذی، فتح الباری.

Marfat.com

دوڑتے ہوئے پورے کر رہے تھے۔قریشِ مکہ حسبِ معاہدہ شہر سے نکل کر قیعقان پہاڑ پر چڑھ کر مسلمانوں کے طواف کا منظر دیکھ رہے تھے۔ ❶ رسول اللہ ﷺ نے طواف میں اضطباع یعنی احرام کی چادر کو دائیں بغل سے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالا۔جن صحابہؓ نے عمرہ کر لیا تھا ان میں سے کچھ کو یاجج بھیج دیا گیا تاکہ وہ اسلحہ کی حفاظت کریں اور جو پہلے اس حفاظت پر مامور تھے وہ فارغ ہو کر آئیں اور عمرہ ادا کریں۔حضور ﷺ خود ظہر تک کعبہ میں رہے۔طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق اسی موقع پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی۔لیکن روایات یہ بھی بتاتی ہیں کہ یہ فتح مکہ کے موقع کی بات ہے۔

مسلمانوں نے تین دن تک اطمینان سے عبادتِ عمرہ اور دیدارِ حرم سے اپنی روحانی پیاس بجھائی۔اس کے بعد مشرکین کے نمائندے حضرت علیؓ سے ملے اور اپنا پیغام پہنچایا کہ معاہدہ کی میعاد کے تین دن گزر گئے ہیں اس لیے اب مسلمان شہر خالی کر دیں۔افراد کی سطح کا عہد و پیمان ہو یا بین الاقوامی معاہدے ہوں، اسلام کے اخلاقی اصولوں میں ان کی پاسداری بڑا اہم اصول ہے۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ کو لے کر روانہ ہو گئے۔ ❷

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

عمرہ کے اس سفر میں رسول اللہ ﷺ کی شادی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔میمونہؓ آپؐ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی اُمّ الفضل کی بہن تھیں۔اس سے پہلے وہ ابو رِہم بن عبدالعزیٰ یا اس کے بھائی حویطب یا سخرہ بن رِہم کے نکاح میں رہی تھیں۔حضورؐ نے حالتِ احرام میں یہ نکاح کیا یا احرام سے فارغ ہونے کے بعد؟ اس میں بہت اختلاف ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء میں بھی اس مسئلے میں خاصے اختلافات ہیں۔مولانا ابو البرکات عبدالرؤف دانا پوری کی کتاب 'اصح السیر' کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں سیرت کے واقعات کے ساتھ ان سے مستنبط فقہی مسائل پر بھی سیر حاصل بحث پائی جاتی ہے۔انہوں نے احرام کی حالت

❶ بخاری. ❷ بخاری.

Marfat.com

میں نکاح کے جواز اور رد میں فقہاء کی تمام موافق و مخالف آراء کا ذکر کیا ہے۔

خالہ مثل ماں

اسی سفر میں ایک اور مسئلہ بھی پیدا ہوا جس کا تعلق یتیم بچے یا بچی کی پرورش اور پرداخت کی ذمہ داری سے ہے۔ آج کل کے مادّہ پرستانہ ماحول میں تو کسی یتیم کی پرورش و نگہداشت سے قریبی عزیز عموماً جان چھڑاتے ہیں لیکن وہ مثالی معاشرہ جو اسلام کے سائے میں تشکیل پایا اس میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی چھوٹی بچی کے بارے میں تین اقارب کے درمیان جھگڑا اس بات پر پیدا ہوا کہ ہر ایک آگے بڑھ کر اس بچی کی کفالت کی ذمہ داری اپنا حق قرار دے رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا جو فیصلہ کیا وہ مسلم معاشرے کے اندر ہر دور میں پیدا ہونے والے اس نوعیت کے مسائل میں رہنما اصول ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی چھوٹی صاحبزادی عمارہ 'چچا چچا' پکارتی ہوئی پیچھے آئی۔ حضرت علیؓ نے اسے اٹھا لیا اور حضرت فاطمہؓ کے حوالے کر دیا۔ وہ بچی حضرت علیؓ کے چچا کی بیٹی تھی۔ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا بھی اس بچی سے وہی رشتہ تھا۔ یعنی حضرت حمزہؓ حضرت جعفرؓ کے بھی چچا تھے جیسے حضرت علیؓ کے تھے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ اس بنیاد پر اس بچی کی کفالت کے دعویدار تھے کہ حمزہؓ ان کے رضاعی بھائی تھے۔ لیکن چونکہ حضرت جعفرؓ اور حضرت حمزہؓ کی بیویاں آپس میں بہنیں تھیں اس لیے حضورؐ نے فرمایا: **الخالہ کالام** یعنی خالہ ماں ہی کی طرح ہوتی ہے۔ یوں اس بچی کی پرورش اور کفالت حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے ذمہ لے لی۔ فقہاء میں امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ رسول اللہ ﷺ کے اس فیصلے کی روشنی میں خالہ کے پھوپھی پر مقدم ہونے کے قائل ہیں۔ امام احمدؒ کی دوسری رائے اس کے برعکس ہے جس میں وہ پھوپھی کی خالہ پر فوقیت تسلیم کرتے ہیں۔ ابن قیمؒ نے اسی دوسری رائے کو اختیار کیا۔ [1]

---

[1] السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ.

Marfat.com

غزوۂ موتہ

جمادی الثانی، 8 ہجری

اس غزوہ سے قبل تک حق و باطل کی کشمکش کا میدان حجاز، نجد اور شمال خیبر و تیماء وفدک کے جزیرۃ العرب کے اندر کے علاقے تھے۔ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں عرب سرحدوں کے باہر یہ خبریں تو پہنچ چکی تھیں کہ عقیدہ و ایمان اور اخلاقیات کی اپنے دور سے ہٹ کر بالکل نئی بنیادوں پر ایک نیا تہذیبی وتمدنی، ریاستی و سیاسی اور معاشرتی نظام برپا ہو رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ملوک وسلاطین اور امراء و عاملین کے نام خطوط سے اس دور کی بڑی سلطنتیں متعارف ہو چکی تھیں لیکن اس سے پہلے باہر کی قوتوں سے تصادم کی کوئی وجہ پیدا نہیں ہوئی تھی۔ صلح حدیبیہ اور پھر عمرۃ القضاء نے عرب کے سنجیدہ اور ہوش مند لوگوں پر یہ واضح کر دیا تھا کہ کفر وشرک اور ضلالت کا مستقبل تاریک ہو چکا ہے۔ اب زمانے کی لگام اسلام نے اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اور اس کے ہر لمحے کو اپنی تعلیمات کے مطابق موڑ رہا ہے۔

قریش میں اور بھی کئی لوگوں کے اندر یہ احساس پیدا ہو چکا تھا لیکن قریش کے دو نامور جرنیل - خالد بن ولید اور عمرو بن العاص - جو صرف فنِّ حرب ہی کے ماہر نہیں تھے بلکہ سیاسی فکر وتدبّر کے لحاظ سے بھی ان کی اہمیت تھی، حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔ فضائل میں سابقون الاوّلون، مہاجرین، اصحابِ بدر اور اصحابِ شجرہ (جو حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے بیعتِ رضوان میں شریک تھے) کی درجہ بندیاں اللہ تعالیٰ نے خود کی تھیں۔ لیکن اگر کسی خاص میدان اور شعبے کی فطری صلاحیتیں (talent) رکھنے والے افراد دائرۂ اسلام میں آتے تھے تو ایک مردم شناس اور زیرک قائد کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ بڑے اعتماد کے ساتھ

Marfat.com

ان کو ان کے جوہرِ خاص کے مطابق ذمہ داریاں سونپ دیتے تھے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے:

تَجِدُوْنَ النَّاسَ مَعَادِنَ، خِيَارُكُم فِي الْجَاهِلِيَّةِ ، خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ

'انسانوں کو تم معدنی کان کی مانند پاؤ گے، جو جاہلیت کے ماحول میں اچھے تھے اور اسلام میں آکر بھی اچھے ہی ثابت ہوں گے۔' یعنی کان کے اندر جو دھات خالص اور کھری ہوتی ہے وہ ہر جگہ کھری ہی رہتی ہے۔ حضرت خالد بن ولید اور عمر بن العاص رضی اللہ عنہما ابھی دین کی ساری تعلیمات اور اسلام کے تمام اخلاقی اصولوں سے آگاہ نہیں ہوئے تھے اور تربیت کی بھٹی میں ان کو زیادہ وقت نہیں گزرا تھا لیکن شرک کی حالت میں ان کی عسکری فعالیت و حرکیت ثابت ہو چکی تھی اس لیے مسلمان ہونے کے بعد ان کی صلاحیتوں کو عسکری میدان میں آزمانے میں دیر نہیں کی گئی۔

غزوۂ موتہ کا سبب

اسلامی اصطلاحات میں جس جنگی کارروائی میں رسول اللہ ﷺ خود شامل نہیں ہوتے تھے اسے سریہ کہا جاتا تھا۔ اس غزوہ میں حضورؐ خود شریک نہیں ہوئے تھے اس کے باوجود اس کی غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے اسے غزوہ ہی لکھا اور بولا جاتا ہے۔ موتہ کرک سے گیارہ کلومیٹر کے فاصلے پر مشرقی اردن میں آج ایک آباد اور پُررونق شہر ہے۔ اس کے قریب 'مزار' کے نام سے ایک بستی ہے جہاں شہدائے موتہ کی قبریں ہیں۔ [1] مولانا عبدالرؤف دانا پوری نے بلاحوالہ اور ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری اور ڈاکٹر محمد لقمان سلفی نے واقدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے صحابی حضرت حارث بن عمیر الازدی رضی اللہ عنہ کو اپنا نامۂ مبارک دے کر بصریٰ کے بادشاہ کے پاس بھیجا تھا۔ راستے میں حضرت حارثؓ کو قیصر کے بلقاء میں متعین گورنر شرحبیل بن عمرو الغسانی نے شہید کر دیا۔ رسول پاک ﷺ کو اپنے صحابی کے قتل کا سخت رنج ہوا۔

سفیروں کا قتل آج تک کسی دَور میں بھی کبھی جائز نہیں رہا ہے۔ ایسا قتل دراصل قاتل

---

[1] الصّادِق الامین.

Marfat.com

قوم کی طرف سے اعلانِ جنگ کے مترادف ہوتا ہے۔اگر مسیح عرب قبیلہ کی اس سرکشی کا دندان شکن جواب نہ دیا جاتا تو بعید نہیں تھا کہ جن قبیلوں کو دبا دیا گیا تھا،وہ اس واقعہ سے حوصلہ پکڑ کر دوبارہ سر اٹھا لیتے۔حضورؐ نے صحابہ کرامؓ کو جمع ہونے کا حکم دیا۔حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تین ہزار مجاہدین پر مشتمل ایک فوج ترتیب دے کر اُسے موتہ کی طرف روانہ کیا۔سخت مقابلے کے امکان کے پیشِ نظر رسول پاک ﷺ نے ہدایت فرمادی تھی کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب فوج کی کمان سنبھال لیں۔اگر وہ بھی جامِ شہادت پی لیں تو عبداللہؓ بن رواحہ فوج کی قیادت کریں۔ [1] اس ہدایت سے یہ اصول مستنبط ہوا کہ فوجی یا سیاسی قیادت کی فوری موت یا غیر حاضری کا احتمال ہو تو پے در پے ذمہ داریاں ہاتھ میں لے لینے کے لیے بیک وقت ایک سے زیادہ سربراہ مقرر کیے جا سکتے ہیں۔فوج یا ریاست کو کسی صورت میں زیادہ دیر تک بغیر قیادت کے نہیں چھوڑا جا سکتا۔یہ احتیاطیں اس لیے ملحوظ رکھی گئیں کہ حضورؐ کے سامنے یہ حقیقت تھی کہ اپنے وقت کی دو سپر پاورز میں سے ایک بازنطینی قوت کے ساتھ مسلمان پہلی بار ٹکّر لینے جا رہے تھے۔

دعوت کی اہمیت و اوّلیت

اس سے قبل مختلف مقامات پر دعوت کی اہمیت اور اوّلیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔میدانِ جنگ کے اندر بھی اسلام کی پہلی ترجیح یہی ہوتی ہے کہ دلوں کو ایمان سے منور کرنے،گردنوں کو ربّ العالمین کے آگے جھکنے اور اسلام کو بطورِ نظامِ زندگی اختیار کرنے پر آمادگی پیدا کی جائے۔یہ کام تلوار سے نہیں بلکہ دعوت کے ہتھیار سے ہونے والا ہے۔اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے حسبِ معمول مسلم لشکر اور اس کے سالاروں کو الوداع کہتے ہوئے نصیحت فرمائی کہ حارثؓ کے قتل کی جگہ جا کر سب سے پہلے وہاں مشرکین کو اسلام کی دعوت دیں۔اگر وہ یہ دعوت قبول کر کے اسلام کے دائرے میں آ جائیں تو پھر ان پر حملہ نہ کریں۔انہیں تلقین کریں کہ وہ دارالہجرت میں منتقل ہو جائیں۔حضورؐ نے اپنے اخلاقی اصولوں کو ملحوظ رکھنے کی تلقین کی۔فرمایا

---

[1] صحیح بخاری.

Marfat.com

کہ ”عمومی حالات میں کسی کو دھوکا نہ دینا۔ بچوں کو قتل نہ کرنا۔حریف کے سامنے پہلے اسلام، جزیہ یا قتال کی تین صورتیں پیش کرنا۔پہلی دو صورتیں وہ قبول کر لیں تو پھر قتال نہ کرنا۔“

جنگ کا آغاز

عیسائیوں کو جب مسلم فوج کی پیش قدمی کی خبر ملی تو ہرقل خود ایک لاکھ فوج لے کر بلقاء کے مقام پر پہنچ گیا۔عرب عیسائیوں کا ایک لاکھ کا لشکر الگ اس کی کمک کے طور پر موجود تھا۔ اسلامی لشکر معان کے مقام پر جا کر خیمہ زن ہوا۔ مسلمانوں کو یہ توقع نہیں تھی کہ دشمن ایسا لشکرِ جرار لے کر مقابلہ پر آئے گا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر انہوں نے پہلے آپس میں مشاورت کی۔ یہ تجویز بھی آئی کہ اس نئی صورتِ حال کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ سے مزید فوج بھیجنے کی درخواست کی جائے۔ دشمن کی تعداد دیکھ کر حضرت ابو ہریرہؓ جیسے نومسلموں کے دلوں پر گھبراہٹ کا غالب آنا ایمان کی کمزوری کی بات نہیں تھی بلکہ انسانی فطرت کا عین تقاضا تھا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے حوصلے بڑھانے اور ایمان ویقین کی جوت جگانے کے لیے ایک مختصر خطبہ دیا۔ صحیح بخاری میں حضرت عروہؒ سے روایت ہے کہ مسلمانوں نے زبردست جنگ کی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے تو حضرت جعفرؓ نے علم تھام لیا۔ لڑتے لڑتے ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو پرچم بائیں ہاتھ میں لے کر دادِ شجاعت دیتے رہے۔ وہ بازو بھی کٹ گیا تو پرچم کو کہنیوں سے اوپر بازوؤں کے بقیہ حصوں میں لے کر ڈٹے رہے۔ ان کے جسم پر تیروں اور نیزوں کے 90 زخم لگے۔ احادیث میں ان کو 'طیّار' کا لقب دیا گیا ہے۔ مدتوں حبشہ میں مقیم رہ کر دین کی دعوت دیتے اور وہاں مسلمانوں کے امور کی نگرانی کرتے رہے۔ جنگِ بدر سے لے کر غزوۂ خندق تک کسی لڑائی میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ یہ ان کا پہلا جہاد تھا اور یہی آخری ثابت ہوا۔ خانوادۂ عبدالمطلب کا یہ دوسرا اہم سپوت تھا جس نے اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ اب رسول اللہ ﷺ کے مامور کیے ہوئے تیسرے کمانڈر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فوج کی کمان سنبھال لی۔ اپنے دو پیشرووں کی طرح انہوں نے بھی پوری استقامت سے جہاد کیا اور راہِ حق میں فدا ہو گئے۔

Marfat.com

حضرت ثابت بن ارقم رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے گرتا ہوا پرچم گرنے نہ دیا اور ساتھ بلند آواز سے پکارے کہ مسلمانو! اپنا امیر چن لو' سب کی نگاہیں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرف اٹھیں۔ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ان کا بھی یہ پہلا معرکہ تھا۔ اپنی بے پناہ جنگی مہارت کو بروئے کار لائے۔ تتر بتر ہوتی مسلمان فوج کو نئے سرے سے ترتیب دیا اور نئے انداز میں صف بندی کی۔ میمنہ اور میسرہ کی ترتیب بدل کر انہیں ایک دوسرے کی جگہ پر کھڑا کر دیا۔ اسی طرح سامنے اور عقب والے دستے کی جگہ بھی ایک دوسرے سے بدل دی۔ مجاہدین کو حکم دیا کہ اگلی صبح میدان میں خوب شور وغوغا کریں۔ ان کی نئی صف بندی اور شور وغوغا سے عیسائی لشکر میں یہ تاثر پھیل گیا کہ مسلمانوں کو بھاری کمک پہنچ گئی ہے۔ حضرت خالدؓ خود سامنے سے آگے بڑھے اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ ان کی معرکہ آرائی اور تیغ آزمائی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ لڑتے لڑتے ان کے ہاتھ سے اس جنگ میں نو تلواریں ٹوٹیں۔ [1] حضرت زبردست جنگی مہارت اور عسکری ذہانت سے مسلمان فوج کو دشمن کے گھیرے سے نکال لانے میں کامیاب ہو گئے۔ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ تھا مگر مسلمانوں کا بہت کم جانی نقصان ہوا۔ کل شہداء کی تعداد 13 تھی۔ اس کے برعکس دشمن کو بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا۔

موسیٰ بن عقبہ کی روایت ہے کہ حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ میدانِ جنگ سے خبر لے کر مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ان سے کہا: 'تم ہمیں اطلاع دو گے یا کہو تو ہم تمہیں جنگ کی خبر سنائیں؟' انہوں نے عرض کیا کہ 'یا رسول اللہ! آپ ہی خبر سنائیں۔' آپؐ نے وہاں موجود تمام صحابہؓ کو آگاہ کیا کہ مسلمان فوج کے تینوں بہادر کمانڈر شہید ہو گئے ہیں۔ یہ بتاتے ہوئے آپؐ کی آنکھیں اشک بار تھیں۔ آپؐ نے فتح کی خوشخبری کے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ خالدؓ بن ولید نے فوج کی کمان سنبھال لی ہے [2] یہ فوج جب مدینہ واپس آئی تو لوگ اسے بزدل اور پسپا ہو کر بھاگ آنے والے مجاہد سمجھ کر اس پر مٹی

[1] بخاری.
[2] بخاری.

Marfat.com

چھینک رہے تھے کہ تم لوگ میدان سے فرار ہو کر آئے ہو۔حضورؐ نے فرمایا: 'یہ لوگ بھاگے ہوئے نہیں بلکہ یہ کرار ہیں۔ اللہ نے چاہا تو یہی پھر لڑنے والے ہوں گے۔'[1] آپؐ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ان کے بچوں کو پیار کیا اور بیوہ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: 'میں ان بچوں کا دنیا اور آخرت میں کفیل ہوں۔

چند سرایا اور کچھ اہم اور بنیادی نکات

غزوۂ موتہ کے بعد اسی ماہِ جمادی الثانی میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک فوجی دستہ شام کی سرحد پر قضاعہ اور ان دیگر قبائل کو جنگ موتہ میں رومیوں کا ساتھ دینے پر سزا کے لیے بھیجا گیا۔ یہ سریہ ذات سلاسل کے نام سے مشہور ہے۔نجد میں غطفان کی شرارتیں محسوس کرتے ہوئے ان کی تادیب کے لیے پندرہ مجاہدین پر مشتمل ایک دستہ حضرت ابو قتادہ بن ربعی رضی اللہ عنہ کی زیر کمان بھیجا گیا۔رمضان میں رسول اللہ ﷺ جب ادھر مکہ پر حملہ کی تیاری کر رہے تھے، آپؐ نے ابو قتادہ بن ربعی رضی اللہ عنہ ہی کی قیادت میں آٹھ سو مجاہدین کو مکہ اور یمامہ کے درمیان بطنِ اضم میں عام لوگوں کے انتباہ کے لیے بھیجا۔

دنیا میں مختلف پیشے معاش کمانے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔جدید دَور میں دفاع نے جب ریاستی اداروں کے اندر ایک اہم ادارے کی شکل اختیار کر لی تو فوجی زندگی ایک پیشہ بن گئی۔ اسلام میں سپاہ گری کوئی پیشہ نہیں بلکہ ہر مسلمان کا فرض ہے۔دینی عقیدے، اخلاقی اور تہذیبی اقدار، مسلم عوام اور اسلامی ریاست کے دفاع کا مرحلہ آن پڑے تو ہر مسلمان پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنی خدمات پیش کرے۔آگے یہ ریاست کی صوابدید پر ہوتا ہے کہ وہ کس کی صلاحیتوں اور خدمات کو کہاں استعمال کرے گی۔

اسلام میں بزرگوں کے اعزاز و تکریم کی اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا: 'وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے (معاشرے کے) چھوٹے بچوں سے شفقت اور بزرگوں سے شرف و اکرام کا برتاؤ نہ کرتا ہو۔'[2] لیکن سرایا اور غزوات میں کوئی

---

[1] ابن اسحاق. [2] ابو داود، ترمذی.

Marfat.com

چھوٹا فوجی دستہ یا بڑی فوج بھیجتے وقت رسول اللہ ﷺ نئے افراد کی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ اور ابو عبیدہؓ جیسی قدیم الاسلام، تجربہ کار اور فہمِ دِین میں امتیازِ خاص رکھنے والی بزرگ (seniors) شخصیات پر کم مرتبہ (juniors) افراد کو منتظم اور با اختیار بنا کر بھیجا گیا۔ یہ ہر شخص کی صلاحیتوں کو جانچنے، نظم وضبط کا جذبہ پیدا کرے اور اطاعتِ نظم کی خو پختہ کرنے کی ایک عملی تدبیر تھی۔ اس سے ضبطِ نفس اور تہذیبِ نفس جیسے اخلاقی جوہر کی آبیاری بھی ہوتی تھی۔ اسلام کے غزوۂ موتہ میں رسول اللہ ﷺ کے مقرر کیے ہوئے تینوں کمانڈروں کی شہادت کے بعد مجاہدین کے باہمی مشورے سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سالارِ لشکر بنا دیے گئے تھے۔

حضرت خالد اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو مسلمان ہوئے ابھی چند ماہ ہوئے تھے۔ ان کی جنگی مہارت اور تدبیر کاری کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں ذمہ دارانہ حیثیت میں جہاد پر روانہ کیا گیا۔ دونوں قریش کے دلاوروں میں شمار ہوتے رہے اور مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں اپنی جنگی تدبیروں سے اپنی قوم کو فائدہ پہنچاتے رہے۔ اس لیے وہاں ان کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ غزوہ ذات السّلاسل میں ایمان وعمل کے پیکر کبار صحابہؓ عمرو بن العاص کی ماتحتی میں بھیجے گئے۔ مقصد یہ اصول قائم کرنا تھا کہ معاشرتی زندگی میں بزرگوں کی توقیر وتعظیم بجا، لیکن تنظیمی اور مہماتی معاملات میں صلاحیت اور مہارت کو اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے دشمن کی کثیر تعداد دیکھ کر رسول اللہ ﷺ سے مزید نفری مانگی۔ حضورؐ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ جیسی عظیم شخصیت کی قیادت میں دوسو آدمیوں کی کمک بھیجی۔ اس میں بھی بڑے مرتبے کے صحابیؓ تھے۔ نماز کا وقت آیا تو حضرت ابو عبیدہؓ جماعت کی امامت کے لیے آگے بڑھے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ابھی تربیت وتزکیہ کی منزلیں طے نہیں کی تھیں۔ امارت وسیادت کی خواہش کو ڈسپلن کے تابع لانے کی ابھی انہیں مشق نہیں ہوئی تھی اس لیے کہنے لگے 'آپ کو تو میری مدد کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اصل میں اس ساری فوج کا امیر میں ہوں، نماز کی امامت میرا حق ہے۔' حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا کہ 'ہمیں رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

نے آپس میں اختلافات سے روکا ہے اس لیے میں تمہاری اطاعت کے لیے تیار ہوں'

حملے کے اہداف میں بھی حضرت عمروؓ بن العاص نے مختلف راستہ اختیار کیا۔ ان کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ناراضی پیدا ہوئی جسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رفع کیا۔ یہ تاثر بھی پیدا ہوا کہ انہوں نے دشمنوں میں کچھ لوگوں کے ساتھ کسی رشتے کا لحاظ رکھتے ہوئے انہیں بچانے کی کوشش کی۔ اس طرح کی پیچیدگیوں کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے مسلم سوسائٹی میں نووارد اصحاب کی تالیفِ قلب کا خیال رکھا اور انہیں ذمہ داریاں سونپنے کا سلسلہ بند نہ کیا۔

غزوۂ فتحِ مکّہ

رمضان المبارک، 8 ہجری

مکہ جو نبی پاک، ﷺ کا مَولِد اور جائے نشوونما ہے، جسے مہبطِ وحی اور پہلا مرکزِ دعوت ہونے کا شرف حاصل ہے، جہاں ابوالانبیاء سیّدنا ابراہیمؑ اور ان کے بڑے بیٹے سیّدنا اسمٰعیلؑ کا بنا کردہ اللہ کا پہلا اور مقدس ترین گھر، کعبۃ اللہ ہے، جس کے گرد طواف کا سلسلہ کبھی تھمتا نہیں ہے۔ اسلام کا روحانی دارالحکومت اور محورِ توحید ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک اپنی ایک عبادت۔ حج۔ کے لیے مخصوص کیا ہے۔ یہ اُمّ القریٰ اور خدا کی ساری زمین کا مرکزی نقطہ ہے۔ اس میں اللہ کی رحمتوں کی ہوائیں چلتی اور برکتوں کی بارش برستی ہے۔ مکہ کو اللہ تعالیٰ نے امن کی جگہ بنایا ہے۔ اللہ کا گھر جس کی تَولیت کے سبب قریش کو سارے عرب پر فوقیت اور سرداری حاصل تھی اور انہوں نے اس مرکزِ توحید کو شرک اور بت پرستی کا گڑھ بنا رکھا تھا۔ وہ اس کے اصل وارثوں کو حرمِ پاک کے طواف و زیارت کی آزادی دینے سے بھی انکاری تھے۔ رسول اللہ ﷺ اور مہاجر صحابہؓ کو جس سے بچھڑے آٹھ برس ہو گئے تھے۔ آج وہ مکہ فتح ہو کر بتوں سے پاک اور صرف اللہ کی عبادت کے لیے خاص ہونے جا رہا تھا۔

غزوۂ مکہ کے اسباب

رسول اللہ ﷺ نے اس امر کا پورا خیال رکھا کہ حدیبیہ میں طے صلح کی شرائط کی کوئی

Marfat.com

ادنیٰ سی خلاف ورزی نہ ہو۔ان شرائط کی یہ پابندی کسی مجبوری یا خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ قرآنِ حکیم میں دیے گئے زرّیں اخلاقی اصولوں کی روشنی میں کی جارہی تھی۔ ایمان والوں کی جملہ نشانیوں میں اللہ تعالیٰ نے ایک نشانی وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ بھی بتائی ہے۔یعنی وہ اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں۔شرائطِ صلح میں ایک شرط یہ تھی کہ عرب کے ہر شخص اور قبیلے کو یہ آزادی حاصل ہوگی کہ وہ مسلمانوں یا قریش میں سے جس کا چاہے کا حلیف بن جائے۔ بنوخزاعہ مسلمانوں کے حلیف بن گئے اور بنو بکر نے قریش سے دوستی کو ترجیح دی۔سترہ اٹھارہ ماہ میں اس حلیفانہ تعلق کی بنا پر دونوں فریقوں میں سے کسی کے لیے کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوا۔اسی معاہدے کے تحت ابھی آٹھ ماہ قبل رسول اللہ ﷺ اپنے دو ہزار صحابہؓ کے ساتھ عمرۃ القضاء سے فارغ ہو کر گئے تھے۔

اب اچانک یہ ہوا کہ قریش کے حلیف قبیلہ بنو بکر نے بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا۔ رات کی تاریکی میں ہونے والا یہ حملہ نہ صرف یہ کہ قریش کی حمایت و ترغیب پر ہوا بلکہ اس میں قریش کے لوگوں نے خود حصہ لیا۔بنوخزاعہ کے کچھ لوگ جان بچانے کے لیے حرمِ پاک میں پناہ لینے کے لیے دوڑے ،ابن ہشام کی روایت کے مطابق انہیں وہاں جا کر قتل کیا گیا۔عمرو بن سالم خزاعی اس کی فریاد لے کر مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا اور بڑے دردناک اشعار پڑھ اس نے مدد کی درخواست کی۔ بدیل بن ورقا نے بعد سے آ کر اس ظلم کی ساری روداد حضورؐ کو بتائی۔معاملہ صلح حدیبیہ کی کھلی خلاف ورزی کا تھا۔اسے نظر انداز کرنے کے مستقبل میں خود مسلمانوں کے لیے بڑے خطرناک نتائج ہو سکتے تھے۔اس لیے نبی اکرم ﷺ نے عمرو بن سالم کو مدد کا یقین دلایا۔حضورؐ نے فی الفور قریش کو پیغام بھیجا کہ بنوخزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کرو یا بنو بکر کے ساتھ اپنے حلیفانہ تعلق کو ختم کر دو یا حدیبیہ میں ہمارے درمیان صلح کا جو معاہدہ ہوا تھا اسے فسخ کر کے جنگ کا اعلان کر دو۔

فطرت میں بیٹھی ہوئی شرارت ایک جدا معاملہ تھا مگر حقیقت میں اہلِ قریش کے دلوں میں مسلمانوں کی ہیبت بھی اپنا اثر کر رہی تھی۔انہوں نے عمرۃ القضاء کا منظر اپنی آنکھوں سے

Marfat.com

دیکھا تھا۔تھی تو یہ انتہائی پر امن ماحول میں روحِ بندگی سے سرشار عبادت لیکن اس کے مناظر نے ان کے دلوں پر مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی تھی۔خیبر کی فتوحات اور جنگِ موتہ میں مسلمانوں کی جانبازیوں کی خبریں بھی ان تک پہنچ چکی تھیں۔ان پر یہ حقیقت کھل گئی تھی کہ مسلمان اب حجاز، نجد اور شمالی عرب میں ایک ناقابلِ شکست قوت بن چکے ہیں۔انہیں یہ بھنک بھی پڑ گئی تھی کہ بدیل بن ورقا مدینہ جا کر محمد (ﷺ) سے ملاقات کر آیا ہے۔چنانچہ بنو خزاعہ پر کیے گئے ظلم کے معاملے میں انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔صلح حدیبیہ کو فسخ ہونے سے بچانے کے لیے انہوں نے ابوسفیان کو تجدیدِ معاہدہ کے لیے مدینہ بھیجا۔ [1] ندامت اور دہشت کے مارے ابوسفیان کو براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے ملنے کی جرأت نہیں ہو رہی تھی۔وہ اپنی صاحبزادی اُمِّ حبیبہ ؓ کے پاس گیا۔سامنے بستر پر بیٹھنے لگا تو اُمّ المومنین نے آگے بڑھ کر بستر لپیٹ دیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے۔اس پر نجس مشرک کو بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔اب وہ کبھی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی سفارش ڈھونڈتا اور کبھی حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ سے تعاون کی اپیل کرتا رہا۔ہر جگہ سے اسے یہی جواب ملا کہ جس ماحول اور معاشرے میں آ کر وہ لوگوں سے ملاقاتیں کر رہا ہے اس ماحول اور معاشرے کی رگوں میں حُب و اطاعتِ رسولؐ کا خون دوڑ رہا ہے۔یہاں رسول اللہ ﷺ کے ایما کے بغیر کوئی اور فیصلہ نہیں کرتا اور آپؐ فیصلہ کر دیں تو کوئی اسے بدلنے کی جسارت نہیں کرتا۔رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اسے اجازت مل گئی لیکن آپؐ نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔چنانچہ وہ ناکام واپس گیا۔ [2]

جنگ کی تیاری

رسول اللہ ﷺ کی جنگی حکمتِ عملی کا یہ خاص پہلو تھا کہ جنگ کی تیاری کے دوران میں آپؐ اپنی مہم کو آخر وقت تک صیغۂ راز میں رکھتے تھے۔نہ یہ ظاہر کیا جاتا تھا کہ کس کے خلاف کارروائی ہونے والی ہے اور نہ اس کا پتہ چلنے دیا جاتا تھا کہ کس سمت میں سفر ہونے

---

[1] فتح الباری. [2] ابن اسحاق.

Marfat.com

والا ہے۔ ابوسفیان کے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے اپنے اہلِ خانہ کو تیاری کا حکم دیا۔ تمام مسلمانوں بھی تیاری کی ہدایت کی اور یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس تیاری کا قریش کے جاسوسوں کو علم نہ ہونے دے۔ مدینہ کے اطراف میں آباد قبائل سُلیم، اشجع، مزینہ، اسلم اور غفار کو بھی ساتھ چلنے کا حکم ہوا۔ صحیح بخاری، ابن اسحاق، واقدی اور ابن سعد کی روایت کے مطابق انصار و مہاجرین اور بنو مزینہ اور بنو سُلَیم کے دستوں کو ملا کر مدینہ سے دس ہزار کی تعداد میں لشکر روانہ ہوا۔

افشائے راز کی خطا

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے قریشِ مکّہ کے نام ایک خط میں یہ لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کسی جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ ابھی یہ معلوم نہیں کہ یہ تیاری کس کے خلاف ہے لیکن گمان یہ ہے کہ قریش پر حملہ ہوگا۔ یہ خط انہوں نے مکّہ جانے والی ایک عورت کے سپرد کیا کہ ذمہ دارانِ قریش تک پہنچا دے۔ وہ عورت زیادہ دور نہیں گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اپنے نبیؐ کو افشائے راز کی اس کوشش سے آگاہ کر دیا۔ حضورؐ نے حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو فوراً اس عورت کے تعاقب میں بھیجا کہ 'روضۂ خاخ میں جاؤ، وہاں ایک عورت ہوگی جس کے پاس روسائے قریشِ مکّہ کے نام وہ خط ہے۔' وہ اس عورت تک پہنچ گئے۔ اس سے خط کے بارے میں پوچھا تو صاف مکر گئی۔ ابن اسحاق کے مطابق ان حضرات نے اس کے سامان کی تلاشی لی لیکن خط نہ نکلا۔ حضرت علیؓ نے کہا: 'اللہ کی قسم! نہ تو رسول اللہ نے جھوٹ کہا اور نہ ہم جھوٹ کہتے ہیں۔ خط نکالو نہیں تو ہم تیرے کپڑے اتار کر تلاشی لیں گے۔' اس پر اس نے اپنے گندھے ہوئے بالوں کی لٹوں سے نکال کر وہ خط ان کے حوالے کر دیا۔ خط لا کر رسول اکرم ﷺ کو دیا گیا۔ آپؐ نے دیکھا کہ یہ حاطبؓ بن ابی بلتعہ کی حرکت ہے۔ حضرت عمرؓ نے تو جوش میں آ کر عرض کیا: 'یا رسول اللہ ! مجھے اجازت دیجیے میں اس کی گردن مار دوں۔ اس نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے۔' آپؐ نے فرمایا: 'اے عمرؓ! حاطب بدری صحابہ میں سے ہے۔ تم کو کیا معلوم کہ اللہ نے بدری صحابہؓ

Marfat.com

کے ارادوں سے آگاہ ہو کر فرما دیا کہ تم جو چاہو کرو، اللہ تمہیں بخش دے گا۔' حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہا 'اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔' ❶

حضرت حاطبؓ کو طلب کر کے ان کی اس حرکت کی وجہ پوچھی گئی۔ انہوں نے عرض کیا: 'یا رسول اللہ! میرے معاملے میں جلدی نہ کیجیے۔ اصل بات یہ ہے کہ باقی سب کی تو قریش سے رشتہ داریاں ہیں۔ جن کے اہل و عیال وہاں ہیں ان کو کوئی رشتہ دار پناہ دے دے گا لیکن میرا مکّہ میں کوئی رشتہ دار نہیں۔ میں نے اس نیّت سے قریش پر یہ احسان کرنے کی کوشش کی ہے کہ جنگ کا جو بھی نتیجہ نکلے، اس احسان کے بدلے وہ میرے عیال اور مال کو نقصان نہ پہنچائیں۔ ورنہ میں مرتد ہرگز نہیں ہوا ہوں۔' ایمان اور اسلامی جماعت کے مقابلے میں اقارب کی خیر خواہی کے اس جذبہ پر گرفت کرتے ہوئے سورہ ممتحنہ کی پہلی آیت نازل کی گئی:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ ۙ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي ۚ تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۚ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١﴾﴾

'اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لیے اور میری رضا جوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم اُن کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو، حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں اور اُن کی روش یہ ہے کہ رسول کو اور خود تم کو صرف اِس قصور پر جلا وطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو۔ تم چھپا کر اُن کو دوستانہ پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم

❶ بخاری.

Marfat.com

چھپا کر کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو، ہر چیز کو میں خوب جانتا ہوں۔ جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے وہ یقیناً راہِ راست سے بھٹک گیا۔'

لشکرِ اسلام کی روانگی

رسول اللہ ﷺ نے ابو رُہم کلثوم بن حصین بن عتبہ بن خلف غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔ مؤرخین اور سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کی 10 تاریخ کو مدینہ سے روانہ ہوکر 19 رمضان کو مکّہ میں داخل ہوئے۔ روزے کی حالت میں سفر کا آغاز ہوا۔ سفر کی رعایت سے حضورؐ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ جو روزہ رکھنا چاہے رکھے اور جو نہ چاہے وہ روزہ کے بغیر سفر کرے۔ عُسفان اور قدید کے درمیان 'الکدید' کے مقام پر آپؐ نے سب کے سامنے روزہ توڑ دیا۔ علانیہ روزہ توڑنے میں یہ سبق تھا کہ سفر کی حالت میں گرمی کی شدّت اور بھوک پیاس کی سختی برداشت کرنا مسافروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی عنایت کی ہوئی رعایت کے منافی ہے۔ اسی لیے جن لوگوں نے آپؐ کی تقلید میں وہاں روزہ نہیں توڑا تھا ان کو آپؐ نے نافرمان قرار دیا تھا۔ ❶ مسلم لشکر مرّ الظّھران پہنچ گیا تھا۔ ابو سفیان کی سفارت کے مدینہ سے بے نیل مرام لوٹنے کے بعد سے مشرکین مکّہ خوف و ہراس کی کیفیت میں تھے مگر انہیں حملے کے بارے میں ابھی تک کوئی خبر نہیں پہنچی تھی۔

حضرت عباسؓ کی ملاقات

رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر سے پہلے اور بعض روایات کے مطابق ہجرتِ نبویؐ سے بھی پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ جس رات رسول اللہ ﷺ بیعتِ عقبہ ثانیہ کے لیے یثرب والوں سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے تھے حضورؐ حضرت عباسؓ کے گھر سے ان کے ساتھ ہی وہاں پہنچے تھے اور بیعت کے عمل سے قبل ساری گفتگو میں شریک تھے۔ ایسا ایمان کے بغیر نہیں ہوسکتا تھا۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد سے اب تک مکّہ کے اندر رہ کر اسلام اور مسلمانوں کے لیے وہ گراں قدر خدمات انجام دے رہے

❶ بخاری، مسلم، ترمذی.

Marfat.com

تھے۔ محمد عبدالقادر ابو الفارس نے اپنی کتاب 'السّيرة النّبوية' میں ان کی خدمات کی نوعیت کو جدید اصطلاح میں سرکاری عسکری نامہ نگار یا انٹیلی جنس کے سربراہ کے فرائض کے مماثل قرار دیا ہے۔ ان کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دس ہزار کے لشکر کے ساتھ غزوۂ مکہ کے لیے نکل چکے ہیں۔ اب ان کی ڈیوٹی ختم ہوگئی تھی اس لیے وہ اپنے اہل و عیال کو لے کر مقام جحفہ پر حضورؐ سے آ کر مل گئے۔

رسول اللہ ﷺ کے ایک چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حارث نے بیس سال تک اسلام اور داعیِ اسلام ﷺ سے بغض و عداوت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ شاعری کو ہتھیار بنا کر ہجو کے تیر برساتا تھا۔ 'ابواء' کے مقام پر ندامت و حسرت کی تصویر بنا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خواستگارِ عفو و درگزر ہوا۔ حضرت علیؓ نے اسے مشورہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جاؤ اور وہی بات کہو جو یوسف علیہ السّلام کے بھائیوں نے ان سے کہی تھی۔ تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ (یوسف : 91) 'بخدا کہ تم کو اللہ نے ہم پر فضیلت بخشی ہے اور واقعی ہم خطا کار تھے'۔ ابوسفیان نے ایسا ہی کیا اور جواب میں آپؐ نے وہی جواب دیا جو حضرت یوسفؑ نے اس کے جواب میں اپنے بھائیوں کو دیا تھا۔ نبی پاک ﷺ کا ایک پھوپھی زاد، اور حضرت اُمّ سلمہؓ کا باپ کی طرف سے بھائی عبداللہ بن امیہ بھی دشمنانِ اسلام کی صف میں نمایاں کردار ادا کرتا رہا۔ وہ بھی شرمندگی کے ساتھ حاضر ہوا۔ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کی معافی کی سفارش کی تھی۔ آخر ان دونوں نے صدق دل سے توبہ کی اور باقی زندگی میں اپنے حُسنِ اسلام اور اخلاصِ عمل کا بھرپور ثبوت دیتے رہے۔ [1]

ہر خیمے کے سامنے آگ

مرّ الظہر ان میں خیمہ زن لشکر کو حکم ہوا کہ ہر خیمہ کے سامنے الگ آگ کا الاؤ روشن کیا جائے۔ حضرت عباسؓ محسوس کر رہے تھے کہ اس لشکر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ مکہ پر حملہ آور ہو گئے تو قریش برباد ہو کر رہ جائیں گے۔ اس لیے وہ رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر

[1] مستدرك حاكم، دلائل النّبوة للبيهقي.

Marfat.com

سوار ہو کر نکلے ہوئے تھے کہ مکہ والوں میں سے کوئی مل جائے تو اس کے ہاتھ انہیں پیغام بھیجیں کہ وہ آ کر امن اور معافی کی درخواست کریں۔ ادھر ابوسفیان اور بُدیل بن ورقاء اس ٹوہ میں نکلے ہوئے تھے کہ کہیں سے مسلمانوں کے بارے میں کوئی خبر مل جائے۔ جب انہوں نے وسیع میدان میں ہر طرف آگ کے الاؤ دیکھے تو حیرت زدہ رہ گئے۔ حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو کہتے سنا کہ 'میں نے آج تک نہ کبھی ایسی آگ دیکھی ہے اور نہ اتنی فوج۔' بُدیل نے کہا: 'اللہ کی قسم! یہ خزاعہ والوں کی آگ ہے۔ جنگ کی خواہش نے ان کا غضب بڑھا رکھا ہے۔' ابوسفیان نے جواب میں کہا: 'اللہ کی قسم! بنوخزاعہ حقیر و ذلیل بھی ہیں اور تعداد کے لحاظ سے قلیل بھی۔ یہ آگ ان کی نہیں ہو سکتی۔'[1]

ابوسفیان اور حضرت عباسؓ کا مکالمہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اپنی روایت ہے کہ انہوں نے ابوسفیان کی آواز پہچان کر پکارا 'اے ابوحنظلہ! کیا تم نے میری آواز پہچان لی ہے؟' ابوسفیان نے آگے سے پوچھا: 'کیا یہ ابوالفضل ہیں؟' میں نے ہاں میں جواب دیا تو اس نے پوچھا کہ 'یہ کیا معاملہ ہے؟' حضرت عباسؓ نے کہا 'اللہ کی قسم! یہ رسول اللہ ہیں اپنے اصحاب کے ساتھ۔ قریشیوں کے لیے یہ طلوع ہونے والی بڑی بُری صبح ہوگی۔' ابوسفیان نے پوچھا کہ 'پھر کیا کیا جائے؟' حضرت عباسؓ نے کہا کہ 'رسول اللہ نے تمہیں دیکھ لیا تو تمہاری گردن مار دیں گے۔ تم اس خچر پر میرے پیچھے بیٹھ جاؤ۔' راستے میں وہ جس خیمے کے پاس سے گزرتے لوگ یہ دیکھ کر خاموش ہو جاتے کہ رسول اللہ ﷺ کے خچر پر آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بیٹھے ہیں۔ لیکن جب یہ حضرت عمرؓ کے خیمے کے پاس سے گزرے تو ان کی نظر ابوسفیان پر پڑ گئی۔ کہنے لگے: 'یہ تو دشمنِ اسلام ابوسفیان ہے۔ اللہ کا شکر کہ اس نے تمہیں خود ہمارے پاس پہنچا دیا۔' اس دوران میں حضرت عباسؓ خچر دوڑاتے ہوئے رسول اکرم ﷺ کے خیمے تک لے گئے۔ حضرت عمرؓ بھی تیزی سے وہاں پہنچ گئے۔ حضرت عمرؓ کو سخت برہمی سے ابوسفیان کے پیچھے پڑا دیکھ کر

---

[1] طبرانی، دلائل البیهقی.

Marfat.com

حضرت عباسؓ نے کہا: 'اے عمر! اگر بنی عدی کا کوئی شخص ہوتا تو تم ایسی باتیں نہ کرتے۔ ابوسفیان بنو عبد مناف کا ہے اسی لیے تم اس کے مارنے پر اصرار کر رہے ہو۔' حضرت عمرؓ نے کہا: ''اے عباس! اللہ کی قسم! چونکہ آپ کا ایمان لانا رسول اللہ ﷺ کو بہت محبوب تھا اس لیے میرے لیے آپ کا ایمان لانا اپنے باپ خطاب کے ایمان لانے سے بھی زیادہ خوشی کی بات تھی۔'' حضورؐ نے اس وقت ابوسفیان کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے بہت نرمی سے بات سنی مگر اسلام قبول کرنے پر تیار نہ ہوا۔ حضورؐ نے حضرت عباسؓ کو اسے اپنے خیمے میں لے جانے اور صبح دربارِ رسالت میں لانے کی ہدایت کی۔ اگلی صبح تک ابوسفیان کو سوچنے کا موقع مل گیا اور وہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

مکّہ میں داخلہ

اب مسلمان فوجی دستے مکّہ کی طرف پیش قدمی کرنے لگے تھے۔ حضرت عباسؓ ابوسفیان کو لے کر ایک تنگ درّے پر کھڑے ہو گئے تاکہ وہ اسلامی فوج کے مکّہ میں داخل ہونے کا پورا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ جس قبیلے کا دستہ سامنے سے گزرتا وہ اس کا تعارف کراتے تو وہ کہتا: 'اس سے ہمیں کوئی غرض یا دلچسپی نہیں ہے۔' اب مہاجرین اور انصار کا دستہ سامنے آیا۔ آہن پوش مگر ایمان اور شعورِ بندگی سے سرشار اس دستے کی کیفیت دیکھ کر ابوسفیان دنگ رہ گیا۔ اس کے دریافت کرنے پر حضرت عباسؓ نے بتایا کہ یہ مہاجرین و انصار ہیں۔ ان لوگوں سے لڑنے کی اب کسی میں طاقت نہیں ہے۔ ابوسفیان نے کہا: 'عباس! تمہارے بھتیجے کی تو زبردست شاہانہ قوت ہے۔' عباسؓ نے کہا: 'یہ نبوّت ہے۔'

انصار کا علم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کے ہاتھ میں تھا۔ ابوسفیان کے سامنے سے گزرتے ہوئے انہوں نے کہا: 'آج خون ریزی کا دن ہے۔ آج اللہ نے قریش کو ذلیل کر دیا ہے۔' ابوسفیان نے اس پر احتجاج کیا۔ حضورؐ نے فرمایا: 'سعدؓ نے غلط کہا ہے۔ آج کے دن کعبہ کی حرمت و عظمت دوبالا ہو گی اور کعبہ کو لباس پہنایا جائے گا۔'[1] آپؐ

[1] الصّادق الامین بحوالہ صحیح بخاری.

Marfat.com

نے یہ بھی فرمایا کہ 'آج اللہ نے قریش کو اصل عزت بخشی ہے۔' اس سے شاید یہ مراد تھی کہ آج کعبہ پر مسلمانوں کا کنٹرول قائم ہو رہا ہے جو اس کی تکریم کے حقیقی پاس دار اور قریش کے حقیقی نمائندے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی جو اخلاقی اور تنظیمی تربیت کی تھی اس کی رو سے حضرت سعدؓ بن عبادہ کا قول حدِ توازن سے تجاوز کے مترادف تھا۔ اسلامی فوج کا امتیاز اس کا ڈسپلن تھا۔ شخصی اَنا اور قبائلی تفاخر پوری طرح ایمان کے تابع ہو گئے تھے۔ چنانچہ بغیر کسی ادنیٰ تامّل علم حضرت سعدؓ سے لے کر ان کے صاحبزادے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو تھما دیا۔ لیکن اب حضرت سعدؓ نے خود درخواست کی کہ ان کے بیٹے کو علم نہ دیا جائے مبادا نظم و ضبط کے منافی ایسی ہی کوئی بات اس کے منہ سے بھی نکل جائے۔ آپ ﷺ نے سعدؓ کی درخواست قبول کر لی۔ [1] مطالب العالیہ اور مجمع الزّوائد اور موسیٰ بن عقبہ کی زہری سے ایک روایت کے مطابق یہ علم حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دے دیا گیا۔ لیکن صاحب اَصَحُّ السِّیَر کی رائے ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ حضرت زبیرؓ پہلے ہی مہاجرین کا علم اٹھائے ہوئے تھے۔

صحیح مسلم اور ابن اسحاق کی روایت کے مطابق مرّ الظّہران میں مسلمان لشکر کی ترتیبِ نو کی گئی۔ اس کے دائیں دستے کی کمان حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ بائیں دستے کے کمانڈر مقرر ہوئے اور پیدل فوج حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت کی گئی۔ قریش اگرچہ بظاہر پوری طرح دبے ہوئے نظر آتے تھے لیکن انہوں نے ایک چال یہ چلی کہ کچھ دوسرے قبیلوں کے لوگوں کی انگیخت کی کہ وہ مسلمانوں سے ٹکرائیں۔ اگر یہ قبیلے کچھ بھاری پڑتے نظر آئیں گے تو قریش کے سورما بھی ہتھیار سنبھال لیں گے اور اگر مزاحمت کرنے والی ٹولیاں مار کھا گئیں تو قریش کا کچھ نہیں بگڑے گا۔

مسلّح تصادم کے واقعات

مکّہ کے اندر داخل ہوتے وقت ایسی مسلّح مزاحمتی ٹولیوں سے مقابلہ ہوتا رہا۔ لیکن ان

[1] مختصر زوائد البزاز لابن حجر.

Marfat.com

میں سے جو سامنے آیا اسے مار دیا گیا۔ [1] کچھ مسلّح ٹولیوں کی قیادت صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو کر رہے تھے۔ مکّہ کی جنوب مشرقی سمت میں پہاڑ خندمہ کے علاقے میں ان کی مڈبھیڑ مسلمان فوج سے ہوئی۔ اس میں مرنے والوں کی مختلف تعداد بتائی گئی ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے دھمکی آمیز الفاظ پر ان سے جھنڈا لے لینا اس بات کی علامت تھی کہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں خون ریزی ہرگز نہیں چاہتے تھے۔ ان تمام لوگوں کے لیے معافی کا اعلان کر دیا گیا تھا جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائیں گے، یا اپنے گھروں کے دروازے بند رکھیں گے یا کعبہ میں جا کر پناہ طلب کریں گے۔ مرنے والے تمام لوگ وہ تھے جنہوں نے امان کی پروا نہیں کی یا جو جان بوجھ کر تصادم پر اتر آئے تھے۔

انصار کی دل جوئی

معافی کی یہ صورتیں دیکھ کر انصار کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ پر اپنے شہر اور اپنی قوم قبیلے کی محبت غالب آ گئی ہے۔ (شاید یہ احساس بھی ہو کہ اب نبی ﷺ ہمیں چھوڑ کر یہیں نہ رہ جائیں) اس دوران میں حضورؐ کو وحی کے ذریعے ان کے اس گمان کی خبر دی گئی۔ آپؐ نے انصار کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب وہ آ گئے تو فرمایا: 'اے معشرِ انصار! تمہارا خیال ہے کہ مجھ پر اپنی قوم اور وطن کی محبت غالب آ گئی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں نے اللہ کی خاطر تمہاری طرف ہجرت کی ہے۔ اب میرا مرنا جینا تمہارے ساتھ ہے۔' یہ سن کر انصار پر رِقت طاری ہوگئی۔ وہ روتے ہوئے لپکے اور عرض گزار ہوئے: 'یا رسول اللہ! ہم نے جو (سوچا اور) کہا وہ دراصل حضورؐ کے بارے میں ہمارے شوق اور تعلق کی وجہ سے تھا۔' یعنی حضورؐ کی جدائی کا تصور ہمیں شاق گزرنے لگا تھا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: 'اللہ اور اس کا رسول تمہاری بات کی تصدیق کرتے ہیں اور تمہارا عذر قبول کرتے ہیں۔'

---

[1] صحیح مسلم.

Marfat.com

کعبہ بتوں سے پاک ہو گیا

رسول اللہ ﷺ مکہ کے بالائی حصے کَداء سے داخل ہوئے۔علم حجون میں نصب کیا گیا۔آپؐ مسجدِ حرام کی طرف تشریف لائے۔خاص مہاجرین و انصار آپؐ کے ساتھ تھے۔پہلے آپؐ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے طواف کیا۔حضور ﷺ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی۔بیت اللہ کے اطراف میں جو تین سو ساٹھ بت نصب تھے ان کو اس لکڑی سے توڑا۔کعبہ کی دیواروں کے ساتھ بلندی کی وجہ سے جن بتوں تک ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا ان کو توڑنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنے کندھے سوار کیا۔[1] کعبہ کے اندر حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السّلام کی تصویریں اور مجسمے آویزاں تھے، جن کے ہاتھوں میں قسمت آزمائی کے تیر تھے۔اِن پر پہلے مٹی لیپی گئی پھر زعفران مل دیا گیا۔حضورؐ نے فرمایا: 'اللہ ان کافروں کو غارت کرے، یہ دونوں پیغمبر تیروں سے قسمت آزمائی نہیں کرتے تھے۔'[2] حضرت مریمؑ کا ایک مجسمہ اور لکڑی کا بنا ہوا ایک کبوتر بھی ان کی کسی توہم پرستی کی علامت کے طور پر وہاں رکھے تھے۔انہیں توڑ کر پھینک دیا گیا۔جب تک سارے بت پاش پاش نہیں ہوئے آپؐ کعبہ میں داخل نہیں ہوئے تھے۔جب کعبہ بتوں سے پاک ہو گیا تو آپؐ نے اس کے اندر دو رکعت نماز پڑھی۔حقیقت میں کعبہ کی یہی تکریم و عظمت تھی جس کا ذکر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی دھمکی کے ضمن میں آیا تھا۔

کعبہ جب اندر اور باہر رکھے ہوئے بتوں سے پاک ہو گیا تو رسول اکرم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تین اور صحابہ کے ہمراہ بنوثقیف کے علاقے نخلہ میں بنوشیبان اور بنوسُلیم کے بت 'عُزیٰ' کو توڑنے کے لیے بھیجا۔حضرت سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ کو بیس سواروں کے ساتھ 'قُدیرٗ' کے علاقے مشلّل میں نصب بڑے بت 'منات' کو توڑنے کے لیے بھیجا۔حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا کہ وہ ہذیل کے بت 'سواع' کو مسمار کر آئیں۔ یہی وہ بت تھے جن کی تعظیم اور ہیبت قریش اور تمام عربوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی اور وہ

---

[1] اصحّ السّیر. [2] صحیح بخاری.

Marfat.com

خُدائے واحد اور ربِّ حقیقی کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے تھے۔انہی پیکرانِ محسوس پر وہ نذرانے چڑھاتے تھے۔اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے ان بتوں کو وہ حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے۔ان بتوں کے ساتھ انہوں نے اپنا وقار وابستہ کیا اور انہی کی خاطر انہوں نے آٹھ سال تک اتنی خون ریزی کی تھی۔

غضب پر رحمت غالب...... عام معافی

رسول اللہ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے۔حضرت بلالؓ اور حضرت اسامہؓ کو اندر ساتھ رکھ کر آپؐ نے کعبہ کا دروازہ بند کرا دیا۔نماز پڑھی اور پھر حرمِ پاک کے چاروں گوشوں میں کھڑے ہو کر تکبیر کی صدائیں بلند کیں۔کچھ دیر بعد جب دروازہ کھولا گیا تو حضورؐ نے دروازے کے دونوں بازوؤں کو پکڑ کر فرمایا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، صَدَقَ وَعْدَهٗ ،نَصَرَ عَبْدَهٗ ، وَ هَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے،اس کا کوئی شریک نہیں، اُس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی،اور دشمنوں کے جتھوں کو اکیلے شکست دی۔پھر آپؐ نے فرمایا:'اے قریش کے لوگو! اللہ تعالیٰ نے آج جاہلیت کے غرور اور نسب پر فخر کو مٹا ڈالا ہے۔آپؐ نے سورہ الحجرات کی تیرھویں آیت پڑھی۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝۱۳ ﴾

'لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔'

پھر آپؐ نے اہلِ قریش سے سوال کیا:'اے قریش تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرنے والا ہوں؟' سب نے بیک آواز کہا:' آپ ہمارے کریم بھائی ہیں اور

Marfat.com

ہمارے کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔' آپؐ نے فرمایا: 'آج میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السّلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔آج تم پر کوئی پکڑ اور باز پرس نہیں ہے۔جاؤ تم سب آزاد ہو۔' ❶

چند افراد ایسے تھے جن کی اسلام دشمنی، رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخیوں، حقد و عناد اور شرارتوں نے ان کو معافی کا حق دار نہیں چھوڑا تھا۔ ان کے بارے میں حکم تھا کہ کعبہ کے پردوں کے پیچھے چھپے ہوئے ملیں تب بھی انہیں قتل کر دیا جائے۔اس فہرست میں چار مرد اور دو عورتیں تھیں۔مردوں میں عکرمہ بن ابی جہل، عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی السّرح تھے۔

واقدی نے مردوں کی تعداد چھ اور عورتوں کی چار بتائی۔ ❷ الرّحیق المختوم میں مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری نے فتح الباری کے حوالے سے مردوں کے ناموں کے ساتھ ان کی تعداد 9 اور عورتوں کی تعداد 6 لکھی ہے۔اَصَحُّ السِّیر میں مردوں کی تعداد ان کے ناموں کے ساتھ گیارہ ہے اور عورتوں کی تعداد چار ہے۔ ان میں سے کچھ قتل ہوئے۔اکثر نے اسلام قبول کر لیا۔بعض اس وقت روپوش ہو گئے، بعد میں معافی کے خواستگار ہوئے اور انہیں امان مل گئی۔

ابتدائی طور پر جن کے قتل کا حکم دیا گیا تھا ان میں رسول اکرم ﷺ کے محبوب چچا حضرت حمزہؓ پر گھات میں بیٹھ کر نیزہ پھینکنے اور انہیں شہید کرنے والا وحشی بن حرب بھی تھا اور ہند بنت عتبہ بھی تھی جس نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا۔رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے لیے فرعون کا درجہ رکھنے والے ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو بھی پروانۂ معافی مل گیا تھا جس نے مسلمان لشکر کے مکّہ میں داخل ہونے تک مزاحمت نہیں چھوڑی تھی۔ یہ بھاگ کر یمن چلا گیا تھا۔ اِس کی اہلیہ اُمّ حکیم بنت حارث اس موقع پر ایمان لانے والی عورتوں میں سے تھیں۔

❶ الصّادِق الامین و اَصَحُّ السّیر بحوالہ ابن اسحاق اور زاد المعاد.
❷ السّیرة النّبویة فی ضوء المصادر الاصلیة.

Marfat.com

اُنہوں نے عکرمہ کے لیے رسول کریم ﷺ سے امان حاصل لی تھی۔ وہ خود طویل سفر کر کے یمن گئیں اور اسے ڈھونڈ کر لے آئی تھیں۔ حضورؐ نے نہ صرف عکرمہ کے سارے قصور معاف کر دیے بلکہ اس کے آنے پر اس کا استقبال کیا اور اس کو گلے سے لگایا۔ یہ حکم بھی دیا کہ عکرمہ کو اس کے باپ کے کفر کا طعنہ دے کر کوئی شرمندہ نہ کرے۔ نبی رحمت ﷺ نے عصیان و طغیان کی راہ پر چلنے والوں کے لیے عتاب اور عقوبت پر عفو و درگزر کو مقدم رکھا اور ان کی جان لینے پر جان بخشی کو ترجیح دی۔ کسی کے اندر قبولیتِ حق کا ادنیٰ سا کوئی اشارہ بھی ملا تو اس کو اسلام کے دامنِ رحمت میں پناہ دینے سے دریغ نہ کیا۔ جن کے حق میں قتل کا اعلان کیا گیا وہ سب تو اسلام اور مسلمانوں سے شدید عداوت کی مہم کے سرخیل رہے تھے، اوپر جس عام معافی کا ذکر کیا گیا ہے اس سے فائدہ اٹھانے والوں میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں تھی جو رسول اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو جذباتی اور جسمانی تکلیفیں پہنچانے میں پیش پیش تھے۔ مگر کریم بھائی کے کرم سے محروم نہ رہے۔

چار نسلوں کا شرفِ صحابیت

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ نابینا اور معذور تھے۔ انہوں نے اسلام دشمنی کی کسی مہم میں کوئی کردار ادا نہ کیا تھا لیکن ابھی تک عقیدۂ شرک پر قائم تھے۔ مکہ مکرمہ پر اسلام کا پرچم لہرایا تو حضرت ابو بکرؓ کی پہلی خواہش اور کوشش ہوئی کہ ان کو اسلام کے دائرے میں لائیں تا کہ آخرت کے برے انجام سے بچ جائیں۔ خود گئے اور بڑے احترام سے ان کا ہاتھ تھامے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ حضورؐ کے دل میں ان کی تکریم کی یہ کیفیت تھی کہ فرمایا: 'ابو بکر! ان کو کیوں زحمت دی ہے۔ میں خود ان کے پاس چلا جاتا۔' ہادی اعظمؐ نے ابو قحافہ کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: 'اسلام قبول کریں تا کہ (دوزخ کی آگ سے) بچ جائیں۔' ابو قحافہؓ کے ایمان لانے کے بعد اسلام کی خدمت اور رسول اللہ ﷺ سے تعلق کا بے مثل سرمایہ رکھنے والے اس خانوادہ کی چار نسلوں کو شرفِ صحابیت حاصل ہو گیا۔

ابو قحافہؓ کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کے کلمات اور جذبات سے اسلامی تہذیب اور

Marfat.com

اس کے اخلاقی نظام کے اس پہلو پر روشنی پڑتی ہے کہ مسلم معاشرے میں بزرگ خاص ادب وتکریم اور توجہ اور نگہداشت کے مستحق ہیں۔

معیارِ عدل

رسول اللہ ﷺ ابھی مکہ ہی میں تھے کہ بنومخزوم کی ایک عورت فاطمہ بنت اسود نے چوری کا ارتکاب کیا اور مقدمہ حضورؐ کے سامنے پیش ہوا۔ اسلام میں چوری کی سزا چور کے ہاتھ کاٹ دینا ہے۔ بنومخزوم کے لیے یہ بڑی ذلت کی بات تھی۔ وہ ہر حال میں اس خاتون کو سزا سے بچانا چاہتے تھے۔ انہوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سفارش ڈھونڈی۔ انہوں نے اس عورت کی معافی کی درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ کے رُخِ انور پر سخت ناگواری کے آثار ابھرے۔ آپؐ نے اس موقع پر وہ جملہ ارشاد فرمایا جو ایک طرف اسلام کا دائمی معیارِ عدل بن گیا اور دوسری طرف اس نے قوموں کی تباہی کے اسباب میں سے ایک بڑے سبب پر نشان لگا دیا۔ آپؐ خطبہ کے لیے اٹھے اور فرمایا: 'تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ ان میں کوئی معزز اور با اثر چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا تھا اور اگر کوئی کمزور اسی جرم کا ارتکاب کرتا تو اس پر حد جاری ہوتی تھی۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالتا۔' ❶

اللہ کا نبی اشارے سے حکم نہیں دیتا

عبداللہ بن سعد السرح ان لوگوں میں سے تھا جن کو قتل کرنے کا حکم ہوا تھا۔ یہ پہلے مسلمان ہو گیا تھا۔ اسے کتابتِ وحی کی ذمہ داری بھی سونپی گئی تھی۔ لیکن بعد میں یہ مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا تھا۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا رضاعی بھائی تھا۔ فتح مکہ کے بعد یہ چھپ کر ان کے پاس چلا گیا۔ حضرت عثمانؓ اسے لے کر حضور ﷺ کے پاس لائے اور اس کی معافی کی درخواست کی۔ اس پر آپؐ کافی دیر تک طویل خاموش رہے۔ جب وہ اٹھ گئے تو آپؐ نے فرمایا: 'کیا تم میں ایسا کوئی بھلا آدمی نہیں تھا جو میری خاموشی کے دوران میں اٹھ کر اسے قتل

❶ صحیح بخاری، صحیح مسلم۔

Marfat.com

کر دیتا؟' کسی نے عرض کیا کہ 'آپ ہمیں اشارہ کر دیتے۔' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'نبی آنکھوں کے اشاروں سے حکم نہیں دیا کرتا...... اور نہ وہ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ (نگاہوں کی چوری) کا مرتکب ہوتا ہے۔' [1]

دلوں کے حال کھل گئے

فضالہ بن عمیر شاعر تھا۔ اُس کا دل اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی نفرت سے تنور کی طرح دہک رہا تھا۔ مکہ فتح ہو گیا، مزاحمت دم توڑ گئی، لوگوں کو عفوِ عام کی خوش خبری مل گئی لیکن اس کا خبثِ باطن برقرار تھا۔ بغل میں ہتھیار چھپائے نبی رحمت ﷺ کو قتل کرنے کی تدبیروں میں گم تھا۔ اسی نیت سے رسول اللہ ﷺ کے قریب آ گیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا: 'فضالہ کیا سوچ رہے ہو؟' کہنے لگا: 'کچھ نہیں، بس اللہ کا ذکر کر رہا ہوں۔' حضور ﷺ نے اسے قریب کر لیا اور اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے دل سے بغض و عناد کی گندگی حضور ﷺ کے ہاتھ کی حرکت کے ساتھ ہی خارج ہو گئی۔ پکار اٹھا: 'خدا کی مخلوق میں اب کوئی اللہ کے رسول ﷺ سے بڑھ کر مجھے محبوب نہیں ہے۔' [2]

ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو مؤذنِ رسول ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اِذن ملا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں۔ اس وقت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب، عُتّاب بن اَسید اور حارث بن ہشام حطیم یا صحنِ حرم میں بیٹھے ہوئے نئی صورتِ حال پر تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔ عتاب اور حارث نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ عتاب نے کہا: 'اچھا ہوا کہ میرا باپ اس منظر کے سامنے آنے سے پہلے ہی دنیا سے اٹھ گیا ورنہ یہ (آواز) سن کر اس کو سخت اذیت ہوتی۔' حارث بولا: 'اگر مجھے معلوم ہو جائے یا یقین آ جائے کہ وہ (رسول پاک ﷺ) نبی برحق ہیں تو میں ضرور ان کی پیروی اختیار کر لیتا۔' ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: 'واللہ! میں کچھ نہیں کہوں گا کیوں کہ میرے منہ سے جو بات نکلے گی یہ کنکریاں بھی اس کی خبر محمد کو پہنچا دیں گی۔' اسی دوران میں رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لائے اور فرمایا: 'اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری باتوں سے آگاہ کر دیا ہے۔' پھر آپ ﷺ نے

---

1. صحیح السّیرة النّبویة لابراهیم محمد العلی.
2. غزوات الرّسول -دروس و عبر وفوائدللصلابی.

Marfat.com

ان کی گفتگو ان کے سامنے دہرا دی۔اس پر عتاب اور حارث پکار اٹھے: 'ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔واللہ ہمارے پاس کوئی آدمی ایسا نہیں تھا جس نے یہ باتیں سنی ہوں۔'[1]

فتح مکّہ اور شرعی احکام

نبی اکرم ﷺ نے چار خطبے ارشاد فرمائے اور مکّہ کی طرف سفر سے لے کر مکّہ فتح ہونے کے بعد تک مختلف موقعوں پر دِین کے مختلف احکام کی تشریع فرمائی جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1: مسافر کو رمضان کے مہینے میں سفر کی حالت میں یہ اجازت ہے کہ چاہے تو روزہ رکھے اور نہ چاہے تو نہ رکھے۔رسول اللہ ﷺ نے سفر میں کدید کے مقام تک روزہ رکھا۔اس کے بعد آپؐ نے روزے نہیں رکھے۔اس کا مطلب یہ تھا مسافر کو اللہ نے جو رعایت دی ہے اس سے فائدہ اٹھانا بہتر ہے۔

2: بخاری کی روایت ہے کہ اس سفر میں حضور نے آٹھ رکعت صلوٰۃ الضحیٰ ادا فرمائی۔یہ نماز سُنّت مؤکدہ ہے۔

3: نماز کی اِمامت اُسی شخص کو کرانی چاہیے جس کو زیادہ قُرآن یاد ہو۔[2]

4: رسول اللہ ﷺ نے مکّہ میں قیام کے 19 دن تک قصر نمازیں پڑھیں۔طویل عرصہ تک وطن سے باہر مسافرت کی حالت میں قصر نماز کی تعیین ہوگئی۔[3]

5: خواتین کسی کو امان دیں تو وہ قابلِ قبول ہوگی۔اُمّ ہانی نے اپنے سسرالی خاندان کے دو مردوں کو امان دی۔[4]

6: رسول اللہ ﷺ نے نکاحِ متعہ کو قطعی طور پر حرام ٹھہرا دیا۔[5] اِمام نوویؒ کے بقول فتحِ

---

[1] سیرتِ رحمتِ دارین بحواله البداية والنّهاية لابن کثیر.

[2] بخاری. [3] بخاری.

[4] بخاری. [5] صحیح مسلم.

Marfat.com

خیبر تک متعہ جائز تھا۔فتحِ خیبر کے روز ممنوع قرار دیا گیا۔ پھر یہاں فتحِ مکّہ کے بعد اس کی اجازت دی گئی۔اس کے بعد قیامت تک کے لیے حتمی طور پر اس کی حرمت کا اعلان ہو گیا۔

7: اسی موقع پر اس امر کی وضاحت ہوئی کہ بچہ جس کے بستر پر پیدا ہو اسی کا ہے اور زنا کار کی سزا سنگساری ہے۔یہ معاملہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت عبد بن زمعہؓ کے درمیان بچے کی ولدیت پر ایک تنازع کے فیصلے میں طے ہوا۔بچہ حضرت عبدؓ بن زمعہ کے بستر پر پیدا ہوا تھا۔ ❶

8: صفوانؓ بن امیہ اور عکرمہؓ بن ابی جہل دو ایسے معروف شخص تھے جو فتحِ مکّہ کے بعد روپوش ہو گئے تھے لیکن ان کی بیویوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔چونکہ عدّت کی مدت کے اندر وہ خود بھی مسلمان ہو گئے اس لیے ان کا نکاح برقرار رہا۔ ❷

9: جب حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ مکّہ ہی میں بیمار پڑ گئے تو ان کی وصیت کا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آیا۔حضورؐ نے ان کو ایک تہائی سے زیادہ مال کے بارے میں وصیت سے روک دیا تھا تاکہ وارثوں کی حق تلفی نہ ہو۔ ❸

10: ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ نے اپنے شوہر کی بخیلی کی شکایت کی اور پوچھا تھا کہ کیا وہ شوہر کو بتائے بغیر اس کے مال میں سے ضرورت کے مطابق لے سکتی ہیں؟ حضورؐ نے ان کو اس کی اجازت دے دی تھی۔ ❹

11: پچھلے چوری کے واقعہ میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سفارش کا ذکر گزر چکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسامہؓ کے چور عورت کے حق میں سفارش کرنے پر سخت ناراضی کا

---

❶ بخاری. ❷ مؤطا مالك بن انسؒ.

❸ ترمذی. ❹ صحيح مسلم.

Marfat.com

اظہار فرمایا تھا۔ ❶

مکّہ کے لیے رسول اکرم ﷺ کی پالیسی

مکّہ کے پرچم اسلام کے سائے میں آنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ ماضی میں مکّہ والوں نے حق دشمنی، بے رحمی اور ظلم وستم کے جو مظاہرے کیے تھے ان کے بدلے میں انہیں تہس نہس کر دیا جائے۔ ان کے لیے عام معافی کا اعلان ہو گیا تھا۔ حضورؐ کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ ان کے اندر شکست خوردگی کا منفی احساس کے بجائے خود اعتمادی بحال ہو۔ آپؐ ایسے اقدامات کر رہے تھے جن کا مقصد یہ تھا کہ اہلِ مکّہ نے کفر وشرک کی حالت میں جو قائدانہ کردار ادا کیا تھا، اب اسلام کی دولت پانے کے بعد ویسا ہی قائدانہ کردار ادا کریں۔ عقیدہ و فکر کے اعتبار سے ان کی رگوں میں موجود فاسد خون کی اصلاح کے لیے حضورؐ نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو مامور کیا تھا تاکہ وہ ان کی ایمانی، روحانی اور اخلاقی تعلیم وتربیت کریں۔ سرورِ عالم ﷺ کی حکمتِ عملی کا ایک دلچسپ اور انتہائی مثبت پہلو یہ تھا کہ کچھ دن بعد آپؐ جب بنو ثقیف اور ہوازن سے معرکہ آرائی کے لیے روانہ ہونے لگے تو اس عتاب بن اسید کو مکّہ میں امیر مقرر کیا جس نے ابھی چند ہی روز پہلے حضرت بلالؓ کو کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دیتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا کہ شکر ہے میرا باپ یہ منظر دیکھنے سے پہلے مر گیا۔ اب اسی نوجوان کی ذمہ داری تھی کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرے، حق کو قائم کرے اور باطل کو مٹائے، مظلوم اس کا حق دلائے، ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دے اور اسلام کی حاکمیت قائم کر کے دکھائے۔ اس تقرر میں ایک پیغام یہ مضمر تھا کہ ابوسفیان، سہیل بن عمرو، حارث بن ہشام جیسے لوگوں کی اس بوڑھی قیادت کا قائدانہ کردار ختم ہو گیا ہے جس کی عمر کا بڑا حصہ اسلام کی مخالفت میں گزرا تھا۔

---

❶ بخاری و مسلم.

Marfat.com

غزوۂ حُنَین

6 شوال، 8 ہجری

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾﴾ (التوبہ:25، 27)

'اللہ اِس سے پہلے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے۔ ابھی غزوۂ حُنَین کے روز (اُس کی دست گیری کی شان تم دیکھ چکے ہو)۔ اُس روز تمہیں اپنی کثرتِ تعداد کا غرّہ تھا۔ مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول پر اور مومنین پر نازل فرمائی اور وہ لشکر اتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور منکرینِ حق کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے اُن لوگوں کے لیے جو حق کا انکار کریں۔ پھر (تم یہ بھی دیکھ چکے ہو کہ) اِس طرح سزا دینے کے بعد اللہ جس کو چاہتا ہے توبہ کی توفیق بھی بخش دیتا ہے، اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔'

عرب میں طائف کی اہمیت

طائف مکّہ اور مدینہ کے بعد عرب کا سب سے بڑا شہر اور شرک و بت پرستی کا دوسرا بڑا مرکز تھا۔ طائف میں ثقیف کے علاقے کو دَورِ جاہلیت میں مدتوں سے تجارتی اور ثقافتی لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل تھی۔ عکّاظ، ذوالمجاز اور عرفہ کے مشہور بازار یہیں ارد گرد لگتے تھے۔ مرّالظّہران میں مجنّہ کا بازار اگرچہ طائف کے مقابلے میں مکّہ سے قریب پڑتا تھا لیکن

Marfat.com

طائف کے تاجر یہاں بھی خرید وفروخت کے لیے اپنا مال رکھتے تھے۔تجارت کی گرم بازاری کے علاوہ ان بازاروں میں شعر و شاعری کی مجلسیں جمتی تھیں جہاں شعراء میں اپنے کلام کے علاوہ اپنے اپنے خاندانی تفاخر کے مقابلے ہوتے تھے۔مکّہ کی معیشت کا دارومدار صرف تجارت پر تھا مگر طائف والے تجارت کے علاوہ زراعت میں بھی سارے علاقے میں امتیاز رکھتے تھے۔خوشگوار آب و ہوا اور ہموار زرخیز زمینوں میں ان کے انگور اور انار کے باغات تھے جن کی سبزیوں اور پھلوں کی پیداوار ان بازاروں میں خوب بکتی تھی۔یہ آڑھتی لوگ تھے۔شام اور یمن کی منڈیوں میں جا کر اِدھر کا مال اُدھر اور اُدھر کا اِدھر بیچتے تھے۔قریش کے ساتھ ان کے اعتقادی اور خونی رشتے تھے۔قریش کی شکست پر ان کی مشرکانہ رگ پھڑ کنے کے علاوہ قرابت داری کی غیرت کا بیدار ہونا باعثِ تعجب نہیں تھا۔

اہلِ طائف کی تباہی مقصود نہیں تھی

مکّہ والوں نے جب دعوتِ حق ٹھکرا دی تھی اور رسول پاک ﷺ طائف تشریف لے گئے تھے کہ شاید وہاں کی زمین دعوتِ حق کے بیج کے لیے زرخیز ثابت ہو لیکن ان کے سرداروں نے حضورؐ کے ساتھ سخت بے رحمی کا برتاؤ کیا تھا۔جب پہاڑوں کے فرشتے نے آ کر عرض کیا تھا کہ آپؐ چاہیں تو ان لوگوں کو پیس کر رکھ دیا جائے تو ان لوگوں کا تباہ ہونا حضورؐ رحمۃ للعالمینی کو گوارا نہ ہوا۔اب اس مرحلے پر جب آپؐ نے قریش کے لیے عفوِ عام کا اعلان کر دیا تھا، آپؐ اہلِ طائف اور ان کے اڑوس پڑوس کے قبائل کو ہلاکت سے دوچار ہونا کیسے پسند کر سکتے تھے؟اس ہمدردانہ رویّے کا ایک اور پہلو یہ بھی تھا کہ ہجرت کے بعد قریش نے مدینہ پر بڑے جتنے حملے کیے یا چھوٹی موٹی عسکری کارروائیاں کی تھیں، اہلِ مکّہ کے ساتھ قربت کے باوجود طائف والوں نے ان کا ساتھ نہیں دیا تھا۔صلحِ حدیبیہ کے مذاکرات میں قریش کی طرف سے جو سفارتی نمائندے آئے تھے ان میں ایک عروہ بن مسعود ثقفی بھی تھا۔ہم اس باب میں دیکھ چکے ہیں کہ اس نے مسلمانوں کے کیمپ کا بغور جائزہ لینے کے بعد واپس جا کر قریش والوں کو مشورہ دیا تھا کہ تعظیم وطوافِ حرم کے لیے آنے والے اِن زائرین

Marfat.com

کی زیارتِ کعبہ میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔اگر تصادم ہو گیا تو محمد (ﷺ) کے ساتھیوں کی فداکاری کی جو کیفیت ہے اس کے پیشِ نظر صاف ظاہر ہے کہ قریش کے لیے مسلمانوں کا مقابلہ کرنا مشکل ہوگا۔ایک اور دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ دس ہزار کا اسلامی لشکر مکّہ فتح کرنے چڑھ آیا لیکن ہوازن اور بنوثقیف اس ساری صورتِ حال سے بالکل بے تعلق رہے۔ان میں سے کوئی قریش کی مدد کو نہ نکلا تھا۔[1]

نظامِ جاہلیت کو بچانے کی آخری کوشش

ہوازن اور بنوثقیف کی مکّہ پر مسلمانوں کی چڑھائی سے بے تعلقی کی شاید ایک اور وجہ بھی تھی۔وہ سمجھتے تھے کہ قریش میں مشرکانہ عقائد اور تہذیب و ثقافت کی حفاظت کی عسکری صلاحیت موجود ہے۔لیکن دنیا نے دیکھا کہ قریشِ مکّہ کے ہاتھوں میں جاہلیت کے پرچم کو تھامنے کی مزید سکت نہیں رہی تھی۔جہل و ضلالت پر کھڑا اُن کا اعتقادی اور تہذیبی قصر زمیں بوس ہو گیا تھا۔اسلام کے مقابلے میں مشرکین اور یہودیوں کی مزاحمتی تحریک دم توڑ چکی تھی۔تحریکِ اسلامی کے راستے میں کھڑی ساری دیواریں ایک ایک کر کے منہدم ہو گئی تھیں۔جاہلی نظام سے وابستہ قوتوں میں سے اب صرف ہوازن اور بنوثقیف کی طاقت محفوظ تھی۔جاہلیتِ عرب اور نظامِ باطل کی بقا کے لیے شیطان کی ساری امیدیں اب انہی کی جنگی طاقت اور تیراندازی میں مہارتوں سے وابستہ تھیں۔طبری کی ایک روایت کے مطابق بنوثقیف اور ہوازن کو جب رسول اللہ ﷺ کے مدینہ سے اپنی فوج لے کر نکلنے کی خبر ملی تو وہ اسی وقت چوکنے ہو گئے تھے۔ان کو جب قریش کی شکست کی خبر ملی تو ان کو خطرہ محسوس ہوا کہ مسلمانوں کا اگلا ہدف وہی ہوں گے اس لیے مسلمانوں کے ہاتھوں مکّہ فتح ہونے کے بعد انھوں نے تیزی سے جنگی تیاریاں شروع کر دی تھیں تاکہ قریش کی طرح بے خبری میں نہ مارے جائیں۔

ہوازن اور بنوثقیف کے لشکروں کی قیادت ایک نوجوان سردار عوف بن مالک کر رہا تھا۔اس نے اردگرد کے قبائل میں سے بنونصر، بنوجشم، بنی سعد بن بکر اور بنی ہلال بھی جمع کر

[1] السّیرة النّبویة الصّحیحة لاکرم ضیاء العمری.

Marfat.com

لیے تھے۔عوف بن مالک نے ان سب لشکریوں کو یہ ہدایت کی تھی کہ لڑنے کے لیے نکلنے والے سب لوگ اپنے مال مویشی اور بال بچے ساتھ لے کر وادیِ حُنَین (اوطاس) میں جمع ہوں۔دُرید بن صمہ بنو جشم کا تجربہ کار اور جنگی ماہر مشہور تھا۔بڑھاپے کی وجہ سے اس کی بینائی جاتی رہی تھی لیکن اس کی رہنمائی کی بڑی اہمیت تھی۔عوف بن مالک نے اس بوڑھے جنگجو کے مشوروں سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔درید کے کانوں میں جب بچوں کے رونے اور بھیڑ بکریوں کے منمنانے کی آوازیں پڑیں تو اس نے پوچھا کہ 'عورتوں اور بچوں اور مویشیوں کو کیوں ساتھ لے جا رہے ہو؟' عوف بن مالک نے اسے بتایا 'اس لیے کہ ہر شخص اپنے مال مویشیوں اور بال بچوں کی حفاظت کے خیال سے جان توڑ کر لڑے گا۔' دُرید نے سرزنش کرتے ہوئے کہا کہ 'میدان میں ثابت قدمی نیزوں اور تلواروں کے زور پر ہوتی ہے۔'

بوڑھے دُرید بن صمہ کو جب بتایا گیا کہ کعب اور کلاب دو قبیلے ہوازن کی انگیخت کے باوجود اس لشکر میں شامل نہیں ہیں تو اس نے کہا وہ دونوں تو جدوجہد کی بنیاد اور بہادری اور خوش نصیبی کی علامت ہیں۔اگر انہوں نے اس جنگ سے دور رہنے کو ترجیح دی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ جنگ کا دن عظمت و سربلندی کا دن ثابت نہیں ہوگا۔عوف بن مالک نے دُرید کی ان باتوں کو اپنی سبکی سمجھا اور اسے بوڑھا سنکی قرار دے کر اس کے سارے مشورے رد کر دیے۔اس نے ہوازن سے اپنی مکمل اطاعت کا عہد لینے کے لیے دھمکی دی کہ اگر اس کی بات نہ مانی گئی تو وہ اپنی تلوار اپنے پیٹ میں گھونپ کر خودکشی کر لے گا۔اس نے میدانِ جنگ میں اترتے وقت اپنے لشکر کو ہدایت کی کہ جب مسلمانوں کا سامنا ہو تو سب سپاہی اپنی نیامیں توڑ کر یکبارگی حملہ آور ہوں۔اگرچہ کچھ علامتوں کی بنا پر دُرید بن صمہ نے نتائج کے بارے میں نا امیدی کا اظہار کیا تھا اس کے باوجود اس میں کوئی شک نہیں کہ عوف بن مالک نے اپنی فوج کی صف بندی اور ترتیب و تنظیم اپنی حد تک زبردست جنگی مہارت کے ساتھ اور بڑے مؤثر انداز میں کی تھی۔واقدی کے مطابق عوف بن مالک کے ماتحت فوج کی تعداد بیس

Marfat.com

ہزار تھی۔ مقدمہ میں لشکری سردار تھے۔ ان کے پیچھے پیادہ فوج اور عقب میں عورتیں اور بچے اور ان کے پیچھے بھیڑ بکریاں اور اونٹوں کی قطاریں تھیں۔ ❶

مسلمانوں کا نظامِ خبر رسانی

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مسلمان لشکر جب مکہ سے روانہ ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے دشمن کی خبر لانے کے لیے حضرت عبداللہ بن حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ وہ ایک ماہر جاسوس کی طرح ان کی صفوں کے اندر داخل ہو گئے۔ ایک دو دن وہاں رہ کر ساری صورتِ حال کا جائزہ لیا اور واپس آ کر ہوازن اور بنو ثقیف اور ان کے اتحادیوں کی صف بندی کی مکمل رپورٹ حضورؐ پہنچائی۔ شاید ابن حدرؓ کے یہ بتانے پر کہ عوف بن مالک نے اپنے ہر فوجی کو ہدایت کر رکھی ہے کہ وہ اپنے بال بچے اور مال و اسباب اور مویشی بھی میدانِ جنگ میں ساتھ لے کر جائیں، نبی پاک ﷺ نے تبسم کے ساتھ فرمایا: 'ان شاء اللہ، کل یہ سب کچھ بطورِ مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئے گا۔' ❷

حضورؐ کی جنگی تیاری

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے انصار و مہاجرین اور دیگر قبائل کے مکہ پر حملے میں شریک دس ہزار کے لشکر کے علاوہ 'طلقاء' یعنی مکہ کے نومسلم اور کچھ غیر مسلم بھی فوج میں شامل کر لیے گئے۔ غیر مسلم تو غیر مسلم تھے، ان نومُسلموں کے دلوں میں ابھی توحید کا عقیدہ راسخ نہیں ہوا تھا۔ اسی لیے ان میں سے کچھ نے حُنین کے راستے میں مشرکوں کی نظر میں فتح کی علامت سمجھے جانے والے ایک درخت 'ذات الانواط' کے پاس سے گزرتے ہوئے مسلمانوں کے لیے بھی ایسی ہی کوئی علامت قائم کرنے کی درخواست کی۔ یہ دو ہزار کی تعداد میں تھے۔ ان کو شامل کر کے مسلمان فوج کی کل تعداد بارہ ہزار ہو گئی تھی۔ صفوان بن امیہ ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس سے ایک سو زرہیں اور کچھ اور اسلحہ عاریتاً

---

❶ اکرم ضیاء العمری و محمد لقمان سلفی بحوالہ مسلم، ابن اسحاق، مسند احمد، حاکم اور دلائل النبوۃ۔

❷ السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ بحوالہ سنن ابی داود۔

Marfat.com

لیا۔ اس سامان کی بار برداری کی ذمہ داری بھی صفوان کو سونپی گئی۔ ابن عبدالبر نے **الاستیعاب** میں لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حویطب بن عبدالعزیٰ سے چالیس ہزار درہم کا قرض لیا اور نفل بن حارث سے تین ہزار نیزے بھی لیے۔ چونکہ مکّہ کی فتح میں مسلمانوں کو کوئی جنگ لڑنی نہیں پڑی تھی اور مکہ فتح ہوئے دو ہفتے گزر چکے تھے اس لیے مکّہ سے نکلتے وقت فوج تازہ دم تھی۔ مسلمانوں نے آٹھ سال کے عرصے میں جتنی جنگیں لڑی تھیں، یہاں ہوازن اور بنو ثقیف کے مقابلے کے لیے جانے والی مسلم فوج کی تعداد ان سب سے زیادہ تھی۔ کچھ مسلمانوں کی زبانوں پر اپنی اس کثرتِ تعداد پر فخر وتکبّر کے کلمات آ گئے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس اظہارِ فخر کو سخت ناپسند کیا۔ اس عُجب یعنی اظہارِ فخر کے بارے میں سورہ توبہ کی آیت اس باب کے آغاز میں نقل کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ رویہ پسند نہیں آیا تھا۔ اس کثرتِ تعداد کے باوجود یہ سخت ترین جنگ ثابت ہوئی اور مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ حضورؐ نے سفر کی رفتار آہستہ رکھی۔ [1] مسلمان عشاء کے وقت دشمن کی فوج کے قریب پہنچے۔ نماز کے دوران میں اور اس کے بعد ایک صحابی کو پہاڑی کی بلندی پر پہرہ دینے کے لیے کھڑا کیا گیا۔ اس کے بعد ایک اور صحابی انسؓ بن ابی مرثد نے یہ ڈیوٹی اپنے ذمہ لے لی اور فجر تک پہرہ دیا۔ [2]

جنگ کا تنور تپ گیا

مسلمان فوج نے صبح کے وقت پیش قدمی شروع کی۔ بنو ہوازن نے رات ہی کو وادیِ حُنین کی پہاڑی گزرگاہوں، درّوں اور کمین گاہوں میں اپنے تیرانداز بٹھادیے تھے۔ انہیں ہدایت تھی کہ مسلمان جوں ہی ان راستوں پر قدم رکھیں تو ہر طرف سے ان پر تیروں کی بارش کر دی جائے۔ ابن اسحاق نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہماری جماعت بے خطر آگے بڑھ رہی تھی کہ ایک تو ہر طرف سے تیر برسنے لگے اور دوسری طرف دشمن کی فوج نے بڑا سخت حملہ کر دیا۔ مسلمان فوج میں سخت بھگدڑ مچ گئی۔ آدمی پر آدمی اور اونٹ پر

[1] السّيرة النّبوية الصحيحة. [2] ابی داود.

Marfat.com

اونٹ گر رہا تھا۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ اس افراتفری اور بھگدڑ کے اصل ذمہ دار یہی 'طُلقاء' تھے۔ بدنظمی میں کوئی نہیں سن رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ پکار رہے ہیں: 'لوگو! کدھر ہو؟ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں محمدؐ بن عبداللہ ہوں۔' ابوسفیانؓ بن حارث بن عبدالمطلب اور چند دیگر مسلمانوں کے سوا وہاں کوئی نہ بچا۔ مولانا عبدالرؤف دانا پوری نے 'اصح السیر' میں حضورؐ کے ساتھ استقامت سے کھڑے رہنے والوں میں ابوسفیانؓ بن حارث کے علاوہ ابوبکرؓ، عمرؓ فاروق، علیؓ ابن ابی طالب، عباسؓ بن عبدالمطلب، فضلؓ بن عباس، ربیعہؓ بن حارث، اسامہ بن زیدؓ، ایمنؓ بن ایمن، عبداللہ بن زبیرؓ اور ابن مسعودؓ کے ناموں کا ذکر کیا ہے۔

قدم پھر جم گئے

رسول اللہ ﷺ اپنے سفید خچر 'دُلدل' پر سوار تھے۔ آپؐ کے چچا عباسؓ نے اس کی لگام تھامی ہوئی تھی اور ابوسفیانؓ بن حارث نے رکاب پکڑ رکھی تھی۔ آپؐ کی ہدایت پر حضرت عباسؓ نے 'یا معشر الانصار، یا معشر السّمرہ یا معشر الشّجرہ، یا بنو حارث بن خزرج' کے نام سے مختلف گروہِ صحابہ کو پکارا۔ یہ آواز سن کر بھاگتے ہوئے قدم رک گئے۔ سب لَبّیك لَبّیك کہتے ہوئے اپنی زرہیں، نیزے اور تلواریں سنبھالتے ہوئے پلٹنے لگے۔ جس کا اونٹ نہیں مُڑ رہا تھا اس نے اسے وہیں چھوڑا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف لپکا۔ اکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے۔ خزرج کے لوگوں نے کمال بہادری دکھائی۔ حضورؐ ساتھ فرما رہے تھے: اَنَا النَّبِیّ لَاکَذِب وَ اَنَا اِبن عبدُالمُطلِبْ: (میں نبی ہوں، اس میں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں' ۔جب حضورؐ نے دیکھا کہ معرکے میں شدت آ گئی ہے تو فرمایا: 'الآن حمی الوطیس' یعنی اب میدان جنگ گرم ہو گیا ہے۔ مغازی اور احادیث کی تمام روایات بتاتی ہیں کہ گھمسان کی جنگ میں رسول اللہ ﷺ پوری استقامت اور عزم و حوصلہ کے ساتھ میدان میں کھڑے رہے۔ آپؐ خچر سے اترے اور ایک مٹھی مٹی لی۔ شَاھَتِ الْوُجُوہ کہہ کر مٹی کفّار پر پھینکی۔ دشمن کا کوئی شخص ایسا نہ تھا جس پر مٹی نہ پڑی ہو۔ اس کے بعد دشمن میدان چھوڑنے لگے۔ رسول اکرم ﷺ کو اطمینان

Marfat.com

محسوس ہوا: 'محمدؐ کے رب کی قسم! یہ شکست کھا گئے۔' ❶

﴿ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۶﴾

'پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول پر اور مومنین پر نازل فرمائی اور وہ لشکر اتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور منکرینِ حق کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے اُن لوگوں کے لیے جو حق کا انکار کریں۔'

مسلمانوں کے میدان چھوڑنے پر نبی اکرم ﷺ نے ان کی کوئی سرزنش نہیں کی تھی۔ اس جنگ میں لشکر کے اندر بدنظمی کے ذمہ دار 'طُلقاء' تھے لیکن جب ایک بہادر مجاہد حضرت اُمّ سلیم انصاریہ رضی اللہ عنہا نے بھاگنے والے 'طُلقاء' کو قتل کر دینے کی تجویز پیش کی تو رسول پاک ﷺ نے فرمایا: 'میرے لیے اللہ کافی ہے اور وہ سب سے بہتر ہے۔' اُمّ سلیمؓ نے اپنے دفاع کے لیے ایک خنجر اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا تھا۔ ❷

نظر نہ آنے والے لشکر

مادّہ پرست فکر اپنی محدودیت کی وجہ سے طبعی قوانین کے سوا اس نظامِ کائنات میں اللہ کی مرضیات کے قانون کو جاننے اور سمجھنے سے قاصر ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بدر سے لے کر یہاں حُنین تک ہر جگہ معجزات رونما ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ اور ان کے پیرووں کی غیبی مدد فرمائی۔ یہ مدد انہی کو ملتی ہے جو اپنی تمام طاقت اور سارے اسباب بروئے کار لے آنے اور السّعی و مِنّا کے سارے تقاضے پورے کر دینے کے بعد اللہ پر توکّل کرتے ہیں۔ ہوازن کے اپنے جنگجووں میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ جب ہم نے رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے کا ارادہ کیا تو ہمارے اور اُن کے درمیان خوبصورت چہروں والے مرد حائل ہو گئے۔ وہ کہہ رہے تھے: 'چہرے بگڑ جائیں، واپس چلے جاؤ۔ ان کی آواز سن کر ہم

❶ صحیح مسلم و ابن اسحاق.

❷ ابن اسحاق، طبری.

Marfat.com

بھاگ کھڑے ہوئے۔ شیبہ بن عثمان کا والد اور چچا بدر میں مارے گئے تھے۔اس نے ان کے قصاص کے طور پر اللہ کے رسول ﷺ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔شیبہ کا اپنا بیان ہے کہ ضاآگ کا ایک شعلہ لپکا اور میرے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان حائل ہو گیا۔ مجھے لگا کہ یہ مجھے جلا کر راکھ کر دے گا۔ میں نے اس کے جلوے کی تاب نہ لاتے ہوئے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے اور پیچھے سرکنے لگا۔رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھ لیا اور قریب بلایا۔میں جب حضورؐ کے قریب گیا تو آپؐ نے میرے لیے دعا کی: 'اے اللہ! اس سے شیطان کو دور کر دے۔' اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ایمان داخل کر دیا۔آپؐ نے فرمایا: 'جاؤ، اب دشمن سے لڑو۔' [1]

دشمن کا جانی نقصان اور مالِ غنیمت

حُنین سے کفار کے پاؤں اکھڑے تو وہ مقتولین کی لاشیں اور اپنے بال بچے چھوڑ کر اوطاس کی طرف بھاگ گئے۔اب اوطاس کے محاذ پر جنگ میں گرمی آ گئی۔کشف الاستار میں بزاز کی صحیح سند کے ساتھ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حلق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: 'اِن کافروں کا صفایا کرو۔ جو قابو میں آئے اسے بچ کے جانے نہ دو۔' ابوداود، دارمی اور مسند احمد کی روایت ہے کہ اس روز 92 کافر قتل ہوئے۔ ان میں سے بیس تو تنہا ابوطلحہؓ کے ہاتھوں مارے گئے۔صرف بنو مالک کے 72 افراد یہاں ہلاک ہوئے اور تین سو کے قریب اوطاس میں جا کر کیفر کردار تک پہنچے۔لوگوں نے کفار کی عورتیں اور بچے بھی مارنے شروع کر دیے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے سختی کے ساتھ روک دیا تھا۔دشمن نے بدحواسی میں بھاگتے ہوئے خود اپنا بہت نقصان کیا۔بے شمار زخمی ہوئے۔ چھ ہزار لوگ قیدی بنا لیے گئے جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔چار ہزار اوقیہ چاندی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بھیڑ بکریاں مالِ غنیمت میں شامل تھیں۔گھوڑے اور دیگر گھریلو جانوروں کی کوئی تفصیل روایات میں نہیں آئی لیکن بڑی تعداد میں ان کا قابو میں آنا

[1] السّیرة النّبویة فی ضوء المصادر الاصلیة بحواله المغازی الذهبی، دلائل النّبوة للبیهقی، ابن اسحاق و واقدی.

Marfat.com

قرینِ قیاس ہے۔ حضورؐ کا حکم تھا کہ آپؐ کی طائف سے واپسی تک یہ سارا مالِ غنیمت جعرانہ میں رکھا جائے۔ حضرت مسعود بن عمرو غفاری کو اس مال کی نگرانی پر مامور کیا گیا۔ ❶

غزوۂ نخلہ و اوطاس

بنو ثقیف کی ایک شاخ غیرہ حُنین میں شکست کھا کر نخلہ کی طرف نکل گئی تھی۔ مسلمانوں کا ایک گروہ ان کے تعاقب میں گیا۔ ربیعہؓ بن رفیع نے جو ابن الدّغنہ کے نام سے مشہور تھے۔ کم عمر ہونے کی وجہ سے اس علاقہ کی اہم شخصیات سے کچھ زیادہ واقف نہیں تھے۔ انہوں نے ایک اونٹ کو جاتا دیکھ کر پکڑ لیا۔ اس پر بنو جُشم کا نامی گرامی شہسوار اور جنگجو دُرید بن صمہ سوار تھا۔ اس نے کسی زمانے میں بنو سلمہ کی عورتوں کو دشمن سے آزاد کرایا تھا۔ اسی لیے اس نے اپنے قاتل کو بطورِ ملامت کہا کہ جا کر اپنی ماں کو بتانا کہ میں نے درید بن صمہ کو قتل کیا ہے۔ جنگ کے بعد گھر لوٹ کر جب ربیعہ بن رفیع نے اپنی ماں سے اس کا ذکر کیا تو اس نے کہا کہ درید بن صمہ نے تین بار تمہاری ماؤں، خالاؤں اور پھوپھیوں کی حفاظت کی تھی۔ ❷ ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کو اوطاس کی وادی میں بھیجا گیا تھا۔ حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت سلمہؓ بن اکوع اور حضرت ابو موسیٰؓ عشری جیسے نامور صحابہ ان کے ماتحت تھے۔ بنو جُشم کے ایک تیر انداز نے ابو عامر عشری رضی اللہ عنہ پر تیر پھینکا جو ان کے زانو میں پیوست ہو گیا تھا۔ اسی زخم سے ان کا انتقال ہوا۔ انہوں نے موت سے پہلے اپنے بھتیجے ابو موسیٰ اشعری کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور ان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو میرا سلام اور میرے لیے مغفرت کی دعا کی درخواست پہنچا دینا۔ حضورؐ کو جب یہ پیغام ملا تو آپؐ نے ان کے لیے دعائے مغفرت کی۔ ڈاکٹر ضیاء العمری نے بخاری کے حوالے سے بتایا کہ درید بن صمہ کو ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ غزوۂ حُنین اور اوطاس میں مسلمان شہداء کی تعداد چار بتائی گئی ہے۔ زخمیوں کی

❶ السّيرة النّبوية الصّحيحة لاکرم ضیاء العمری بحواله كشف الاستار ، ابن حجر، ابن اسحاق. ❷ اصحّ السّير.

Marfat.com

تعداد چھ سے زیادہ نہیں تھی۔

غزوۂ طائف

اوطاس اور طائف کے غزوے دراصل حُنَین معرکہ کی توسیع تھے، جن میں ہوازن کی کمر توڑی گئی تھی۔ طائف بنوثقیف کا مرکز تھا۔ حُنَین میں شکست کھا کر ان کی بڑی تعداد اپنے کمانڈر مالک بن عوف کے ساتھ بھاگ کر یہاں قلعہ بند ہو گئی تھی۔ محاصرہ کی طوالت کے امکانات کے تحت فوری طور پر انہوں نے یہاں ایک سال تک کے لیے راشن جمع کر لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں مسلمان مجاہدین نے ماہِ شوال کے تیسرے ہفتے میں اس قلعہ کو محاصرے میں لے لیا۔ اس قلعہ کو سر کرنے کی کوشش میں مسلمانوں کی کافی تعداد دشمن کے تیروں کا نشانہ بن گئی تھی۔ مسلمان پہلے دبابہ میں قلعے کی دیواروں تک پہنچنے کی کوشش کرتے رہے لیکن محاصرین نے اوپر سے لوہے کی تپتی ہوئی سلاخیں پھینک کر لکڑی کے دبابہ میں آگ لگا دی تھی جس سے کئی مسلمان شہید ہو گئے تھے۔ اس کے بعد منجنیق کے ذریعے قلعے پر بھاری پتھر پھینکے گئے۔ جب یہ تدبیر بھی بے نتیجہ رہی تو بنوثقیف کے حوصلے پست کرنے کے لیے ان کے باغات کو آگ لگا دی گئی۔ ان کی معیشت کا دارومدار انہی باغات کے پھلوں اور سبزیوں پر تھا۔ اس لیے انہوں نے رشتہ داری کا یا اللہ کا واسطہ دے کر درخواست کی کہ ہمارے باغات تباہ نہ کریں۔ حضورؐ نے یہ درخواست قبول کرتے ہوئے فرمایا: 'بے شک میں اللہ کے واسطے رحم کر کے تمہارے درختوں کو چھوڑ رہا ہوں۔'

رسول اللہ ﷺ نے اعلان کرا دیا کہ قلعے سے جو غلام نکل کر ہمارے پاس آ جائے اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ اس پر 23 غلام وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ سب نے اسلام قبول کر لیا اور ان کو آزاد کر دیا گیا۔ قلعہ میں محفوظ ہونے کی وجہ سے کفار کا بہت کم جانی نقصان ہو رہا تھا۔ اس کے برعکس ہر روز چند مسلمان دشمن کے تیروں کا نشانہ بن رہے تھے۔ کچھ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے بنوثقیف کے لیے بددعا کرنے کی درخواست کی مگر حضورؐ نے بددعا کے بجائے دعا کی کہ: 'اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے۔' اس سے ظاہر تھا

Marfat.com

کہ آپؐ بنو ثقیف کی تباہی نہیں چاہتے تھے۔جانی نقصان کے پیشِ نظر آخر رسول اللہ ﷺ نے محاصرہ ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔پہلے روز یہ تجویز سامنے آئی تو بہت سے مسلمانوں کو یہ ناگوار گزری لیکن جب دوسرے روز یہی تجویز پیش کی گئی تو لوگ خوش ہو گئے۔عروہ اور موسیٰ بن عقبہ کی ایک روایت کے مطابق بنو ثقیف کے محاصرے کی مدت دس بارہ دن تھی۔ابن اسحاق نے بیس اور تیس دن بتائے۔امام مسلم اور امام احمد نے یہ مدت چالیس دن بیان کی ہے۔ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد نے اس ساری تفصیل کے جائزہ کے بعد دس بارہ دن ہی کو قرین قیاس قرار دیا ہے۔[1]

یہ پہلا موقع تھا کہ دشمن کی جنگی طاقت کو ختم کیے اور جنگ کو کسی حتمی نتیجہ تک پہنچائے بغیر جنگی کارروائی ختم کر دی گئی۔اس کے مختلف اسباب بیان کیے گئے ہیں۔ڈاکٹر ضیاء العمری نے بخاری کی ایک روایت کی روشنی میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب طائف کا محاصرہ کیا اسی وقت سے آپؐ کا مقصد اس کو فتح کرنے کے بجائے صرف یہ واضح کرنا تھا کہ طائف مسلمانوں کی پہنچ سے باہر نہیں ہے۔[2] طالب الہاشمی نے 'سیرتِ رحمتِ دارین ﷺ' میں سیرہ ابن ہشام، زاد المعاد، تلقیح ابن جوزی، فتوح البلدان اور الرحیق المختوم کے حوالے سے محاصرہ اٹھانے کے چار اسباب کا ذکر کیا ہے۔پہلا سبب تو رسول پاک ﷺ کا وہ خواب بتایا جاتا ہے جس میں آپؐ نے دیکھا تھا کہ ایک دودھ یا مکھن سے بھرا ہوا پیالہ آپؐ کو دیا گیا۔اتنے میں ایک مرغ نے آ کر ٹھونگ ماری اور پیالے سے سارا دودھ یا مکھن گر گیا۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تعبیر یہ بتائی تھی کہ طائف ابھی فتح نہیں ہوگا۔دوسری وجہ یہ تھی کہ شوال کا مہینہ ختم ہونے والا تھا۔ذی القعدہ شروع ہو جانے کے بعد اگر یہ جنگ جاری رہتی تو مسلمانوں پر حرام مہینوں کی حرمت پامال کرنے کا الزام آتا۔تیسری وجہ اس غزوے میں ہونے والا جانی نقصان تھا۔محاصرہ اگر طول کھینچ لیتا اور ہر روز دشمن کی تیروں

---

[1] السّيرة النّبوية فى ضوء المصادر الاصلية.

[2] السّيرة النّبوية الصّحيحة.

Marfat.com

سے چند صحابہؓ بھی شہید ہوتے تو معاملہ بہت بڑے جانی نقصان پر منتج ہوتا۔ چوتھی وجہ یہ تھی کہ بنو ثقیف نے جس عاجزی کے ساتھ اپنے باغوں کو نقصان نہ پہنچانے کی درخواست کی اس سے ان کی کمزوری ظاہر ہو رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ بنو ثقیف کو اسلحہ کے بجائے اخلاقی طاقت سے زیر کیا جائے۔ قریش مکہ اور بنو ثقیف کے پہلو میں ہوازن اور دیگر کئی قبائل کے شکست سے دوچار ہونے یا اسلام کے دائرہ میں آجانے کے بعد بنو ثقیف کا دباؤ میں آجانا اور زیادہ دیر مزاحمت پر قائم نہ رہ سکنا اب نوشتۂ دیوار تھا۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

مالِ غنیمت کی کثرت کے لحاظ سے پچھلے آٹھ سال کا کوئی غزوہ حُنین واوطاس کے برابر نہیں تھا۔ رسول پاک ﷺ نے جعرانہ واپس آکر تقریباً 14 دن انتظار کیا کہ شاید ہوازن اپنے بال بچوں کی خاطر آکر اسلام قبول کر لیں۔ لیکن جب وہ نہ آئے تو آپؐ نے سارا مال مہاجرین اور 'طُلقاء' میں تقسیم کر دیا۔ اس میں سے انصار کو کچھ نہ دیا گیا۔ اس کی خاص حکمت آپؐ نے بعد میں خود بتائی۔ غطفان کے زعماء میں سے عیینہ بن حصن، اقرع بن حابس اور قریش کے علقمہ بن علاثہ اور عباس بن امیہ کو سو سو اونٹ دیے گئے۔ ابن اسحاق نے سو سو اونٹ پانے والوں کی تعداد بارہ بتائی ہے جن میں سے چھ کے نام صحیحین میں بھی آئے ہیں۔ باقی چھ یہ ہیں: معاویہ بن ابوسفیان، حارث بن حارث، مالک بن عوف، علاء بن جاریہ، حارث بن ہشام اور حویطب بن عبد العزیٰ۔ 29 اشخاص کو تالیفِ قلب کے طور پر خصوصی عطیات سے نوازا گیا۔

اس موقع پر انصار میں اپنے نظر انداز کیے جانے کا احساس پیدا ہونا فطری بات تھی۔ ان کے اس احساس کا جب رسول اکرم ﷺ کو علم ہوا تو آپؐ نے ان کو جمع کر کے خطاب فرمایا: 'کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ اور لوگ دنیا لے کر جائیں اور تم اللہ کے رسولؐ کو ساتھ لے کر جاؤ؟' انصار نے کہا: 'یا رسول اللہ! ہم اس پر راضی ہیں۔' آپؐ نے فرمایا: 'دوسرے

Marfat.com

لوگ اگر ایک وادی میں چل رہے ہوں تو میں انصار والی وادی میں چلوں گا۔'❶ ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: 'کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ اور لوگوں کے ساتھ تو اونٹ اور بکریاں جائیں اور تم اللہ کے رسولؐ کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ؟'❷

صاحب اصحّ السّیر نے امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی رائے کا حوالہ دیا ہے کہ مؤلفۃ القلوب کو بھاری تعداد میں جو خصوصی عطیات دیے گئے وہ اس عام مالِ غنیمت میں سے نہیں تھے جس کے چار حصے مجاہدین کا حق ہوتے ہیں۔ اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ مال جس میں سے مجاہد صحابہ کا حصہ نہ نکالا گیا ہو ان کی اجازت کے بغیر کسی کو عطیہ کر دینا کتاب اللہ کے اصولِ مالِ غنیمت کے بھی منافی تھا اور حضورؐ کا اپنا قاعدہ بھی یہ نہیں رہا تھا۔ اس لیے صحیح رائے یہی ہے کہ یہ خصوصی عطیات و نوازشات خمس بلکہ خمس الخمس میں سے تھیں۔ یعنی مالِ غنیمت کا وہ حصہ جو خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی ملکیت میں جاتا ہے۔ خمس میں جو ذکر ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا ہے تو اس کے مصارف میں دینی مصالح پر خرچ کرنا شامل ہے۔ نومسلموں کو اسلام پر پختہ کرنے کے لیے بطورِ حوصلہ افزائی انعام سے نوازنا دینی مصلحت کا تقاضا ہے۔

ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد نے السّیرۃ النّبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ میں صحیح روایتوں کے ساتھ ان حکمتوں کا ذکر کیا ہے جن کے تحت دوسرے لوگوں کو مال سے نوازا گیا اور انصار اس مالِ غنیمت سے محروم رہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں مال دیا وہ ایمان کے لحاظ سے کمزور اور مال کی خواہش کے اسیر تھے۔ خدشہ تھا کہ وہ محرومی کے اثر سے ایمان کی کمزوری کا مظاہرہ نہ کر بیٹھیں۔ ان کے برعکس عمرو بن تغلب جیسے وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں بھلائی اور استغناء تھا وہ اپنی اس خصوصیت کی وجہ سے ایمان کی راہ پر چلنے میں قابلِ اعتماد تھے۔ قریش ابھی نئے نئے جاہلیت سے نکلے تھے۔ ان پر مفتوح ہو جانے کا احساس غالب تھا۔ ان کے زخموں پر مرہم رکھنا اور ان کی دل جوئی

❶ صحیح بخاری۔ ❷ مسلم۔

Marfat.com

کرنا ضروری سمجھا گیا۔ آپؐ نے انصار کو مخاطب کر کے یہ امر واضح کیا کہ جن کو مالِ غنیمت میں سے کوئی حصہ نہیں ملا وہ مال پانے والوں کی نسبت اللہ کے رسولؐ کو زیادہ محبوب ہیں۔ انصار رسول اللہ ﷺ کی اس وضاحت سے نہ صرف مطمئن ہو گئے۔ ان میں سے جن لوگوں نے محروم رکھے جانے کا شکوہ کر کے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچائی تھی صرف وہی نہیں بلکہ تمام انصاری صحابی اتنا روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔

مال کی طلب میں سب سے حریص گروہ اعراب کا تھا۔ مقام و منزلتِ رسولؐ اور جہاد کے حقیقی تصور سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے وہ لوگ شانِ رسالت میں بے ادبی کے مرتکب ہو رہے تھے۔ بے چینی سے مال پر لپکے پڑتے تھے جس سے بھگدڑ کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ منافقین بھی اس موقع پر بے چینی پھیلانے کی مہم میں مصروف تھے۔ وہ مال کی تقسیم میں بے انصافی اور خویش پروری کا تاثر پیدا کر کے مسلمانوں کی صفوں میں دراڑیں ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مکّہ اور طائف کے آس پاس کی دیہاتی بستیوں کے بہت سے لوگ اس وقت تک اپنے پرانے مشرکانہ عقائد اور جاہلی طرزِ زندگی پر قائم تھے۔ وہ اسلام کے معاملے میں بڑی حد تک بے تعلق ہو کر بیٹھے ہوئے تھے۔ قریش، ہوازن اور بنو ثقیف کو لگنے والی ضرب نے انہیں بھی سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اب اسلام کے سائے میں آئے بغیر ان کا کوئی سیاسی، سماجی اور معاشی مستقبل نہیں ہے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ طائف اور اس کے مضافات کا علاقہ بہت جلد حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

عمرہ کی ادائیگی اور مدینہ واپسی

رسول اکرم ﷺ نے جعرانہ میں 13 دن قیام فرمایا۔ جعرانہ ہی میں احرام باندھا اور عشاء کی نماز پڑھ کر رات کے وقت سفر کر کے مکّہ پہنچے۔ اس وقت تک ذی القعدہ شروع ہو گیا تھا۔ ہوازن اور بنو ثقیف سے جنگوں کے لیے نکلتے وقت عتابؓ بن اسید کو مکّہ میں اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا۔ حضورؐ نے اس منصب پر عتابؓ بن اسید کو برقرار رکھا۔ ان کے لیے ایک درہم روزانہ کے حساب سے وظیفہ مقرر کیا۔ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو مکّہ کے لوگوں کی دینی

Marfat.com

تعلیم اور اخلاقی تربیت کی غرض سے چھوڑا۔ مالِ غنیمت آپؐ نے جعرانہ سے سیدھا مرّ الظہران بھجوا دیا تھا۔ ذی القعدہ کے اواخر یا ذی الحجہ کے شروع میں آپؐ مدینہ پہنچ گئے۔ اس سال کا حج مشرکین نے اپنے قاعدے کے مطابق کیا اور مسلمانوں نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا۔ یہ امر واضح نہیں ہے کہ حضورؐ مدینہ روانگی کے وقت حضرت عتاب کو امیر الحج مقرر کیا تھا یا نہیں۔

غُربتِ دِین سے غلبۂ دِین تک

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۳۳﴾ (التوبہ:33)

'وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے پوری جنسِ دین پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔'

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّ الْاِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيْبًا وَ سَيَعُوْدُ غَرِيْبًا فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ وَ مَا الْغُرَبَاءُ؟ قَالَ الَّذِيْنَ يَصْلِحُوْنَ عِنْدَ فَسَادِ النَّاسِ)) [1]

غلبۂ دین اس کتاب کے دوسرے حصے کا ایک مستقل باب ہے۔ وہاں تفصیل سے ذکر آ رہا ہے کہ غلبۂ دین کی منزل تک پہنچنے کے لیے جدوجہد کی کن کن گھاٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ زمانی اعتبار سے غُربتِ دین سے اِظہار و غلبۂ دین کی اس کہانی کا سلسلۂ واقعات مکّہ سے چل کر مکّہ پر دو مرحلوں میں اختتام پذیر ہوا۔ ایک مرحلہ سید الابرار، اِمامُ المتقین، خاتم الانبیاء، سرورِ عالم ﷺ نبوی زندگی کے مکّہ میں قریش کی شدید مخالفت اور انتہائی جور و ستم کے تیرہ سال پر محیط تھا اور دوسرا مرحلہ ہجرتِ مدینہ سے فتحِ مکّہ

[1] مسلم، مجمع الزّوائد للهيثمي.

Marfat.com

تک کے تقریباً آٹھ سال پر آ کر ختم ہوا۔تقریباً 28ماہ پر محیط حیاتِ نبوی کا تیسرا اور آخری مرحلہ یہاں سے شروع ہو کر حضورؐ کی وفات تک ہے۔فتحِ مکّہ سے اکیس سال پہلے غارِ حرا میں ہدایت وایمان کا جو چشمہ پھوٹا تھا دعوت وتبلیغ کی کدالوں سے وسیع ہو کر وہ پیاسی روحوں کو سیراب کرنے والی ایک شفاف ندی میں بدل گیا تھا۔اس ندی کے راستے میں کفر وشرک کے پہاڑ کھڑے تھے لیکن وہ اس کی روانی کو روک نہ سکے۔تیرہ سال تک یہ اپنے بہاؤ پر قائم رہی۔مدینہ میں داخل ہو کر یہ حق وصداقت کے جاری ایک بڑی نہر میں بن گئی۔پانچ سال کے حالات وحوادث سے گزر کر اس کے پاٹ میں اور وسعت آئی اور اس نے ایک موّاج دریا کی شکل اختیار کر لی۔اور پھر یہی دریا ایک بار پھر مکّہ میں آ کر جاہلیت اور ضلالت کی بڑی سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرایا اور اس نے ان کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔

اب مکّہ میں اس کی تصویر اس اجنبیت وغربت کی نہیں تھی جس کی طرف اوپر درج حدیث مبارکہ میں اشارہ ہے۔اب یہ وہ خورشید تھا جو اپنے وجود کی خود دلیل تھا۔مکّہ میں اس کا آنا غلبہ وکارفرمائی کی شان کے ساتھ آنا تھا۔اب اسے جہل وضلالت کی تاریکیوں سے راستہ نہیں مانگنا تھا بلکہ ان کا راستہ مکمل طور پر روکنا تھا۔اس کتاب میں اسلام کے اس مرحلہ وار سفر کے لیے 'تحریکِ اسلامی' کی اصطلاح اسی حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اسلام کا کارواں 21 سال تک مسلسل حرکت میں رہا۔اس میں ٹھہراؤ اور جمود اور تعطل پیدا نہیں ہوا۔اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد قُرآنِ مجید میں تین مقامات پر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس لیے مبعوث کیا کہ وہ اس دِین کو سارے ادیان پر غالب کر دے۔مکّہ فتح ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنی بعثت کی اس منزل پر پہنچ گئے۔اب آئندہ سیرتِ طیبہ کی باقی روئیداد اسی غلبہ کی روئیداد ہوگی۔

Marfat.com

9ہجری کے اہم واقعات

عاملینِ زکوٰۃ کی تقرری، چند سرایا، غزوۂ تبوک اور وفود

ہجرت کے آٹھویں سال کی نئے سال کے لیے سب سے بڑی خوش خبری تھی کہ قبائلِ عرب میں جہاں جہاں اسلام دشمنی کی خار دار جھاڑیاں تھیں وہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اطاعت و وفا کے پھول کھل آئے ہیں۔ ہدایت اور ایمان کے تریاق سے مخاصمت و عناد کا زہر رفع ہوگیا ہے۔ ہوازن کے سرنگوں ہو جانے کے بعد جزیرۃُ العرب کے اندر اسلامی تحریک کے راستے میں رکاوٹ بننے والی کوئی مزاحمتی قوت باقی نہیں رہی تھی۔ شہروں کی متمدّن زندگی سے دُور کچھ گنوار اور اَن گھڑ قسم کے دیہاتی لوگ جہالت میں بھی شورش برپا کرتے رہتے تھے اور اب اِسلام کے غلبہ کے بعد بھی وہ کبھی کبھار اپنی جہالت کا کوئی مظاہرہ کر بیٹھتے تھے لیکن وہ کوئی منظم اور خطرناک قوت نہیں تھی۔ اگرچہ جہاد و قتال اہم ترین دِینی فریضہ ہے لیکن کیے جانے والا اصل کام دعوتِ دِین، انسانیت کی رہنمائی، افراد کی اخلاقی تربیت اور اعلیٰ اخلاقی تصورات کے مطابق ایک صالح معاشرے کی اصلاح و تعمیر ہے۔ جہاد اِس اصل کام کے راستے میں کھڑی اعتقادی اور فکری گمراہی کی بڑی بڑی چٹانوں اور زہریلی جڑی بوٹیوں اور خار دار جھاڑیوں کو صاف کرنے کا عمل ہے، اسی لیے یہ افضل العبادات ہے۔ یہ امر واضح تھا کہ کاروانِ حق کے ہجرت کے نویں سال میں داخل ہونے تک سرزمینِ عرب کے اندر اسلام کے مستقبل کا انحصار تلوار کے بجائے اعتقادی اور اخلاقی اصلاح اور دعوت و تربیت اور تعلیم و تلقین پر تھا۔ ریاست و سیاست، عدل و انصاف، معیشت و معاشرت، خاندان اور فرد کی زندگی کے بارے میں قُرآن کے تقریباً تمام قوانین تدریج کے اصول کے

Marfat.com

مطابق نازل ہو چکے تھے اور حکمت وفراست کے ساتھ ان کا نفاذ ساتھ ہو رہا تھا۔ اِنفاق فی سبیلِ اللہ کا عمل دعوتِ حق کے بالکل آغاز ہی سے جاری تھا لیکن بطورِ فرض زکوٰۃ کی وصولی سورہ توبہ کی 60 ویں آیت کی روشنی میں 9 ہجری میں عمل میں آنا شروع ہوگئی تھی۔

بنو ثقیف کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ ان میں اگرچہ ابھی تھوڑا غرور باقی تھا لیکن وہ اندر سے ایک بھربھری چٹان رہ گئے تھے جس کے ٹکڑے ٹوٹ ٹوٹ کر الگ ہونا شروع ہو گئے تھے۔ عروہؓ بن مسعود ثقفی اس قبیلے کے بڑے دانا اور معزز شخص تھے۔ قبیلے میں ان کی عزت کا یہ حال تھا کہ لوگ احتراماً ان کو سوتے ہوئے جگاتے نہیں تھے کہ کہیں ان کے آرام میں خلل نہ پڑے۔ رسول اللہ ﷺ ابھی مدینہ نہیں پہنچے تھے کہ وہ مسلمان ہو کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے آپؐ سے اجازت مانگی کہ وہ واپس اپنی قوم میں جا کر اسلام کی دعوت کا کام کریں۔ وہ اِس اعتماد کے ساتھ واپس جانا چاہتے تھے کہ اپنے سماجی مرتبے ومقام کو بروئے کار لا کر آسانی کے ساتھ اپنی قوم میں اشاعتِ اسلام کا کام کرلیں گے۔ رسول اللہ ﷺ افراد ہی کی نہیں بلکہ قوموں کی مزاجی اور نفسیاتی خصوصیات پر بھی نظر رکھتے تھے اور ان کی عادات سے خوب واقف تھے۔ آپؐ جانتے تھے کہ بنو ثقیف کے مزاج میں ابھی انکار اور اکڑ موجود ہے اس لیے آپؐ نے حضرت عروہؓ بن مسعود کو جانے سے منع کیا کہ کہیں قبیلے کے لوگ ان کو قتل نہ کر دیں۔ لیکن حضرت عروہؓ کو بھروسا تھا کہ قوم ان کو بڑی عزت وتوقیر کی نظر سے دیکھتی ہے اس لیے کسی کو ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی جرأت نہیں ہوگی۔ انہوں نے قوم میں دعوتِ دِین کی غرض سے واپس جانے کی اجازت لے لی۔ قبیلے میں جا کر دِین کی دعوت کا آغاز کیا ہی تھا کہ بنو ثقیف کی ایک شاخ اوس بن مالک کے ایک بدبخت شخص نے تیر کا وار کر کے ان کو شہید کر دیا۔ اس کے باوجود نگاہِ رسالت صاف دیکھ رہی تھی کہ بنو ثقیف میں مسلمانوں کے خلاف کسی جارحیت کی ہمت نہیں ہے۔ شہروں کی متمدّن زندگی سے دُور کچھ اَن گھڑ دیہاتی تھے جو کبھی شرارت پر اتر آتے لیکن ان کی کوئی منظم عسکری قوت نہیں تھی۔

Marfat.com

ہوازن کا وفد

یہ آٹھویں سال ہی کا واقعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ ابھی جعرانہ سے عمرے کے لیے روانہ نہیں ہوئے تھے کہ 14 افراد پر مشتمل ہوازن کا ایک وفد اپنے قیدیوں کی واپسی کی درخواست لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اس وقت تک آپؐ قیدیوں کو غنیمت کے مال کے طور پر مجاہدین میں تقسیم کر چکے تھے۔ اس وفد کی قیادت ابوجرول زُہیر بن صُرد کر رہا تھا۔ آپؐ کے رضاعی چچا ابو بُرقان بھی اس وفد میں شامل تھے۔ وفد کا لیڈر پہلے خود بڑے ادب کے ساتھ عرض گزار ہوا۔ اس کے بعد ہوازن کا مشہور خطیب زُہیر بن صُرد اٹھا اور کہا: 'اے اللہ کے رسول! یہ جو باڑوں میں قیدی بند ہیں ان میں آپؐ کی خالائیں، پھوپھیاں اور دایائیں بھی ہیں جنہوں نے آپ کے بچپن میں آپؐ کی کفالت اور پرورش کی تھی۔' نبی ﷺ کی اپنی خواہش تھی کہ ہوازن کی عورتیں اور بچے کسی طرح آزاد ہو جائیں۔ قیدیوں کی مجاہدین میں تقسیم کو آپؐ نے اتنے دن تک اسی امید پر ملتوی رکھا تھا کہ شاید اس دوران میں بنو ہوازن کا کوئی وفد اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے آ جائے۔

حضورؐ نے وفد کے ارکان سے دریافت کیا کہ تم لوگوں کو اپنی عورتوں اور بچوں کی رہائی زیادہ عزیز ہے یا اپنے اموال کی واپسی؟' شرکائے وفد نے کہا: 'ہمیں ہماری عورتیں اور بچے واپس کر دیں۔' نبی رحمت ﷺ نے ان کی درخواست کو پذیرائی بخشی لیکن اسلامی قانون کی روشنی میں ہوازن کے قیدی چونکہ تقسیم ہو کر مجاہدین کی ملکیت بن گئے تھے اس لیے آپؐ اپنی مرضی سے ان کو واپس نہیں لے سکتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: 'تمہارے خاندانوں میں سے جو عورتیں اور بچے میری اور بنو عبدالمطلب کی تحویل میں ہیں ان کو تو ہم آزاد کر دیتے ہیں۔' باقی قیدیوں کے لیے حضورؐ نے انہیں ایک تدبیر بتائی کہ 'جب ہم ظہر کی نماز سے فارغ ہو جائیں تو تم لوگ اٹھ کر کہنا کہ 'ہم اپنی عورتوں اور بچوں کی رہائی کے لیے اللہ کے رسولؐ کو سفارشی بناتے ہیں۔' اس تدبیر کے نتیجے میں انصار اور مہاجرین اور قریش مکہ میں سے نومسلموں کے پاس جو قیدی تھے وہ آزاد کر دیے گئے۔ کچھ لوگ جو اس پر بھی قیدی چھوڑنے پر راضی نہیں

Marfat.com

تھے ان سے رسول پاک ﷺ نے وعدہ فرمایا کہ اگر وہ اس کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہیں تو بہت جلد کسی دوسری صورت میں اِس کی تلافی کر دی جائے گی۔ اِس تلافی کی ممکنہ صورت یہی تھی کہ مالِ غنیمت میں سے جو حصہ رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص تھا اس میں سے حضورؐ ان کو کچھ دے دیتے۔

کعب بن زہیر کا قبولِ اِسلام

کعب عرب کا مشہور شاعر تھا۔ اس کا باپ زہیر بن ابی سُلمیٰ مزنی المعلقات السبعة (سات معروف عرب شاعروں کے قصائد) کا شاعر تھا۔ کعب نے اپنی شاعری کو اسلام کی مخالفت اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کا ہتھیار بنا رکھا تھا۔ وہ حضورؐ کی ہجو کر کر کے آپؐ کو ذہنی اذیت دیا کرتا تھا۔ مکّہ کی فتح کا وقت آیا تو یہ جان کے خوف سے اپنے بھائی بُجیر کے ساتھ بھاگ کر ابرق عزّاف (مدینہ کے قریب بصرہ کے راستے پر ایک جگہ) کی طرف نکل گیا تھا۔ وہاں سے اس نے اپنے بھائی کو مکّہ کے تازہ حالات کی خبر لانے کے لیے واپس بھیج دیا۔ بُجیر رسول اللہ ﷺ کی دعوت سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ بھائی کے قبولِ اسلام کی خبر پر اس نے اور زیادہ توہین آمیز الفاظ میں شعر کہے۔ یہ اُن آٹھ لوگوں میں شامل تھا جن کے بارے میں حکم ہوا تھا کہ کعبہ کے پردے کے پیچھے بھی چھپے ہوئے ملیں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔

اس کے بھائی نے اس کو جا کر بتایا کہ اگر کوئی مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی کا خواستگار ہو تو حضورؐ اس کی خطائیں معاف کر دیتے ہیں۔ اس نے اسے اسلام قبول کر کے نبی رحمت ﷺ کے پاس حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ دانشور آدمی تھا۔ دین کو سمجھا ہو یا نہ ہو لیکن بدلی ہوئی صورتِ حال کو سمجھ چکا تھا۔ بہت جلد فریب نفس سے نکل آیا۔ چنانچہ اس نے حضورؐ کی شان میں ایک قصیدہ لکھا جس کا پہلا شعر ہے:

بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِیْ اَلْیَوْمَ مَتْبُوْلُ
مُتَیَّمٌ عِنْدَ هَا لَمْ یُفْدِ مَكْبُوْلُ

Marfat.com

’سُعاد جدا ہوگئی، اس لیے آج میرا دل دکھی ہے اور اُس کے لیے دیوانہ ہے اور اس کی محبت میں جکڑا ہوا ہے، آزاد نہیں ہو پا رہا ہے۔‘

جب وہ اس شعر پر پہنچا جس کا مطلب ہے: ’رسول اللہ ﷺ وہ نور ہیں جس سے روشنی ملتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی سونتی ہوئی خالص فولادی تلوار ہیں۔ وہ قریش کے چند جوانوں میں سے ہیں جو مسلمان ہوئے۔ ان میں سے کہنے والے نے وادیِ مکہ میں کہا نکل چلو۔‘ اس پر نبی اکرم ﷺ نے اپنی چادر مبارک اس پر ڈال دی۔ اسی نسبت سے اس قصیدے کا نام ’قصیدۂ بردہ‘ پڑ گیا۔ تاہم اس قصیدہ کی روایات کی صحت کے بارے میں بعض اہلِ علم نے اضطراب کا ذکر کیا ہے۔ شوکانیؒ نے عراقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ قصیدہ جن سندوں سے ہم نے دیکھا ہے ان میں سے کوئی سند بھی صحیح نہیں ہے۔ ابن کثیرؒ نے بھی لکھا ہے کہ یہ روایت جن سندوں سے ملی ہے ان میں سے کوئی بھی مطمئن کرنے والی نہیں ہے۔ [1]

عاملینِ صدقات کا تقرر

سورہ توبہ کا بڑا حصہ غزوۂ تبوک کے آگے پیچھے نازل ہوا تھا۔ اسی سورہ میں وہ آیت ہے جس میں زکوٰۃ کی فرضیت کے ذکر کے ساتھ مستحقینِ صدقات و زکوٰۃ کا تعین کیا گیا ہے۔ چنانچہ اسی سال رسول پاک ﷺ نے مختلف قبائل سے سرکاری طور پر زکوٰۃ کی وصولی کے لیے عاملین کا تقرر فرمایا۔

﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ (توبہ: 60)

’یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور اُن لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں، اور اُن کے لیے جن کی تالیفِ قلب مطلوب

[1] السّيرة النّبوية في ضوء المصادر الاصلية.

Marfat.com

ہو۔ نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرض داروں کی مدد کرنے میں اور راہِ خدا میں اور مسافرنوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا و بینا ہے۔'

السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ، الرحیق المختوم اور اصح السیر میں ان صحابہؓ کی فہرست دی گئی ہے جن کو رسول اللہ ﷺ نے مختلف قبائل سے صدقات و زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بطورِ عامل روانہ کیا تھا۔یہ 9 ہجری کے ماہِ محرم کی بات ہے۔

1: حضرت عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ کو بنوتمیم کی طرف بھیجا گیا۔
2: یزیدؓ بن الحصین (یا بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ) کو اسلم اور غفار کی طرف
3: عبادؓ بن بشر الاشہلی کو بنوسلیم اور مزینہ کی طرف
4: رافعؓ بن مکیث کو جہینیہ کی طرف
5: عمرو بن العاصؓ کو فزارہ کی طرف
6: ضحاکؓ بن سفیان کلابی کو بنو کلاب کی طرف
7: بُسرؓ بن سفیان کعبی کو بنی کعب کی طرف
8: ابن اللتبیۃ الازدیؓ کو بنی ذیبان کی طرف
9: مہاجر ابن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو صنعا کی طرف
10: زیادؓ بن لبید انصاری کو حضر موت کی طرف
11: عدیؓ بن حاتم کو قبیلہ طے اور بنی اسد پر مامور کیا گیا
12: مالکؓ بن نویرہ بنی حنظلہ کے لیے عامل زکوٰۃ بنے۔
13: الزبرقانؓ بن بدر اور قیسؓ بن عاصم کو بنی سعد کے دو مختلف حصوں سے وصولیِ زکوٰۃ پر مامور کیا گیا۔
14: علاء الحضرمیؓ بحرین پر عاملِ صدقات بنے۔
15: حضرت علیؓ نجران سے صدقات وصول کرنے گئے۔

Marfat.com

ان قبائل میں سے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان سے صدقات کی وصولی کرنی تھی اور جنہوں نے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے اسلامی حکومت کے اقتدار کو قبول کر لیا تھا ان سے جزیہ لیا جانا تھا۔

چند سرایا (فوجی مہمیں)

جیسا کہ سطور بالا میں ذکر ہو چکا ہے کہ ہجرت کے 9 سال تک سارا عرب مفتوح ہو کر متفرق قبائلی ڈھانچے سے نکل کر اپنے دور کی ایک جدید اسلامی ریاست کے قالب میں ڈھل گیا تھا، اعلیٰ اخلاقی اقدار پر ایک منظم اور مستحکم معاشرہ وجود میں آچکا تھا، فاسد اخلاقی بنیادوں پر کھڑی تہذیبوں کے مقابلے میں اعلیٰ اخلاقی اصولوں کی حامل ایک توانا اور اثر آفریں تہذیب و تمدن کی نمو ہو چکی تھی۔ اب بس کونوں کھدروں میں کچھ پراگندہ عناصر ایسے رہ گئے تھے جو کہیں نہ کہیں سے سر اٹھا کر کسی شر پسندی اور تخریبی سرگرمی سے امن و امان میں خلل ڈالنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کی بروقت سرکوبی نہ کی جاتی تو حوصلہ پا کر مغلوب ہو جانے والی بڑی قوتیں پھر آمادۂ بغاوت ہو سکتی تھیں۔ اس لیے ہجرت کے 9 ویں سال کے ابتدائی مہینوں میں ان فسادی گروہوں کو سزا دینے کے لیے مختلف مسلّح دستے روانہ کیے گئے۔

سریہ عیینہ بن الحصن

نبی اکرم ﷺ نے محرّم کے مہینے میں حضرت عیینہ بن حِصن رضی اللہ عنہ کو بنو تمیم کی ایک شاخ بنو عنبر کی طرف بھیجا۔ شاید انصار اور مہاجرین کے طویل سفروں اور فتحِ مکّہ سے غزوۂ طائف تک زبردست جدوجہد کے خیال سے اس مہم پر اُن میں سے کسی کو نہیں بھیجا گیا۔ جن شریروں کی سرکوبی مقصود تھی ان کو کسی طرح مسلمان دستے کی آمد کا علم ہو گیا اور وہ بھاگ گئے۔ ان کے گیارہ مرد، گیارہ عورتیں اور تیس بچے پکڑ کر مدینہ لائے گئے۔ اس قبیلے کے سردار عطارد بن حاجب، زبرقان بن بدر، قیس بن عاصم اور اقرع بن حابس اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قیدی عورتیں اور بچے اپنے سرداروں کو دیکھتے ہی چیخنے چلانے لگے۔ اطرافِ مدینہ کے ان گنوار اور نبی ﷺ کے مقام و مرتبہ سے بے بہرہ

Marfat.com

اور آداب و تعظیم سے بے خبر لوگوں نے ازواجِ مطہرات کے حجروں کے چکر کاٹنے شروع کر دیے اور باہر سے آوازیں دینا شروع کر دیں: 'اے محمدؐ! باہر نکلو۔' اُن لوگوں کی یہ حرکت رسول اللہ ﷺ کو ناگوار گزری۔ قرآن پاک کی درج ذیل دو آیتوں سے مترشح ہوتا ہے کہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے نبیؐ کے آرام اور ادب کے منافی اِس حرکت کو سخت ناپسند فرمایا۔ اِس واقعہ کے تناظر میں سب مسلمانوں کے لیے ہدایت جاری فرما دی کہ باہر سے چیخ چیخ کر پکارنے کے بجائے رسول اللہ ﷺ کے باہر نکلنے تک لوگوں کو صبر سے انتظار کرنا چاہیے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَ لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (الحجرات:4، 5)

'اے نبیؐ، جو لوگ تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ اگر وہ تمہارے برآمد ہونے تک صبر کرتے تو انہی کے لیے بہتر تھا، اللہ درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔'

وہ نمازِ ظہر کا وقت تھا۔ نماز کے بعد نبی اکرم ﷺ نے مسجد کے صحن ہی میں اُن لوگوں کو بلا کر اُن کی بات سنی۔ بعض روایات میں ہے کہ اُن کے قیدی فدیہ لے کر چھوڑے گئے اور کچھ روایات ہیں کہ بغیر فدیہ کے رہا کر دیے گئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح بخاری میں ایک روایت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ قیدی مجاہدین میں مالِ غنیمت کے طور پر تقسیم کیے جا چکے تھے۔ روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضورؐ سے عرض کیا کہ میں نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے ایک گردن آزاد کرنے کی نذر مانی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: 'بنو عنبر کے قیدی آ رہے ہیں۔ اُن میں سے ایک قیدی نذر پوری کرنے کے لیے تمہیں دے دیا جائے گا۔' حضرت عائشہؓ کے پاس ایک قیدی عورت آئی۔ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: 'اسے آزاد کر دو یہ اسمٰعیلؑ کی نسل سے ہے۔'[41]

[41] السّیرةُ النّبویة فی ضوء المصادر الأصلیة.

Marfat.com

سریہ قطبہؓ بن عامر

خثعم طائف کے قریب بنو مازن کی بستی تبالہ کے علاقے کے ایک محلے کا نام تھا۔اطلاع ملی کہ وہاں کے لوگ آمادۂ فساد ہیں۔اس اطلاع پر حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں 20 مجاہدین کا ایک دستہ 9 ہجری کے ماہِ صفر میں اُدھر روانہ کیا گیا۔دس اونٹوں پر باری باری سوار ہو کر یہ دستہ دن کو چھپتا اور رات کو سفر کرتا ہوا وہاں پہنچا۔رات کا وقت تھا۔پہلے اُن کا ایک آدمی پکڑا گیا لیکن اُس نے نہ صرف یہ کہ اپنے لوگوں کے بارے میں معلومات فراہم کرنے سے انکار کر دیا بلکہ چیخ چیخ کر اپنے قبیلے کے لوگوں کو خبردار کر دیا۔وہ لوگ مقابلے کے لیے آ گئے۔سخت جھڑپ ہوئی۔ان کے بہت سے آدمی ہلاک اور زخمی ہوئے۔مجاہدین میں سے بھی کچھ کو شدید زخم آئے۔آخر ان کی سرکشی کچلی گئی۔مجاہدین ان کے اونٹ اور بھیڑ بکریاں ہانک کر مدینہ لے آئے۔اس کارروائی سے اُس علاقے کے دیگر مشرکین بھی چوکنے ہو گئے۔انہوں نے مجاہدین کا پیچھا شروع کیا۔لیکن دونوں فریقوں کے درمیان سیلابی پانی حائل ہو گیا اس لیے مسلمان دستہ بحفاظت مدینہ پہنچ گیا۔ ❶

سریہ ضحاکؓ بن سفیان

یہ اسی سال ربیع الاوّل کا واقعہ ہے۔رسول پاک ﷺ نے حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ دے کر بنو کلاب کی طرف بھیجا۔الرّحیق المختوم میں ہے کہ بنیادی طور پر یہ دستہ دعوتِ دِین کی غرض سے روانہ کیا گیا تھا۔اِس دستے میں حضرت اُصید بن سلمہ رضی اللہ عنہ تھے جن کا تعلق بنو کلاب سے تھا۔انہوں نے اپنے باپ سلمہ کو دِین کی دعوت دی اور اپنی طرف سے اُس کی امان کا بھی اعلان کر دیا۔لیکن سلمہ نے پلٹ کر اپنے بیٹے اور اُس کے دِین کو گالیاں دیں۔بیٹے نے پھر بھی کا ادب ملحوظ رکھا اور براہِ راست اُس پر حملہ کرنے کے بجائے اُس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔سلمہ گھوڑے سے گر پڑا۔اس نے نیزہ نکال لیا۔اس کے وار کرنے سے پہلے ہی ایک دوسرے مسلمان نے اسے قتل کر دیا۔ ❷

---

❶ الصّادِق الامین بحوالہ طبقات ابن سعد، عیون الأثر، زادالمعاد.

❷ الصّادِق الامین بحوالہ طبقات ابن سعد، عیون الأثر، زادالمعاد.

Marfat.com

سریہ علقمہؓ بن مجزّر المدلجی

اِسلامی ریاست کے بے مثال سربراہؐ کی بیدار مغزی اور ریاست کے دور دراز علاقوں کی حفاظت کے بارے میں ہمہ وقت تیاری کا اندازہ کرنے کے لیے یہ مثال کافی ہے۔رسول اللہ ﷺ ریاست کے دارالحکومت مدینہ میں تھے۔مدینہ سے اس ریاست کے روحانی اعتبار سے سب سے اہم مرکز اور دوسرے بڑے شہر مکّہ کا فاصلہ تقریباً 211 میل (339 کلومیٹر) ہے۔حضورؐ کو اطلاع ملی کہ حبشی بحری قذاق اہلِ مکّہ کے خلاف غارت گری کے ارادے سے جدّہ کے ساحلی علاقے میں جمع ہو رہے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فوری طور پر اپنے صحابی حضرت **علقمہ بن مجزّر مدلجی** کی قیادت میں تین سو مجاہدین کا ایک مضبوط دستہ ان قذاقوں کو کچلنے کے لیے روانہ کیا۔مسلمان ایک جزیرے میں اترے۔وہاں سے قذاقوں کے ٹھکانوں کی طرف پیش قدمی شروع کی۔لیکن اس فسادی گروہ کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ہو گئی۔ان کا صرف ایک آدمی مارا گیا باقی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ [1]

سریہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

صفی الرحمٰنؒ مبارک پوری نے یہ واقعہ بغیر حوالہ کے ربیع الاول کا لکھا ہے مگر ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد اور ڈاکٹر محمد لقمان سلفی نے واقدی اور طبقات ابن سعد کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ سریہ ربیع الثانی میں بھیجا گیا۔سریہ کا مقصد آلِ حاتم کے محلے میں نصب قبیلہ 'طئی' کی طرف بھیجا گیا تھا۔آلِ حاتم 'رکوسی' عقیدہ رکھتے تھے۔طے کا عیسائی فرقہ مذہباً نصرانی ہونے کے باوجود 'فُلس' نام کے ایک بت کا پجاری تھا۔مجاہدین نے کسی مزاحمت کے بغیر اس بت کو پاش پاش کر کے اس کی باقیات کو آگ لگا دی۔حاتم طائی کا بیٹا عدی بن حاتم قبیلے کا سردار تھا۔وہ شام کی طرف بھاگ گیا۔قبیلے کی عورتوں کو گرفتار کر لیا گیا۔بہت سے اونٹ اور بکریاں بھی مسلمان دستے کے ہاتھ لگیں۔قیدی عورتوں میں سفانہ نام کی ایک عورت تھی جس کو واقدی اور ابن سعد نے عدی بن حاتم کی بیٹی لکھا ہے لیکن احمد اور ترمذی کی روایت میں ہے

[1] الرّحیقُ المختوم ، الصادق الامین بحوالہ واقدی، عیون الأثر.

Marfat.com

کہ وہ عدی کی پھوپھی تھی۔ ❶

ابن اسحاق نے اس کی خاصی تفصیل لکھی ہے۔ابن کثیرؒ نے ابن اسحاق کی روایت نقل کر کے لکھا ہے کہ دیگر روایات اس کو تقویت دیتی ہیں۔ان کے مطابق یہ عورت حاتم کی بیٹی تھی اس لیے مکالمہ کی باقی تفصیل اسی کے مطابق بیان کی جارہی ہے۔عین ممکن ہے کہ گرفتار عورتوں میں حاتم طائی کی بہن اور بیٹی دونوں شامل ہوں اور دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے رہائی اور دستگیری کی درخواست کی ہو۔بہر حال قیدی مدینہ میں لائے گئے۔رسول اللہ ﷺ کا ان کے پاس سے جب گزر ہوا تو اس خاتون نے آپؐ سے عرض کیا: 'یا رسول اللہ! میرے والد انتقال کر گئے ہیں۔ بھائی غائب ہو گیا ہے۔آپؐ میرے دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیں۔ چاہیں تو مجھے آزاد کر دیں۔میرے والد بھوکوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔سلام کو رواج دیتے تھے۔کبھی کوئی حاجت مند ان کے ہاں سے خالی ہاتھ واپس نہیں گیا تھا۔'

رسول اللہ ﷺ عزت دار لوگوں کی تکریم کرتے تھے۔آپؐ کا ارشاد ہے: اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُم یعنی 'لوگوں کے ساتھ ان کی حیثیت اور مرتبے کے مطابق سلوک کرو'۔ آپؐ نے یہ فرماتے ہوئے اس عورت کو آزاد کر دینے کا حکم دیا کہ اس کا باپ اعلیٰ اخلاقی اوصاف کا مالک تھا۔اس عورت پر اس کریمانہ برتاؤ کا بہت اثر ہوا۔اس عورت نے وہیں پر اسلام قبول کر لیا۔ نبی پاک ﷺ نے اس کو کپڑوں کا جوڑا اور زادِ راہ دے کر اپنے بھائی کے پاس چلے جانے کی اجازت دے دی۔اس نے بلادِ شام جا کر اپنے بھائی کو تلاش کیا اور جلد از جلد پیغمبرِ اسلام ﷺ کے پاس جا کر ملاقات کا مشورہ دیا۔چنانچہ عدیؓ بن حاتم خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔رسول اللہ ﷺ کو ان کے ایمان لانے کی بہت خوشی ہوئی۔روایات میں آتا ہے کہ اس کے ذہن میں رسالت کی کچھ خاص علامات تھیں جو اسے نے حضور ﷺ میں نظر آ گئی تھیں۔

❶ السیرة النبویة فی ضوء المصادر الاصلیة.

Marfat.com

غزوۂ تبوک (غزوۃ العسرۃ)

اسباب

تبوک مدینہ سے تقریباً ساڑھے چھ سو کلومیٹر کے فاصلے پر ایک شہر ہے۔ بنو سعد بن عذرہ کے بیٹوں کا 'تبوک' نام کا ایک کنواں تھا جس کی وجہ سے اس علاقے کو تبوک کہا جاتا تھا۔ صاف سیدھی سڑکیں نہ ہونے کی وجہ سے اس زمانے میں یہ دُوری 778 کلومیٹر تھی۔ ظہورِ اسلام کے وقت یہ رومی سلطنت کا حصہ تھا۔ اس بات کا اِس سے قبل تذکرہ ہو چکا ہے کہ ظہورِ اِسلام کے وقت سے ہجرت کے زیرِ بحث عرصے تک روم اور ایران کا عرب کے ساتھ بس اتنا ہی تعلق تھا کہ عرب تاجر اپنے ہاں سے چمڑے اور اُون کی کچھ مصنوعات کے علاوہ جنوب کی بندرگاہوں پر جنوبی ایشیا اور دوسری طرف چین سے اترنے والا سامان بحرِ احمر اور خشکی کے راستے شام اور بحرِ احمر کے شمال مغربی ساحلوں تک پہنچاتے تھے جہاں سے یہ مال بحرِ متوسّط کی بندرگاہوں کے راستے یونان تک جاتا تھا۔ اُدھر سے ان عرب تاجروں کے ذریعے آنے والا سامان یمن کی بندرگاہوں تک لایا جاتا تھا، جہاں سے یہ جنوبی ایشیا اور چین تک جاتا تھا۔ جزیرۃُ العرب میں بجائے خود کوئی ایسی کشش نہیں تھی کہ اس پر قبضے کی خاطر اس وقت کی دو 'سپر پاورز' کے درمیان کوئی رقابت یا تصادم ہوتا۔ لیکن اسلام کی برکت سے مدینہ کی ریاست اپنے وقت کی ایک طاقتور نظریاتی ریاست بن گئی تھی۔ سارا عرب اس کے زیرِ نگیں آ گیا تھا۔ اس پر اردگرد کی بڑی قوتوں کے کان کھڑے ہونا باعثِ تعجب نہ تھا۔ اس ریاست کی سرحدیں شمال میں رومی سلطنت کے ساتھ جا ملتی تھیں۔ فتحِ مکّہ سے قبل جنگِ موتہ میں رومی سلطنت کا مسلمانوں کی کرشماتی قوت سے پالا پڑ چکا تھا۔ صرف تین ہزار مجاہدین نے دو لاکھ عیسائی فوج کے دانت کھٹے کر دیے تھے۔ موتہ میں لگنے والی اس ضربِ کاری کی وجہ سے قیصرِ روم نے شامی سرحدوں پر اپنی فوجی نقل و حرکت میں غیر معمولی اضافہ کر دیا تھا۔ اس کو دو طرح کے خطرات محسوس ہو رہے تھے۔ ایک خطرہ تو براہِ راست مسلمانوں سے تھا اور

Marfat.com

دوسرا یہ تھا کہ مسلمانوں کی اس قوت سے دب کر کہیں عرب عیسائی قبائل اس کی بالا دستی کا جوا اتار پھینکنے کے لیے تیار نہ ہو جائیں۔

عیسائیوں کی فوجی نقل و حرکت کی خبریں

واقدی کی روایت ہے کہ نبطی لوگ شام سے آٹا اور تیل فروخت کرنے مدینہ لایا کرتے تھے۔ ان کے ذریعہ مسلمانوں کو شام کے بارے میں خبریں ملا کرتی تھیں۔ ان نبطیوں ہی نے یہ خبر دی تھی کہ ہرقل اپنی فوج کے لیے ایک سال کا غلّہ جمع کر رہا ہے۔ اس نے لخم، جذام اور غسان اور عاملہ کی عیسائی آبادیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ رومی بادشاہ نے بلقاء میں چھاؤنی بنا کر اپنے ہراول دستے وہاں اتار دیے ہیں۔ [1] ان خبروں کے ملتے ہی رسول اللہ ﷺ نے فوری جوابی کارروائی کا فیصلہ کر لیا۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی کہ اٹلی، یونان، شام اور قسطنطنیہ تک پھیلی ہوئی سلطنتِ رُوما کتنی بڑی طاقت ہے۔ لیکن جیسا کہ مشرکینِ عرب کے ساتھ جنگوں میں اور غزوۂ موتہ میں ثابت ہو چکا تھا کہ جنگوں میں اصل اہمیت فوجیوں کی تعداد اور اسلحہ کی بہتات سے زیادہ ایمان، عقیدہ اور نظریہ و فکر کی توانائی کی ہوتی ہے۔ ایرانیوں پر غالب آ جانے کے بعد رومی غرور کے نشے میں مبتلا تھے۔ ان کا عین اسلامی سرحد کے اوپر اپنی فوجیں لا کھڑی کرنا اگر نظر انداز کر دیا جاتا تو اسلام کی اس وقت تک کی ساری اعتقادی و ایمانی، عسکری و مادی فتوحات پر پانی پھر جانے کا ڈر تھا۔ رومی اگر پیش قدمی کر کے اسلامی ریاست کی سرحدوں کے اندر کوئی قابلِ ذکر کامیابی حاصل کر لیتے تو کفر و شرک اور منافقت کی وہ ساری قوتیں جو اس وقت تک دبی ہوئی تھیں ان میں جان پڑ جاتی۔ باہر کے خطرے کے ساتھ اندر سے کئی خطرات سر اٹھا لیتے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس بہت بڑے خطرے سے نمٹنے کا فوراً فیصلہ کر لیا۔ [2]

تنگ دستی کی حالت میں تیار لشکر (جیش العسرہ)

جب نبی اکرم ﷺ نے تبوک کے غزوہ کے لیے نکلنے کا فیصلہ کیا تو جاہلیتِ قدیمہ سے

[1] الصّادِق الامین۔ [2] تفہیم القرآن جلد دوم۔

Marfat.com

قلبی رغبت اور اپنے مفادات سے تعلق رکھنے والے تمام عناصر کو اس پر تعجب سے زیادہ خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کھل کر کہہ رہے تھے کہ مسلمان جنگ لڑنے نہیں بلکہ خودکشی کرنے جا رہے ہیں۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ معاشی مشکلات نے قحط کی سی صورتِ حال پیدا کر رکھی تھی۔ کھجور کی وہ فصل پکنے والی تھی جس کے بروقت سمیٹ لینے پر غذائی قلت سے نجات کی امید تھی۔ تیس ہزار مجاہدین کا جو لشکر جمع ہوا تھا اس کے لیے موجود سامانِ خورد ونوش کا یہ حال تھا کہ ایک دانہ کھجور میں بھی دو آدمیوں کا حصہ ہوتا تھا۔ کبھی تو حال یہ ہوتا کہ ایک مجاہد کھجور کا دانہ چوس کر پانی کا گھونٹ لے لیتا اور کھجور کا وہ دانہ اپنے دوسرے بھائی کو پکڑا دیتا تھا۔ نہ پورا سامانِ جنگ تھا، نہ سفر کے لیے مطلوبہ سواریاں اور نہ زادِ راہ تھا۔ اتنے بڑے دشمن سے لڑنے کے لیے مجاہدین کی تعداد اگرچہ اس سے پہلے کے غزوات کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی لیکن جس دشمن سے مقابلہ ہونے جا رہا تھا اس سے مسلمان فوج کی نسبت ایک اور دس کی تھی، یعنی دس دشمنوں کے مقابلے میں ایک بے وسیلہ مسلمان سپاہی۔ دس ہزار اونٹ تھے جن پر کئی مجاہد باری باری سفر کر رہے تھے۔ اب رومیوں کا ٹڈی دل لشکر سرحدوں پر آ پہنچا تھا۔ غسانی اور دیگر عیسائی عرب قبائل اس کے شانہ بشانہ لڑنے کے لیے تیار تھے۔ اِس صورتِ حال کا نقشہ کھینچ کھینچ کر اور نزاکتیں سمجھا سمجھا کر منافقین اور مشرکین مسلمانوں کے حوصلے پست اور ارادے کمزور کرنے کی مہم چلا رہے تھے۔ سفرِ تبوک کے دوران میں ودیعہ بن ثابت، جُلاّس بن سوید بن صامت، مخشی بن حُمیّر اور ثعلبہ بن حاطب رومیوں کی جنگی طاقت اور میدان میں ان کی ثابت قدمی کی مثالیں دے کر دہشت پیدا کر رہے تھے۔ اُن میں سے ایک نے مسلمانوں سے کہا: 'تم لوگ رومیوں سے قتال کو معمولی چیز نہ سمجھو۔ خُدا کی قسم! ہمیں تو صاف نظر آ رہا ہے کہ کل تم لوگ (بطور قیدی) رومیوں کی رسیوں میں بندھے ہوئے ہو گے۔' مسلمانوں کی بے سروسامانی اور ناگفتہ بہ حالت جس کی وجہ سے اس لشکر کا نام **جیش العسرہ** یعنی سخت تنگی کے حالات میں نکلنے والا لشکر پڑ گیا تھا، منافقین کے تبصروں کا ایک خاص موضوع تھا۔

Marfat.com

ایثار و اِنفاق کے عظیم جذبے

یہ رسول اکرم ﷺ کی زندگی کا آخری اور اسلام کے پیغام کو 'عربیت' کے دائرے سے نکال کر عالمگیریت کی وسعتوں سے ہمکنار کرنے والا سب سے بڑا غزوہ تھا۔ اِسلامی ریاست کی بقا اور دِین و ایمان کے دفاع کی اس مشکل گھڑی میں مسلمانوں کے جذبۂ اِنفاق و رُوحِ جہاد کی آزمائش تھی جس پر مخلص مسلمان ہر لحاظ سے پورے اترے۔ حکم ملتے ہی وہ بڑھ چڑھ کر تیاری میں لگ گئے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ 'جو شخص اِس لشکر کے لیے ساز و سامان فراہم کرے گا، وہ جنّت میں داخل ہوگا' تو مالدار صحابہؓ نے دل کھول کر مال دیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار دینار لاکر حضورؐ کی جھولی میں ڈالے۔ اِس پر نبی ﷺ نے فرمایا: 'آج کے بعد عثمانؓ جو چاہے کریں، انہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔' یہ بات آپؐ نے کئی بار دہرائی۔ [1] جناب عثمانؓ نے اِسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ سامان سے لدے پھندے تین سو اونٹ بھی دیے۔ ایک اور روایت کے مطابق انہوں نے تمام فوج کے لیے سامان مہیا کیا۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دو ہزار درہم دیے جو ان کی کل دولت کا نصف تھا۔ صاحبِ حیثیت مسلمانوں نے اِنفاق میں کوئی دریغ نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر صِدیق رضی اللہ عنہ کے جذبۂ ایثار کا تو یہ عالم تھا کہ جب اپنے اور اپنے اہلِ خانہ کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت کا سرمایہ چھوڑ کر سب کچھ اٹھا کر لانے لگے تو گھر کی دیواروں پر ہاتھ پھیر کر دیکھتے تھے کہ کہیں کوئی سُوئی اٹکی رہ نہ جائے۔ ان کا سامان چار ہزار درہم کے برابر تھا۔ حضرت عباسؓ، حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ، حضرت عاصمؓ بن عدی رضی اللہ عنہم بھی بہت مال لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھر کے سامان کے دو حصے کیے۔ ایک حصہ گھر کے لیے چھوڑا اور باقی نصف راہِ خُدا میں دینے کے لیے لے آئے۔ غریب اور نادار صحابہؓ اس موقع پر اپنی عدمِ استطاعت کی وجہ سے سخت ملول تھے۔ حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ ایک صاع کھجور لے آئے۔ حضرت ابوعقیل رضی اللہ عنہ نے نصف صاع کھجور جمع کرائی۔ اِدھر مسکین صحابہؓ کا یہ اخلاص و ایثار تھا

[1] ترمذی، احمد، مستدرک حاکم۔

Marfat.com

اور اُدھر منافقین ایک دوسرے کو آنکھوں کے اشارے کر کے اِن کے اِنفاق کا مذاق اڑا رہے تھے۔

﴿ اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴾ (توبہ:79)

'اور وہ (کنجوس دولت مند) اُن لوگوں کا مذاق اُڑاتے ہیں جن کے پاس (راہِ خُدا میں دینے کے لیے) اُس کے سوا کچھ نہیں ہے جو وہ اپنے اوپر مشقت برداشت کر کے دیتے ہیں۔ اللہ اِن مذاق اُڑانے والوں کا مذاق اُڑاتا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔'

اِس غزوہ کی تاریخی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ مسلمان اپنے دور کی ایک ایسی بڑی قوت کے خلاف لڑنے جا رہے تھے جس نے ابھی سات سال قبل اپنے جیسی ایک دوسری طاقتور ایرانی سلطنت کو پچھاڑ کر عالمی سطح پر اپنی طاقت کا لوہا منوالیا تھا۔ رسول پاک ﷺ کا معمول تھا کہ مسلمانوں کو جب کسی جنگ کی تیاری کے لیے حکم دیتے تھے تو جنگی حکمتِ عملی کے تحت اکثر اوقات یہ امر آخر وقت تک مخفی رکھتے تھے کہ کس دشمن کا سامنا ہے اور کس رُخ پر جانا ہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حضورؐ نے دوٹوک اعلان فرما دیا تھا کہ رومیوں کے خلاف لڑنے کے لیے تبوک کی طرف جا رہے ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ ایمان اور نفاق تیاری کے مرحلے پر ہی چھٹ کر ظاہر ہو جائے۔ منافق چہرے یہیں پر پہچان لیے جائیں تا کہ میدان میں جا کر ان کو دھوکہ دینے کا موقع نہ ملے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآنِ پاک میں اِس غزوہ کے لیے جان و مال کو داؤ پر لگا دینے کی جیسی زوردار ترغیب اور اِس میں کوتاہی پر جس طرح کی تنبیہ آئی ہے، شاید ہی اس سے قبل کسی اور غزوہ کے لیے آئی ہو۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ

Marfat.com

إِلَى الْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ
الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَ
يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾
إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا
فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ
سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا
السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾ انفِرُوا خِفَافًا وَ
ثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ
إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ ﴾ (توبہ:38 تا 41)

'اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ہے؟ ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دُنیوی زندگی کا یہ سب سروسامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا۔ تم نہ اٹھو گے تو خُدا تمہیں دردناک سزا دے گا، اور تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا، اور تم خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ تم نے اگر نبیؐ کی مدد نہ کی تو کچھ پروا نہیں، اللہ اُس کی مدد اُس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اُسے نکال دیا تھا، جب وہ صرف دو میں کا دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ 'غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے' اُس وقت اللہ نے اُس پر سکونِ قلب نازل کیا اور اس کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور کافروں کا بول نیچا کر دیا۔ اور اللہ کا بول تو اونچا ہی ہے۔ اللہ زبردست اور دانا و بینا ہے۔ نکلو، خواہ ہلکے ہو یا بوجھل، اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کے

Marfat.com

ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ، یہ تمہارے لیے ہے اگر تم جانو۔'

مسکین صحابہؓ کے جذبات

مدینہ کے منافقین اور اعراب کی جہاد سے فرار کے لیے عذر تراشیوں اور حیلہ جوئیوں کے برعکس جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت سے سرشار نادار صحابہؓ کا ایک ایسا گروہ بھی تھا جن کے پاس سواریاں اور زادِ راہ فراہم نہ ہونے کی وجہ سے واقعی شرعی عذر تھا لیکن وہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیّبہ میں ہونے والے اس سب سے بڑے اور اہم ترین غزوہ میں شریک ہونے کے لیے بے تاب تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر سواریاں مانگیں لیکن عسرت اور کم سامانی کے اُن حالات میں حضورؐ ان کے لیے سواریوں کا انتظام نہ کر سکے۔ اُن کو جہاد میں شرکت سے محرومی کا اتنا رنج ہوا کہ پلٹتے وقت ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جذبوں کو قبول کیا اور فرمایا کہ ایسے لوگوں کا جہاد پر نہ نکلنا قابلِ گرفت نہیں ہے۔

﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَ لَا عَلَى الْمَرْضٰى وَ لَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ لا وَّ لَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ ؕ﴾ (توبہ:91، 92)

'ضعیف اور بیمار لوگ اور وہ لوگ جو شرکتِ جہاد کے لیے زادِ راہ نہیں پاتے اگر پیچھے رہ جائیں تو کوئی حرج نہیں جب کہ وہ خلوصِ دِل کے ساتھ اللہ اور رسولؐ کے وفادار ہوں۔ ایسے محسنین پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اسی طرح اُن لوگوں پر بھی کوئی اعتراض کا موقع نہیں ہے جنہوں نے خود آ کر تم سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لیے

Marfat.com

سواریاں بہم پہنچائی جائیں، اور جب تم نے کہا کہ میں تمہارے لیے سواریوں کا انتظام نہیں کر سکتا تو وہ مجبوراً واپس چلے گئے اور حال یہ تھا کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ وہ اپنے خرچ پر شریکِ جہاد ہونے کی مقدرت نہیں رکھتے۔'

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اشعری صحابہؓ کا گروہ بھی سواریوں کی درخواست لے کر حاضر ہوا۔ اس وقت نبی پاک ﷺ کے پاس کوئی سواری نہیں تھی لیکن بعد میں ان کے لیے تین یا ایک دوسری روایت کے مطابق چھ اونٹ آ گئے۔ ایسے حقیقتاً معذورین کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: 'مدینہ میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے تمہاری طرح وادیاں اور گھاٹیاں عبور نہیں کیں، اور وہ مسافت طے نہیں کی جو تم لوگوں نے طے کی ہے اس کے باوجود وہ تمہارے ساتھ رہے۔' صحابہؓ نے عرض کیا: 'یارسول اللہ! کیا مدینہ میں رہ کر؟' آپؐ نے فرمایا: 'ہاں وہ مدینہ میں رہے کیوں کہ (تنگدستی کی وجہ سے) وہ معذور تھے۔' ❶

منافقین کا کردار

منافقوں کی دو قسمیں تھیں۔ ایک بدوی منافق اور دوسرے مدینہ کے اندر مسلمان معاشرے کی آستینوں میں سانپ کی طرح چھپے ہوئے منافق تھے۔ عبداللہ بن ابی اپنے ٹولے کے ساتھ اس جہاد کے موقع پر حسبِ معمول منفی پراپیگنڈے میں مصروف رہا۔ نہ وہ خود تبوک کے لشکر کے ساتھ گیا اور نہ اپنے حامیوں کو جانے دیا۔ البتہ فتنہ اور شرارت کی غرض سے منافقوں کا ایک گروہ لشکر میں داخل ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جنگ کی تیاری کا حکم دیا تو خاص طور پر اس سفرِ جہاد سے لوگوں کو روکنے کے لیے منافقوں کی سازشی سرگرمیاں بہت تیز ہو گئی تھیں۔ جب حضورؐ نے ان میں سے بہتوں کے عذر قبول کر کے انہیں رخصت دے دی تو وہ اس پر خوش ہو رہے تھے اور اسی کی آڑ میں مسلمانوں کو کبھی دشمن سے ڈرا کر اور کبھی گرمی کی شدت کا ذکر کر کے بددِل کر رہے تھے۔

---

❶ بخاری و مسلم۔

Marfat.com

﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱﴾ (توبہ:81)

'جن لوگوں کو پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دی گئی تھی وہ اللہ کے رسول کا ساتھ نہ دینے اور گھر بیٹھے رہنے پر خوش ہوئے اور اُنہیں گوارا نہ ہوا کہ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کریں۔ انہوں نے لوگوں سے کہا کہ 'اس سخت گرمی میں نہ نکلو۔' ان سے کہو کہ جہنم کی آگ اِس سے زیادہ گرم ہے، کاش انہیں اس کا شعور ہوتا۔'

اس گروہ نے اپنی چالاکیوں اور نبی اکرم ﷺ کے حلم کی وجہ سے جہاد پر جانے سے جو رخصت پائی اس کو اللہ نے پسند نہیں کیا تھا۔

اس موقع پر منافقین کی شرارتوں کے کئی انداز اور رنگ سامنے آتے رہے۔ ایک شخص جدّ بن قیس سے رسول اللہ ﷺ نے کہا: 'اے جدّ! اس سال بنی اصفر (گورے رومیوں سے) لڑنے کی رغبت نہیں ہے؟' وہ بڑی بے شرمی سے کہنے لگا: 'میری قوم کے لوگ جانتے ہیں کہ میں ان میں سب سے زیادہ حسن پرست ہوں۔ مجھے خدشہ ہے کہ بنی اصفر کی عورتوں کو دیکھ کر میں اپنے (شہوانی جذبات) پر قابو نہیں رکھ سکوں گا۔' شاید مسلمان لشکر کو جہاد جیسے مقدّس عمل کے دوران میں اس طرح کے سِفلی جذبات و خیالات کے اثر سے محفوظ رکھنے کے خیال ہی سے حضورؐ نے بڑی بے رُخی کے ساتھ کہا: 'جاؤ، میں نے تجھے اجازت دے دی۔' ابن اسحاق، ابونعیم، ابن مردویہ، طبرانی اور ابن حجر وغیرھم نے ایک ضعیف روایت نقل کی ہے کہ سورہ توبہ کی درج ذیل 49 ویں آیت اسی شخص کے بارے میں نازل ہوئی۔ [1]

﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَ لَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝۴۹﴾

[1] السّيرة النّبوية فى ضوء المصادر الاصلية.

Marfat.com

’اُن میں کوئی ہے جو کہتا ہے کہ مُجھے رخصت دے دیجیے اور مجھ کو فتنے میں نہ ڈالیے‘۔سُن رکھو! فتنے ہی میں تو یہ لوگ پڑے ہوئے ہیں اور جہنّم نے اِن کافروں کو گھیر رکھا ہے۔‘

ان کے اِن مکروہ عزائم کی وجہ سے ان کے عذر قبول کرنے پر اللہ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا:

﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝﴾ (توبہ:43)

’اے نبیؐ، اللہ تمہیں معاف کرے، تم نے کیوں انہیں رخصت دے دی؟ (تمہیں چاہیے تھا کہ خود رخصت نہ دیتے) تاکہ تم پر کھل جاتا کہ کون لوگ سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی تم جان لیتے۔‘

جو منافق شرانگیزی کی نیت سے لشکر میں شامل ہو گئے تھے وہ اس جنگ ہی کے بارے میں نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی نبوّت کے بارے میں شکوک پیدا کرنے سے نہیں چوکتے تھے۔دورانِ سفر کی بات ہے کہ حجر کے مقام سے روانہ ہوتے وقت رسول پاک ﷺ کا اونٹ گم ہو گیا۔ایک منافق زید بن لُصیب لوگوں سے کہنے لگا:’محمدؐ کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہیں اور آسمان کی خبریں سناتے ہیں لیکن اُن کو یہ معلوم نہیں کہ اُن کا اونٹ کہاں ہے۔‘حضورؐ نے فرمایا:’ایک شخص یہ کہتا ہے۔اللہ کی قسم! میرا ربّ جو کچھ مجھے بتادے اس کے سوا مجھے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔رہا اونٹ تو وہ فلاں شعب میں دو درختوں کے درمیان پھنسا ہوا ہے۔جاؤ اسے پکڑ لاؤ۔‘ [1]

تبوک کا سفر

رسول اللہ ﷺ نے مسلمان لشکر کو ثنیۃ الوداع میں جمع کیا۔مدینہ میں اپنی نیابت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو سونپی۔اپنے خاندان کی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے

---

[1] الصّادق الامین بحوالہ ابن اسحاق والبیہقی فی الدّلائل.

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں چھوڑا۔ اِس پر منافقین نے کہیں اسے حضرت علیؓ کی بزدلی کا رنگ دیا اور کبھی یہ کہا کہ اپنے داماد کی جان عزیز تھی اس لیے اس کو مدینہ میں چھوڑ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب لوگوں کی ان باتوں کا علم ہوا تو وہ ہتھیار باندھ کر نکل کھڑے ہوئے اور مدینہ سے تین میل دور مقامِ جُرُف میں لشکر سے جا ملے۔ منافقین کے طعنوں کا ذکر کر کے عرض کیا کہ 'کیا مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟' آپ ﷺ نے فرمایا: 'میں نے تمہیں اپنے اہل و عیال کی دیکھ بھال پر خود مامور کیا ہے۔ جاؤ اور ان کی نگرانی کرو۔'[1] ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: 'کیا تم خوش نہیں ہو کہ تمہاری میرے نزدیک وہی حیثیت ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک ہارونؑ کی تھی؟ فرق بس یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔'[2] لشکر جب حِجر کے مقام پر پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے کپڑے سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور لوگوں کو رفتار تیز کر لینے کی ہدایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: 'تم ان لوگوں کی بستی سے گزر رہے ہو جنہوں نے ظلم کیا تھا۔ اِس خوف سے اُن کے گھروں میں روتے ہوئے داخل ہو کہ کہیں تم پر بھی وہی عذاب نہ آجائے جو صالح کی قوم پر آیا تھا۔'

ابوخیثمہ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما کی آمد

ابوخیثمہؓ کا پورا واقعہ اس کتاب کے دوسرے حصہ میں 'حقوق النبی ﷺ' کے باب میں قارئین دیکھ سکیں گے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی اونٹنی لاغر اور سست رفتار تھی۔ اس خیال سے پیچھے رہ گئے تھے کہ اسے کھلا پلا کر طویل سفر کے قابل بنا لوں تو پھر نکلوں گا۔ چند روز بعد سفر پر روانہ ہوئے مگر المروہ کے مقام پر اونٹنی نے جواب دے دیا۔ اب مزید رکنے کی گنجائش نہیں تھی۔ چنانچہ سامان اپنی پیٹھ پر لادا اور پیدل نکل کھڑے ہوئے۔ دوپہر کا وقت تھا جب شدید پیاس کی حالت میں چلتے چلتے اسلامی لشکر کے قریب پہنچ گئے تو کسی آدمی کی نظر پڑی کہ پیچھے کوئی تنہا مسافر چلا آ رہا ہے۔ اس آدمی نے رسول پاک ﷺ کو آواز دی

1. مسند احمد، صحیح مسلم.
2. بخاری و مسلم.

Marfat.com

کہ 'حضور دیکھیے، کوئی شخص پیدل چلا آ رہا ہے۔' آپؐ نے فرمایا: 'اللہ کرے یہ ابو ذر ہو۔' لوگوں نے دیکھا کہ وہ ابو ذرؓ ہی تھے۔ اس موقع پر حضورؐ نے فرمایا تھا: 'اللہ ابو ذر پر رحم فرمائے۔ اکیلا چلا آ رہا ہے۔ اکیلا مرے گا اور اکیلا اٹھایا جائے گا۔' حضرت ابو ذرؓ نے اپنے پیچھے رہ جانے کی وجہ بیان کی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'تم میرے عزیز ترین اہل میں سے تھے جو پیچھے رہ گیا۔ مجھ تک پہنچنے میں تم نے جو قدم اٹھائے، تمہارے ہر قدم کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے تمہارا ایک گناہ معاف کر دیا ہے۔' حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت ابو ذرؓ کو مدینہ سے نکال دیا گیا اور وہ اپنی زوجہ اور ایک غلام کے ساتھ ربزہ کے مقام پر ایک ویرانے میں رہنے لگے تھے۔ ان کے اکیلے اٹھائے جانے کی روداد بھی بڑی دردناک ہے۔ جب ان کا آخری وقت آیا تو بیوی اور غلام کو وصیت کی کہ مجھے غسل اور کفن دے کر میّت اس گزرگاہ پر رکھ دینا جدھر سے حج وعمرہ اور تجارت کے لیے مکّہ جانے والے قافلے گزرتے تھے۔ اتفاق سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عراق سے عمرہ کے لیے مکّہ جا رہے تھے۔ قریب تھا کہ قافلے والوں کے اونٹ راستے میں پڑی میّت کو کچل دیتے، ان کی اہلیہ اور غلام نے آواز دی کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ابو ذرؓ کی میّت پڑی ہے آپ سب آ کر نمازِ جنازہ پڑھیں اور ان کی تدفین میں ہماری مدد کریں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر گریہ کی کیفیت طاری ہوگئی اور کہنے لگے: 'سچ فرمایا تھا رسول اللہ ﷺ نے کہ ابو ذر اکیلا چلتا تھا، اکیلا مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔' [1]

تبوک کے چشمے پر

رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے کہا تھا کہ 'کل سورج بلند ہونے سے پہلے تم لوگ تبوک کے چشمے پر پہنچو گے لیکن کوئی شخص میرے پہنچنے سے پہلے اس کا پانی نہ پیے۔' دو آدمیوں کو شاید حضورؐ کے اس انتباہ کی خبر نہیں تھی اس لیے انہوں نے باقی لشکر سے پہلے پہنچ کر پانی کو ہاتھ لگایا۔ بہتا چشمہ ایک چھوٹی سی باریک دھار میں بدل گیا۔ رسولِ پاکؐ کو اس وجہ

[1] الصّادق الامین بحوالہ مغازی الواقدی۔

Marfat.com

سے سخت غصہ آیا۔ حضور ﷺ نے اس دھار سے تھوڑا تھوڑا پانی جمع کر کے اُس سے منہ ہاتھ دھوئے اور وہ پانی چشمے میں ڈال دیا۔ معجزہ رونما ہوا اور خشک ہوتے ہوئے چشمے کا پانی پہلے کی طرح جوش سے بہنے لگا۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا: ’اے سعد! اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو اس چشمے کے پانی سے یہاں باغات اگتے دیکھو گے۔‘ [1]

تبوک کے میدان میں

ہرقل کو براہِ راست رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں مسلمان لشکر کے تبوک کی طرف روانہ ہونے کی اطلاعات مل چکی تھیں۔ موتہ کی لڑائی کا تلخ تجربہ ان کو یاد تھا اس لیے جب مسلمان لشکر تبوک پہنچا تو ہرقل کی فوجیں وہاں سے پسپا ہو چکی تھیں۔ یہاں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا جس میں ہدایت کی اہمیت واضح کی اور یہ بتایا کہ قرآن اس ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ ملّت ابراہیمی بہترین مِلّت اور سُنّتِ محمدؐ بہترین سُنّت ہے۔ بہترین معاملہ عزائم (دین کی بنیادوں) کی پختگی اور بدترین معاملہ نئی باتیں گھڑ کر دِین میں داخل کرنا ہے۔ انبیاء نے جو ہدایت پیش کی وہی سب سے اچھی ہدایت ہے اور شہداء کی موت سب سے بلند مرتبہ کی موت ہے۔ ہدایت پا لینے کے بعد گمراہی کی طرف لوٹ جانا سب سے بڑا اندھا پن ہے۔ بہترین ہدایت وہ ہے جس پر عمل کیا جائے اور سب سے اچھی ہدایت وہی ہے جس کا اتباع کیا جائے۔ اندھے پن کی بدترین صورت دل کا اندھا ہو جانا ہے......‘

ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کی تحقیق ہے کہ یہ مکمل خطبہ کسی حدیث میں نہیں آیا ہے۔ اہلِ مغازی و تاریخ نے جس مضمون کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ حضور ﷺ کا ارشاد فرمایا ہوا خطبہ ہے وہ کچھ صحیح اور کچھ حسن احادیث کے حصوں کو جوڑنے سے بنتا ہے۔ ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد نے خطبے کا ابتدائی حصہ نقل کرنے کے بعد اس کی سند کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کا ایک راوی مجہول ہے اور ایک متروک۔ [2]

---

[1] أَصَحُّ السِّيَر.

[2] السِّيرة النّبوية الصّحيحة، السِّيرة النّبوية فى ضوء المصادر الاصلية.

Marfat.com

تاہم خطبے کے الفاظ اور پیرائے پر غور کیا جائے تو اس کے رسول ﷺ کا خطبہ میں ہونے میں شک نہیں رہتا۔

ابن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو بیس سواروں کا دستہ دے کر دومۃ الجندل میں بنی کندہ کے نصرانی حاکم اکیدر بن عبدالمالک کی طرف بھیجا۔ حضور نے اس کی نشانی بھی بتا دی تھی کہ وہ تمہیں گائے کا شکار کرتا ہوا ملے گا۔ چاندنی رات میں وہ اپنے محل کی چھت پر اپنی عورت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک جنگلی گائے آئی اور سینگوں سے محل کے دروازے کو دھکیلنے لگی۔ وہ اسی وقت اس گائے کے شکار کے لیے نکل پڑا۔ حضرت خالدؓ اسے گرفتار کر کے رسول پاک ﷺ کی خدمت میں لائے۔ اکیدر نے جزیہ کی شرط پر صلح کر لی۔ مسلمان اکیدر کی سونے سے مزین ریشمی قبا کو بڑے تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ اس خیال سے کہ مقاصدِ جلیلہ کی راہ میں نکلے ہوئے مسلمانوں کے دلوں میں دنیوی زینت اور جاہ و حشمت کی کشش پیدا نہ ہو جائے حضورؐ نے ان کی توجہات کو آخرت کی طرف موڑتے ہوئے فرمایا: "کیا تم اس قبا کی خوبصورتی پر تعجب کرتے ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جنت میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے رومال اس سے زیادہ خوبصورت ہوں گے۔" موسیٰ بن عقبہ کی روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اکیدر کو اسلام کی دعوت دی جس کو قبول کرنے کے بجائے اس نے جزیہ دینا قبول کیا۔ چنانچہ حضورؐ نے تحریری معاہدہ کے تحت اسے دومۃ الجندل کے علاوہ ایلہ اور تیما پر حاکم مقرر کر دیا۔ [1]

تبوک میں حضورؐ کا قیام

اوپر یہ ذکر ہوا ہے کہ اکیدر کو دومۃ الجندل کے علاوہ ایلہ اور تیما پر بھی حاکم مقرر کر دیا گیا تھا لیکن صحیح بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابھی تبوک ہی میں تھے کہ ایلہ کا بادشاہ خود تحائف لے کر حاضر ہوا جن میں ایک سفید خچر بھی تھا۔ اس نے بھی انہی شرائط پر صلح کر لی جن پر اکیدر پہلے کر چکا تھا۔ جرباء اور اذرح کے لوگ بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

[1] اصحُ السِّیر والسّیرۃ النّبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ۔

Marfat.com

حاضر ہوئے۔ان کو بھی جزیہ کی شرط پر مصالحت کی تحریر لکھ دی گئی۔تبوک میں قیام کے دنوں میں حضورؐ کے ایک محبوب صحابی عبداللہ بن عبد نہم بن عفیف مزنی کا انتقال ہو گیا۔یوں تو مہاجرینؓ میں کون ہے جس نے مکّہ میں اسلام کی راہ میں سختیاں نہ سہی ہوں، محرومیوں سے نہ گزرا ہو اور جسؓ نے دِین و ایمان کی خاطر زندگی کی سہولتوں اور آسائشوں کو قربان نہ کیا ہو، لیکن عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کے اسلام کی خاطر قربانی کی مثال انوکھی تھی۔یتیمی کی حالت میں چچا کی زیرِ کفالت تھے۔جب اسلام قبول کیا تو چچا نے اس مقدس 'جرم' پر جور و جفا کا جو رویہ اختیار کیا اس کی انتہا یہ تھی ایک روز ان کے بدن کے کپڑے اترا لیے کہ یہ میرے دیے ہوئے ہیں اور پھر گھر سے نکال دیا۔ان کی والدہ نے انہیں برہنہ حالت میں دیکھا تو ٹاٹ کا ایک ٹکڑا ان کی طرف اچھال دیا تھا۔اسی کے دو ٹکڑے کیے۔ایک سے ستر ڈھانپا اور دوسرا کندھوں پر ڈال کر اسی حالت میں طویل سفر طے کر کے مدینہ پہنچے تھے۔ٹاٹ کے ان دو ٹکڑوں کی وجہ ہی سے ان کو ذوالبجادین کا لقب ملا۔رسول اللہ ﷺ کو ان سے بہت محبت تھی۔تدفین کے وقت حضورؐ خود قبر میں اترے۔ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے میت آپؐ کو پکڑائی۔آپؐ فرماتے جاتے تھے: 'آہستہ آہستہ' یعنی احتیاط کرو تا کہ میت کو تکلیف نہ ہو۔دفن کے بعد آپؐ نے اللہ کے حضور دعا کی: 'اے اللہ! (اس کی وفات تک) میں اس سے راضی تھا، تو بھی اس سے راضی ہو جا۔'[1]

مدینہ واپسی

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تبوک میں بیس روز تک قیام فرمایا۔اگرچہ جنگ نہیں ہوئی لیکن آپؐ ایک فاتح کی شان سے واپس تشریف لائے۔ثمود کے علاقے حجر سے گزرتے ہوئے صالح علیہ السّلام کی قوم کے آثار پر سے گزرے جو ظلم و عدوان اور کفر کی وجہ سے اللہ کے غضب کا شکار ہوئی تھی۔حضورؐ نے اس قوم کے گھروں میں داخل ہونے اور وہاں کے کنووں سے پانی پینے سے مسلمانوں کو منع کر دیا تھا۔اس کا ذکر تبوک

[1] ابن هشام، واقدی.

Marfat.com

کی طرف سفر کے ذیل میں ہوا ہے۔ ممکن ہے آتے جاتے دونوں موقعوں پر رسول پاک ﷺ نے یہ انتباہ فرمایا ہو۔

مدینہ کی طرف واپسی کے سفر میں منافقوں کے ایک جتھے نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ رات کی تاریکی میں جب رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی چل رہی ہو تو کسی اترائی میں اسے گرا دیا جائے۔ حضورؐ کو بذریعہ وحی اس کی خبر ہوگئی۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو ان منافقین پر نظر رکھنے اور انہیں آپؐ کی سواری کے قریب آنے سے روکنے کا حکم دیا۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے اونٹنی کی مہار پکڑ لی اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اس کے پیچھے چلنے لگے۔ آپؐ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ان منافقین کے نام بتا دیے تھے لیکن کسی خاص حکمت کے تحت ان کو بے نقاب نہیں کیا تھا۔ [1] تبوک سے واپسی پر بھی مسلمان عورتوں اور بچوں نے رسول اللہ ﷺ کا اسی والہیت اور شوق سے استقبال کیا جس محبت اور اشتیاق سے آپؐ کی مدینہ ہجرت کے وقت کیا تھا۔ نوجوان لڑکوں نے ثنیۃ الوداع پہنچ کر استقبال کیا۔

مسجد ضرار

ابو عامر راہب کی رہنمائی میں منافقین نے اپنی سازشوں کے لیے ایک اڈا قائم کر لیا تھا۔ اس کمین گاہ کو انہوں نے مسجد کا نام دے رکھا تھا۔ یہ شیطانی مرکز قائم کرنے والے 12 منافق تھے۔ ابن اسحاق نے ان سب کے نام بھی لکھے ہیں۔ فساد کے اس مرکز میں اسلحہ جمع کرنے کا منصوبہ تھا۔ اس کو مسجد کا معتبر مقام دلانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی تبوک روانگی کے وقت انہوں نے درخواست کی تھی کہ حضور ﷺ یہاں کسی نماز کی امامت کرا دیں۔ آپؐ نے ان سے کہا تھا کہ اس سفر سے واپسی پر دیکھیں گے۔ ابن کثیرؒ نے سعید بن جبیر، مجاہد، قتادہ، عروہ بن زبیر اور دیگر متعدد بزرگوں سے اور ابن اسحاق نے بھی زہری، یزید بن رومان، عبداللہ بن ابی بکر اور عاصم بن عمرو بن قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ واپسی پر آپؐ ذی اوان کے مقام پر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ اس شیطانی اڈے اور اس

[1] مسند احمد، مسلم۔

Marfat.com

کے قائم کرنے والوں کے اصل ارادوں کی حقیقت کھول دی۔ نبی پاک ﷺ نے بنی سلمہ بن عوف کے ایک بزرگ صحابی حضرت مالک بن الدخشم اور حضرت معن بن عدی عجلانی رضی اللہ عنہما کو بلا کر حکم دیا کہ جا کر اس مسجد کو آگ لگا دیں۔ یہ دونوں حضرات گئے اور اس مسجد کو پہلے گرایا پھر اس کے ملبے کو آگ لگا دی۔ قرآن حکیم میں اس مسجد کو مسجدِ ضرار کا نام دیا۔

﴿ وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًاۢ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ ﴾ (توبہ:107، 108)

'اور کچھ لوگ ہیں جنہوں نے ایک مسجد بنائی اِس غرض کے لیے کہ (دعوتِ حق) کو نقصان پہنچائیں، اور (خدا کی بندگی کرنے کے بجائے) کفر کریں، اور اہلِ ایمان میں پھوٹ ڈالیں، اور (اس بظاہر عبادت گاہ کو) اُس شخص کے لیے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے خُدا اور اس کے رسولؐ کے خلاف برسرِ پیکار ہو چکا ہے۔ وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بھلائی کے سوا کسی دوسری چیز کا نہ تھا۔ مگر اللہ گواہ ہے کہ وہ قطعی جھوٹے ہیں۔ تم ہرگز اس عمارت میں (عبادت کے لیے) کھڑے نہ ہونا۔ جو مسجد اوّل روز سے تقوٰی پر قائم کی گئی تھی، وہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہو، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی پسند ہیں۔'

پیچھے رہ جانے والے تین صحابیؓ

﴿ وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

Marfat.com

وَ ضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَیْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ لِیَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۱۸﴾ (توبہ: 118)

'..........اور اُن تینوں کو بھی اُس (اللہ) نے معاف کیا جن کے معاملہ کو ملتوی کر دیا گیا تھا۔ جب زمین اپنی ساری وسعت کے ساتھ ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر بار ہونے لگیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے دامنِ رحمت کے سوا نہیں ہے، تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تاکہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں، یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔'

رسول اللہ ﷺ مدینہ واپس آکر مسجد نبوی میں تشریف فرما ہوئے۔ اگرچہ فتنہ اور شرارت کی نیت سے منافقین کا ایک چھوٹا سا گروہ لشکرِ تبوک میں گھس گیا تھا لیکن ان کی بڑی تعداد نے جو اسّی سے زیادہ تھی عمداً گریز کیا تھا۔ وہ سب حاضرِ خدمت ہوئے اور بہانے تراش کر اور قسمیں کھا کر معافی کے خواستگار ہوئے۔ حضورؐ نے اُن کے ظاہری عذر قبول کر کے ان کے باطنی حالات اللہ کے سپرد کر دیے۔ کچھ مسلمان جو بیمار تھے یا جو سواریاں اور زادِ راہ فراہم نہ ہونے کی وجہ سے لشکر کے ساتھ جانے سے معذور تھے ان کا ذکر پہلے گزر چکا کہ ان کے لیے تو یہ بشارت تھی کہ لشکرِ تبوک کی طرح گھاٹیاں عبور کیے اور مسافتیں طے کیے بغیر وہ اجر میں شریک تھے۔

تین سچے، کھرے اور ممتاز صحابی، کعب بن مالک، بلال بن امیہ اور مُرارہ بن رُبیع رضی اللہ عنہم ایسے تھے جو بلا عُذر پیچھے رہ گئے تھے۔ آخر الذکر دو بدری صحابی تھے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بدر کے سوا ہر معرکۂ حق و باطل میں پورے جذبۂ ایمانی کے ساتھ شرکت کی تھی۔ نہ ان کے ایمان میں کوئی ضعف آیا تھا، نہ شوقِ شہادت اور جذبۂ جہاد ٹھنڈا ہوا تھا اور نہ ہی اللہ اور اس کے رسولؐ کی روحِ اطاعت میں کوئی کمی آئی تھی۔ وہ جان بوجھ کر جہاد سے کنّی

Marfat.com

کترانے والوں میں سے نہیں تھے۔ان کو بھروسا تھا کہ جب نکلیں گے تو اپنی تیز رفتار سواریوں اور اسباب جہاد کے ذریعے جلد ہی سوئے تبوک روانہ ہو کر مجاہدین کے لشکر سے جا ملیں گے۔ خالص دنیوی زندگی میں بھی کوئی ایک فرد یا کچھ افراد اگر اپنا وزن کسی اجتماعی مہم سے الگ کر لیں تو انجام کار نقصان ان کا ہوتا ہے۔دینی مہمات کے اثرات تو اس دنیا سے آگے آخرت تک محیط ہوتے ہیں۔دینی مہمات میں اجتماعی جدوجہد سے کٹ جانے کا ایک بڑا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس طرح ریوڑ سے بچھڑی ہوئی بھیڑ بکری آسانی کے ساتھ بھیڑیے کا شکار بن جاتی ہے، دینی مہمات میں اجتماعی جدوجہد سے کٹ جانے والے فرد یا افراد کے لیے ہر وقت یہ خطرہ رہتا ہے کہ شیطان ان کو اپنے گھیرے میں لے لے یا وہ نفس کی خواہشات——جن میں راحت وآرام ایک بڑی خواہش ہے——کے جال میں پھنس جائیں۔

رسول اللہ ﷺ قافلۂ جہاد کو لے کر بہت دور نکل گئے تھے مگر ان تین صحابہؓ کے قدم حرکت میں نہ آئے۔ان میں سے حضرت کعب بن مالکؓ نے اپنے پیچھے رہ جانے کی روداد پوری تفصیل کے ساتھ خود بیان کی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں واپس آ کر مجلس میں تشریف فرما ہوئے تو یہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کیا۔حضورؐ کے چہرے پر ناراضگی کے آثار اور لبوں پر تبسم تھا۔آپؐ نے کعبؓ بن مالک سے پیچھے رہ جانے کی وجہ دریافت کی۔انہوں نے عرض کیا: '......اللہ کی قسم! آج اگر میں کسی دنیا دار آدمی کے سامنے بیٹھا ہوتا تو کسی طرح کے عذر تراش کر ناراضگی سے بچنے میں کامیاب ہو جاتا۔لیکن یہاں اگر میں نے جھوٹ بول کر آپؐ کو راضی کر لیا تو اللہ تعالیٰ میری حقیقت آپؐ پر کھول کر آپؐ کو مجھ سے ناراض کر دے گا۔اللہ کی قسم! میرے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔'

حضور ﷺ نے فرمایا: 'اٹھو اور انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ فرما دے۔' اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف سے سب سے پہلے ان تین مخلص صحابہؓ کے لیے سماجی مقاطعہ کی سزا تجویز ہوئی۔مسلمان کمیونٹی نے اجتماعی طور پر ان سے اپنے معاملات وتعلقات منقطع کر لیے۔یہ جذباتی سزا کسی سخت جسمانی سزا سے بھی زیادہ اذیت ناک تھی۔

Marfat.com

قریب ترین عزیز بھی بے رُخی برتنے لگے تھے۔ اطاعتِ رسول ﷺ کے جذبات کی یہ انوکھی مثال تھی جس کا مظاہرہ معاشرے کے ہر طبقے نے بیک وقت کیا۔ ایک دو روز کی بات نہیں تھی۔ پورے پچاس روز تک کسی جگری دوست اور قریب ترین رشتہ دار نے چھپ چھپا کر بھی ان سے سلام کلام کرنے یا در پردہ ان کو تسلی دینے کی جرأت نہ کی۔ واقعی ان بزرگوں پر خدا کی زمین تنگ ہو گئی تھی۔ اس کا ذکر کتاب کے دوسرے حصہ میں 'حقوق النبی ﷺ' کے موضوع کے تحت 'اطاعتِ رسول ﷺ' کے عنوان سے بھی آ رہا ہے۔ مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح سچ کہا اور اپنی تقصیر کا اعتراف کیا تھا کہ بغیر کسی جائز عذر کے وہ پیچھے رہے۔ وہ تو حزین و غمگین ہو کر گھروں میں بند ہو گئے لیکن کعبؓ بن مالک مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے، بازار سے سودا سلف لاتے اور رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آ کر بیٹھتے تھے۔ حضورؐ کی طرف دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتے۔ جب ان کی نظریں حضورؐ سے ہٹتیں تو آپؐ ان کی طرف توجہ فرماتے تھے لیکن جب ان کی عفو طلب نگاہیں آپؐ کی طرف اٹھتیں تو حضورؐ نگاہیں پھیر لیتے تھے۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ایک معروف شخصیت تھے۔ غسانی بادشاہ نے نبطی تاجروں کے ہاتھ ان کو ایک خط بھیجا کہ 'مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے 'صاحب' (مراد رسول اللہ ﷺ) نے تمہارے ساتھ زیادتی کا برتاؤ کیا ہے۔ اللہ نے تم کو ذلیل و خوار ہونے کے لیے پیدا نہیں کیا ہے۔ تم میرے پاس آ جاؤ۔ میں تمہاری تکریم اور دلدہی کروں گا۔' یہ ایک اور طرح کی آزمائش تھی کہ کفار اُن کو اپنے ہاں پناہ دے کر ان کے ایمان اور اللہ اور اُس کے رسولؐ سے وفا کا سودا کرنے کی ترغیب دینے لگے تھے۔ اس خط سے انہیں سخت اذیت ہوئی۔ خط انہوں نے فوراً چولہے میں جھونک دیا۔ چالیس دن کے بعد ان تینوں صحابہؓ کی بیویوں کو حکم ہوا کہ وہ اپنے خاوندوں سے جدا ہو جائیں۔ ہلالؓ بن امیہ بوڑھے اور کمزور تھے۔ اُن کی اہلیہ نے خاص درخواست کر کے ان کی خدمت کے لیے ان کے ساتھ رہنے کی اجازت لے لی تھی، باقی دو صحابیوں کی بیویاں اس فیصلے کے تحت اپنے میکے چلی گئیں۔

Marfat.com

معافی کا اعلان

تربیت یافتہ اور مخلص سپاہیوں نے ڈسپلن کی جو خلاف ورزی کی، پچاس روز تک اس کی سخت نفسیاتی اور جذباتی سزا بھگتا کر آخر ان کے لیے اللہ کی طرف سے معافی کا فیصلہ صادر ہوا۔ دنیا نے جھوٹ بولنے کی سزا تو دیکھی ہو گی مگر ان تین صحابیوں کو جس آزمائش سے گزرنا پڑ رہا تھا۔ ان تین صحابہ کو ان کے سچ بولنے کی وجہ سے اور اپنی خطا کا اقرار کرنے کی بنا پر اتنی سخت سزا بھگتنی پڑی۔

اسی لیے ان کو اس شدید جذباتی کرب کی کیفیت میں یہ یقین تھا کہ اللہ ان کو معاف کر دے گا۔ ان کی امید بر آئی۔ اللہ کی طرف سے ان تینوں حضرات کی معافی کی وحی نازل ہو گئی۔

'اللہ اپنی مہربانی سے اُن کی طرف پلٹا تا کہ وہ اُس کی طرف پلٹ آئیں، یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔'

اس سے پہلی آیت بھی بتاتی ہے اور اسی سورہ کی آیت 102 سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس خطا کی سزا حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دو دوسرے ساتھیوں کو سماجی مقاطعہ کی صورت میں دی گئی اس خطا کا ارتکاب کرنے والے اور صحابہ بھی تھے۔

﴿ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ ﴾

'کچھ اور لوگ ہیں جنھوں نے اپنے قصوروں کا اعتراف کر لیا ہے۔ ان کا عمل مخلوط ہے، کچھ نیک ہے اور کچھ بد۔ بعید نہیں کہ اللہ ان پر مہربان ہو جائے کیوں کہ وہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔'

مفسرین نے اِس آیت کا مصداق صرف حضرت ابولبابہؓ کو ٹھہرایا ہے لیکن سیرت نگاروں، مؤرخین اور اہلِ تاویل کی رائے ہے کہ یہ غلطی ایک پوری جماعتِ صحابہ سے سرزد ہو گئی تھی جن میں ابولبابہؓ بھی شامل تھے۔ [1]

---

[1] السّیرة النّبویة فی ضوء المصادر الاصلیة بحواله تفسیر الطّبری.

Marfat.com

غزواتِ نبویؐ کے کچھ اہم پہلو

رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں لڑی جانے والی جنگوں میں غزوۂ تبوک آخری جنگ تھی۔ مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد وقتاً فوقتاً مختلف قبائل کی سرکشیوں اور شورشوں کو دبانے کے جو فوجی مہمیں (سرایا) بھیجی گئی تھیں، اُن کا سلسلہ بھی بند ہو گیا۔ تاریخِ عالم میں کشور کشائی اور مالِ غنیمت کی خاطر لڑی جانے والی کوئی چھوٹی سے چھوٹی جنگ ایسی نہیں ہے جس میں کشتوں کے پشتے نہ لگے ہوں اور خون کی ندیاں نہ بہی ہوں۔ بستیوں کی بستیاں اجاڑ دی گئیں۔ انسانی کھوپڑیوں کے مینار کھڑے کیے گئے۔ علم و دانش اور ثقافت و تمدن کے مراکز کھنڈر بنا دیے گئے۔ جدید، روشن خیال اور اپنے دعوے کے مطابق مہذب ترین قوموں کی جنگوں میں جانی نقصان سینکڑوں اور ہزاروں سے تجاوز کر کے کروڑوں تک پہنچتا ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں جو لڑائیاں لڑی گئیں اور جو فوجی مہمیں ارسال کی گئیں، دس سال کے عرصہ میں فریقین کے کل ایک ہزار سے ڈیڑھ ہزار کی جانیں گئیں۔ ان غزوات میں مسلمان فوج نے یا تو اس وقت پیش قدمی کی جب کفار و مشرکین اسلامی ریاست پر حملہ آور ہوئے یا ان کے حملے کا خطرہ پیدا ہوا یا دشمن نے کسی معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ اسلامی جنگ کا مقصد کمزور، بے بس اور دبے پسے لوگوں کو جبر و استبداد اور ظلم و بربریت کے پنجوں سے نجات دلانا تھا۔ رسولِ پاک ﷺ کی واضح ہدایت تھی کہ عورتوں، بچوں، بیماروں اور بوڑھوں کو قتل نہ کیا جائے۔ پھل اور سایہ دینے والے درختوں کو نہ کاٹا جائے۔ دشمن کے مذہبی پیشواؤں کو نہ مارا جائے۔ دشمن کے مقتول فوجیوں کا مثلہ نہ کیا جائے۔ رہائشی عمارت کو مسمار نہ کیا جائے۔ حضور ﷺ جب کوئی فوج یا چھوٹا دستہ روانہ کرتے تو یہ نصیحت فرماتے تھے کہ اللہ ہی کی خاطر، اُس سے ڈرتے ہوئے لڑائی کرنا۔ دشمن کو پہلے اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا، اگر اس کو یہ صورت قبول نہ ہو تو اسے جزیہ دے کر اسلامی ریاست کی عمل داری میں رہنے پر آمادہ کرنا۔ یہ دونوں شرائط مسترد ہونے کی صورت میں اسلام کے اخلاقی اصولوں کو ملحوظ رکھ کر لڑائی کرنا۔ [1]

[1] الصّادق الامین.

Marfat.com

برأت کا اعلان

سورہ توبہ کی اکثر آیات ماہِ رجب میں غزوۂ تبوک پر روانگی سے قبل، کچھ دورانِ سفر اور کچھ تبوک سے واپسی پر مدینہ میں نازل ہوئی تھیں۔ اس کے ابتدائی رکوع اسی سال ذوالحجہ کے مہینے میں نازل ہوئے مگر ان کی اہمیت کے پیشِ نظر ان کو سورہ کے آغاز میں رکھا گیا۔ مکہ فتح ہونے کے بعد پہلا حج مسلمانوں نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کی امارت میں اسلامی تعلیمات کے مطابق کیا تھا۔ اس وقت تک مشرکین کو حج میں ان کے شرکیہ اعمال وحرکات سے روکا نہیں گیا تھا۔ اللہ کو یہ منظور نہیں تھا کہ رسول پاک ﷺ اِس حالت میں حج کی عبادت بجا لائیں کہ مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو مشرکانہ خرافات کے مظاہرے ہو رہے ہوں۔ 9 ہجری کا موسمِ حج آیا تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امارت میں مدینہ سے تین سو حاجیوں کا قافلہ اس ہدایت کے ساتھ روانہ کیا کہ اسلام کے اصولِ عبادت اور مناسک کے مطابق حج کریں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مقامِ 'عَرَج' پر پہنچے تھے۔ فجر کی نماز کے لیے صفیں بندھ چکی تھیں کہ انہیں اونٹنی کے ہنہنانے کی آواز آئی۔ انہوں نے اِس خیال سے تکبیر روک دی کہ کوئی مسلمان ہے تو آ کر نماز میں شامل ہو جائے۔ دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں جو رسول پاک ﷺ کی اونٹنی پر سوار وہاں پہنچے۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا: 'اَمِیر اَوْ مَامُوْر؟' یعنی 'آپ کو اس کاروانِ حج کا امیر بنا کر بھیجا گیا ہے یا ماتحت ہو کر حج کریں گے؟' انہوں نے کہا: 'میں فقط پیغام رساں ہوں۔' اصل میں اِس قافلۂ حج کی روانگی کے بعد سورہ توبہ کا وہ حصہ نازل ہوا تھا جس میں حتمی طور پر فیصلہ کر دیا گیا تھا کہ اب حج کی عبادت میں شرک کی کوئی آمیزش گوارا نہیں ہوگی۔ اِس سال کے بعد مشرکین کو حالتِ شرک میں حج کی اجازت نہیں ہوگی۔ مشرکین اور کفار میں سے جن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا کوئی معاہدہ ہے، اس کی مدت پوری کی جائے گی۔ جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ہے ان کے لیے چار ماہ کی مہلت ہے۔ اس مدت میں اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو جہاں چاہیں چلے جائیں۔ یہ مہلت ختم ہونے کے بعد اللہ اور اس کا رسولؐ ان سے بری ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنے مشرکانہ عقائد کے ساتھ اور ننگے ہو کر حج

Marfat.com

نہیں کر سکیں گے۔ 1

وفود کی آمد

معتبر روایات کے مطابق سورہ نصر رسول اکرم ﷺ پر نازل ہونے والی آخری سورہ ہے جو حضورؐ کی وفات سے تین مہینے پہلے نازل ہوئی لیکن اس میں وہ پوری تصویر سامنے آ جاتی ہے کہ خاص طور پر ہجرت کے 9ویں سال مختلف اطراف میں کس سرعت کے ساتھ اللہ کا دین پھیلا اور کس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے۔

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۝١ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝٢ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝٣﴾

'جب اللہ کی مدد آ جائے اور فتح نصیب ہو جائے اور (اے نبیؐ) تم دیکھ لو کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرو اور اُس سے مغفرت کی دعا مانگو، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔'

وفود کی آمد کا سلسلہ فتحِ مکّہ کے بعد آپؐ کے مدینہ واپسی کے سفر ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ پچھلے صفحات میں بنو تمیم کے وفد کا ذکر آ چکا ہے۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی ہو چکا ہے کہ مسلمانوں نے جب ان کے قبیلے کا بت پاش پاش کرنے کے لیے بنو طے پر حملہ کیا تو وہ بھاگ گئے تھے۔ ان کی بہن رسول اللہ ﷺ کے کریمانہ برتاؤ سے متاثر ہوئیں اور واپس جا کر اپنے بھائی کو قائل کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ 9 ہجری کے اواخر تک اس طرح پے در پے وفود کی آمد ہوئی کہ اس سال کا نام ہی عام الوفود پڑ گیا۔ ابن ہشام اور ابن حجر کی روایات کے مطابق ان وفود کی کل تعداد ساٹھ سے بھی زیادہ تھی۔ ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد نے پچاس کے قریب وفود کی تفصیل لکھی ہے۔ ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری نے مختصراً اس موضوع کا جائزہ لیا ہے۔ مکّہ کی فتح تک جو قبائل ہوا کا رُخ دیکھ رہے تھے ان پر

1 صحیح بخاری، صحیح مسلم، دلائل للبیهقی، عُیون الاثر لابن سیدالناس.

Marfat.com

واضح ہو گیا تھا کہ اب مستقبل اسلام سے وابستہ ہے۔ جاہلی نظام آخری سسکیاں لے رہا تھا۔ اس نظام ہی کو باقی نہیں رہنا تھا تو لوگوں کے سماجی اور معاشی مفادات کی حفاظت کی وہ کسی کو کیسے ضمانت دے سکتا تھا۔ جزیرۃ العرب میں معین، سبا، حمیر، کندہ، الغساسنہ اور المناذرہ جیسی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں سے کسی کے اندر یہ دم خم نہیں تھا کہ عربوں کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر کے اسلام کی اعتقادی اور سیاسی قوت کا مقابلہ کر سکیں۔ ڈاکٹر محمد لقمان سلفی نے درج ذیل وفود کا ذکر کیا ہے۔ ان وفود کے بارے میں قدیم مصادر میں سب سے زیادہ تفصیل ابن اسحاق اور ابن سعد نے دی ہے۔ ساٹھ یا اس سے اوپر وفود میں سے کچھ اہم وفود یہ تھے:

(1) وفدِ بنی تمیم۔ (2) وفدِ بنی عامر۔ (3) وفدِ عبدالقیس۔ (4) وفدِ بنی سعد بن بکر۔ (5) وفدِ نجران۔ (6) وفدِ بنی حنیفہ۔ (7) وفدِ قبیلہ طے (پہلے ذکر ہو چکا)۔ (8) وفدِ کندہ۔ (9) وفدِ قبیلۂ اشعر۔ (10) وفدِ مزینہ۔ وفدِ بنی عُذرہ۔ (12) وفدِ بنی فُزارہ۔ (14) وفدِ بنی ہمدان۔ (15) حاکمِ مَعان کا قاصد۔

اس عرصہ میں خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نجران اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا۔ [1]

دُخترِ رسولؐ سیّدہ اُمّ کلثومؓ کا انتقال

ہجرت کے اِسی سال رسول اللہ ﷺ کو اپنی تیسری صاحبزادی حضرت امّ کلثوم رضی اللہ عنہا کے انتقال صدمہ پیش آیا۔ سیّدہ رقیہؓ رضی اللہ عنہا ہجرت کے دوسرے برس فوت ہوئیں تو حضورؐ نے اپنی بیٹی اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا تھا۔ روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا تھا کہ یہ جبریلؑ ہیں جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا حکم لائے ہیں کہ اُمّ کلثومؓ کا نکاح تم سے کر دوں۔ حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ حضرت علیؓ، حضرت فضل بن عباسؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ نے قبر میں اتارا۔ رسول پاک ﷺ سخت

[1] الصّادق الامین، السّیرۃ النّبویۃ الصّحیحۃ، السّیرۃ النّبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ.

Marfat.com

غمگین تھے۔ حضورؐ تدفین کے وقت صاحبزادی کی قبر پر بیٹھے تھے اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ❶

نفاق اور رئیس المنافقین

مکّہ میں رئیسُ المشرکین ابو جہل تحریکِ اسلامی کے مقابلے میں جہالت و ضلالت کی تحریک کا سرخیل تھا۔ جب تحریکِ اسلامی کا مرکزِ دعوت مدینہ میں منتقل ہوا تو یہاں یہ کردار عبداللہ بن ابی نے سنبھال لیا۔ فرق یہ تھا کہ ابو جہل کا کفر پوشیدہ نہ تھا لیکن عبداللہ بن ابی نے اپنے چہرے پر منافقت کی نقاب اوڑھ رکھی تھی۔ ابو جہل دُور سے تیر پھینکتا تھا مگر عبداللہ بن ابی آستین کا خنجر بن کر وار کرتا تھا۔ یثرب میں اوس اور خزرج آپس کی طویل لڑائیوں سے جب تھک گئے تو انہوں نے متفقہ طور پر اس کو اپنا بادشاہ بنا لینے کا فیصلہ کیا۔ اس کی تاج پوشی ہونے ہی کو تھی کہ مدینہ کی ظلمتوں میں ہدایت کی کرنیں بکھرنے اور ایمان و ہدایت کی ہوائیں چلنے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ جب مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو یہاں کی فضا یکسر بدل گئی۔ اب مدینہ کا فکری اور اعتقادی موسم عبداللہ بن ابی کے لیے خوشگوار نہ رہا۔ اس کی تاج پوشی کی خواہش حسرت میں بدل گئی۔ اثر و اقتدار کے امکانات مٹے تو اس کا دل دہکتا ہوا تنور بن گیا جس سے ہر وقت حسد و رقابت، بغض و عداوت اور مخالفت و مخاصمت کے شعلے نکلتے تھے۔ اب وہ ہر وقت موقع کی تلاش میں رہنے لگا کہ کس طرح مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرے، ان کے اندر اختلافات کے بیج بوئے، فساد اور فتنہ کی آگ بھڑکائے اور رسول اللہ ﷺ کی ذات کو اپنے مکروہ حملوں کا نشانہ بنائے۔

9 ہجری میں رئیس المنافقین اسلام دشمنی کے جرائم کی طویل فرد لیے ہوئے موت کی لپیٹ میں آیا۔ اس کا بیٹا عبداللہؓ بن عبداللہ مخلص اور سچا کھرا مسلمان تھا لیکن آخر بیٹا تھا۔ جناب عبداللہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ان کے والد کی نمازِ جنازہ پڑھا دیں، شاید حضورؐ کی دعا سے اس کے گناہ معاف ہو جائیں۔ امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں

❶ رحمۃٌ للعالمین.

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کی اس موقع پر مروت اور شفقت و رحمت کے رویے کے بارے میں متعدد روایات نقل کی ہیں۔ نبی رحمت ﷺ نے اس کے کفن کے لیے اپنا کرتا مرحمت فرمایا اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے فاسق کے لیے ستر مرتبہ بھی استغفار کی جائے تو اس کی بخشش کا امکان نہیں ہے۔

﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۭ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۸۰﴾ (توبہ:80)

'اے نبیؐ، تم خواہ ایسے لوگوں کے لیے معافی کی درخواست کرو یا نہ کرو، اگر ستر مرتبہ بھی انہیں معاف کر دینے کی درخواست کرو گے تو اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ کفر کیا ہے، اور اللہ فاسق لوگوں کو راہِ نجات نہیں دکھاتا'

نبی اکرم ﷺ کی بعثت کی غایت ہی یہ تھی کہ آپؐ دوزخ کی آگ کا ایندھن بننے سے لوگوں کو بچائیں۔ اسلام کے بدترین دشمنوں کے لیے بھی حضورؐ کی خیرخواہی میں کبھی کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ آپؐ ہمیشہ ان کی ہدایت کے حریص رہتے تھے۔ منافقوں کے اس سردار کی شرارتوں اور سازشوں کے باوجود آپؐ نے اسے اس کی زندگی میں کبھی کوئی سخت سزا نہیں دی تھی۔ اب جب موت اس کو اپنے دوش پر اس کے انجامِ بد کی طرف لے جا رہی تھی تو اللہ کے رسول ﷺ نے کچھ اپنے اخلاقِ عالیہ کے تحت اور کچھ اس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ کی دل دہی کی خاطر اس کی نمازِ جنازہ کی صورت میں اس کی بخشش کی دعا کر دی۔ مگر اللہ نے اس روشِ مروّت کو پسند نہیں فرمایا اور آئندہ کے لیے ایسے فاسقوں اور فاجروں کی نماز جنازہ پڑھانے سے اپنے نبیؐ کو روک دیا۔

﴿وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا

Marfat.com

بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ فٰسِقُوْنَ﴿۸۴﴾ (توبہ:84)

'اور آئندہ ان میں سے جو کوئی مرے اس کی نمازِ جنازہ بھی ہرگز نہ پڑھنا اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہونا، کیوں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ کفر کیا ہے اور مرے ہیں اس حال میں کہ وہ فاسق تھے۔'

اس کا صاف مطلب تھا کہ آخری سانسوں تک اسلامی جماعت کی صفوں میں گھسے رہنے کے باوجود اس شخص کا نہ اسلام سے کوئی تعلق تھا اور نہ ہی اسلامی جماعت اور اُمت سے بھلائی اور خیر خواہی کی بنیاد پر کوئی واسطہ تھا۔ مولانا امین احسن اِصلاحی نے درج بالا آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: 'یہ جماعت سے اُن (منافقین) کو کاٹ پھینکنے کی ایک اور سخت تر بلکہ آخری صورت اختیار کرنے کی ہدایت ہوئی۔ اوپر آیت 80 میں نبی ﷺ کو اُن کے لیے اِستغفار کی ممانعت ہو چکی ہے، اب یہ اُن کے جنازے کی نماز پڑھنے اور اُن کی قبروں پر دعائے اِستغفار کے لیے کھڑے ہونے کی بھی ممانعت فرما دی گئی۔ گویا زندگی اور موت دونوں میں اُن سے قطعِ تعلق کا اعلان کر دیا گیا۔ جماعتی زندگی میں آدمی کا آخری رشتہ یہی ہوتا ہے کہ مرنے پر اپنے جماعتی بھائیوں کے ہاتھوں دفن ہوتا اور ان کی دعاؤں کا زادِ راہ لے کر آخری سفر پر روانہ ہوتا۔ اِس ممانعت نے پیغمبرؐ اور اہلِ ایمان کے ساتھ اُن کا یہ آخری رشتہ بھی کاٹ دیا...... اس کی علّت ان کا فسق یعنی بدعہدی اور غدّاری ہے۔' [1]

---

[1] تدبر قُرآن جلد سوم.

Marfat.com

تکمیلِ دِین اور اِتمامِ نعمت

ہجرت کا دسواں سال

﴿اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِیْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِ ؕ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ﴾ (المآئدۃ:3)

'آج کافروں کو تمہارے دِین کی طرف سے مکمل مایوسی ہو چکی ہے لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے دِین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دِین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔'

یہ آیت اگرچہ حجۃالوداع کے موقع پر وقوفِ عرفہ کے دوران میں نازل ہوئی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک اسلام ایک صالح نظامِ زندگی کی حیثیت سے پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہو گیا تھا۔ اس کے اصول اور احکام نافذ و جاری ہو رہے تھے اور اپنے پورے ثمرات دے رہے تھے۔ قافلۂ حق نبی پاک ﷺ کی قیادت میں ماہ و سال کی مسافتیں طے کرتا ہوا ہجرت کے دسویں سال کو عبور کرنے لگا تو ربِّ کائنات کی طرف سے خُوش خبری آ گئی کہ جس دِین کی خاطر محمد مصطفیٰ ﷺ نے اتنا لمبا اور اس قدر مشکل سفر کیا وہ دِین مکمل ہو گیا ہے۔ انسانیت کی رہنمائی اور بھلائی کے سامان میں کوئی کمی باقی نہیں رہی ہے۔ یہ دِین خالق کی طرف سے ایک عظیم نعمت ہے جس کا اِتمام ہو گیا ہے۔ اس دسویں سال تک کفر کی قوتوں کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ شرک کی جڑیں اکھڑ گئی تھیں۔ جاہلیت کے نقوش مٹ گئے

Marfat.com

تھے۔ جزیرۃ العرب میں باطل نظام اپنی موت مر چکا تھا اور اسلام ایک نظامِ زندگی اور ضابطۂ حیات کے طور پر قائم ہو گیا تھا۔ دلوں سے طاغوت کا خوف نکل گیا تھا۔ کسی طاقت میں ایسا دم خم باقی نہیں رہا تھا کہ وہ اسلامی احکام پر عمل میں رکاوٹ بنتی۔ وہ جو مذہبی مشیخت، قبائلی سرداری، دولت یا تلوار کے ذریعے خدا بن بیٹھے تھے ان کی چیرہ دستیوں سے مخلوقِ خدا کو نجات مل گئی تھی۔ اطاعت اور عبادت کا رُخ غیر اللہ سے مڑ کر صرف اللہ کی طرف ہو گیا تھا۔ قلب و ذہن پر عقیدۂ توحید کی حکمرانی قائم ہو گئی تھی۔ اس عقیدہ کی بنیاد شعوری طور پر اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ کا اقرار ہے۔ اس کا اقرار کرنے والوں کے عقل و شعور پر اور ان کی زندگی کے ہر پہلو پر اس عقیدہ کا رنگ چڑھ گیا تھا۔ دین کی بنیاد پر ایک مثالی معاشرہ وجود میں آ گیا تھا۔ ایمانی اخوت کے رشتے میں جڑے ہوئے افراد ایک دوسرے کے ساتھ احترام و محبت کی زندگی گزار رہے تھے۔ گھر ہو یا کام اور کاروبار کی جگہ، کھیتی باڑی ہو یا صنعت و حرفت، سفر ہو یا حضر، جنگ ہو یا صلح، گھریلو زندگی میں میاں بیوی کے تعلقات ہوں یا اولاد اور والدین کے حقوق، اعزہ و اقارب سے صلۂ رحمی اور مروّت کا برتاؤ ہو یا پڑوسیوں سے حسنِ سلوک، مسافروں، غریبوں اور مسکینوں کی مدد ہو یا بیماروں اور قیدیوں سے ہمدردی اور عملی تعاون، کمائی کا موضوع ہو یا خرچ کا مرحلہ، عہد و پیمان کی پاسداری ہو یا امانتوں کے تحفظ اور ادائیگی کا سوال، عدل کی بحث ہو یا حاکم کے اختیار کا مسئلہ، معاشرتی روایات ہوں یا قانون کے قاعدے ضابطے، تہذیب کا دائرہ ہو یا تمدّن کا میدان، عموماً دنیاوی امور سمجھے جانے والے ان تمام گوشوں میں کوئی ایسا نہ تھا جس پر عقیدہ کا رنگ نہ چڑھ گیا ہو۔ قرآن پاک نے اس کو اللہ کے رنگ کا نام دیا ہے۔: صِبْغَةَ اللّٰهِ ج وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً 'اللہ کا رنگ اختیار کرو۔ اُس کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہو گا؟'

انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبے پر اللہ کا رنگ چڑھا دینے کو دوسرے لفظوں میں ہم غلبۂ دین یا اقامتِ دین سے تعبیر کرتے ہیں جو مہماتِ رسالت کی ایک اہم مہم تھی۔ دعوت

Marfat.com

حق کی راہ میں 23 سال کی جان گسل اور صبر آزما مشقت اور بے مثال قربانیوں کے نتیجے میں دِین غالب ہوا۔اب کسی کے لیے یہ گنجائش باقی نہیں رہی تھی کہ زندگی کے معاملات میں اللہ کی مرضی کے مقابلے میں اپنی مرضی چلائے یا اللہ کے احکام کو چھوڑ کر طاغوت کے احکام مانے۔حلال اور حرام، جائز اور ناجائز اور صحیح اور غلط کا تعین خالق کا حق ہے۔اس نے یہ تعین کر دیا یا اس کی مرضی سے نبی ﷺ نے اس کی پوری طرح وضاحت فرما دی تھی۔دِین کے مکمل ہو جانے کے بعد کسی انسان کے اختیار میں نہیں رہا کہ اللہ کے حلال کیے ہوئے کو حرام ٹھہرائے اور جس کو اللہ عزّ وجلّ نے جائز کہا ہے اسے ناجائز قرار دے اور جو اللہ کی نظر میں صحیح ہے اس کو غلط ثابت کرے۔

کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے دو اجزا ہیں جو ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ باہم لازم وملزوم ہیں۔صِبْغَةُ اللّٰه میں یہی دو اجزا یعنی قُرآن کی صورت میں اللہ کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت وسنت شامل ہیں۔غلبۂ اسلام کے بعد جس طرح اللہ کے نازل کردہ قانون کو چھوڑ کر برضا و رغبت کسی غیر اللہ کے قانون کے مطابق زندگی گزارنا صِبْغَةُ اللّٰه کا انکار ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی سنت وسیرت کو چھوڑ کر کسی اور کو اُسوۂ حَسَنہ اور رول ماڈل ماننا اور اس کی پیروی کرنا بھی صِبْغَةُ اللّٰه سے انحراف ہے۔

اسلام خالقِ کائنات کا دِین ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ 'اللہ کے نزدیک دِین صرف اسلام ہے۔' ماضی میں جتنے انبیاء ورُسُل گزرے ان میں سے ہر ایک کی اُمت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اِس دِین کو پسند کیا۔نبی آخر الزّماں ﷺ تک پہنچتے پہنچتے انسان تمدنی لحاظ سے بہت ترقی کر چکا تھا۔اب معاملہ بستیوں، قبیلوں اور چھوٹی چھوٹی قوموں تک محدود نہیں رہا تھا۔مسلمانوں کا وقت کی سب سے بڑی قوتوں اور جزیرۃ العرب کے باہر کی دنیا سے سابقہ پڑنے والا تھا۔زندگی کے دائرے میں بے پناہ وسعت آ رہی تھی اور نئے سے نئے مسائل کا سامنا ہونے والا تھا۔بات خلیج فارس اور بحرِ احمر کے درمیان کے صحراؤں اور جلی کٹی چٹانوں سے نکل کر براعظموں تک پہنچنے والی تھی۔ربّ العالمین نے دِین

Marfat.com

میں ایسی کاملیت پیدا فرمادی کہ یہ آنے والے ہر دور اور ہر آبادی کے اوپر آسانی سے منطبق ہو سکے۔ اگرچہ اس دین کی حامل اُمتِ مسلمہ ہی تھی مگر حقیقت یہ ہے کہ اس اُمت کا اس پر اجارہ ہرگز نہیں تھا۔ یہ دین ساری انسانیت کی امانت تھی، یہ اُمت اس امر کی پابند بنائی گئی تھی کہ وہ اس امانت کو ساری انسانیت تک پہنچائے۔ دنیا کو یہ بتائے کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے اس دین کو بطورِ ضابطۂ حیات اور ربّانی نعمت کی صورت میں ساری انسانیت کے لیے پسند فرمایا ہے۔ اس نے اطاعت و فرماں برداری کے ذیل میں دوٹوک انداز میں فیصلہ کر دیا کہ

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾ (ال عمران:85)

'اسلام کے سوا جو شخص فرماں برداری کا کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اُس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد رہے گا۔'

ہجرت کے دسویں سال تک سرزمین عرب میں لاکھوں زندگیاں فرماں برداری کے اس طریقے کا عملی مظہر اور باقی دنیا کے لیے نمونہ بن گئی تھیں۔ تاریخِ انسانی میں رسول اللہ ﷺ کا یہی خصوصی امتیاز ہے کہ آپؐ نے دین کو جس طرح مسجد کے اندر عبادات کی صورت میں فرماں برداری کا طریقہ بنایا، اسی طرح باورچی خانے اور خواب گاہ پر بھی اس کا پہرا بٹھایا، ایوانِ حکومت، کمرۂ عدالت، فوج کے ہیڈ کوارٹر، قانون ساز اداروں اور تجارتی مراکز اور معاشرتی زندگی تک اس کو وسعت دے کر دنیا پر ثابت کر دیا کہ یہ دین ایک مکمل اور قابلِ عمل نظامِ زندگی ہے۔ چنانچہ اب اگر کوئی فرد یا قوم اسلام کی جگہ غیر اسلام کو نجی زندگی، معاشرے اور ریاست کا نظام بنائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو ٹھکرانے کا مرتکب سمجھی جائے گی۔ اس اُمت کا یہ دائمی فرض ہے کہ وہ ایک طرف دعوت و تبلیغ کے ذریعے اپنے پاس پڑی ہوئی اس امانت ۔اسلام۔ کو اس کے حق داروں تک پہنچائے اور دوسری طرف اس حقیقت کی تفہیم و تلقین کرے کہ بطورِ دین اللہ نے جس کو پسند کیا وہ یہی اسلام ہے۔

Marfat.com

رسول پاک ﷺ کی نرینہ اولاد اور فرزند ابراہیم کی وفات

سورہ الاحزاب (آیت 40) میں ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾

'(لوگو) محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔'

اگرچہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مطلقہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے نکاح پر منافقین کے پروپیگنڈے کے جواب میں اور کچھ مسلمانوں کے ذہن میں پیدا ہو جانے والی الجھن کو رفع کرنے کی غرض سے آیا تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ اللہ کو آپؐ کی نرینہ اولاد کے ذریعہ آپؐ کی نسل کی بقا منظور نہیں تھی۔ حضور ﷺ کی سب سے چھوٹی اور پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے جو نسل چلی فتنہ پرور شیطانی عناصر نے اس کو اس امت کے وجود میں دراڑیں ڈالنے اور اس کے اندر اختلاف و تفرقہ کا جس طرح ذریعہ بنایا، اس سے یہ حقیقت سمجھنا مشکل نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا کہ محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی نرینہ اولاد پیدا ہی نہیں ہوئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اُسوۂ حسنہ قرار دیا تو ضروری تھا کہ بیویوں کے شوہر، بیٹیوں کے ساتھ بیٹوں کے باپ کی حیثیت سے بھی انسانیت اور خاص طور پر اس اُمت کے سامنے آپؐ کا اُسوہ آتا۔

رسول اکرم ﷺ کے بیٹے اور بیٹیاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔ چار بیٹیوں کے علاوہ دو بیٹے قاسم (اللہ کی سلامتی ہو ان پر) پہلے بیٹے تھے۔ ابھی پاؤں پر چلنا شروع کیا تھا اور اپنے صاحبِ رحمت وشفقت والد کے پیار کی فضا میں تھوڑا ہی عرصہ گزارا تھا کہ ربّ کی طرف سے اس نعمت کی واپسی کا فیصلہ ہو گیا۔ حضورؐ کی کنیت ابوالقاسم انہی کے نام

Marfat.com

پر ہے۔ گویا وہ نہ رہے مگر پیار کی علامت کے طور پر ان کا نام حضورؐ کے ساتھ ہمیشہ کے لیے چسپاں ہو گیا۔ دوسرے صاحبزادہ کا نام عبداللہ (علیہ السّلام) تھا۔ طیّب اور طاہر ان کا لقب تھا۔ یہ بعثتِ نبوی کے بعد پیدا ہوئے اور جلد ہی وفات پا گئے۔ انہی کی موت پر ابولہب اور اس کی بیوی خوشیاں مناتے ہوئے دوڑے دوڑے قریش کے لوگوں کے پاس گئے کہ 'آج محمدؐ ابتر ہو گئے یعنی ان کی جڑ کٹ گئی اور وہ بے نام ونشان ہو گئے۔' سورہ کوثر میں اسی پر آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا: اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ یعنی 'اے نبیؐ جڑ آپؐ کی نہیں بلکہ خوشیاں منانے والے آپؐ کے اِن دشمنوں کی کٹی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی نرینہ اولاد میں سے تیسرے بیٹے ابراہیم ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے مدینہ میں 8 ہجری میں پیدا ہوئے تھے۔ رسول پاک ﷺ کے آزاد کردہ غلام ابو رافعؓ نے آکر آپؐ کو یہ خوش خبری سنائی۔ آپؐ کو اتنی خوشی ہوئی کہ آپؐ نے ابو رافعؓ کو بطورِ انعام ایک غلام عطا فرمایا۔ ابراہیمؓ ابھی ڈیڑھ سال ہی کے تھے کہ رَب تعالیٰ نے 'محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں' کے فیصلے کے تحت اس نعمت کو واپس لے لیا۔ بخاری، مسلم، صحیح ابن حبان، مجمع الزّوائد، صحیح الجامع وغیرہ کی روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے اس صاحبزادے کی وفات کا شدید رنج ہوا۔ یہ صاحبزادے جان کنی کے عالَم میں تھے۔ آپؐ نے بیٹے کو گود میں لے لیا۔ اسی حالت میں صاحبزادے نے دم توڑ دیا۔ رسول پاک ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: 'یا رسول اللہ! آپ رو رہے ہیں، حالانکہ آپؐ ہمیں رونے سے منع کرتے ہیں۔' حضورؐ نے فرمایا: 'میں ایک بشر ہوں، میری آنکھیں روتی ہیں، دل خشیت اور خشوع سے لبریز ہے۔' اے ابراہیم! ہم تیری وجہ سے غمگین ہیں۔ اگر یہ (موت) برحق معاملہ نہ ہوتا اور (موت کے بارے میں) اللہ کا وعدہ سچ نہ ہوتا، اگر پیچھے آنے والوں کا (موت کی صورت میں) آگے جانے والوں سے ملنا حقیقت نہ ہوتی تو ہم تیری موت پر اس سے (کہیں) زیادہ رنجیدہ اور غمگین ہوتے۔ اے ابراہیم! تیرے غم میں آنکھیں روتی ہیں اور دل دکھی ہے لیکن ہم ایسی

Marfat.com

کوئی بات زبان سے نہیں نکالیں گے جس سے رب ناراض ہو۔'

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے 'رحمۃ للعالمین' میں اپنے ذوقِ تحقیق کے تحت حساب لگا کر ابراہیم صاحبزادۂ رسول ﷺ کی وفات 10 ہجری کے ماہِ شوال کی 29 تاریخ کا واقعہ بتایا ہے۔ جس روز ابراہیمؑ فوت ہوئے اتفاق سے اس روز سورج کو گہن لگ گیا۔ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ ابراہیم کی موت کی وجہ سے ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فوراً اس توہم پرستانہ سوچ کی اصلاح فرمائی۔ لوگوں کے دھیان اللہ کی طرف موڑتے ہوئے فرمایا: 'سورج اور چاند کو لوگوں میں سے کسی کی موت کی وجہ سے گہن نہیں لگتا۔ یہ تو اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ جب تم ان کو دیکھو تو نماز کسوف ادا کرو۔' [1]

رسول اللہ ﷺ کے ارسال کردہ وفود

اگرچہ ہجرت کے 9ویں سال میں وفود کی مدینہ آمد کے ساتھ کچھ ایسے وفود کا ذکر بھی ہو گیا تھا جو خود رسول اللہ ﷺ نے ارسال کیے۔ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو 10 ہجری میں یمن کے دو مختلف حصوں میں بھیجا گیا تھا۔ مقصد دعوت، تعلیمِ دین اور تربیت و اصلاح تھا۔ رسول پاک ﷺ نے اپنے ان دونوں صاحبِ علم و تفقہ صحابہ کو حکمتِ تبلیغ اور اسلام کے اصولِ تدریج سے آگاہ کرتے ہوئے نصیحت کی کہ وہاں جا کر دینی معاملات میں آسانی کو اختیار کرنا، سختی نہ برتنا۔ لوگوں کو خوش خبری دینا، انہیں نفرت نہ دلانا۔ خود اپنے اندر بھی یہ عادت ڈالنا۔ یمن کے لوگ جو سے بننے والی شراب 'مزر' اور شہد سے بننے والی شراب 'تبع' کے شوقین تھے۔ آپؐ نے اپنے صحابہؓ کو بتایا کہ 'نشہ لانے والی ہر چیز حرام ہے۔'

نبی اکرم ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو خاص تاکید فرمائی کہ 'تم اہلِ کتاب کے پاس جا رہے ہو۔ انہیں سب سے پہلے اس بات کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ جب وہ اس عقیدہ کے قائل ہو جائیں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے دن رات میں

[1] بخاری.

Marfat.com

پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ اس فرض کو بھی مان لیں تو انہیں کہنا کہ اللہ نے زکوٰۃ فرض کی ہے جو تمہارے مالداروں سے لے کر تمہارے مسکینوں غریبوں پر خرچ کی جائے گی۔ یمن والے جب یہ بات بھی مان لیں تو پھر ان کے اچھے اور پسندیدہ مال ہرگز نہ لینا۔ مظلوم کی بددعا سے بچنا کیوں کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

اِن صحابہؓ کو یمن بھیجنے کے وقت اگرچہ رسول اللہ ﷺ پر کسی مرض کی کوئی علامات ظاہر نہیں ہوئی تھیں۔ آپؐ پوری طرح صحت مند تھے لیکن دِین کے کامل ہو جانے کے بعد حضور ﷺ محسوس کر رہے تھے کہ ربِ کائنات نے آپؐ کو جس مشن کے ساتھ مبعوث کیا تھا اس کی تکمیل ہو چکی ہے۔ اس لیے اب آپؐ زیادہ عرصہ اس دنیا میں نہیں رہیں گے۔ چنانچہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کرتے وقت آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ 'معاذ! شاید اس سال کے بعد تم کو مجھ سے ملاقات کا موقع نہ ملے اور شاید تم آؤ تو (مجھ سے ملنے کے بجائے) تمہارا گزر میری مسجد اور میری قبر کے پاس سے ہو۔' یہ سن کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر گریہ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ شاید حضرت معاذؓ کی آہ و بکا کچھ زیادہ بلند ہو گئی ہو گی جس کی وجہ سے آپؐ نے اپنے محبوب صحابیؓ کی اخلاقی اور نفسیاتی اصلاح کے طور پر فرمایا: 'اے معاذ! رونا نہیں، (اس طرح) رونا شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔' (مسند احمد، طبرانی، مجمع الزوائد) رسول اکرم ﷺ نے اسی سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی یمن بھیجا تھا۔ وہ حجۃ الوداع کے لیے یمن ہی سے مکہ آئے تھے۔ اِسی سال کے ماہِ ربیع الاول یا ربیع الثانی میں رسول پاک ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اہلِ نجران کے ہاں بھیجا تھا۔ یہ ایک دعوتی مشن تھا۔ [1]

حجۃ الوداع

﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (ال عمران: 97)

---

[1] الصادق الامین۔

Marfat.com

'لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر (کعبہ) تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔'

فتحِ مکّہ کے بعد اہلِ مکّہ اور اردگرد کے دوسرے مسلمان دو سال سے اسلام کی عبادت سمجھ کر حج کر رہے تھے مگر حج کی فرضیت والی سورہ ال عمران کی محولہ بالا آیت 9 ہجری میں نازل ہوئی تھی۔ ابھی تک مشرکین حج کے نام پر اپنی جاہلانہ رسوم و خرافات کا مظاہرہ کرتے تھے اس لیے جب تک سورہ توبہ کے ابتدائی رکوعوں کی روشنی میں مشرکانہ رسوم پر مکمل پابندی نہیں لگی تھی رسول اللہ ﷺ نے اس وقت تک حج نہیں کیا تھا۔ جب یہ طے ہو گیا کہ آئندہ دیگر عبادات کی طرح حج اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہوگا اور مشرکین کو حج کے ماحول کو شرکیہ روایات سے آلودہ کرنے کی اجازت نہیں ہوگی تو رسول اللہ ﷺ نے اس سال حج کے سفر کا فیصلہ کیا۔ مدینہ کے مسلمانوں کے علاوہ اردگرد کے قبائل سے کثیر تعداد میں لوگ آپؐ کی اقتدا میں حج کو فضیلت سمجھ کر حج کی نیت سے مدینہ میں جمع ہو گئے۔ ایسے مسلمان بھی رسول پاک ﷺ کے ساتھ حج کے لیے نکلے جن کو نہ اس سے قبل آپؐ کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی تھی اور نہ اس کے بعد یہ امکان رہا تھا۔ اُمہات المومنین بھی اس سفر میں شریک تھیں۔

حضرت ابو دجانہ انصاری کو مدینہ میں اپنی نیابت سونپ کر رسول اللہ ﷺ 25 ذی القعدہ کو ظہر کے وقت روانہ ہوئے۔ پہلا پڑاؤ ذوالحلیفہ تھا جہاں آپؐ نے اُس روز عصر، مغرب اور عشاء اور اگلے روز ظہر کی نماز ادا کی۔ چار رکعتوں والی نمازیں قصر ادا ہوئیں۔ بعد نمازِ ظہر یہیں پر آپؐ نے غسل کیا۔ احرام کی ایک چادر تہبند کے طور پر اور دوسری کندھے پر اوڑھ لی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک خوشبو جس میں مشک شامل تھی آپؐ کے سر پر لگائی۔ راستے میں حالات اور ضرورت کے مطابق ایک لاکھ چودہ ہزار سے بھی کچھ زیادہ کے اس مجمع کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری رہا۔ حضور ﷺ لوگوں کو وعظ و نصیحت فرماتے رہے۔

Marfat.com

سفر کے آداب کے حوالے سے پہلا خطبہ آپؐ نے ذوالحلیفہ میں ارشاد فرمایا۔ظہر کی نماز الگ اور احرام کی دو رکعت الگ ادا کی ۔قربانی کے جانور کی گردن میں ہدی کی نشانی کے طور پر اپنے ہاتھ سے دو جوتے باندھ دیے ۔اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر آپؐ نے لَبَّیك اللّٰھم لَبَّیك ، لَبَّیك لَا شَرِیكَ لَك لَبَّیك ، اِنَّ الْحَمدَ وَ النّعمةَ لَك وَ المُلك لَا شَرِیكَ لَك کی صدا بلند کی تو اس جم غفیر کی زبانوں پر بھی تلبیہ کے یہ کلمات جاری ہو گئے۔

یہاں سے چل کر حضور ﷺ قُدَید اور پھر مقام سرف پہنچے۔صحابہ کرامؓ میں سے جو قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے اور جو نہیں لائے تھے ان کو الگ الگ حج کی نیت کی تلقین کی۔مکہ پہنچ کر اپنی اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے کعبۃ اللہ کا طواف کیا۔طواف سے فارغ ہو کر صفا سے ابتدا کر کے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کے سات چکر پورے کیے۔صحابہ کرامؓ کے لیے یُزَکِّیھِمْ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ یعنی نبی ﷺ ان کی زندگیاں سنوارتے ہیں اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں کا فیض مسلسل جاری رہا۔حضورؐ نے لوگوں کو حج کے مناسک کی تعلیم دی، جو فقہی مسائل سامنے آئے ان کے جواب دیے۔اَبطح کے مقام پر آپؐ کے لیے چمڑے کا قبہ نما خیمہ نصب کیا گیا تھا۔یہاں سے فارغ ہو کر آپؐ خیمے میں تشریف لے گئے۔

آغازِ مناسکِ حج

یومِ ترویہ تک اسی خیمہ میں قیام فرمایا اور یہیں قصر نمازیں ادا کیں۔یہاں پر اتوار، سوموار، منگل اور بدھ تک قیام کیا۔ جمعرات کی صبح لاکھوں حاجی حضورؐ کے ساتھ منیٰ آئے۔جمعہ کو سورج طلوع ہونے کے بعد عرفات کی طرف روانہ ہوئے۔عرفات میں زوالِ آفتاب تک رسول پاک ﷺ اپنے خیمے میں تشریف فرما رہے۔ظہر کے وقت اپنی اونٹنی پر سواری کی حالت میں عظیم خطبہ ارشاد فرمایا۔اس میں اسلام کے بنیادی اصولوں کی تشریح فرمائی۔شرک کے رسوم و عادات اور جاہلیت کے اطوار سے منع کیا۔ [1]

[1] الصّادق الامین.

Marfat.com

حج کے تاریخ ساز خطبے

صحیح مسلم، صحیح ابن حبان اورابوداود میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث میں ان خطبات کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا پہلا اور آخری حج تھا۔ اس کو حجۃُ الوداع کا نام دیا گیا کیوں کہ اس حج کے بعد رسول اللہ ﷺ اس اُمت سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جانے والے تھے۔ اسی لیے اس حج کے دوران میں حضورؐ نے عرفات اور منیٰ میں ایسے خطبے ارشاد فرمائے جن میں اُمت کے لیے اہم ہدایات اور تعلیمات تھیں۔ آپؐ نے ان میں ایمان وتقویٰ اور عبادات و اخلاقیات کے علاوہ انسانی حقوق اور نظامِ اسلام کے بڑے اہم پہلوؤں پر قیامت تک رہنمائی فراہم کرنے والے اصول و ضوابط کی تعلیم دی۔ ایک خطبہ جس کے بارے میں بعض اہلِ سیر و تاریخ کی رائے ہے کہ میدانِ عرفات میں دیا گیا اور بعض نے اس کا مقامِ ارشاد منیٰ بتایا ہے، سب سے اہم خطبہ شمار ہوتا ہے۔ اس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

'یقیناً تمہارا خون اور تمہارا مال اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کا دن، یہ مہینہ اور یہ جگہ محترم ومقدس ہیں۔ خبردار! آج جاہلیت کے تمام رسم و رواج میرے قدموں تلے روندے جا رہے ہیں۔ جاہلیت میں کیے گئے سارے خون معاف کر دیے گئے ہیں۔ اس نوعیت کا سب سے پہلا خون جو معاف کیا جا رہا ہے وہ میرے اپنے خاندان سے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا ہے جو بنوسعد میں پرورش پا رہا تھا اور بنوہذیل نے اسے قتل کر دیا تھا۔ دورِ جاہلیت کا ہر قسم کا سُود ختم کیا جا رہا ہے اور سب سے پہلے عباسؓ بن عبدالمطلب نے جو سُود وصول کرنے تھے وہ معاف کیے جا رہے ہیں۔ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ کی ضمانت پر تم نے ان کو اپنے ماتحت لیا اور اللہ کے کلمے پر ہی ان کی شرم گاہیں تم لوگوں پر حلال ہوئی ہیں۔ اُن پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو تمہارے بستر پر نہ آنے دیں جن کو تم پسند نہیں کرتے ہو۔ اگر وہ ایسی غلطی کریں تو تم کو انہیں ایسی ہلکی سزا دینے کا اختیار ہے جس کے نشان ان کے جسم پر نہ پڑیں۔ تمہارے اوپر ان کا حق یہ ہے کہ تم ان کی ضرورت کے

Marfat.com

مطابق انہیں کھانا پینا اور لباس فراہم کرو۔ میں تمہارے درمیان کتاب اللہ چھوڑے جا رہا ہوں جس کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ جب تم سے میرے بارے میں سوال ہو گا تو کیا جواب دو گے؟ اس پر سارے مجمع نے بیک آواز کہا: 'ہم گواہی دیں گے کہ آپؐ نے اللہ کا پیغام ہم تک پہنچا دیا، اپنا فرض ادا کر دیا، آپؐ نے اپنی اُمت کی خیرخواہی کا حق ادا کر دیا اور اپنی ذمہ داریاں ٹھیک پوری کر دیں۔' اس پر آپ ﷺ نے تین بار فرمایا: 'اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا۔' یہاں عرفہ کے حدود کی وضاحت بھی فرما دی کہ بطنِ عُرنہ کے سوا عرفات کی ساری وادی وقوف ہے۔ [1]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اِن اہم حرمات کو پوری طرح ذہن نشین کرانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے احساس و شعور کو بیدار کرنے اور توجہ مبذول کرانے کے لیے پہلے ان سے دن، مقام اور مہینے کے بارے میں الگ الگ سوال کیا کہ 'آج کون سا دن، کون سا مقام اور کون سا مہینہ ہے؟' لوگوں نے جواب دیا: 'اللہ اور اس کے رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح یہ دن، یہ مہینہ اور یہ مقام حرام ہے۔' [2]

مزدلفہ اور پھر منیٰ

صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی کی حَجّۃ النّبیؐ کے عنوان کے تحت حدیث میں ہے کہ سورج غروب ہونے تک عرفات میں قیام کے بعد رسول پاک ﷺ اپنی اونٹنی پر مزدلفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ لوگوں میں افراتفری کی کیفیت دیکھ کر ہاتھ کے اشارے سے ان کو پرسکون اور باوقار انداز میں سفر کی تلقین فرمائی۔ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ ادا کی گئی۔ وہ رات فجر تک وہاں آرام فرمایا۔ عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کو بھیڑ سے بچنے کے لیے طلوعِ فجر کے قریب منیٰ روانہ ہو جانے کی اجازت دے دی

[1] صحیح مسلم. [2] صحیح بخاری.

Marfat.com

نگران کو ہدایت کی کہ سورج نکلنے سے پہلے جمرہ پر کنکریاں نہ برسائیں۔ صبح اٹھ کر اول وقت میں نماز پڑھائی۔ پھر اچھی طرح روشنی پھیلنے تک باقی وقت قصویٰ پر سواری کی حالت میں مشعرِ حرام کے قریب ذکر و دعا اور تکبیر و تہلیل میں گزارا۔ طلوعِ آفتاب کے بعد آپؐ کی اقتدا میں حاجیوں کی منیٰ کے لیے روانگی ہوئی۔ طلوعِ آفتاب کے بعد جمرۂ کبریٰ یا عقبہ کو کنکریاں ماریں۔ یہاں پر آپؐ نے ایک مختصر مگر اہم خطبہ دیا۔

آپؐ نے فرمایا: دیکھنا! کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے بعد تم لوگ کفر اختیار کر لو اور ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگ جاؤ۔'[1] آپؐ نے یہ بھی فرمایا:

'شیطان اب ہمیشہ کے لیے اس بات سے ناامید ہو گیا ہے کہ اس علاقے میں اس کی پرستش ہو گی۔ ہاں وہ اس پر راضی ہے کہ چھوٹے چھوٹے معاملات میں تم اس کی پیروی کرو گے۔ لوگو! احتیاط کرنا، میں تمہارے درمیان دو ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جن کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ ہیں کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ۔ یاد رکھو! ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ کسی کے لیے اپنے بھائی کے مال میں سے کچھ لینا جائز نہیں۔ ہاں یہ کہ اگر وہ خود اپنی خوشی سے کچھ دے دے (تو کوئی مضائقہ نہیں ہے)۔ یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہاں سے سیکھی اور سنی ہوئی باتیں ان لوگوں تک پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں، خواہ کوئی ایک آیت ہی ہو۔ بعض اوقات جس تک بات پہنچائی جاتی ہے وہ پہنچانے والے سے بہتر اس کو سیکھتا اور یاد کر لیتا ہے۔[2]

یہاں سے رسول پاک ﷺ قربان گاہ پہنچے۔ قربانی کے لیے ساتھ لائے ہوئے ایک سو اونٹوں میں سے 63 اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح کیے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ باقی 37 اونٹوں کو وہ ذبح کریں۔ قربانی کے بعد آپؐ نے بال منڈوائے، غسل کیا اور احرام کھول

---

1. بخاری و مسلم.
2. السّیرة النّبویة الصّحیحة ، السّیرة النّبویة فی ضوء المصادر الاصلیة ،دلائل النّبوة للبیهقی، الصّادق الامین.

Marfat.com

دیا۔ظہر سے قبل آپؐ مکہ تشریف لے گئے۔طوافِ افاضہ کیا اور ظہر کی نماز ادا کی۔دن کے باقی حصے میں آلِ عبدالمطلب سے ملاقاتیں کیں۔رات کو واپس منیٰ تشریف لے گئے۔وہاں پھر ایک اور خطبہ دیا جس میں پچھلی باتوں کے اعادہ کے علاوہ کچھ نئی نصیحتیں فرمائیں۔فرمایا کہ شاید یہ میرا آخری حج ہو اور اس کے بعد تم لوگ مجھے نہ دیکھ سکو۔ایامِ تشریق کے تین دن منیٰ میں گزار کر حضور ﷺ حجاج کے اس عظیم کاروان کے ہمراہ واپسی کے سفر پر روانہ ہو گئے۔واپسی میں بھی ابطح (مُحصّب) میں پہلا پڑاؤ کیا۔حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اپنی بہن عائشہؓ کو حرم کے حدود سے باہر لے جائیں تاکہ وہ وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر طواف مکمل کر آئیں جو ان کو حیض آ جانے کی وجہ سے موقوف ہو گیا تھا۔

حضرت عائشہؓ نے اس مقام پر عمرہ کے لیے احرام باندھا جہاں اب اُنہی کے نام پر مسجدِ عائشہ رضی اللہ عنہا ہے۔طوافِ وداع کے لیے حضورؐ یہیں سے تشریف لائے۔ ❶

مدینہ واپسی

یہاں سے پھر سفر شروع کر کے ذوالحلیفہ پہنچے۔رات وہیں بسر کی۔مدینہ واپسی کی تاریخ بائیس یا تئیس **ذی الحجہ** بتائی گئی ہے۔جب اس مقدس شہر پر نظر پڑی تو تکبیر کی صدا بلند کی اور زبان مبارک پر یہ کلمات جاری ہو گئے۔لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ، وَ لَہُ الْحَمْدُ، وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ، لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ ۔یہ بھی فرمایا کہ صَدَقَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَ نَصَرَ عَبْدَہٗ وَ ھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ، یہی کلمات رسول اللہ ﷺ نے مکہ پہنچ کر عمرہ کی ادائیگی میں بھی کہے تھے۔ ❷

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں آخری لشکر

غزوۂ موتہ میں اسلامی لشکر کے تین سالاروں ۔زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور

---

❶ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداود۔

❷ الصادق الامین بحوالہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، اتحاف الوریٰ، زادالمعاد۔

Marfat.com

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم۔کی شہادت سے رسول اللہ ﷺ سخت غمگین ہوئے تھے۔غزوۂ تبوک کے لیے حضورؐ اپنی فوج لے کر رومیوں کی سرحدوں تک تشریف لے گئے تھے اور بیس دن وہاں قیام فرمایا لیکن رومیوں کو مد مقابل آنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ نبی پاک ﷺ ایک تو یہ چاہتے تھے کہ قبل اس کے کہ رومی جارحانہ عزائم کے ساتھ پہلے کی طرح اسلامی سرحدوں پر چڑھائی کریں، انہیں احساس دلا دیا جائے کہ مسلمان چوکس اور ہوشیار ہیں۔اس لشکر کے روانہ کرنے کا دوسرا مقصد جنگِ موتہ کے شہیدوں کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں یہ آخری لشکر تھا جو آپ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی قیادت میں کفار سے جہاد کے لیے بھیجا گیا۔واقدی کی روایت ہے کہ مجاہدین کی تعداد تین ہزار، یعنی اتنی ہی تھی جتنی غزوۂ موتہ میں تھی اور اس لشکر میں ایک ہزار گھڑ سوار تھے۔اس لشکر کا علم رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے تیار کر کے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو تھمایا۔

ابن سید الناس نے عیون الاثر اور ابن کثیر نے اپنی السّیرۃ النّبویۃ میں اسامہؓ کو رسول پاک ﷺ کی جن ہدایات کا ذکر کیا ہے اپنے کسی لشکر سالار کو خاص طور پر ان میں سے پہلی دو ہدایات دینا حضور ﷺ کا کبھی معمول نہیں رہا تھا۔ عام طور پر آپؐ فوج یا جنگی دستے کے کمانڈر کو نصیحت فرماتے کہ مقابلہ سے پہلے دشمن کو اسلام کی دعوت دی جائے، عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے، پھل دار درختوں کو نہ کاٹا جائے اور جو شخص آمادۂ جنگ نہ ہو اسے قتل نہ کیا جائے۔تاہم جو کچھ ان دونوں معتبر کتابوں میں بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'جاؤ اپنے باپ کے مقتل (یا قاتلوں) کی طرف۔ وہاں کے لوگوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں میں روند ڈالو اور اُن کے گھروں کو جلا دو۔قبل اس سے کہ دشمن کو خبر ہو، تم وہاں پہنچ جاؤ اور جب فتح یاب ہو جاؤ تو وہاں زیادہ دیر نہ ٹھہرنا۔ اپنے جاسوسوں کو آگے بھیج دو۔ اپنے ساتھ (صحابہ میں سے بزرگ) رہنماؤں کو لے جاؤ۔'

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں ابوبکر، عمر، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم جیسے عظیم المرتبت صحابہؓ تھے۔بعض لوگوں نے باتیں بنانی شروع کر دیں کہ ایسے جلیل القدر، پختہ کار اور جنگی مہارت

Marfat.com

رکھنے والے صحابہؓ کو ایک اٹھارہ سال کے نوجوان کے ماتحت بھیجا جا رہا ہے۔ ابن اسحاق کے بقول لوگوں کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی کم عمر ہے اور وہ آزاد کردہ غلام ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو جب ان چہ میگوئیوں کی خبر ہوئی تو آپؐ نے کھڑے ہو کر فرمایا: 'آج تم لوگ اسامہ کے امیرِ لشکر بنائے جانے پر جو باتیں بنا رہے ہو، اس سے پہلے جب اِس کے باپ کو (جنگِ موتہ یا بعض سرایا میں) امیرِ لشکر بنایا گیا تھا اس وقت بھی تم لوگوں نے ایسی ہی باتیں کی تھیں۔ خُدا کی قسم! اسامہ کا باپ امارت کا مستحق تھا اور لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ عزیز تھا، اور آج اسامہ امیر بن کر جا رہا ہے، یہ مجھے لوگوں میں سب سے محبوب ہے۔'[1] رسول اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا: 'میں تم لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اسامہ کے ساتھ اچھا معاملہ کرو، یہ تمہارے نیک نوجوانوں میں سے ہے۔'[2] یہ لشکر مدینہ سے نکل کر ابھی جرف کے مقام پر ہی تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی طبیعت کی ناسازی کی خبریں اہلِ لشکر تک پہنچ گئیں۔ حضرت اسامہؓ نے دیگر صحابہؓ کے مشورے سے لشکر کی پیش قدمی روک دی اور جرف میں ہی پڑاؤ ڈال لیا۔

مرض اور وفاتِ رسول اکرم ﷺ

مرض کی وجہ

جب رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر مدینہ واپس تشریف لائے تو ابھی ذو الحجۃ کے کچھ دن باقی تھے۔ محرم اور غالباً ماہِ صفر پورا خیریت سے گزرا۔ صفر کے آخری دنوں میں یا ربیع الاول کی ابتدا میں حضورؐ پر مرض الموت کا حملہ ہوا۔ بیماری کی اصل وجہ یہ تھی کہ خیبر کی فتح کے بعد ابھی رسول پاک ﷺ وہیں مقیم تھے کہ یہودی سردار سلام بن مشکم کی بیوی زینت بنت حارث نے مکر کا جال تیار کیا۔ بکری کی ران بھون کر اس میں ایک بڑا مہلک زہر ملایا اور اللہ کے رسولؐ کو پیش کی۔ حضورؐ نے اس کا ایک نوالہ ہی لیا تھا کہ آپؐ کو اس خوراک میں کسی چیز کی آمیزش کا احساس ہو گیا۔ آپؐ نے وہ نوالہ حلق سے نیچے اتارنے کے بجائے فوراً نکال کر پھینک دیا تھا لیکن زہر اس قدر تیز تھا کہ لقمہ منہ میں رہنے کی ذرا سی دیر

[1] بخاری و مسلم. [2] صحیح مسلم.

Marfat.com

میں اس کا اثر حضورؐ کی رگوں میں داخل ہو گیا تھا۔ اسی زہر کا اثر اب عود کر آیا تھا۔ [1]

نصف شب کو جنّۃُ البقیع میں

بیماری کی علامات ظاہر ہونے سے پہلی رات کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام ابو مُوَیْھِبَہ سے کہا کہ مجھے بقیع میں مدفون شہداء اور صحابہ کی مغفرت کی دعا کا حکم ہوا ہے۔ بقیع کے قبرستان پہنچ کر ابو مُوَیْھِبَہ کو متوجہ کر کے فرمایا: 'اے ابو مُوَیْھِبَہ اللہ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ چاہوں تو دنیا کے خزانوں کی کنجیاں لے کر زندہ رہوں اور ہمیشہ زندہ رہنے کے بعد جنّت میں جاؤں یا ابھی اپنے رَب سے ملاقات کا فیصلہ قبول کر کے جنت کی راہ لوں۔' ابو مُوَیْھِبَہ نے عرض کیا: 'میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ دنیا کے خزانوں کی کنجیاں لے کر ہمیشہ زندہ رہنے کے بعد جنت میں جائیں۔' آپؐ نے فرمایا: 'نہیں، اللہ کی قسم! میں نے تو اپنے رَب سے ملاقات اور جنت کو پسند کر لیا ہے۔' پھر حضورؐ نے بقیع میں مدفون شہداء اور مرحومین کے لیے مغفرت کی دعا کی اور حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ [2]

مرضِ الموت کا آغاز

یہ اللہ کی حکمت اور تدبیر تھی کہ اس دِین کی تکمیل، نظامِ اسلام کی برپائی اور فتوحات کے سلسلے کے ختم ہونے، نیز حجۃ الوداع میں اس اُمت کی تعلیم و تربیت کے سارے مراحل طے ہونے تک اس زہر کا اثر ظاہر نہیں ہوا تھا۔ مدینہ واپسی کے تقریباً دو ماہ بعد ایک روایت کے مطابق کسی کی نمازِ جنازہ پڑھ کر واپس تشریف لا رہے تھے جب سر میں درد اٹھا۔ ساتھ ہی بخار نے آ لیا۔ بیماری کے ابتدائی کئی روز تک رسول اللہ ﷺ کی امامت مسجد نبوی میں نماز کا سلسلہ جاری رہا۔ اُمہاتُ المومنین کے لیے جو باریاں مقرر تھیں ان میں بھی شروع میں کوئی فرق نہ آیا۔ جس رات تکلیف میں تیزی آئی اس رات رسول اللہ ﷺ کے قیام کی باری حضرت میمونہؓ یا بعض روایات کے مطابق حضرت زینبؓ بنت جحش یا حضرت ریحانہؓ کے

1. السّیرۃ النّبویۃ الصّحیحۃ.
2. السّیرۃ النّبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ بحوالہ ابن اسحاق.

Marfat.com

ہاں تھی۔ یہ حقوقِ نسواں کی عظیم مثال تھی کہ طبیعت سخت ناساز ہونے کے باوجود حضور ﷺ نے اپنی بیویوں پر اپنا فیصلہ تھوپنے کے بجائے سب زوجات کو جمع کیا اور ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں مستقل قیام کی اجازت لی تاکہ ایک ہی جگہ آرام اور مناسب تیمارداری ہو سکے۔ سب نے بخوشی اجازت دے دی۔ مرض کی ظاہری علامتوں میں شدید علامت سر درد تھا جس کے اثر سے بخار بھی ہو گیا تھا۔ ❶

شدّتِ تکلیف

جب مرض میں شدت آگئی تو آپؐ نے سات کنوؤں کے پانی کی ایسی مشکوں کا پانی اپنے اوپر انڈیلنے کی تاکید کی جن کے منہ پہلے نہ کھلے ہوں۔ حضرت حفصہؓ کے پاس ایک بڑا سا ٹب تھا جس میں بٹھا کر سب اُمہات المومنین نے مل کر آپؐ پر پانی ڈالا۔ اس سے کچھ افاقہ محسوس ہوا۔ آپ ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور نماز پڑھائی۔ ❷ لیکن اس مختصر افاقہ کے بعد مرض میں پھر شدّت آگئی۔ آپؐ اس قدر کرب کی کیفیت میں تھے کہ قریب بیٹھنے والے بھی آپؐ کی سخت تکلیف اور بخار کی تپش کو محسوس کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے اس سے پہلے کسی کو کبھی اتنی تکلیف میں نہیں دیکھا تھا۔ حضرت عائشہؓ قرآن پاک کی آخری دو سورتیں (معوّذتین) پڑھ پڑھ کر آپؐ پر دم کرتی تھیں۔ ❸

بیماری کے پانچویں روز ادھر تکلیف بڑھ رہی تھی اور ادھر آپؐ کو یہ فکر لاحق تھی کہ کہیں میرے بعد میری قبر کی پرستش نہ ہونے لگے۔ چنانچہ فرمایا: اللہ کی لعنت ہو ان یہودیوں اور عیسائیوں پر جنہوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔' فرمایا: 'اللہ یہود و نصاریٰ کو برباد کرے۔' فرمایا: 'میرے بعد میری قبر کو بت بنا کر اس کی پرستش نہ کرنے لگ جانا۔' فرمایا: 'وہ قومیں اللہ کے سخت غضب کا شکار ہوئیں جنہوں نے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنایا۔ میں اس چیز سے منع کر چکا ہوں۔ میں نے یہ پیغام تم لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔ پھر بتکرار کہا: 'اے

---

❶ بخاری، مسند احمد، فتح الباری لابن حجر۔

❷ بخاری و مسلم۔ ❸ بخاری، فتح الباری۔

Marfat.com

اللہ! گواہ رہنا'❶

اسی روز آپؐ نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کیا کہ 'اگر میں نے کسی بے گناہ کی پیٹھ پر کوڑے مارے ہوں تو وہ مجھ سے بدلہ لے لے۔ کسی کا میرے ذمہ کوئی قرض ہے تو وہ مانگ لے۔' ایک شخص نے تین درہم کا مطالبہ کیا۔ آپؐ نے فضل بن عباسؓ کو حکم دیا کہ اسے تین درہم دے دو۔ ایک آدمی تین درہم لایا کہ یہ میں نے مالِ غنیمت میں سے چھپا لیے تھے۔ آپؐ نے فضل کو یہ تین درہم لے لینے کا حکم دیا۔

پھر آپؐ نے انصار کے حقوق کی یاددہانی کرائی اور ان کے بارے میں وصیت فرمائی۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: 'ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار دیا کہ وہ چاہے تو دنیا میں رہنا پسند کر لے اور چاہے تو اپنے رَب کے حضور جانے کو ترجیح دے۔ اس بندے نے اپنے رَب کے حضور اجر وثواب کا انتخاب کر لیا۔' یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ لوگوں کو ابوبکرؓ کے رونے پر حیرت ہوئی۔ چند ہی دن بعد رسول اللہ ﷺ کے انتقال پر لوگوں کی سمجھ میں آیا کہ ابوبکرؓ کیوں روئے تھے۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو تسلی دی اور ان کے مناقب و فضائل کا ذکر بھی کیا۔ فرمایا: 'اگر اس اُمت میں سے کسی کو اپنا خلیل بنانا ہوتا تو ابوبکرؓ ہی کو بناتا۔ آپؐ نے حکم دیا کہ مسجد کے رُخ پر ابوبکرؓ کے دروازے کے سوا باقی سب دروازے بند کر دیے جائیں۔'❷

حَسْبُنَا كِتَابُ الله

بیماری کی اسی شدّت کے دوران میں صحابہ کرامؓ عیادت کے لیے آتے تھے۔ لشکرِ اسامہؓ کے مجاہدین بھی اُن سے اجازت لے کر کبھی فرداً فرداً اور کبھی گروہوں میں پرسانِ حال کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ ایک روز جب صحابہؓ جمع تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کاغذ

❶ السيرة النّبوية فى ضوء المصادر الاصلية، رحمةٌ للعالمين بحواله بخارى، مسلم ، مؤطا ، زرقانى، دلائل النّبوة.

❷ صحيح بخارى.

Marfat.com

قلم لاؤ، میں ایک ایسی چیز لکھ دوں جس کے ہوتے ہوئے تم لوگ گمراہ نہیں ہو گے۔بعض صحابہؓ کی نظر رسول پاک ﷺ کی شدتِ تکلیف پر تھی، وہ حضورؐ کو کسی قسم کی زحمت سے بچانا چاہتے تھے۔ایک دوسرے گروہ کی خواہش تھی کہ حضورؐ جو کچھ لکھنا یا لکھوانا چاہتے ہیں وہ حاصل کر لیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر کہا: حسبنا کتاب اللہ یعنی ہماری ہدایت اور زندگی کے معاملات میں رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو کتاب نازل کر دی ہے وہ کافی ہے۔اس ایک موقع کے سوا، بعد میں جب تک رسول اللہ ﷺ حیات رہے، پھر آپؐ نے اس معاملے میں کچھ نہیں فرمایا۔اگر وہ کوئی اتنی اہم بات ہوتی تو ضرور آپؐ حکم دیتے۔کسی کی مجال نہیں تھی کہ آپؐ کے حکم کی تعمیل نہ کرتا۔واقعی وہ بات اُمت کی رہنمائی کے لیے ناگزیر ہوتی تو بعد کے چار دنوں میں آپؐ اپنے معتمد ترین صحابہؓ میں سے کسی کو یا اپنی زوجات اور اہلِ بیت میں سے کسی کو بتا دیتے یا لکھوا دیتے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اِمامت

مرض بڑھنے کی وجہ سے جب رسول اللہ ﷺ کو بہت نقاہت محسوس ہونے لگی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں نماز کی اِمامت کا حکم دیا۔اِس حکم میں بھی نگاہِ رسولؐ میں کوئی بہت بڑی حکمت تھی۔اس کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ اس وقت جناب ابوبکرؓ موجود نہیں تھے۔ نماز کا وقت تھا۔عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ سے جماعت کی امامت کی درخواست کر دی۔یوں لگتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اِمامت کے لیے اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص اشارہ تھا، اسی لیے جب حضورؐ کے کان میں حضرت عمرؓ کی آواز پڑی تو آپؐ نے دو دفعہ فرمایا: 'اللہ اور مسلمان اس کا انکار کرتے ہیں۔رسول پاک ﷺ کی زندگی میں حضرت ابوبکرؓ نے سترہ یا اٹھارہ نمازیں پڑھائیں۔

ظہر کی نماز کے وقت حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔حضورؐ نے طبیعت کچھ بہتر محسوس کی تو آپؐ مسجد میں تشریف لے گئے۔حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹنے لگے تو آپؐ نے ان کو ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔اب اصل میں

Marfat.com

حضورؐ بیٹھے بیٹھے نماز کی امامت کر رہے تھے۔حضرت ابوبکرؓ آپؐ کی اقتدا میں اور باقی سارے مسلمان حضرت ابوبکرؓ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے۔[1]

انبیاء کا کوئی ورثہ نہیں ہوتا

وفات سے ایک روز قبل رسول پاک ﷺ نے اپنے سارے غلام آزاد کر دیے۔کل سات یا نو دینار آپؐ کی ملکیت میں تھے وہ صدقہ کر دیے۔آپؐ نے فرمایا: ’’ہم انبیاء کی کوئی قابلِ تقسیم وراثت نہیں ہوتی۔ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوگا۔میرے پیچھے میرے وارثوں میں کوئی درہم و دینار تقسیم نہیں ہوں گے۔میری زوجات کے نان و نفقہ اور ملازموں کی اجرتوں کے بعد جو کچھ بچے وہ صدقہ کر دیا جائے گا۔‘‘[2] ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کی تحقیق کے مطابق ایک خچر، ایک برچھے کے علاوہ کچھ اور اسلحہ تھا، آپؐ کے استعمال کے کپڑے اور ایک چارپائی تھی جو وقف کی صورت میں بطورِ تبرّک آپؐ کے خلفاء کے پاس رہیں۔رسول پاک جس روز فوت ہوئے اس رات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی پڑوسن سے تیل ادھار مانگ کر چراغ جلایا تھا۔[3]

نماز کے منظر سے تسکین

وفات کے روز کی نمازِ فجر ہو رہی تھی۔رسول اللہ ﷺ نے حجرے کا پردہ ہٹا کر نماز کا منظر دیکھا۔23 سال کی دعوتی جدوجہد اور جہاد کے نتیجے میں شرک و جاہلیت کی نشانیاں مٹ چکی تھیں اور پیشانیاں رَبّ ذوالجلال کے آگے سجدہ ریز تھیں۔یہ منظر آپؐ کے لیے وجہِ تسکین بنا۔چہرۂ مبارک پر بشاشت کی کیفیت ابھری اور لبوں پر مسکراہٹ دوڑنے لگی۔ادھر دیدار کے پیاسے صحابہؓ نے جب حضورؐ کی جھلک دیکھی تو بے تابی سے یہ حال ہوا کہ نماز ٹوٹ جانے کا احتمال پیدا ہو گیا تھا۔رسول پاک ﷺ نے ہاتھ سے نماز جاری رکھنے کا اشارہ کیا اور

---

1. صحيح بخاری.
2. بخاری.
3. السّيرة النّبوية الصّحيحة.

Marfat.com

حجرے میں تشریف لے گئے۔ ❶

حضرت فاطمہؓ سے سرگوشی

اُسی روز صبح کے وقت آپؐ کی چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپؐ کے پاس آئیں۔حضورؐ نے اُن کے کان میں سرگوشی کی تو وہ رونے لگیں۔آپؐ نے دوبارہ انہیں قریب کرکے سرگوشی کی تو وہ ہنسنے لگیں۔حضور ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت فاطمہؓ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ پہلی بار حضورؐ نے ان کو اطلاع دی تھی کہ آپؐ کی موت کا لمحہ قریب آ گیا ہے اور دوسری مرتبہ ان کو یہ خوش خبری سنائی تھی کہ خاندانِ نبوی میں سے سب سے پہلے وہ رسول اللہ ﷺ سے جا ملیں گی۔اس پر وہ مسکرا اٹھی تھیں۔خاندانِ نبویؐ میں کون سب سے پہلے آپؐ سے جا ملے گا؟ چھ ماہ قبل ہی اس کی اطلاع دے دینا رسول اکرم ﷺ کا ایک معجزہ تھا۔رسول اللہ ﷺ کی وفات کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا اور سب سے پہلے وہ اپنے والد ماجد کے پاس پہنچیں۔ ❷

یہاں اس بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ کاغذ قلم منگوا کر کوئی بات لکھوانے کا معاملہ اگر بہت اہم ہوتا تو اسی طرح سرگوشی میں حضور ﷺ اپنی بیٹی فاطمہؓ ہی کو اس بات سے آگاہ کر دیتے یا اپنی محبوب بیوی حضرت عائشہؓ کو بتا دیتے جو شب و روز آپؐ کی خدمت میں مصروف رہتی تھیں۔

کیفیت مرض میں چہرے پر پانی

رسول اللہ ﷺ کی تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔پاس ایک برتن میں پانی رکھا تھا۔حضورؐ سکون کی خاطر اور اپنا چہرہ مبارک صاف کرنے کے لیے اس برتن میں ہاتھ ڈالتے اور اپنے چہرے پر ملتے جاتے تھے اور زبان پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے کلمات جاری تھے۔حضرت عائشہؓ نے رسول پاک ﷺ کے پیچھے بیٹھ کر آپؐ کو اس طرح تھام رکھا تھا کہ حضورؐ کا سر

❶ صحیح بخاری.

❷ بخاری، فتح الباری.

Marfat.com

حضرت عائشہؓ کے سینے پر تھا۔اس دوران میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ اندر آئے۔ان کے ہاتھ میں تازہ مسواک تھی۔رسول اکرم ﷺ نے اس پر اشتیاق کی نظر ڈالی تو حضرت عائشہؓ نے بھائی سے مسواک لی۔اسے دانتوں میں اچھی طرح چبا کر نرم کیا اور حضور ﷺ کو دے دی۔طہارت اور پاکیزگی کو رسول اکرم ﷺ نے نصف ایمان قرار دیا تھا۔جسم اور کپڑوں اور دانتوں کی صفائی آپؐ کے صرف نبوی ہی نہیں بلکہ بشری کردار کا خاص امتیاز تھا۔اب جب دنیوی پردے ہٹنے والے تھے اور آپؐ 'رفیقِ اعلیٰ' سے ملنے والے تھے تو کیسے گوارا ہوسکتا تھا کہ منہ سے کوئی ناگوار بو نکلے۔مسواک کے بعد آپ ﷺ کی نظریں چھت کی طرف اٹھیں اور ہونٹ ہلنے لگے۔حضرت عائشہؓ نے کان آپؐ کے لبوں کے قریب کیا۔آپؐ کی زبان پر جو الفاظ تھے ان کا ترجمہ ہے: '(اے اللہ!) میں ان لوگوں کا ساتھ چاہتا ہوں جن پر تو نے اپنے انعامات کیے۔انبیاء، صدّیقین، شہداء اور صالحین۔(کا ساتھ) اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، مجھے بلند مرتبہ والے رفیق سے ملا دے' بعض روایات میں صرف اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔حیاتِ طیبہ کی آخری گھڑیوں تک آپ ﷺ کو جو فکر دامن گیر رہی وہ عورتوں اور غلاموں کے حقوق کے بارے میں تھی۔آپؐ کی زبان سے صادر ہونے والے یہ آخری الفاظ اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی تھے۔اس کے بعد حضورؐ کے ہاتھ ڈھلک گئے اور روح پرواز کرگئی۔ ❶

غم کا پہاڑ

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴾

(العنکبوت:57)

'ہر متنفّس کو موت کا مزا چکھنا ہے، پھر تم سب ہماری طرف ہی پلٹا کر لائے جاؤ گے۔'

---

❶ بخاری.

Marfat.com

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾﴾

(الرّحمٰن:26,27)

ہر چیز جو اِس زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے اور صرف تیرے رَب کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔'

موت کے دنیا کی سب سے بڑی حقیقت ہونے کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر اور کون واقف ہوسکتا تھا۔ ان کے سامنے قُرآن کی درج بالا اور دیگر بہت سی آیات تھیں اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی تعلیم تھی اور تربیت بھی۔ ان میں سے کتنے ہی ایسے تھے جن کے قریب ترین عزیز ان کی آنکھوں کے سامنے طبعی موت کی آغوش میں جا چکے تھے اور کتنوں کے باپ، بیٹے، بھائی یا قریبی رشتہ دار سرایا اور غزوات میں شہید ہو گئے تھے۔ ان سب اموات کے صدمے انہوں نے بڑے حوصلے کے ساتھ سہے تھے۔ لیکن یہاں معاملہ اس ہستی کا تھا جو ان کو اپنے والدین، اپنی اولاد، اپنے اعزّہ و اقارب، غرض دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر محبوب تھی۔ ان کے ایمان کا ثبوت ہی یہ تھا کہ اس ہستی سے بڑھ کر ان کے دلوں میں کسی کی محبت نہیں تھی۔ 'میرے ماں باپ آپؐ پر قربان' ان کے ایمانی شعور سے پھوٹنے والا ایسا کلمہ تھا جو وہ حضورؐ کے سامنے اکثر ادا کرتے رہتے تھے۔ اس ہستی کے معاملے میں موت جیسی حقیقت سے آنکھیں چار کرنے کی وہ ہمت نہیں پا رہے تھے۔

حضورؐ کی موت کے صدمے نے صحابہؓ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ دنیا ان کے سامنے تاریک ہوگئی ہے۔ انصار پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے کرب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمارے پاس آنے کے دن سے مبارک و روشن دن کوئی نہیں تھا اور آپؐ کے ہم سے جدا ہونے کے دن سے تاریک اور بد ہیئت دن اور کوئی نہ تھا۔ (مسند احمد) اُمہاتُ المومنین کی اندوہ ناکی کی ترجمانی حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس طرح کی ہے: 'رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب ہم پر کوئی مصیبت آتی تو ہم

Marfat.com

آپؐ کی وفات والے دن کی مصیبت کو یاد کر لیتے تو وہ مصیبت ہمیں ہلکی محسوس ہوتی تھی۔‘ ❶
حضرت فاطمہ ؓ اس طرح آہ و بکا کر رہی تھیں: آہ! میرے ابا نے اپنے رَب کے بلاوے کو قبول کر لیا۔آہ! میرے ابا کا ٹھکانا جنت الفردوس میں ہوگا۔آہ! میں اپنے والد گرامی کی موت کی تعزیت جبریلؑ سے کرتی ہوں۔‘ حضرت بلالؓ بلک بلک کر رو رہے تھے۔ ❷

رونے والوں میں ایک گروہ تو وہ تھا جس کو رسول اللہ ﷺ کی موت کا یقین آ گیا تھا اور دوسرا گروہ گویا اپنے آپ کو تسلی دینے کی خاطر اس حقیقت کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔حضرت عمر فاروق ؓ غم و الم میں ڈوبے ہوئے تھے اور حضورؐ کے فوت ہو جانے کی حقیقت کو تسلیم نہیں کر رہے تھے۔شدّتِ غم میں یہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے۔حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلایا ہے جس طرح موسیٰ علیہ السّلام کو چالیس دن کے لیے کوہِ طور پر بلایا تھا۔اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ ابھی طویل عرصہ تک زندہ رہیں گے۔یہاں تک کہ ان منافقوں کے ہاتھ پاؤں اور زبانیں کاٹ ڈالیں گے جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ موت سے ہمکنار ہو گئے ہیں۔یہ تو غم میں ہونے والی زبان سے نکلنے والی باتیں تھیں۔حضرت عمرؓ باطنی طور پر اس طرح ٹوٹ گئے کہ جسم کے اضمحلال کی وجہ سے زمین پر گر گئے تھے۔‘ ❸

حضرت ابو بکر ؓ کا روشن کردار

رسول اللہ ﷺ کی بیماری میں شدّت آ جانے کے بعد حضرت ابو بکر صِدّیق ؓ پانچ نمازوں کی اِمامت کے لیے مسجدِ نبوی میں موجود رہتے تھے،لیکن آج اتفاق سے وہ مضافاتی علاقے سُنح میں گئے ہوئے تھے جہاں ان کی رہائش تھی۔جب ان کو رسول اللہ ﷺ کے

---

❶ السّيرة النّبوية لابن كثير.
❷ الصّادق الامين بحواله بخاری و مسند احمد و طبقات ابن سعد و دلائل النّبوة.
❸ السّيرة النّبوية فی ضوء المصادر الاصلية بحواله ابن اسحاق، طبقات ابن سعد، مصنف عبدالرّزاق، الفتح الربّانی.

Marfat.com

انتقال کی خبر ملی تو بھاگم بھاگ آئے۔

حضرت عائشہؓ کے حجرے میں داخل ہوئے۔رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر سے کپڑا ہٹایا۔حضورؐ کی پیشانی کو چوما اور کہا:'میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! اللہ تعالیٰ آپ کو دو بار موت سے دوچار نہیں کرے گا۔جو موت آپ کے لیے لکھی تھی وہ آ گئی ہے۔'

حضرت ابوبکرؓ صحابہ کرام کے مجمع میں گئے۔سب کو بیٹھ جانے کے لیے کہا۔صحابہؓ حضرت ابوبکر کی طرف متوجہ ہو گئے۔انہوں نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد حسبِ حال دینی و قرآنی حکمت سے معمور شاہکار خطبہ دیا۔:'اے لوگو! تم میں سے جو محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا اسے جان لینا چاہیے کہ محمد ﷺ وفات پا گئے ہیں لیکن جو اللہ کی عبادت کرتے تھے ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ زندہ ہے۔اس کو کبھی موت نہیں آئے گی۔' اس کے بعد انہوں نے سورۂ آل عمران کی 144 ویں آیت پڑھی:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ ﴾

'محمدؐ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، اُن سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں، پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو! جو اُلٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا۔البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انہیں وہ اس کی جزا دے گا۔'

یہ آیت سن کر غم نے جو پردے ذہنوں پر ڈال دیے تھے وہ یک دم ہٹ گئے۔قرآنِ حکیم نے دلوں کو سکون اور تقویت بخش دی۔حضرت عمرؓ سمیت اکثر صحابہؓ نے محسوس کیا کہ گویا یہ آیت ابھی ابھی انہی کے لیے نازل ہوئی ہے۔سب کے اوسان بحال ہو گئے اور سب ان ذمہ داریوں کے بارے میں سوچنے لگے جو رسول اللہ ﷺ کی موت کے بعد ان پر

Marfat.com

پڑنے والی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین اور جنازہ کا مرحلہ سامنے تھا۔ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ خلیفۃ الرسولؐ کے چناؤ اور حضور ﷺ کے غسل اور تجہیز و تکفین کا عمل ساتھ ساتھ مکمل ہوا۔

غُسل، تکفین اور جنازہ

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں آپؐ کے استعمال کے لیے سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے کنویں 'الغرس' سے پانی لایا جاتا تھا۔ غسل کے لیے بھی وہیں سے پانی لایا گیا۔ کپڑے جسم سے الگ کیے بغیر حضورؐ کو غسل دیا گیا۔ عباس، علی، فضل اور قثم رضی اللہ عنہم کے علاوہ حضورؐ کے آزاد کردہ غلام شقران، اسامہ اور اوس بن خولی رضی اللہ عنہم بھی غسل میں مدد دے رہے تھے۔ غسل کے بعد کفن پہنایا گیا۔ اس اصول کے مطابق کہ نبی کی جس جگہ وفات ہوتی ہے وہیں پر دفن کیا جاتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے ہی میں قبر کھودی گئی۔ حجرے میں زیادہ گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے لوگ دس دس کی ٹولیوں میں حجرے کے اندر جاتے۔ بغیر کسی اِمام کے جنازہ کی دعا پڑھتے اور اگلے دس آدمیوں کے لیے جگہ خالی کر دیتے تھے۔ پہلے بنو ہاشم نے، پھر مہاجرین اور انصار نے اور اس کے بعد عام لوگوں نے جنازہ کی نماز پڑھی۔ عورتوں اور بچوں نے بھی الگ الگ داخل ہو کر نمازِ جنازہ ادا کی۔ [1]

ازواجِ مطہراتؓ

اس کتاب میں حالات و واقعات کی مناسبت سے رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات اور اولاد و بنات کا ذکر ہوا ہے۔ حضور ﷺ کی ازواج میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا آپؐ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئی تھیں۔ صحیح روایات کے مطابق حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کو ابھی کل دو یا بعض دوسری روایات کے مطابق آٹھ مہینے

[1] السّیرة النّبویة فی ضوء المصادر الاصلیة بحواله مسنداحمد، الفتح الرّبانی، هیثمی، طبقات ابن سعد ،ابن اسحاق، تاریخ طبری.

Marfat.com

آپؐ کی رفاقت کی سعادت نصیب ہوئی تھی کہ ان کے لیے پیغامِ اجل آ گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی نو بیویوں نے آپؐ کے بعد اپنے اپنے انداز اور ضرورتِ حالات کے مطابق اس اُمت کی رہنمائی، علم کی روشنی پھیلائی۔ حضور ﷺ کی سنت و سیرت سے لوگوں کو آگاہ کیا، صبر و استقلال اور حلم و تواضع اور تقویٰ اور خدا پرستی کا نمونہ بن کر رہیں۔ نو معروف اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن کے علاوہ ریحانہؓ بنت عمرو خناقہ ایک ایسا نام تاریخ و سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے جن کے زوجہ رسولؐ ہونے کے معاملے میں اختلاف ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ حضور ﷺ کی لونڈی تھیں لیکن واقدی کا اصرار ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں ابن اسحاق کی رائے سے اتفاق کیا اور ان کو باندی مانا ہے۔ مغازی الواقدی میں ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے فوت ہوگئی تھیں۔ شرف الدین الدمیاطی اور ابن حجر نے واقدی کی اس رائے کو لیا ہے۔ ابن اسحاق اور علامہ ابن عبد البر نے ان کا تعلق یہودی قبیلہ بنو قریظہ سے بتایا ہے۔ ابن سعد کی رائے ہے کہ بنو نضیر سے تھیں۔

Marfat.com

حصّہ

دوم

Marfat.com

Marfat.com

نبیِ آخرالزماں ﷺ کی سیرت وسنّت کے قرآنی گوشے

اس دنیا میں ایسے تھوڑے انسان نہیں گزرے ہیں جن کے گرویدہ ہوکرلوگوں نے آنکھیں بند کر کے پیروی اور اطاعت کی ۔ ماضی کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر دور کے فراعنہ اور نمارده یہ دعویٰ لے کر اٹھے کہ وہ اپنی حکمت و دانائی، اپنی پاکیزگی اور پارسائی، اپنی طاقت اور کارفرمائی، اپنی سیاست اور مدبّری، اپنی عقل وفراست اوراپنے علم وعرفان کے لحاظ سے باقی سارے انسانوں پر فائق اور ممتاز ہیں۔اس دعوے کو انہوں نے دلیل اور ثبوت کے بجائے طاقت سے منوایا لیکن اپنی فوقیت اور امتیاز پر وہ ایسی کوئی سند نہیں لا سکے جس نے ان کے پیچھے چلنے والی مخلوق کو یہ اطمینانِ کامل بخش دیا ہو کہ ان پیشواؤں کی تقلید میں دنیا اور آخرت دونوں جگہ اس کی فلاح و کامرانی یقینی ہے۔ یہ صرف انبیاء و رُسُل تھے جن کے بارے میں ربُّ العٰلمین نے خودانسانیت کو یہ یقین دلایا کہ وہ غلط رہنمائی کر ہی نہیں سکتے اس لیے ان کے پیچھے چلنے میں نوعِ انسانی کو کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ساری انسانیت کے لیے رہتی دنیا تک ہادی ورہبر بنا کر بھیجے گئے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّ نَذِيۡرًا وَّ لٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝۲۸﴾ (سبا:28)

''اوراے نبیؐ، ہم نے تم کوتمام ہی انسانوں کے لیے بشیراورنذیر بنا کر بھیجا ہے، مگراکثرلوگ نہیں جانتے۔''

جس ہستی کی سیرت وسنّت کو قیامت تک بنی نوع انسان کے لیے روشنی بن کر خدا کی

Marfat.com

مخلوق کے لیے ہدایت کا سامان اور رہنمائی کا سرمایہ ثابت ہونا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ قرآن مجید ہمیں آنحضور ﷺ کی سیرت کے کن کن گوشوں سے متعارف کراتا ہے اور آپ ﷺ کی کیا تصویر پیش کرتا ہے۔آئندہ صفحات میں ان انفرادیتوں اور خصوصیتوں کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ آرہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول جناب محمد عربی ﷺ کو عطا کیں اور ان کو کھول کھول قرآن مجید میں بیان کر دیا تاکہ قیامت تک بندگانِ خُدا کو یہ اطمینان رہے کہ جس کسی نے بھی اسلام کو بطورِ دین اختیار کر لیا اور آنحضور ﷺ سے عقیدت و محبت اور اطاعت کا رشتہ جوڑ لیا اس نے کسی گھاٹے کا سودا نہیں کیا بلکہ اپنی دنیا اور آخرت کی فلاح و کامرانی کا سامان کیا ہے۔

آپ ﷺ صراطِ مستقیم پر

اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت انسان کی زندگی و موت یعنی اس کی عمر اور رزق کی طرح اس کی ہدایت کا معاملہ بھی اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ان تین میں سے وہ جس کو جتنا کچھ عطا کرتا ہے کوئی اور اس معاملے میں دخل نہیں دے سکتا۔ اسی لیے ہدایت کے لیے ہم اپنی شب و روز کی پانچ نمازوں میں بتکرار اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (اے ہمارے رَب، ہمیں سیدھا راستہ دکھا) کے کلمات سے درخواست کرتے ہیں۔اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں فرائض کی ادائیگی سے کسی کو بری الذمہ نہیں رکھا گیا۔نماز کے معاملے میں امام اور مقتدی، مرشد اور مرید، استاد اور شاگرد، حاکم اور محکوم، خواص اور عوام، بڑوں اور ایک خاص عمر سے اوپر سب چھوٹوں پر فرض ہے۔سورہ یٰس میں رسولِ پاک ﷺ کو بتایا گیا ہے کہ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ یعنی حضور ﷺ اللہ کے رسولوں کے اسی سلسلے کی آخری کڑی ہیں جو سب صراطِ مستقیم پر گامزن تھے۔خُدائے ذوالجلال کی طرف اس سند کے باوجود رسول اللہ ﷺ عام مسلمانوں سے کہیں زیادہ صراطِ مستقیم کی ہدایت مانگتے تھے۔پانچ نمازوں کے علاوہ رسول اللہ ﷺ پر تہجد کی نماز بھی فرض تھی۔چنانچہ آپ ﷺ ہدایت کی یہ طلب غیر معمولی حد تک زیادہ کرتے تھے۔وجہ صاف ظاہر ہے کہ جس نے انسان کو پیدا کیا

Marfat.com

اسی نے اس کے لیے زندگی گزارنے کی سمت بھی متعین کی جس نے سمت مقرر کی اس سمت کی نشاندہی اسی کا کام ہے۔ اپنے رسولوں کو اپنی کتابوں کی صورت میں اس نے ہدایت کی روشنی عطا کی۔ لیکن پھر بھی اس راستے پر چلنے کا سارا دارومدار اس امر پر ہے کہ رب کی طرف سے توفیق کی ارزانی ہو۔

﴿وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾ (البقرۃ :213)

''اللہ جسے چاہتا ہے راہِ راست دکھا دیتا ہے۔''

بحیثیتِ ایک نبی مرسل جب آپ ﷺ کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ لوگوں کو اعتقادی بگاڑ اور اخلاقی فساد سے نکال کر ہدایت کی طرف رہنمائی کریں تو خود حضور ﷺ کا اس صراطِ مستقیم پر قائم ہونا بدرجۂ اتم ضروری تھا۔ چنانچہ نبی ﷺ کو یہ یقین دلا دیا گیا تھا اور جن لوگوں کو ہدایت کی راہ دکھانے پر آپ ﷺ کو مامور کیا گیا تھا ان کو بھی کامل اعتماد فراہم کیا گیا کہ جس نبیؑ کے پیچھے چلنے کی تمہیں دعوت دی جا رہی ہے وہ اسی ہدایت کی راہ پر ہے جس پر وہ تم لوگوں کو چلنے کے لیے بلا رہا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے کہا گیا کہ اپنی زبان مبارک سے یہ اعلان کریں کہ:

﴿قُلْ اِنَّنِىْ هَدٰىنِىْ رَبِّىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾

''اے نبیؑ، کہو میرے رب نے بالیقین مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے، بالکل ٹھیک دِین جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں، ابراہیمؑ کا طریقہ جسے یکسو ہو کر اس نے اختیار کیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔''

اس سیدھے راستے کی خصوصیت بھی آپؐ کی زبان سے بیان ہوئی:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِىْ وَنُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝﴾

(الانعام :161-163)

Marfat.com

''کہو، میری نماز، میرے تمام مراسمِ عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رَبُّ العٰلمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سرِ اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔''

رسولِ کریم ﷺ جب خود اپنے خالق کی ہدایت پر قائم تھے تو کوئی ادنیٰ احتمال بھی نہیں تھا کہ آپ ﷺ اپنی پیروی کرنے والوں کو ہدایت کے سیدھے راستے کے سوا کوئی اور سمت دکھائیں گے۔ چنانچہ دوٹوک طور پر واضح کر دیا کہ حضور ﷺ جس کو بھی راستہ دکھائیں گے، سیدھا راستہ ہی دکھائیں گے۔

﴿وَ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ۝﴾

(شوریٰ: 52، 53)

''یقیناً تم سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کر رہے ہو، اس خُدا کے راستے کی طرف جو زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا مالک ہے۔خبردار رہو، سارے معاملات اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔''

رَحمةٌ للعالمین

رحمت کا مطلب جود وسخا بھی ہے، انعام واحسان بھی، شفقت و رأفت بھی ہے اور کرم و عطا بھی۔ شافعِ محشر، امامُ الانبیا، خاتم الرُّسل سرورِ دو عالَم، احمد مجتبیٰ، جناب محمد مصطفیٰ ﷺ ان تمام معنوں میں انسان وحیوان اور تمام مخلوقات کے لیے اللہ کی رحمت بن کر آئے۔ یہ لقب نہ آپ ﷺ کا خود اختیار کردہ ہے اور نہ کسی انسان کا دیا ہوا ہے۔کائنات کے رَب نے اپنی کتابِ حکیم میں اپنے نبی کو رحمةٌ للعٰلمین کی سند عطا فرمائی۔ ارشاد ہے:

﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝﴾ (الانبیاء: 107)

''اے نبیؐ، ہم نے تو تم کو دنیا والوں کے لیے رَحمت بنا کر بھیجا۔''

حضور ﷺ کی بعثت سے قبل یمن وشام، مصر وحبش، فارس و ہند سے لے کر اس وقت

Marfat.com

کی معلوم دنیا پر جہالت و جاہلیت کی شبِ تیرہ و تار چھائی ہوئی تھی۔ ظلم تھا، جبر و قہر تھا، حق ماری اور زیر دست آزاری تھی۔ ان ظلمتوں کی ستائی ہوئی مخلوقِ خُدا آفتابِ ہدایت کی محتاج اور صُبحِ نور کے طلوع کی منتظر تھی۔ اتنا خوف درندوں اور سانپوں اور بچھوؤں سے نہ تھا جتنا ظلم شعار اور ستم ایجاد بالا دست قوتوں نے پھیلایا ہوا تھا۔ عدل و انصاف، رحم دلی اور حسنِ سلوک اور محبت اور ہمدردی و تعاون کے جذبوں کے بے روغن چراغ خال خال گھرانوں میں کچھ نیک صفت انسانوں کی صورت میں شاید ٹمٹما رہے ہوں لیکن مجموعی طور پر معاشرے ان اوصاف سے خالی تھے۔ روگ صرف جسموں ہی کو نہیں لگے تھے، روحیں افسردہ اور قلب حزیں تھے۔ اخلاق کا چمن ویران اور اعمال کی دنیا اجاڑ تھی۔ ان حالات میں اللہ کی رحمت جوش میں آئی۔ روحوں نے گویا ﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ کی صدا سنی اور ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ یعنی محمد بن عبداللہ ﷺ کی صورت میں رحمتِ الٰہی سارے جہانوں پر چھا گئی۔ ساری دنیائے انسانیت کی مجروح زندگی پر رحمت کا مرہم رکھنے کا وقت آ گیا تھا۔ ابرِ رحمت کیسے برسا اور اس نے کس کس طرح انسانیت کی کِشتِ ویراں کو سیراب کیا، اس کے بیان میں مولانا الطاف حسین حالی نے سادگی اور خلوص و عشق میں ڈوبی ہوئی زبان میں 'مسدس' میں جو کچھ کہا میں تو کیا بڑے بڑے زبان وروں کے لیے بھی اس سے بہتر انداز میں رسالت مآب ﷺ کے صفات بیان کرنا محال ہے:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

Marfat.com

خطا کار سے در گزر کرنے والا
بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا
قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
مسِ خام کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اِک آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

رؤف اور رحیم اللہ تعالیٰ کی دو ایسی صفات ہیں، جن کا مطلب حد درجہ شفیق اور مہربان ہے۔ وہ اپنے بندوں کو بخشنے کے بہانے دیکھتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح وہ دوزخ کی آگ سے بچ جائیں۔ اللہ کے محبوب نبیؐ بھی ان دو صفات سے متصف تھے۔ فرمایا:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (التوبہ: 128)

''دیکھو، تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔''

نبی ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا یہ عظیم پہلو ہے۔ ہر سیاسی قائد، ہر سربراہِ ریاست وحکومت،

Marfat.com

ہر مذہبی جماعت اور سیاسی پارٹی کا رہنما، ہر فوج کا جرنیل، ہر ادارے کا سربراہ، ہر بااختیار اور صاحبِ اقتدار میں اس صفت کی کوئی جھلک نظر آنے لگے اور وہ اپنے ماتحتوں اور اپنی رعایا کے ساتھ نرمی برتنے لگے، سخت گیری کے بجائے مہربانی کا سلوک کرے، ان کی کوتاہیوں کو معاف کرنے کو شیوا بنائے اور ان کے قصوروں پر درگزر کرنے کی عادت اپنے اندر پیدا کر لے تو اجتماعی زندگی کے ان سارے دائروں کا نقشہ بدل جائے۔ فرائض کی تکمیل کسی کو بوجھ نہ لگے۔ ذمہ داریوں کے پورا کرنے میں لذت محسوس ہونے لگے اور معاشرے کا دامن خیر و برکت سے بھر جائے۔ رسول اکرم ﷺ کو یہ ساری حیثیتیں حاصل تھیں۔ آپ ﷺ مُصلح تھے، سردار تھے، ریاست کے حاکم تھے اور فوج کے کمانڈر تھے، آپؐ عدالت کے جج بھی تھے۔ ہر حیثیت میں آپؐ شفقت و رأفت اور محبت کا پیکر اور اپنے پیروکاروں کی بھلائی اور فلاح کے خواہاں تھے۔ ان کی تکلیف، ان کا نقصان اور ان کی پریشانی اور مشقت دیکھ کر آپ ﷺ سخت بے چین ہو جاتے تھے۔ مومن تو مومن، آپ ﷺ کا دل تو اسلام کے بد ترین مخالفوں، منکرینِ حق اور مشرک و کافروں کے لیے بھی خیر خواہی کے جذبے سے سرشار تھا۔ آپ ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ وہ انجامِ بد سے دوچار ہوں۔ مکّہ کے مشرکوں نے کون سا ظلم تھا جو حضور ﷺ پر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر روا نہ رکھا ہو اور کون سی بدسلوکی اور بے رحمی تھی جس کا تختۂ مشق آپ ﷺ کو نہ بنایا ہو لیکن آپ ﷺ سے جب کہا گیا کہ 'یا رسول اللہ، ان مشرکین کے لیے بددعا کیجیے تو فرمایا: "مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ مجھے صورتِ رحمت مبعوث کیا گیا ہے۔"[1]

نبیِ رحمت ﷺ کے خیر خواہانہ جذبوں کا یہ عالم تھا کہ بڑی دل سوزی اور خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ نادانوں اور جاہلوں کو برے انجام سے بچانے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا: 'میری اور تمہاری (یعنی عام انسانوں کی) مثال یوں ہے جیسے کہیں کسی نے آگ کا الاؤ روشن کر دیا ہو اور اس پر پتنگے گر رہے ہوں۔ وہ انہیں آگ میں جلنے سے بچا رہا ہو۔ میں

[1] بخاری و مسلم.

Marfat.com

تو تمہارے اِزار بند پکڑ پکڑ کر تمہیں آگ کا ایندھن بننے سے روکتا ہوں اور تمہارا حال یہ ہے کہ میرے ہاتھوں سے چھوٹے پڑتے ہو۔' [1]

حُسن خُلق

بعثت کے بعد جب نبی اکرم ﷺ میدانِ دعوت میں اترے تو اللہ کی تائید و نصرت بلا شبہ آپ کے ساتھ تھی۔ لغت و بیان پر نازاں عربوں کے سامنے قرآن پاک کا بے مثل معجزاتی اسلوب، اس کی سادہ اور پُر تاثیر حکیمانہ تعلیمات اور اعلیٰ اخلاقی اصول بجائے خود اپنے اندر ایک قوت رکھتے تھے لیکن اس دعوت کی کامیابی میں آپ ﷺ کے عظیم اخلاق نے بھی کلیدی کردار ادا کیا۔ کُفّار و مشرکین نے جب آپ ﷺ کو نفع و نقصان اور دنیوی مصلحتوں اور اپنے آرام و آسائش سے بے نیاز، سخت مخالفتوں کے آگے چٹان کی صورت کھڑے دیکھا تو اس طرزِ عمل کو شخصیت کی عُلویت ماننے کے بجائے وہ یہ سوچنے اور کہنے لگے کہ یہ روش تو اسی کی ہو سکتی ہے جس پر دیوانگی اور جنون کا غلبہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے دنیا سے سب سے زیادہ دانا و ہوش مند اور سب سے زیادہ عقل و فراست کی مالک ہستی پر جنون کی پھبتیاں کسنی شروع کر دیں۔ اس کے جواب میں اللہ کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی معجز بیانی اور نبی پاک ﷺ کا اخلاقِ عالی اس دین و دعوت کی سچائی کی دلیلیں ہیں۔ ان کو تسلیم کرنے کے بجائے منکرینِ حق آپ پر دیوانگی اور جنون کی جو تہمت دھر رہے ہیں یہ ان کی اپنی عقل و فطرت کا بگاڑ ہے ورنہ آپ ﷺ تو اخلاقی عظمت کی انتہائی بلندی پر کھڑے ہیں۔ سورہ القلم کی چوتھی آیت میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ ﴾

''اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔''

منکرین کا انکارِ حق کسی دلیل پر نہیں بلکہ اَنا، ضد اور جاہلی عصبیت کی بنیاد پر تھا۔ آنحضور ﷺ پر جنون کی طعنہ زنی کے دنوں سے ابھی کچھ ہی عرصہ قبل تک وہ آپ ﷺ کو

[1] مُسلم.

Marfat.com

اپنی برادری اور قبیلے کا سب سے سچا اور امانت دار شخص مانتے تھے اور جنون کی تہمت لگانے کے باوجود ابھی تک بھی وہ ان صفات کے معترف تھے۔ رسالت مآب ﷺ پر ان کے اعتماد کا یہ حال تھا کہ دعوتِ اسلام کی شدید مخالفت کے باوجود کئی لوگ اپنی امانتیں آپؐ ہی کے پاس رکھواتے تھے۔ بعثت اور آغازِ دعوت سے صرف پانچ چھ سال پہلے جب حضور ﷺ کی عمر ابھی پینتیس برس تھی مکّہ والوں کو حضور ﷺ کی دانش وبصیرت اور معاملہ فہمی پر اتنا اعتماد تھا کہ اپنے سنگین تنازعوں کے فیصلے آپؐ سے کراتے تھے۔ تاریخِ عرب کا مشہور واقعہ ہے کہ سیلاب کی وجہ سے کعبہ شریف کی دیواروں میں دراڑیں آ گئی تھیں۔ قریش نے عمارت کو نئے سرے سے تعمیر کیا۔ جب حجرِ اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے کا مرحلہ آیا تو قریش کی ہر شاخ کی خواہش تھی کہ یہ اعزاز اسے حاصل ہو۔ اس پر سخت اختلاف پیدا ہوگیا۔ قریب تھا کہ تلواریں بے نیام ہوتیں اور خون خرابہ ہو جاتا۔ تصادم ہوتا دیکھ کر ابو امیہ بن مغیرہ نے رائے دی کہ اپنے میں سے کسی کو حکم بنا کر فیصلہ کرا لیا جائے۔ طے ہوا کہ کل علی الصبح جو آدمی سب سے پہلے کعبۃ اللہ میں داخل ہو وہ جو فیصلہ کرے سب کو قبول ہوگا۔ اتفاق یہ تھا کہ اگلی صبح آنحضرت ﷺ سب سے پہلے تشریف لائے۔ سب بے ساختہ پکار اٹھے: هٰذَا اَمِیْنٌ ،رَضِیْنَاهُ 'یہ امین ہیں، یہ جو فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہے'۔

اسلامی انقلاب برپا کرنے اور حق کو باطل کی جگہ قائم کرنے اور فاسد نظام کو جڑوں سے اکھاڑ کر نیچے سے اوپر تک اجتماعی زندگی میں اصلاح و تعمیر کا چمن کھلانے کی نیت سے اٹھنے والا کوئی گروہ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا جب تک وہ اخلاقی فضائل میں ماحول پر اپنا سکہ نہ جما لے اور معاشرہ اس کے افراد کی سیرت و کردار کی برتری اور پاکیزگی کا قائل نہ ہو جائے۔ کامیابی کی نوعیت بھی یہ نہیں ہوتی کہ ادھر بیج بویا اور ادھر پھل لگ گیا۔ بیج کبھی کبھی مدتوں زمین میں روئیدگی کے انتظار میں پڑا رہتا ہے اور کئی نسلوں کے بعد اگتا اور پھل پھول لاتا ہے۔ اس کی اعلیٰ ذات کی نشانی ہی یہ ہوتی ہے کہ یہ مر نہیں جاتا۔ انسانی جدوجہد کے بیج کو اعلیٰ ذات کا جوہر بخشنے والی چیز اعلیٰ اخلاق ہے۔ انبیاء و رُسل جس جس قوم کے پاس بھیجے گئے،

Marfat.com

اپنے اخلاق کے اعتبار سے اس قوم کے سارے لوگوں میں وہ ممتاز و ممیز تھے۔ ان کی قوموں نے جہالت و ضلالت اور ضد اور عداوت کی وجہ سے ان کی قدر و منزلت اور ان کی دعوت کی اہمیت کو ماننے سے انکار کیا۔ انہیں مسلسل شدید مخالفت اور اذیت و ایذا کا ہدف بناتی رہیں لیکن اللہ کے ان تمام نبیوں اور رسولوں کے دامن پر ایسے کوئی داغ نہ ڈھونڈ سکیں جن کی طرف اشارہ کر کے ان کی بات کو بے وزن اور ان کی شخصیت کو بے اعتبار قرار دیتیں۔ محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔ ان کی رسالت عالمگیر اور دعوت قیامت تک کے لیے خدا کی زمین پر پیدا ہونے والے تمام لوگوں کے لیے ہے۔ اس منفرد امتیاز کی وجہ سے ضروری تھا کہ آپ ﷺ کی سیرت بھی اسی قدر بلند ہو تا کہ اس کے نقوش دائمی طور پر جریدۂ عالم پر ثبت رہیں اور ہر معاشرے اور ہر فرد کے لیے آپ ﷺ قابلِ تقلید اُسوہ و قُدوہ ثابت ہوں بشرطیکہ وہ معاشرہ اور وہ افراد اپنے خالق سے بندگی کا تعلق قائم کریں اور اس کی رحمتوں اور عنایتوں کی امید رکھتے ہوں۔ رسولِ پاک ﷺ زندگی کے چند شعبوں اور کچھ معاملات میں ہی نمونہ نہیں بلکہ مُطلقاً ایسا نمونہ ہیں کہ ایمان کا تعلق رکھنے والا ہر آدمی زندگی گزارتے ہوئے ہر ہر قدم پر نگاہ اٹھا کر دیکھے کہ میرے آقا ﷺ نے میرے لیے کیا مثال قائم کی ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ (الاحزاب : 21)

"درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ تھا، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یومِ آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔"

رسول اکرم ﷺ حُسن اخلاق اور عظمتِ سیرت و کردار کا ایک ایسا گلِ شگفتہ ہیں جس کی ہر پتی اپنے رنگ و جمال اور اپنی نکہت پاشی میں پورے موسمِ گل اور روئے چمن پر بھاری ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مسلسل دس برس تک حضور ﷺ کی خدمت میں گزارے۔ وہ آپ ﷺ کی زندگی کا قریب ترین مشاہدہ رکھنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔ وہ کہتے ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا "اخلاق کے لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کا

Marfat.com

اخلاق لوگوں میں سب سے بلند تھے۔'' ❶ رسول اللہ ﷺ اپنی اخلاقی خوبیوں کی وجہ سے مکہ کے بگاڑ اور فساد زدہ معاشرے میں ابتدائے شباب بلکہ بچپن ہی سے اپنی الگ پہچان رکھتے تھے۔طہارتِ ظاہری اور باطنی آنحضور ﷺ کی خاص خوبی تھی۔شرک کی نجاست سے اس وقت بھی پاک رہے جب عرب کا ہر چھوٹا بڑا اس میں لتھڑا ہوا تھا۔بے حیائی، فحاشی اور بد کاری کے ماحول میں حضور ﷺ کا دامن کسی ذرا سے داغ سے بھی پاک رہا۔عہد و پیمان کے پاسدار، سب سے بڑھ کر سخی اور سب سے زیادہ صداقت شعار تھے۔نرم خو، ہمدرد اور ہر اپنے پرائے کے ہمدرد و غمگسار تھے۔ بلا امتیاز ہر ایک سے تعاون کرتے تھے۔آپ ﷺ کی زندگی میں سادگی اور سادگی میں وقار تھا۔بہادروں میں سب سے بہادر اور عفو و درگزر کرنے والوں میں سب سے زیادہ معاف کرنے والے تھے۔حیا کا پیکر اور تہذیب وشرافت کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔یقین و توکل، عزم و استقلال، اخلاص و محبت اور صبر و استقامت آپؐ کی زندگی کے خاص وصف تھے۔طبیعت میں ٹھہراؤ اور توازن تھا۔عام حالات میں کم ہی کبھی کسی نے نبی پاک ﷺ کو غصے میں دیکھا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی غصے سے منع کرتے تھے۔ایک صاحب نے حاضر ہو کر نصیحت کی درخواست کی تو تکرار کے ساتھ فرمایا: لَا تَغْضَبْ یعنی غصہ نہ کیا کرو۔رسول پاک ﷺ کے لبوں پر ایک دلآویز تبسّم رہتا لیکن کھلکھلا کر کبھی نہ ہنستے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ کے الفاظ میں اپنے بندوں کے لیے سہولت کا جو اصول مقرر فرمایا رسالت مآب ﷺ نے اپنی زندگی کی مثالوں میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت کے عمل میں اسے ہر حال میں ملحوظ رکھا۔کسی معاملے کی دو مختلف صورتیں سامنے آتیں تو ہمیشہ آسان صورت کو اختیار فرماتے بشرطیکہ اس میں گناہ کا کوئی امکان نہ ہوتا۔ ❷ اپنی ذات کے لیے کسی سے کبھی انتقام نہیں لیا لیکن دینی حرمتوں کے معاملے میں آپ ﷺ انتہائی غیرت مند اور جری تھے۔نہ کسی کو منہ در منہ طعنہ دیتے اور نہ ہی کسی کی پیٹھ پیچھے غیبت کرتے تھے۔بات مختصر، واضح اور حکمت سے لبریز ہوتی، جسے کبھی حسبِ ضرورت

❶ متفقٌ علیه. ❷ بخاری و مسلم.

Marfat.com

دہراتے تھے تاکہ سامعین کی سمجھ میں آ جائے۔ اپنی آواز دوسروں سے بلند نہ کرتے تھے۔ کبر وغرور سے پاک تھے۔ مزاج پاک میں عاجزی اور انکسار تھا۔ لوگوں میں نمایاں ہو کر اونچی نشست پر بیٹھنا پسند نہ فرماتے۔ ٹیک لگا کر کھانا خلافِ آداب اور منافیِ شکرِ نعمت تصور فرماتے تھے۔ تھوڑا کھاتے، سامنے سے کھاتے اور اس پر کبھی نظر نہ رکھی کہ دوسرے کیا کھا رہے ہیں۔ کھانے میں کبھی عیب نہ نکالا۔ اگر خواہش ہوتی تو کھا لیتے اور دل نہ چاہتا تو چھوڑ دیتے تھے۔ ہر کام دائیں ہاتھ سے اور دائیں رُخ سے کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ دوسروں کی راحت اور آسانی کا ہمیشہ خاص خیال رکھتے۔ جنگوں اور دیگر اجتماعی مہموں میں دوسروں سے بڑھ کر مشقت کرتے اور مشکل سے مشکل کام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شانہ بشانہ اپنا کردار ادا کرتے تھے۔ ایسی باتوں میں نہ پڑتے جن کا براہِ راست آپ ﷺ کی ذات سے یا دینی امور سے کوئی تعلق نہ ہوتا۔ نہ کبھی کسی سے بغض پالا اور نہ حسد و رقابت رکھی۔ دل میں نہ حرص و ہوس کو جگہ دی اور نہ اپنے لیے کسی امتیاز کی خواہش کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما ہوتے تو باہر سے آنے والوں کو دریافت کرنا پڑتا کہ محمد ﷺ کون ہیں۔ غلو، انتہا پسندی اور شدّت مزاجی کو مہلکات میں شمار فرماتے اور ان سے بچنے کی تلقین فرماتے تھے۔ قُرآن وسُنّت پر ایک غائر نظر ڈالی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی ساری عمارت خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا کے اصول پر کھڑی ہے۔ یہ معاملات و تعلقات اور عبادات کو اعتدال اور میانہ روی پر استوار کرنا چاہتا ہے۔ رسولِ پاک ﷺ نے نہ خود اپنے مزاج پر انتہا پسندی اور شدّت روی کا سایہ پڑنے دیا اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ان رویوں کو پروان چڑھنے دیا۔ ایک بار مسلسل تین دفعہ فرمایا: هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ یعنی شدت پسندوں کے لیے ہلاکت اور بربادی ہے۔ [1]

انسان اجتماعی زندگی میں دوسروں پر اپنی پارسائی، خوش خلقی اور نیک سیرتی کا مصنوعی نقش جما کر لوگوں کو دھوکے میں ڈال سکتا ہے لیکن گھر والوں سے اس کا فریب کبھی چھپا نہیں

[1] مسلم.

Marfat.com

رہ سکتا۔ اس کی اصلیت اہلِ خانہ پر خوب کھلی ہوتی ہے۔ جناب رسول ﷺ کی پاکیزہ جوانی اور مردانہ حُسن و وقار کی وجہ سے آپؐ کی شخصیت میں جتنی بے پناہ کشش تھی، نگاہوں میں اتنی ہی حیا بھی تھی۔ اس جوہر پر نظریں ڈالنے والی خواتین کی تو کوئی کمی نہ تھی لیکن اس کو ایک جوہری کی آنکھ سے مکہ کی سب سے مالدار خاتون خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا نے دیکھا اور گوہرِ تابدار کو اپنانے کی پاکیزہ خواہش کی، جسے حضور ﷺ نے اپنے سرپرست چچا سے رائے لے کر قبول کر لیا۔ دو دفعہ بیوگی کا زخم سہنے کے باوجود چالیس سال کی عمر میں وہ بھی نسوانی حسن و جمال کا شاہکار تھیں۔ مکّہ کے بڑے بڑے سردار اور رئیس انہیں نکاح کے پیغام بھیج چکے تھے لیکن انہوں نے کسی کو قبول نہ کیا تھا۔ یہ سرورِ کونین ﷺ کا عظیم کردار ہی تھا جس سے متأثر ہو کر وہ آپؐ کی زوجیت میں آئی تھیں۔ اَصَحُّ السّیرہ کے مصنف نے ابن اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب حضور ﷺ سے شادی کی بات بالمشافہ پکّی کر لی تو اپنے اس انتخاب کی وجہ بتاتے ہوئے کہا: اِنِّی قَدْ رَغِبْتُ فِيْكَ لِحُسْنِ خُلُقِكَ وَصِدْقِ حَدِيْثِكَ یعنی 'میں نے جو آپؐ کو پسند کیا ہے تو یہ آپؐ کے حُسن اخلاق اور قول کی سچائی کی وجہ سے کیا ہے۔' رسول اللہ ﷺ پر پہلی وحی کا نزول ہوا تو اچانک اس تجربے سے دوچار ہونے کی وجہ سے آپؐ پر خوف کی ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ اس مرحلے پر آپؐ کی زوجہِ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تسلی دیتے ہوئے جو کچھ کہا وہ آپؐ کی سیرت و کردار کی سب سے سچی اور بڑی گواہی ہے۔ انہوں نے کہا: 'ہرگز نہیں، اللہ آپؐ کو کبھی رسوا اور ضائع نہیں کرے گا۔ آپ ﷺ صلۂ رحمی کرتے ہیں، محتاجوں کے لیے کسبِ معاش کرتے ہیں، مہمانوں کی میزبانی کرتے ہیں، حق کے کاموں میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔'

قُرآن میں ڈھلی ہوئی سیرت

رسول پاک ﷺ کی ایک اور مقرب و محبوب زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ 'آپؐ کا اخلاق

Marfat.com

گویا قرآن میں ڈھلا ہوا تھا'❶ اللہ تعالیٰ نے جن جن ہستیوں کو نبوت سے سرفراز کیا پیدائشی طور پر تراشی اور پختہ کی ہوئی پاکیزہ فطرت قدم قدم پر ان کی رہنما تھی۔ بندگانِ خدا کی ہدایت کا جو مشن رَبِ کائنات نے انہیں سونپا تھا اس کے لیے جیسے پاک اخلاق اور اعلیٰ اوصاف درکار ہوتے ہیں وہ بڑی حد تک انہیں پیدائش کے ساتھ ہی ودیعت ہو جاتے تھے۔ سرشت میں داخل یہ پاکیزہ عادات و خصائل بھی اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کی رحمت کا ثمر تھے۔ صاحب خُلقِ عظیم ﷺ پر اس احسان کا ذکر کتاب پاک میں آیا ہے کہ:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ ...﴾ (آل عمران : 159)

''(اے پیغمبرؐ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم اِن لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ ورنہ اگر کہیں تم تُند خُو اور سنگ دِل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردوپیش سے چھٹ جاتے......''

یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اِمامُ الانبیاء، خاتمُ الرُّسُل جناب محمد مصطفیٰ ﷺ فطرتاً نرم خو، رحم دل اور مہربان تھے۔ آپ ﷺ کے مزاج کی یہ خوبیاں دعوتِ حق، گروہِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تنظیم میں اور انہیں مشکل سے مشکل مقامات پر سمع و طاعت کی روح سے سرشار رکھنے میں مدد و معاون ثابت ہوئیں۔ ایک قائد خواہ کیسے ہی بلند مقاصد لے کر میدانِ عمل میں اترا ہو، وہ اگر اپنے رفیقوں اور ساتھیوں سے درشتی اور سخت مزاجی سے پیش آئے تو نصب العین کے ارفع و اعلیٰ ہونے سے آگاہی کے باوجود وہ زیادہ دور تک اس کے ساتھ نہیں چل سکتے۔

تیئس سال کی جاں گداز اور پر آشوب زندگی میں بڑے بڑے نازک مراحل آئے لیکن نہ تو کہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضور ﷺ سے عقیدت و محبت میں کوئی فرق آیا اور نہ ان کے جذبۂ اطاعت اور روحِ جاں نثاری میں کہیں رتی برابر کمی واقع ہوئی۔ یہ آپ ﷺ کا حسنِ سلوک تھا کہ لاکھوں صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہر شخص یہی محسوس کرتا تھا کہ حضور ﷺ کے

❶ مسلم و ابو داود.

Marfat.com

لطف و عنایت کا بادل اسی کے سر پر سایہ فگن ہے۔

اللہ کی کڑی نظر اور دستِ غیب

قرآن علوم و معارف اور اسرار و حِکم کا ایک بے کراں سمندر ہے۔ تدبّر و تفکر کی جسے توفیق نصیب ہو وہ اس کی تہ میں اتر کر معانی و مفاہیم کے گوہر ہائے گرانمایہ نکال لاتا ہے۔ اہلِ علم صرف سورہ البقرہ کے فضائل میں بتاتے ہیں کہ اس میں ایک ہزار اوامر، ایک ہزار نواہی، ایک ہزار حکمتیں اور ایک ہزار خبریں ہیں۔ ❶

بعض بزرگوں کا قول ہے کہ سورہ فاتحہ قرآن کا سِرّ یعنی بھید ہے اور اس کے چار لفظ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ اس سورہ کا بھید ہیں۔ ❷ اس کتابِ پاک کی شان یہ ہے کہ

﴿اِنَّ ھٰذَا الۡقُرۡاٰنَ یَہۡدِیۡ لِلَّتِیۡ ھِیَ اَقۡوَمُ﴾ (بنی اِسرآئیل : 9)

''حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے......''

یہ کتاب پاک ﴿ھُدًی وَّ رَحۡمَۃً لِّلۡمُحۡسِنِیۡنَ﴾ یعنی ہدایت اور رحمت ہے نیکوکار لوگوں کے لیے (لُقمٰن : 3) اس قرآن کی امانت کو بندگانِ خدا تک پہنچانے کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ نے جس محبوب بندے کو بنایا نہ ان سے بڑھ کر کوئی نیکوکار تھا اور ان سے بڑھ کر اس سرچشمۂ ہدایت سے اور کسی نے اکتساب نہیں کیا۔ اس کتاب کا رنگ جتنا رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و کردار پر چڑھا اور کسی پر اتنا یہ رنگ نہیں تھا۔ اس کی روشنی کو سب سے زیادہ انسانوں کی ہدایت پر مامور ہادی و رہبر اعظم ﷺ نے خود جذب کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا﴾ (آلِ عمران : 103)

''سب مِل کر اللہ کی رَسّی کو مضبوط پکڑ لو' یہی قرآن حبل اللہ ہے اور یہی الۡعُرۡوَۃُ الۡوُثۡقٰی یعنی مضبوط سہارا ہے۔ مفسّرین نے رَسّی اور مضبوط سہارا سے دین اور قرآن دونوں مراد لیے ہیں۔ ابوشریح الخزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا: 'خوش ہو جاؤ، کیا تم لوگ اس امر کی گواہی نہیں دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی

❶ احکام القرآن ،لابن عربیؒ. ❷ اِبنِ کثیرؒ.

Marfat.com

معبود نہیں اور یہ کہ میں اس کا رسول ہوں؟' اس پر حاضرین نے عرض کیا: 'جی ہاں، ہم گواہی دیتے ہیں۔' آپ ﷺ نے فرمایا: 'یہ قرآن سرچشمہ، سبب اور وسیلہ ہے۔ اس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تم لوگوں کے ہاتھ میں۔ اسے مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو نہ گمراہ ہو گے اور نہ تباہ۔' [1]

اس قرآن کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ایک ہستی -محمد عربی ﷺ- کا اسوۂ حسنہ تمام انسانوں کی رہنمائی کے لیے روزِ قیامت تک موجود ہے۔ وہ ہستی جس کی عظمتِ اخلاق کے بارے میں آپ کی محبوب زوجہ حضرت عائشہ صِدیقہ رضی اللہ عنہا نے گواہی دی تھی کہ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن یعنی حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ قرآن کی ایک مجسم تصویر تھی۔ قرآن کے ہر حلال کو آپ نے اختیار کیا اور جن چیزوں کو قرآن میں حرام ٹھہرایا گیا تھا ان تمام سے مکمل اجتناب کیا۔ قرآن کے بتائے ہوئے محمود کو اپنایا اور جسے اس نے مذموم قرار دیا اس کو ترک کیا۔ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر قرآن کی حکمتوں کو جاننے والا اور اس کے اسرار سمجھنے والا اور کوئی نہ تھا۔ بلاشبہ حضور ﷺ صاحبِ خلقِ عظیم تھے لیکن بشری تقاضوں سے جس طرح اور کوئی نبی کو محفوظ نہیں رکھا گیا تھا اسی طرح تمام بشری تقاضے اور جذبات و احساسات آپ ﷺ کے ساتھ بھی لگے ہوئے تھے۔ دعوتِ دین کی راہوں میں کھڑی مشکلات کو دیکھ کر کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ پر گھبراہٹ کا طاری ہو جانا اور مخالفت کے طوفانوں میں کبھی عزم و ہمت اور صبر و استقامت کی چٹان ہلتی محسوس ہونا بشری فطرت کے اعتبار سے کوئی انوکھی بات نہ تھی۔ حالات کی نامساعدی پر حزن و ملال طاری ہو جاتا تھا اور کبھی انکارِ حق کی روش دیکھ کر رنج کی کیفیت میں ڈوب جاتے تھے۔ کبھی خدائی حکمتوں کے مقابلے میں کوئی وقتی مصلحت دامن گیر ہو جاتی تھی اور کبھی حزم و احتیاط پر عجلت غالب آ جاتی تھی۔ آئندہ سطور میں ہم اس امر کا جائزہ لیں گے کہ کارِ رسالت کی انجام دہی کے دوران میں کس طرح اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کی کڑی نظرِ خاص اپنے نبی پر جمی ہوئی تھی۔ کیسے آپ ﷺ کو وصولیِ وحی کے آداب بتائے گئے،

[1] البانی السلسلة الصحيحه، صحيح الترغيب.

Marfat.com

ظاہر و باطن کی طہارت کا حکم دیا گیا، صبر و استقامت کی تلقین کی گئی، مخالفتوں کے طوفان میں ہمت و حوصلہ قائم رکھنے کی تاکید کی گئی، اور یہ یقین دلایا گیا کہ ہر مشکل کے بعد آسانی آ کر رہتی ہے۔ کہیں یہ کہا گیا کہ اپنے ظاہر و باطن کی طہارت کا خیال رکھیں۔ آسمانی ہدایت نازل ہو رہی ہو تو پوری توجہ سے اسے سنیں۔ آوازۂ حق بلند کرتے ہوئے مخالفتوں کے طوفان اٹھیں تو دل شکستہ نہ ہوں۔ کوئی مخلص اور ہدایت کا پیاسا صحابی رہنمائی کے لیے دوڑا دوڑا آئے تو اس سے بے رُخی نہ برتیں۔ مشرکین اور منکرین کے مطالبے پر اپنے کم مایہ اور بے نوا ساتھیوں کو اپنے سے دور نہ کریں۔ کافروں کی ہٹ دھرمی اور حق سے اعراض دیکھ کر اپنے اوپر غم و اندوہ کی کیفیت طاری نہ کر لیں۔ حکمت اور شیریں گفتاری کے ساتھ دعوت دیں۔ کسی کے برے رویے کا جواب ویسے ہی برے رویے سے نہ دیں۔ یوں نبی پاک ﷺ کی قدم قدم پر رہنمائی کی گئی، حوصلہ دیا گیا اور صبر کو شیوہ بنانے کا حکم ہوا۔ کہیں غفلت پر چوکنا کیا گیا تو کبھی کسی غلطی کے امکان پر انتباہ کیا گیا۔ کہیں حمد و تسبیح اور ذکر کی تلقین کی گئی۔ کہیں کہا گیا کہ عبادت کا خاص اہتمام رکھیں۔ اللہ پر توکل کریں۔

ہدایات و انتباہات

1- ﴿ يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝١ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝٢ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝٣ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝٤ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝٥ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝٦ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝٧ ﴾

(المدثّر : 1تا 7)

''اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اٹھو اور خبردار کرو۔ اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ اور گندگی سے دور رہو۔ اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کے لیے۔ اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو۔''

2- ﴿ يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝١ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝٢ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝٣ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝٤ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝٥ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ۝٦ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا

Marfat.com

طَوِیْلًا ؕ وَ اذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا ؕ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَکِیْلًا ۝ وَ اصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَ اهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ۝ وَ ذَرْنِیْ وَ الْمُکَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَ مَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ۝ ﴾

(مزمّل: 1 تا 11)

''اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے، رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم، آدھی رات، یا اس سے کچھ کم کرلو، یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو، اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔ درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لیے بہت کارگر اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ دن کے اوقات میں تو تمہارے لیے بہت مصروفیات ہیں۔ اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو اور سب سے کٹ کر اُسی کے ہو رہو۔ وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے، اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، لہٰذا اُسی کو اپنا وکیل بنالو۔ اور لوگ جو باتیں بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو اور شرافت کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ۔ اِن جھٹلانے والے خُوش حال لوگوں سے نمٹنے کا کام تُم مجھ پر چھوڑ دو اور انہیں ذرا (کچھ دیر) اسی حالت پر رہنے دو۔'

-3 ﴿ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ؕ وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ؕ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ۝ ﴾ (الضُّحٰی: 9 تا 11)

'لہٰذا یتیم پر سختی نہ کرو، اور سائل کو نہ جھڑکو، اور اپنے رب کی نعمت کا اظہار کرو۔'

-4 ﴿ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ ۝ ﴾ (الم نشرح: 7، 8)

''جب تُم فارغ ہو تو عبادت کی مشقت میں لگ جاؤ اور اپنے رب ہی کی طرف راغب ہو۔''

-5 ﴿ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انْحَرْ ؕ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ ﴾ (کوثر: 2,3)

''پس تم اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔''

Marfat.com

6- ﴿سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی ۪ۙ﴿۲﴾ وَ الَّذِیۡ قَدَّرَ فَهَدٰی ۪ۙ﴿۳﴾
وَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰی ۪ۙ﴿۴﴾ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحۡوٰی ؕ﴿۵﴾﴾

(الاعلی: 1 تا 5)

''(اے نبیؐ) اپنے ربّ برتر کے نام کی تسبیح کرو جس نے پیدا کیا اور تناسب قائم کیا، جس نے تقدیر بنائی پھر راہ دکھائی، جس نے نباتات اُگائیں پھر ان کو سیاہ کوڑا کرکٹ بنا دیا۔''

7- ﴿فَذَکِّرۡ اِنۡ نَّفَعَتِ الذِّکۡرٰی ؕ﴿۹﴾ سَیَذَّکَّرُ مَنۡ یَّخۡشٰی ﴿ۙ۱۰﴾ وَ یَتَجَنَّبُهَا
الۡاَشۡقَی ﴿ۙ۱۱﴾ الَّذِیۡ یَصۡلَی النَّارَ الۡکُبۡرٰی ﴿ۚ۱۲﴾ ثُمَّ لَا یَمُوۡتُ فِیۡهَا وَ لَا یَحۡیٰی ﴿ؕ۱۳﴾﴾

(الاعلیٰ: 9 تا 13)

''لہٰذا تم نصیحت کرو اگر نصیحت نافع ہو۔ جو شخص ڈرتا ہے وہ نصیحت قبول کرلے گا اور اُس سے گریز کرے گا وہ انتہائی بدبخت جو بڑی آگ میں جائے گا، پھر نہ اس میں مرے گا نہ جیے گا۔''

8- ﴿فَذَکِّرۡ ۟ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَکِّرٌ ﴿ؕ۲۱﴾ لَسۡتَ عَلَیۡهِمۡ بِمُصَیۡطِرٍ ﴿ۙ۲۲﴾﴾

(الغاشیة : 21، 22)

''(اے نبیؐ) نصیحت کیے جاؤ، تم بس نصیحت ہی کرنے والے ہو، کچھ ان پر جبر کرنے والے نہیں۔''

9- ﴿عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤی ۙ﴿۱﴾ اَنۡ جَآءَهُ الۡاَعۡمٰی ؕ﴿۲﴾ وَ مَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰۤی ۙ﴿۳﴾ اَوۡ
یَذَّکَّرُ فَتَنۡفَعَهُ الذِّکۡرٰی ؕ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسۡتَغۡنٰی ۙ﴿۵﴾ فَاَنۡتَ لَهٗ تَصَدّٰی ؕ﴿۶﴾ وَ مَا
عَلَیۡکَ اَلَّا یَزَّکّٰی ؕ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنۡ جَآءَکَ یَسۡعٰی ۙ﴿۸﴾ وَ هُوَ یَخۡشٰی ۙ﴿۹﴾ فَاَنۡتَ عَنۡهُ
تَلَهّٰی ﴿ۚ۱۰﴾ کَلَّاۤ اِنَّهَا تَذۡکِرَةٌ ﴿ۚ۱۱﴾ فَمَنۡ شَآءَ ذَکَرَهٗ ﴿ۘ۱۲﴾﴾ (عبس:1 تا 12)

''تُرش رُو ہوا اور بے رُخی برتی اِس بات پر کہ وہ اندھا اُس کے پاس آ گیا۔

Marfat.com

تمہیں کیا خبر، شاید وہ سُدھر جائے یا نصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اُس کے لیے نافع ہو؟ جو شخص بے پروائی برتتا ہے اُس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو، حالانکہ اگر وہ نہ سُدھرے تو تم پر اس کی کیا ذمہ داری ہے؟ اور جو خود تمہارے پاس دوڑا آتا ہے اور ڈر رہا ہوتا ہے، اُس سے تم بے رُخی برتتے ہو۔ ہر گز نہیں، یہ تو ایک نصیحت ہے، جس کا جی چاہے اِسے قبول کر لے۔''

10- ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝﴾ (القيامة : 16 تا 19)

''اے نبیؐ، اس وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دو، اِس کو یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذِمہ ہے، لہٰذا جب ہم اِسے پڑھ رہے ہوں اُس وقت تم اِس کی قرأت کو غور سے سنتے رہو، پھر اِس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔''

(یہی ہدایت اس سے قبل سورۃ طٰہٰ آیت 114 اور آگے سورۃ الاعلیٰ آیت 6، 7، 8 میں موجود ہے)

11- ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾

(اعراف: 199، 200)

''اے نبیؐ، نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کیے جاؤ، اور جاہلوں سے نہ اُلجھو۔ اگر کبھی شیطان تمہیں اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو، وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

12- ﴿وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝﴾ (الاعراف:205)

Marfat.com

''اے نبیؐ، اپنے رب کو صبح و شام یاد کیا کرو دل ہی دل میں زاری اور خوف کے ساتھ اور زبان سے بھی ہلکی آواز کے ساتھ۔ تم اُن لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔''

13- ﴿ يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ (المائدة: 67)

''اے پیغمبرؐ، جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اُس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔ اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے۔ یقین رکھو کہ وہ کافروں کو (تمہارے مقابلے میں) کامیابی کی راہ ہرگز نہ دکھائے گا۔''

14- ﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴾ (النحل: 125)

''اے نبیؐ، اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عُمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔ تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اُس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہِ راست پر ہے۔''

15- ﴿ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِى الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ (الحج: 67)

''ہر اُمت کے لیے ہم نے ایک طریقِ عبادت مقرر کیا ہے جس کی وہ پیروی کرتی ہے، پس اے نبیؐ، وہ اس معاملہ میں تم سے جھگڑا نہ کریں، تم اپنے رب کی طرف دعوت دو۔ یقیناً تم سیدھے راستے پر ہو۔''

Marfat.com

16- ﴿ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۣ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٨﴾ ﴾ (القصص:86 تا 88)

''(اے نبیؐ) تم اِس بات کے ہرگز امیدوار نہ تھے کہ تم پر کتاب نازل کی جائے گی، یہ تو محض تمہارے رَب کی مہربانی سے (تم پر نازل ہوئی ہے)، پس تم کافروں کے مددگار نہ بنو۔ اور ایسا کبھی نہ ہونے پائے کہ اللہ کی آیات جب تم پر نازل ہوں تو کفّار تمہیں ان سے باز رکھیں۔ اپنے رَب کی طرف دعوت دو اور ہرگز مشرکوں میں شامل نہ ہو اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔ فرمانروائی اسی کی ہے اور اسی کی طرف تم سب پلٹائے جانے والے ہو۔''

17- ﴿ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٥﴾ ﴾ (الشوریٰ : 15)

''(چونکہ علم آ جانے کے بعد تعصّبات اور ہٹ دھرمی کی بنا پر یہ ایک دوسرے پر زیادتیاں کرنا چاہتے تھے) اس لیے اے محمدؐ، اب تم اسی دین کی طرف دعوت دو، اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے اُسی پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جاؤ، اور اِن لوگوں کی خواہشات کا اِتباع نہ کرو اور اِن سے کہہ دو کہ: ''اللہ نے جو کتاب بھی نازل کی ہے میں اُس پر ایمان لایا۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے

Marfat.com

درمیان انصاف کروں۔ اللہ ہی ہمارا رب ہے اور تمہارا رب بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ ہمارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ایک روز ہم سب کو جمع کرے گا اور اُسی کی طرف سب کو جانا ہے۔''

18- ﴿فَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعۡ مِنۡهُمۡ اٰثِمًا اَوۡ كَفُوۡرًا ۚ﴿۲۴﴾ وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ بُكۡرَةً وَّ اَصِيۡلًا ۚۖ﴿۲۵﴾ وَمِنَ الَّيۡلِ فَاسۡجُدۡ لَهٗ وَسَبِّحۡهُ لَيۡلًا طَوِيۡلًا ﴿۲۶﴾﴾

(الدھر: 24 تا 26)

''(اے نبیؐ) تُم اپنے رب کے حکم پر صبر کرو، اور اِن میں سے کسی بدعمل یا منکرِ حق کی بات نہ مانو۔ اپنے رب کا نام صُبح و شام یاد کرو، رات کو بھی اس کے حضور سجدہ ریز ہو، اور رات کے طویل اوقات میں اس کی تسبیح کرتے رہو۔''

19- ﴿وَ اِنۡ كَانَ كَبُرَ عَلَيۡكَ اِعۡرَاضُهُمۡ فَاِنِ اسۡتَطَعۡتَ اَنۡ تَبۡتَغِىَ نَفَقًا فِى الۡاَرۡضِ اَوۡ سُلَّمًا فِى السَّمَآءِ فَتَاۡتِيَهُمۡ بِاٰيَةٍ ‌ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمۡ عَلَى الۡهُدٰى فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡجٰهِلِيۡنَ ﴿۳۵﴾﴾ (الانعام: 35)

''(اے نبیؐ) اگر اِن لوگوں کی بے رُخی تم سے برداشت نہیں ہوتی تو اگر تم میں کچھ زور ہے تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈو یا آسمان میں سیڑھی لگاؤ اور ان کے پاس کوئی نشانی لانے کی کوشش کرو۔ اگر اللہ چاہتا تو اِن سب کو ہدایت پر جمع کر سکتا تھا، لہٰذا نادان مت بنو۔''

20- ﴿... فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ‌ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَوَكِّلِيۡنَ ﴿۱۵۹﴾﴾ (ال عمران: 159)

''(اے پیغمبرؐ) اِن کے قصور معاف کردو، اِن کے حق میں دعائے مغفرت کرو، اور دین کے کام میں اِن کو بھی شریکِ مشورہ رکھو، پھر جب تمہارا عزم کسی رائے

Marfat.com

پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اُسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔''

21- ﴿ وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝ ﴾ (الکھف: 27 تا 28)

''اے نبیؐ، تمہارے رب کی کتاب میں سے جو کچھ تم پر وحی کیا گیا ہے اسے (جوں کا توں) سُنا دو، کوئی اُس کے فرمودات کو بدل دینے کا مجاز نہیں ہے، (اور اگر تم کسی کی خاطر اِس میں ردّو بدل کرو گے تو) اُس سے بچ کر بھاگنے کے لیے کوئی جائے پناہ نہ پاؤ گے۔ اور اپنے دل کو اُن لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اُسے پکارتے ہیں، اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو۔ کیا تم دُنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جس نے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی اختیار کر لی اور جس کا طریقِ کار افراط و تفریط پر مبنی ہے۔''

22- ﴿ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (الحجر: 88)

''(اے پیغمبرؐ) تم اُس متاعِ دُنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھو جو ہم نے اِن میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے، اور نہ اِن کے حال پر اپنا دل کڑھاؤ۔ انہیں چھوڑ کر ایمان لانے والوں کی طرف جھکو۔''

23- ﴿ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ

Marfat.com

اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۠﴿۵۰﴾ وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّ لَا شَفِیْعٌ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَیْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَیْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۲﴾﴾ (الانعام: 50 تا 52)

”اے نبیؐ، اِن سے کہو: ’میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں، اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔‘ پھر ان سے پوچھو ’کیا اندھا اور آنکھوں والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا غور نہیں کرتے ہو؟‘ تُم اِس (علمِ وحی) کے ذریعے سے اُن لوگوں کو نصیحت کرو جو اِس کا خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رَب کے سامنے کبھی اِس حال میں پیش کیے جائیں گے کہ اُس کے سوا وہاں کوئی (ایسا ذی اقتدار) نہ ہو گا جو ان کا حامی و مددگار ہو، یا ان کی سفارش کرے، شاید کہ (اِس نصیحت سے متنبہ ہو کر) وہ خُدا ترسی کی روش اختیار کر لیں۔ اور جو لوگ اپنے رَب کو رات دن پکارتے رہے ہیں اور اُس کی خوشنودی کی طلب میں لگے ہوئے ہیں اُنہیں اپنے سے دور نہ پھینکو۔ اُن کے حساب میں سے کسی چیز کا بار تم پر نہیں ہے اور تمہارے حساب میں سے کسی چیز کا بار ان پر نہیں۔ اِس پر بھی اگر تم انہیں دور پھینکو گے تو ظالموں میں شمار ہو گے۔“

24- ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ﴿۶﴾﴾ (الکھف: 6)

”اچھا، تو اے نبیؐ، شاید تم اِن کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو دینے والے

Marfat.com

ہو اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔“

25- ﴿ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء : 3، 4)

”اے نبیؐ، شاید تم اس غم میں اپنی جان کھو دو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ ہم چاہیں تو آسمان سے ایسی نشانی نازل کر سکتے ہیں کہ اِن کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں۔“

26- ﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ ﴾ (التوبہ: 84)

”اور آئندہ ان میں سے جو کوئی مرے اُس کی نمازِ جنازہ بھی تم ہرگز نہ پڑھنا اور نہ کبھی اُس کی قبر پر کھڑے ہونا، کیوں کہ اِنہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ کُفر کیا ہے اور وہ مرے ہیں اِس حال میں کہ وہ فاسق تھے۔“

27- ﴿ ... فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾

(المآئدۃ: 13)

”(......جب بنی اسرائیل اپنی شرارتوں اور بد طینتی کی اس سطح پر اُترے ہوئے ہیں تو جواب میں) اُنہیں معاف کرو اور اُن کی حرکات سے چشم پوشی کرتے رہو، اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو احسان کی روش رکھتے ہیں۔“

28- ﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ ﴾

(الحجر: 94 تا 99)

Marfat.com

''پس اے نبیؐ، جس چیز کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے اُسے ہانکے پکارے کہہ دو اور شرک کرنے والوں کی ذرا پروا نہ کرو۔ تمہاری طرف سے ہم نے اُن مذاق اُڑانے والوں کی خبر لینے کے لیے کافی ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی خُدا قرار دیتے ہیں۔ عنقریب اُنہیں معلوم ہو جائے گا۔ ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ تُم پر بناتے ہیں ان سے تمہارے دل کو سخت کوفت ہوتی ہے۔ (اس کا علاج یہ ہے کہ) اپنے رَب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرو، اُس کی جناب میں سجدہ بجا لاؤ اور اُس آخری گھڑی تک اپنے رَب کی بندگی کرتے رہو جس کا آنا یقینی ہے۔''

-29 ﴿ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝ ﴾

(النمل : 70)

''اے نبیؐ، اِن کے حال پر رنج نہ کرو اور نہ اِن کی چالوں پر دِل تنگ ہو......''

-30 ﴿ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۖ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ۝ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ۝ وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ۝ ﴾

(النمل: 79 تا 81)

''پس اے نبیؐ، اللہ پر بھروسا رکھو، یقیناً تُم صریح حق پر ہو۔ تُم مُردوں کو نہیں سُنا سکتے، نہ بہروں تک اپنی پکار پہنچا سکتے ہو جو پیٹھ پھیر کر بھاگے جا رہے ہوں، اور نہ اندھوں کو راستہ بتا کر بھٹکنے سے بچا سکتے ہو۔ تم تو اپنی بات انہی لوگوں کو سُنا سکتے ہو جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں اور پھر فرماں بردار بن جاتے ہیں۔''

-31 ﴿ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ ﴾ (التوبہ: 103)

''اے نبیؐ، تُم اِن کے اموال میں سے صدقہ لے کر اِنہیں پاک کرو اور (نیکی کی

Marfat.com

راہ میں) انہیں بڑھاؤ اور اِن کے حق میں دُعائے رحمت کرو، کیوں کہ تمہاری دعا ان کے لیے وجہِ تسکین ہوگی۔ اللہ سب کچھ سُنتا اور جانتا ہے۔''

32- ﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿٤٨﴾﴾ (القلم: 48)

''اچھا، اپنے رَب کا فیصلہ صادر ہونے تک صبر کرو اور مچھلی والے (یونس علیہ السلام) کی طرح نہ ہو جاؤ......''

33- ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٧٣﴾﴾ (التوبہ: 73، التحریم:9)

''اے نبیؐ، کُفار اور منافقین دونوں کا پوری قوت سے مقابلہ کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔ آخر ان کا ٹھکانا جہنّم ہے اور وہ بدترین جائے قرار ہے۔''

34- ﴿فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ﴿٥٢﴾﴾ (الفُرقان: 52)

''پس اے نبیؐ، کافروں کی بات ہرگز نہ مانو اور اِس قُرآن کو لے کر اُن کے ساتھ زبردست جہاد کرو۔''

35- ﴿لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾﴾ (الِ عمران: 196، 197)

''اے نبیؐ، دنیا کے ملکوں میں خُدا کے نافرمان لوگوں کی چلت پھرت تمہیں کسی دھوکے میں نہ ڈالے۔ یہ محض چند روزہ زندگی کا تھوڑا سا لُطف ہے، پھر یہ سب جہنم میں جائیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔''

36- ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ﴿٤٧﴾ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعْ أَذَاهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿٤٨﴾﴾

(الاحزاب: 47، 48)

Marfat.com

"(اے نبیؐ)...... بشارت دے دو اُن لوگوں کو (جو تم پر) ایمان لائے ہیں کہ اُن کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے۔ اور ہرگز نہ دبو کُفّار اور منافقین سے، کوئی پروانہ کرو اُن کی اذیت رسانی کی اور بھروسا کرلو اللہ پر، اللہ ہی اس کے لیے کافی ہے کہ آدمی اپنے معاملات اُس کے سپرد کر دے۔"

37- ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝﴾ (الکافرون)

"کہہ دو کہ اے کافرو، میں اُن کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو، نہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ اور نہ میں اُن کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی، اور نہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ تُمھارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔"

38- ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝﴾ (الاِخلاص)

"کہو، وہ اللہ ہے، یکتا۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔ نہ اُس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد۔ اور کوئی اُس کا ہمسر نہیں ہے۔"

39- ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝﴾ (الفلق)

"کہو، میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی، ہر اُس چیز کے شر سے جو اُس نے پیدا کی ہے، اور رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے، اور گرہوں میں

Marfat.com

پھونکنے والوں (والیوں) کے شر سے اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔''

40- ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ﴿۴﴾ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ﴿۶﴾﴾ (النّاس)

''کہو، میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب، انسانوں کے بادشاہ، انسانوں کے حقیقی معبود کی اُس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو بار بار پلٹ کر آتا ہے، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے خواہ وہ جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے۔''

41- ﴿وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ۙ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾﴾ (المؤمنون:97، 98)

''اور دُعا کرو کہ پروردگار، میں شیاطین کی اُکساہٹوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں، بلکہ اے میرے رب، میں تو اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔''

Marfat.com

تزکیہ وتربیت اور تعمیرِ اخلاق کی بھٹی

اس زمین پر نیک، شریف اور مہذب وخوش اخلاق انسان ہر دور میں رہے ہیں۔ کہیں تو ان کی نیکی اور شرافت اور تہذیب وشائستگی ان کی ذات تک محدود رہی اور کہیں اپنے خاندان اور قریبی ماحول پر انہوں نے اچھے اخلاق کے اثرات مرتّب کیے اور نیک نامی کمائی۔ ممکن ہے کچھ اس سے بھی آگے بڑھے ہوں اور انہوں نے سو دوسو یا ہزار دو ہزار لوگوں کی اچھے انسان بننے میں رہنمائی کی ہو۔ اللہ کے نبیوں کی تاریخ جو دستیاب ہے اور جس کی تفصیل ہمیں قُرآن کے اوراق میں ملتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام توحید کا پیغام لے کر عراق کے شہر اُر سے نکلے اور مصر سے ہوتے ہوئے فلسطین وشام پہنچے۔ ایک بیوی اور چھوٹے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کو وہاں بسایا۔ ایک بیوی اور بچے کو جزیرۃ العرب کے جنوب میں ایک بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑا۔ اس زمانے میں انتہائی کٹھن سفر اور ابلاغ کی بہت ہی محدود سہولتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے پیغام اور دعوتِ حق کی اشاعت وتبلیغ کا اس سے بڑا کارنامہ اور کوئی نہیں۔ مکّہ مکرّمہ کو جب انہوں نے حج کا مرکز بنا کر پکار بلند کی تو یہ پکار صرف اولادِ ابراہیمؑ تک محدود نہ تھی بلکہ قیامت تک کے لیے اور ساری انسانیت کے لیے تھی۔

﴿وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَ الْقَآىٕمِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ﴿۲۷﴾﴾

(الحج : 26، 27)

”یاد کرو وقت جب ہم نے ابراہیمؑ کے لیے اِس گھر (خانہ کعبہ) کی جگہ تجویز کی

Marfat.com

تھی (اِس ہدایت کے ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو، اور لوگوں کو حج کے لیے اِذنِ عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار ہو کر آئیں......''

ان کے بعد جس دوسری ہستی نے اپنے شہر اور بستی سے نکل کر اقتدار کے ایوانوں اور اشرافیہ کے حلقوں میں اپنے پاکیزہ سیرت اور اعلیٰ اخلاق کا لوہا منوایا اور پیغمبرانہ کردار ادا کیا وہ جنابِ ابراہیم علیہ السلام کے پڑپوتے حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے۔ لیکن ان کا کنعان سے نکل کر مصر پہنچنا کوئی ارادی عمل نہیں تھا بلکہ ایک حادثے کا نتیجہ تھا۔ وہ ایک غلام کی حیثیت سے بکتے ہوئے عزیزِ مصر کے گھر میں پہنچے تھے۔ ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پیغمبری کا سلسلہ بنی اسرائیل میں محدود ہو گیا۔ اکثر پیغمبروں نے انہی کی شرک و بدعت، ضلالت اور گمراہی کی گندگی صاف کرتے ہوئے زندگیاں گزار دیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آفاقی دعوتی مشن میں ہمیں ان کے بھتیجے حضرت لُوط علیہ السلام شریک نظر آتے ہیں جن کو موجودہ بحرِ مردار کے آس پاس کی سدومی بستیوں کی اصلاح اور ہدایت پر مامور کیا گیا تھا۔ بنی اسرائیل سے باہر کسی قوم کو اس کے فاسد عقائد اور اخلاقی و معاملاتی بگاڑ کی اصلاح کے لیے شعیب علیہ السلام آئے لیکن معلوم نہیں کہ وہ بنی اسرائیل میں سے تھے یا اولادِ ابراہیمؑ سے باہر کسی قوم یا قبیلے سے ان کا تعلق تھا۔

بعثتِ نبوی سے قبل اخلاقی حالت

انسان کی جوہرِ انسانیت سے آراستگی، اس کے نفس کا تزکیہ، اس کی سیرت کی تعمیر اور اس کے اخلاق کی اصلاح کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ فلسفی اس مہم کو انجام دینے سے عاجز اور حاکم اس کو کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ یہ انسان کے باطن کو بدلنے کا کام ہے۔ باطن یا دِل کا دروازہ توڑ کر اس میں داخل نہیں ہوا جا سکتا۔ یہ دروازہ اندر کو کھلتا ہے اور اس وقت تک نہیں کھلتا جب تک اندر سے کھولنے والا اسے نہ کھولے۔ آدمی کو اگر اپنی اصلاح کی ضرورت کا

Marfat.com

خود احساس نہ ہو اور وہ اپنے آپ کو بدلنے کے لیے خود آمادہ نہ ہو تو اس کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ قدیم یونان میں ارسطو اور افلاطون جیسے بڑے بڑے نامور فلسفی پیدا ہوئے جن کے افکار کا آج تک چرچا ہو رہا ہے۔ انہوں نے بھی یہ بتایا کہ اخلاق ارفع و اعلیٰ قدرِ حیات ہے اور انسان کے لیے اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ پسندیدہ ضروری ہیں۔ فلسفے کی حد تک انہوں نے بتایا کہ اخلاق کو نفسانی خواہشات اور باطنی ترغیبات کے اثر سے پاک ہونا چاہیے لیکن وہ اثینا (Athens) کے باشندوں میں نہ اعلیٰ اخلاقی خوبیاں پیدا کر سکے اور نہ ہی اس شہری ریاست کو ایک مثالی جمہوری ریاست کی شکل میں ڈھال سکے تھے۔ اپنے فلسفے کے اثر سے معاشرے کو عملی فساد، اخلاقی بگاڑ اور طبقاتی تعصبات و امتیازات سے پاک کرنے میں وہ یکسر ناکام تھے۔ کم فہم عوام تو درکنار ان کے فلسفے کا فہم و ادراک رکھنے والے حُکّام، معاشرے کا اونچا طبقہ، عُلماء اور دانشور بھی ان کے بتائے ہوئے اصولوں کے قالب میں نہ ڈھل سکے تھے۔ جدید امریکہ نے 1920 سے 1933 تک شراب نوشی کو روکنے کے لیے قانون کا سہارا لیا اور ابلاغ کے ریاستی وسائل سے لوگوں کو شراب نوشی کے نقصانات کے بارے میں سمجھانے اور قائل کرنے کی پوری کوشش کی لیکن ناکامی کے سوا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ آخر قانون ہار گیا اور اس کے رَسیا جیت گئے۔ خُود قانون بنانے اور اس کو نافذ کرنے والوں نے بھی اسے قومی کلچر کے طور پر تسلیم اور اس عِلت کو اختیار کر لیا۔

اس کے برعکس آج سے چودہ ساڑھے چودہ سو سال پہلے کے عرب معاشرے کو دیکھیے۔ اس میں یونان کی شہری ریاست اثینا کے مقابلے میں ہزار چند اخلاقی برائیاں تھیں۔ لوگ اپنے خالق و مالک کو بُھول چکے تھے۔ توحید کا عقیدہ ان کے لیے ایک انوکھی چیز تھی۔ آخرت کا حساب کتاب ان کے لیے حیرت اور تمسخر کی بات تھی۔ قیامت کے روز اٹھایا جانا ان کے نزدیک ایک ناقابلِ یقین امر تھا۔ عِلم کے چراغ نہ ان کے اپنے ہاں جلتے تھے اور نہ باہر کہیں سے یہ روشنی ان تک پہنچتی تھی۔ جو کچھ تھوڑی بہت خوبیاں ان میں موجود تھیں وہ اخلاق کے بارے میں کسی گہرے شعور کا نتیجہ نہیں تھیں۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد

Marfat.com

ہونے کی وجہ سے ان سے واقف ضرور تھے لیکن ان کی تعلیمات کب کی طاق نسیاں کا سامان بن چکی تھیں۔ شرک و بت پرستی کے سوا مذہب کا ان کے ہاں کوئی تصور نہ تھا۔ جہل و غفلت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جس طرح ان کی زمین سبزے سے خالی تھی، اسی طرح ان کا سماج تہذیب کی بہار سے عاری اور صالح تمدن کے ثمرات سے محروم تھا۔ ان کی ساری تگ و تاز قبائلی تفاخر اور خاندانی وجاہت کے لیے تھی۔ یہی ان کے باہمی بغض و عناد اور حسد و رقابت کی بنیاد ہوتی تھی اور اسی کے لیے وہ لڑتے مرتے تھے۔ شراب کے رسیا اور جوئے کے عادی تھے۔ حیا اور پاک بازی کے وصف سے بیگانہ تھے۔ فحاشی اور بدکاری کے کاموں پر شرمانے کے بجائے فخر کرتے تھے۔ ان کے کئی قبیلے کعبہ کا طواف بھی ننگے ہو کر کرتے تھے۔ حرام اور حلال کے تصور سے عاری اور جاہلانہ رسوم کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ حرص و ہوس ان کو بخل کا عادی بناتی اور سخاوت کے جوش میں اسراف و تبذیر کا شکار ہو جاتے تھے۔ ناحق خون ریزی کا نام ان کے ہاں شجاعت پڑ گیا تھا۔ ذرا ذرا سی باتوں پر لڑتے اور برس ہا برس تک یہ لڑائیاں تھمنے کا نام نہ لیتی تھیں۔ کمزوروں پر ظلم و استحصال اور زیردست آزاری کو بڑائی سمجھا جاتا تھا۔ جس کا بس چلتا دوسرے کا حق مار لیتا تھا۔ وحشیانہ طرزِ عمل اور جاہلانہ رویوں پر انہیں ناز تھا۔ احساسِ گناہ مفقود تھا اور غدر و خیانت، مکر و فریب، کذب و افترا اور ظلم و تعدی جیسی اخلاقی خرابیاں عام۔ نہ عورتوں کے حقوق کا کوئی خیال تھا اور نہ لونڈیوں اور غلاموں پر رحم کا کوئی احساس۔ یہ ساری برائیاں جزیرۃ العرب کے باہر کی قوموں میں ان سے بھی بڑھ کر پھیلی ہوئی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کا مدرسہ تربیت، اللہ کا احسانِ عظیم

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ (اٰلِ عمران: 164)

' درحقیقت اہلِ ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا کہ اُن کے درمیان خود

Marfat.com

اُنہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اُٹھایا جو اُس کی آیات انہیں سناتا ہے، اُن کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور اُن کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔‘

بعثتِ نبوی کے ان مقاصد کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ تقریباً ملتے جلتے الفاظ میں ان کو قرآن مجید میں چار مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام تعمیرِ کعبۃ اللہ کے وقت اس کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو ساتھ یہ دعا بھی کر رہے تھے:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾ (البقرة: 129)

”اے ہمارے رب، اِن لوگوں میں خود اِنہی کی قوم سے ایک رسول اُٹھائیو، جو اِنہیں تیری آیات سنائے، اِن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے۔ تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔“

2 ہجری کے ماہِ رجب یا شعبان میں تحویلِ قبلہ کا واقعہ ہوا۔ یہاں پھر یہی مضمون ذرا سے لفظی فرق کے ساتھ دہرایا گیا ہے۔ حضور ﷺ کے اجداد کی اُس دعا نے بارِ قبولیت پایا اور اللہ تعالیٰ نے وہ رسول مبعوث کر دیا جس کی چار صفات دعائے ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام میں بیان ہوئی تھیں۔ چنانچہ اہلِ ایمان کو باور کرایا گیا کہ نعمتِ دین و ہدایت کے اِتمام کے مراحل میں نئی راہیں متعین ہو رہی ہیں۔ جن قدیم روایات پر عمل ہو رہا تھا ان میں ضروری ترامیم کی جا رہی ہیں۔ قبلہ کی تحویل بھی انہی میں سے ایک ہے۔ یہ ایک ایسا غیر معمولی فیصلہ ہے جس پر مختلف اطراف سے طرح طرح کی باتیں بنائی جا رہی ہیں۔ لہٰذا تم لوگ اس پراپیگنڈے سے نہ ڈرو بلکہ اس اللہ سے ڈرو جو اِتمامِ نعمت کر رہا ہے۔ حقیقی قبلہ کی طرف لوٹانا بھی اہلِ ایمان کی ہدایت کا ایک مرحلہ اور ان کے حق میں ایک نعمت ہے۔:

﴿كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ

Marfat.com

﴿ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾

(البقرة: 151)

''اور اسی لیے ہم نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیات سناتا ہے، تمہاری زندگیوں کو سنوارتا ہے، تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔''

سات ہجری میں جب خیبر میں یہودیوں کے آخری اور مضبوط گڑھ بھی مسلمانوں نے فتح کر لیے تو اس وقت سورۃ جمعہ کی دوسری آیت میں ابتدا اور انتہا کے الفاظ کے تھوڑے سے تغیّر کے ساتھ پھر یہ اہم مضمون سامنے آتا ہے جس میں نبی اُمّی ﷺ کے فرائضِ نبوت کا پھر ایک بار تذکرہ ہوا۔ یہاں ضمناً یہود کے ایک اعتراض اور الجھن کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ یہودی کہتے تھے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جس نبی کا وہ انتظار کر رہے ہیں وہ بنی اسرائیل کے باہر ایک ایسی قوم میں مبعوث ہو جائے جو ایک اُمّی یعنی علم و تعلیم سے بے بہرہ اور لکھنے پڑھنے سے نابلد ہے۔ ارشاد ہوا کہ نبوّت وہ فضلِ عظیم ہے جو کائنات کا مالک و حاکم اپنی مرضی سے عطا کرتا ہے۔ اس پر کسی مخصوص گروہ یا نسل کا دائمی حق نہیں ہے کہ منصبِ نبوت ہمیشہ اسی کے اندر رہے۔ یہ ہدایت کا معاملہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی خاص حکمت کے تحت جس قوم میں مناسب سمجھتا ہے انسانیت کی ہدایت کے لیے اس میں سے رسول اٹھا دیتا ہے۔

﴿ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾

(الجمعۃ : 2، 3)

''وہی ہے جس نے اُمیوں میں کے اندر ایک رسول خود اُنہی میں سے اٹھایا، جو اُنہیں اُس کی آیات سناتا ہے، اُن کی زندگی سنوارتا ہے، اور اُن کو کتاب اور

Marfat.com

حکمت کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اِس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے
تھے۔ اور (اِس رسولؐ کی بعثت) اُن دوسرے لوگوں کے لیے بھی ہے جو ابھی
ان سے نہیں ملے ہیں۔ اللہ زبردست اور حکیم ہے۔''

ان آیات کی روشنی میں سلسلۂ انبیاء کی اس آخری کڑی، یعنی رسولِ ہاشمی واُمّی ﷺ کے ذمہ چار بنیادی کام تھے۔ پہلا کام یہ تھا کہ آپؐ پر کتابِ پاک کی صورت میں جو آسمانی ہدایات نازل ہو رہی تھی اسے انسانیت کے لیے رَبُّ العالمین کی امانت سمجھ کر کسی کمی بیشی کے بغیر مِن وعَن پڑھ کر سنا دیں۔ آپؐ کی دوسری ذمہ داری یہ تھی کہ متنِ کتاب کو لوگوں تک پہنچانے اور اسے پڑھوا دینے پر ہی اکتفا نہ کریں، بلکہ اس کتاب میں علم ومعرفت کے جو نکتے ہیں وہ لوگوں کو سمجھائیں اور کتاب کے فہم میں پیش آنے والی مشکلوں کو اور کسی کے ذہن میں کوئی الجھن ہو تو اس کو رفع کریں۔ تزکیۂ نفوس ان چار بنیادی کاموں میں سب سے بڑا کام اور عظیم الشان مہماتِ رسالت میں سے ایک بہت بڑی مہم تھی۔ جس طرح بہت مَیلے کپڑے کو رنگنا ہو تو پہلے دھو کر اس کی میل دور کی جاتی ہے تا کہ چڑھایا جانے والا رنگ نکھر کر اپنی آب وتاب اور کشش دکھائے۔ اسی طرح اس کتاب سے اس وقت تک کماحقہٗ استفادہ نہیں کیا جا سکتا جب تک اس سے ہدایت پانے والوں کے باطن کی آلائشیں دور نہ ہوں، قلوب و اذہان پر چھائے ہوئے باطل عقائد و افکار کے جالے صاف نہ ہوں اور اخلاق پر سے فاسد ماحول کے اثرات مٹائے نہ جائیں۔ 'لا' کے یہ مراحل طے کرا کے آپؐ نے ایمان لانے والوں کو 'اِلّا' یعنی اثبات کی منزل میں داخل کیا۔ نفوس کو کفر وشرک کی غلاظتوں سے پاک کیا۔ ان کے جاہلی رجحانات ومیلانات کو تزکیہ وتنزیہ کی بھٹی میں دھو کر ان پر وہ رنگ چڑھایا جسے قرآنِ حکیم میں 'صِبغَۃَ اللہ' کا نام دیا گیا ہے اور جس کے بارے میں بتایا کہ یہ سب سے اچھا رنگ ہے۔

اللہ کی کتابِ پاک کہتی ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝﴾ (الشّمس: 9، 10)

Marfat.com

''یقیناً فلاح پا گیا جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور وہ نامراد ہوا جس نے اُس کو دبا دیا۔''

وہ نفوس جو شرک اور گناہوں کے بوجھ میں دب کر اپنی آب و تاب اور تازگی و توانائی کھو بیٹھے تھے اور اس وجہ سے دنیوی زندگی میں نامرادی و ناکامی ان کا مقدر بن گئی تھی ان کے لیے دنیا و آخرت دونوں کی فلاح کا راستہ کھولا۔ ربِّ کائنات نے ایمان کی دولت کے ساتھ تزکیہ کا سرمایہ جمع کر لینے اور اپنی زندگیوں کو اخلاقی طور پر سنوار لینے والوں کو اُخروی فوز و کامرانی کی خوشخبری دیتے ہوئے ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

﴿ وَ مَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿٧٥﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾ ﴾ (طٰهٰ : 75، 76)

''اور جو اُس (اللہ) کے حضور مومن کی حیثیت سے حاضر ہوگا، جس نے نیک عمل کیے ہوں گے، ایسے سب لوگوں کے لیے بلند درجے ہیں، سدا بہار باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، اِن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جزا ہے اُس شخص کی جو تزکیہ (پاکیزگی) اختیار کرے۔''

﴿ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿١٤﴾ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿١٥﴾ الَّذِيْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿١٦﴾ وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿١٨﴾ ﴾

(اللیل: 14 تا 18)

''پس میں نے تُم کو خبردار کر دیا تھا بھڑکتی ہوئی آگ سے۔ اُس میں نہیں جھلسے گا مگر وہ انتہائی بدبخت جس نے جھٹلایا اور (حق سے) منہ پھیرا۔ اور اُس سے دور رکھا جائے گا وہ نہایت پرہیزگار جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے۔''

مکارمِ اخلاق کا اِتمام و اِکمال

رسول پاک ﷺ نے خود اپنی بعثت کا جو نصب العین بتایا۔ مؤطا امام مالکؒ کی حدیث کے الفاظ ہیں: اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ یعنی مجھے اخلاق کے بلند

Marfat.com

ترین معیارات کے اِتمام وتکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔مکارمِ اخلاق کا اِتمام و اِکمال یہ ہے کہ ایمان والوں کی زندگیوں کو اس سطح پر سنوار دیا جائے اور ان کے اندر ایسے تمام اوصاف کا رنگ بھر دیا جائے جن کے لیے قرآنِ مجید میں تزکیہ کی اصطلاح آئی ہے۔نفسیاتی اور عملی طور پر تزکیہ جبر و اِکراہ کا معاملہ نہیں ہے۔محسنِ انسانیت ﷺ نے اس کو ضمیر کی طلب اور شعور کی آواز بنایا۔اس کی خواہش کو مہمیز دینے کے لیے آپؐ نے ایک دعا سکھائی۔صحیح مسلم کی حدیث ہے۔اس میں تزکیہ سے متعلق الفاظ ہیں:

((اَللّٰهُمَّ آتِ نَفْسِيْ تَقْوٰهَا وَ زَكِّهَا، اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا، اَنْتَ وَلِيُّهَا وَ مَوْلٰهَا))

''اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ نصیب فرما اور اس کو پاک کر دے تو ہی اس کو بہتر طور پر پاک کرنے والا ہے۔تو ہی اس نفس کا سرپرست اور رکھوالا ہے۔''

جس ماحول اور جیسے معاشرے میں آپؐ نے یہ بات کی تھی اُس میں شاید کچھ خوبیاں موجود ہوں گی لیکن وہ شرف وِاکرامِ انسانیت کی وہ باقیات تھیں جو کہیں خاندانی اور قبائلی روایات کی صورت میں پوری طرح مٹنے سے بچ گئی ہوں گی ورنہ روحِ اخلاق اور پاکیزگی کے تصور کے اعتبار سے وہ معاشرہ بالکل کھوکھلا ہو چکا تھا۔سابقہ پیغمبروں اور صُلحاء کے آثار میں سے کچھ بچی کھچی چیزیں ایسی تھیں جن کو انہوں نے اخلاق کا نام دے رکھا تھا۔لیکن اصل اخلاقی جوہر اور اس کی بقا کے بارے میں ان کے اندر کی تیز حِس کب کی مر چکی تھی۔سرورِ کونین ﷺ نے اخلاق کو اس کے اصل تصور کے ساتھ زندگیوں میں راسخ کیا۔اس کی اقدار کو مستحکم کیا۔اس کے مکارم کو تکمیل تک پہنچایا۔اس کو ایک انسان ساز عامل کی حیثیت سے متعارف کرایا۔بتوں کے پجاریوں اور دیگر خود ساختہ خُداؤں کے پرستاروں،مظاہرِ فطرت کے ساتھ خالق و مالکِ کائنات کی صفات منسوب کرنے والوں،ایک اور سچے معبود کو چھوڑ کر بے شمار خُداؤں کی بندگی کا قلادہ اپنے گلے میں ڈال لینے والوں کو توحید کی حقیقت سے آشنا کیا۔شرک کی گندگی سے ان کو نکالا۔اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کی بطورِ خالق و مالک اور رازق و حاکم

Marfat.com

پہچان کرائی۔صرف اسی کی عبادت کا پابند بنایا۔حقیقت یہ ہے کہ عقیدے کی خرابی انسان کو ذہنی پستی، فکری کجی اور اخلاقی بگاڑ میں مبتلا کر دیتی ہے۔معاشرہ اخلاقی آلائشوں میں لتھڑا ہوا ہو تو یہ مقاصد کی بلندی سے محروم ہو جاتا ہے۔جناب رسالت مآب ﷺ نے اپنے مدرسۂ تربیت میں لوگوں کو رب کی عبادت کا لذت شناس بنایا، ان کے اندر خدا خوفی، طہارتِ قلوب اور تزکیۂ نفوس کے جوہر کی نشوونما کی۔ان کی دنیوی زندگی میں سکون اور امن و عافیت کو یقینی بنایا۔ان کو حسد، بغض، نفرت و عداوت، حرص و ہوس، بخل، خود غرضی، کبر و نخوت اور نفس پرستی اور شہوت رانی اور بے حیائی جیسے اخلاقی اور نفسانی امراض سے نجات دلائی۔ایک صالح معاشرے کی بنیاد رکھ کر اجتماعی بے چینی اور بے امنی کے وبال سے چھٹکارا دلایا۔

ریاست اخلاق کے چمن کی نگہدار اور محافظ ضرور ہوتی ہے لیکن نفوس کے چمن میں اخلاق کی شجرکاری اور اس کی سینچائی مصلحین ہی کا کام ہوتا ہے۔تاریخ بتاتی ہے کہ کہیں کبھی کسی ریاست کے حکام نے بہت ہی ذمہ داری اور فرض شناسی کا ثبوت دیا تو اس چمن کو اجڑنے سے بچانے کے لیے انہوں نے سخت قوانین اور کڑی سزاؤں کا سہارا لیا۔معلمِ انسانیت ﷺ نے جو عظیم اخلاقی انقلاب برپا کیا وہ قانون کی طاقت اور ڈنڈے کے زور پر نہیں آیا تھا۔مصلح اعظم ﷺ نے اخلاق کو ایمان کے ساتھ جوڑا۔ایمان ایک قلبی روشنی کا نام ہے۔پاکیزہ اخلاق کا تصور آپؐ نے قلب و روح سے گزارا، عقل و شعور میں بٹھایا اور پھر حسنِ عمل میں ڈھالا۔اس کے اثرات و ثمرات کی وسعت دنیا کے ساتھ آخرت تک پہنچا دی۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

> ''ایمان والوں میں سے کامل ترین ایمان کا آدمی وہی ہے جو ان میں اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھا ہو۔اور تم میں سے بھلا وہی ہے جس کا برتاؤ اپنے اہل و عیال کے ساتھ اچھا ہو۔'' ❶

نبی ﷺ نے فرمایا:

---

❶ ترمذی.

Marfat.com

''قیامت کے روز مومن کی میزان میں اس کے حُسنِ خُلق سے بڑھ کر وزنی چیز اور کوئی نہ ہوگی۔ اور بے شک اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ قابلِ نفرت آدمی وہ ہوگا جو فحش گو اور بد کلام ہے۔''❶

صاحب خُلقِ عظیم ﷺ سے پوچھا گیا کہ 'جنت میں جانے والوں میں سب سے زیادہ لوگ کون ہوں گے؟' آپ نے فرمایا: 'جن کے دلوں میں خُدا خوفی ہوگی اور جو اچھے اخلاق کے مالک ہوں گے۔' پھر پوچھا گیا کہ 'دوزخ کی آگ میں سب سے زیادہ لوگ کون ہوں گے؟' آپ نے بتایا: ''اَلْفَمُ وَ الْفَرْجُ'' یعنی جو منہ (بدزبانی) اور شرم گاہ (فحش کاری) کے مرتکب ہوں گے۔'❷ جناب رسالت مآب ﷺ نے یہ بھی فرمایا: 'قیامت کے روز تم میں سے میرے سب سے پسندیدہ اور میری مجلس میں میرے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو اپنی اخلاقی خوبیوں میں سب سے اچھے ہوں گے۔ اور قیامت کے روز میری نظر میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور مجھ سے دور ثرثارون، متشَدِّقُون اور مُتفَیْهِقُون ہوں گے۔' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ہمیں ثَرثَارون (تکلف سے منہ بنا بنا کر باتیں کرنے والوں) اور مُتَشَدِّقُون (دوسروں پر چھا جانے کی غرض سے بناوٹی اور مصنوعی انداز میں بولنے والوں) کے بارے میں تو معلوم ہے کہ یہ کن کی صفات ہیں، لیکن یہ مُتَفَیْهِقُون کون ہیں؟' آپ نے فرمایا: 'یہ مغرور اور متکبّر لوگ ہیں۔'❸ ایک اور حدیث میں ہے کہ 'تم لوگ کچھ لوگوں کے مدارج تک اپنے مال و دولت کے بل پر تو نہیں پہنچ سکتے، ہاں اپنی خندہ پیشانی اور خُوش اخلاقی کے ذریعے ان تک پہنچ سکتے ہو۔'❹

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: 'مومن اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے ان لوگوں کے درجے کو پالیتا ہے جو راتیں قیام کی حالت میں اور دن کے روزہ رکھ کر گزارتے ہیں۔'❺

---

❶ ترمذی. ❷ ترمذی

❸ ترمذی. ❹ ابو یعلیٰ، ترغیب و ترهیب لمُنذری.

❺ مشكاة المصابيح.

Marfat.com

عبادات اور تزکیہ و تعمیرِ سیرت

ہادیِ اعظم ﷺ کے ہاتھوں تاریخِ انسانی کا جو عظیم الشان اخلاقی انقلاب برپا ہوا، اس میں تعمیرِ سیرت اور اصلاحِ کردار کے معاملے میں عبادات کی مؤثر ترین معاونت رہی۔ فقہ میں عبادات، اخلاقیات اور معاملات کے الگ الگ باب باندھے جاتے ہیں لیکن وہ چیز جسے اسلامی نظام یا اسلامی تہذیب و تمدن کہا جاتا ہے اس میں ان تینوں کا آپس میں اتنا گہرا تعلق ہے کہ عبادات کو اخلاق سے کاٹ دیا جائے تو وہ ایک چشمۂ بے آب بن کر رہ جاتی ہیں۔ یا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اخلاق کے چمن کی آبیاری عبادات سے ہوتی ہے۔ ایمان کی تراوت اور تازگی اسی وقت تک رہتی ہے جب تک اسے عبادات سیراب کرتی رہیں۔ عبادات سے اخلاق کی سیرابی کے لیے ضروری ہے کہ ان کا التزام ان کی اصل روح اور بندگی کے سچے اور گہرے شعور کے ساتھ ہو۔ شیطان کے لیے ایمان کے قلعے میں دراڑیں ڈالنا اس وقت آسان ہو جاتا ہے جب یا تو زندگی عبادات سے خالی ہو جائے یا عبادات سے ان کی اصل روح اور تاثیر نکل جائے اور بقول اقبالؒ نوبت 'رہ گئی رسمِ اذاں، رُوحِ بلالی نہ رہی' تک پہنچ جائے اور معاملہ وہ بن جائے کہ: 'نماز و روزہ و قربانی و حج ...... یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں'۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مردم شماری کے رجسٹر میں ایک آدمی کا نام تو مسلمانوں کی فہرست میں ہو لیکن اس کی مسلمانیت ختم ہو گئی ہو۔ اخلاق ایک قلعہ ہے اور ایمان اس کی قوت اور اسلحہ۔ شیطان کی کوشش ہوتی ہے کہ اخلاق کی فصیل توڑ کر اس اسلحے کو لوٹ لے جائے۔ وہ میلانات و ترغیبات کے ذریعے اس قلعے کی فصیل توڑتا اور اس کے اطراف و جوانب میں دراڑیں ڈالتا ہے۔ ایک دفعہ اس قلعے کی اینٹیں اکھڑنے لگیں تو پھر نہ ایمان سلامت رہتا ہے اور نہ مسلمانیت برقرار رہتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابن جریر طبری، ابن حبان، ہیثمی اور دیگر محدثین نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک مومن جب زنا، شراب نوشی اور چوری جیسے کبیرہ گناہوں اور اخلاقی جرائم کا ارتکاب کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان سلب کر لیا جاتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی آدمی ایمان کا دعویٰ بھی رکھتا ہو اور وہ ایسے

Marfat.com

اخلاقی جرائم کا ارتکاب بھی کرتا رہے۔

عبادات میں نماز کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔نماز تعلق باللہ کا سب سے بڑا مظہر ہے۔اسی سے پتہ چلتا ہے کہ بندے کا اپنے رب سے کیسا اور کتنا تعلق ہے۔نماز کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے نماز کی سخت اور بہت زیادہ تاکید کی ہے۔قرآنِ پاک میں سینکڑوں بار نماز قائم کرنے کی تلقین ہے۔حدیث میں آیا ہے کہ: 'قیامت کے روز بندے سے سب سے پہلے جس چیز کا حساب ہو گا وہ نماز ہے اور جس معاملے کا سب سے پہلے فیصلہ ہو گا وہ خون ہے۔' ❶

نماز بے حیائی اور دیگر بے شمار منکرات سے بچاتی ہے۔ایک مومن کے تعمیرِ سیرت اور تشکیلِ اخلاق میں نماز کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے۔ اخلاق ایک قلعہ ہے اور ایمان شیطانی حملوں سے بچاؤ میں ہتھیار کا کام کرتا ہے۔قلعہ مسمار ہو جائے تو خالی ہتھیار سے تا دیر مقابلہ مشکل ہو جاتا ہے۔شیطان اس قلعے میں رخنے اور روزن ڈالنے کی کوشش کرتا ہے اور نماز یہ روزن بھرتی ہے۔نماز دین کا ستون ہے۔دین کی ساری عمارت نماز پر کھڑی ہے۔جب ستون منہدم ہو جاتا ہے تو عمارت خود بخود زمیں بوس ہو جاتی ہے۔دین کی اقامت کا انحصار نماز کی اقامت پر ہوتا ہے۔نماز کی یہی اہمیت ہے جس کی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ 'قیامت کے روز بندے سے سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اور جس معاملے کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ خون ہے۔' ❷

نماز زندگی سے نکل جائے تو پھر برائیوں کی یلغار میں اخلاقی سرمائے کے بچاؤ کے امکانات نہیں رہتے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ﴾ (العنکبوت:45)

''اے نبیؐ، تلاوت کرو اس کتاب کی جو تمہاری طرف وحی کے ذریعہ سے بھیجی گئی

❶ صحیح الترغیب /البانی۔ ❷ الصحیح الجامع /البانی۔

Marfat.com

ہے اور نماز قائم کرو، یقیناً نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے......''

تَنْھٰی کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ نماز بے حیائی اور دیگر برائیوں سے روکتی اور باز رکھتی ہے۔ دوسرا مطلب فحشآء اور منکرات میں پڑنے سے منع کرنا (prohibit) ہے۔ سورۃ النحل کی آیت:90 میں جس پر کم و بیش چودہ سو سال سے عموماً جمعہ کے دوسرے خطبے کا اختتام ہوتا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ حکم دینے اور منع کرنے والا خود اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۞ ﴾

''اللہ عدل، احسان اور صِلہ رحمی کو حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے تا کہ تم سبق سیکھو۔''

دونوں آیتوں میں حکم کی تعمیل اور مناہی سے رکنے، باز رہنے اور منع ہو جانے کا انحصار اس آدمی کی نیّت اور ارادے پر ہے جسے حکم دیا جا رہا ہے یا روکا جا رہا ہے۔ اس کی مثال کسی خطرناک بیماری میں مبتلا کسی مریض جیسی ہے، جسے ڈاکٹر یا حکیم نے دوائیں دیتے ہوئے مقررہ مقدار میں اور مقررہ وقت پر تجویز کردہ دوائیں لینے کی ہدایت کی ہو اور ساتھ سختی سے یہ بھی بتا دیا ہو کہ فلاں فلاں چیزوں سے پرہیز کیا جائے۔ اب دوا اسی صورت میں اثر کرے گی اور صحت بخش ثابت ہو گی جب ہدایات کے مطابق ٹھیک وقت پر بتائی گئی مقدار میں لی جائے اور جن چیزوں سے پرہیز کی تاکید کی گئی ہو ان سے پوری طرح پرہیز کیا جائے۔ نماز میں بے حیائی کے کاموں اور برے اعمال سے روکنے کی زبردست خاصیت اور پوری تاثیر موجود ہے لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ نماز کا اصل مُحرّک یہ احساس ہو کہ یہ اس لیے ادا کرنی ہے کہ پیدا کرنے والے ربّ نے نماز ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے پیچھے یہ نیّت بھی کارفرما ہو کہ اس سے تزکیۂ نفس، اصلاحِ ذات اور تعمیرِ اخلاق کے مقاصد حاصل کرنے ہیں۔ یہ شعور بھی ہو کہ نماز بھی پڑھی جائے اور برائیوں اور فحشات کو ترک بھی نہ کیا جائے تو یہ شرارت اور فسادِ باطن کسی اصلاح سے ہمکنار کرنے کے بجائے پہلے سے بھی بڑے فساد میں

Marfat.com

مبتلا کر دے گا۔نماز کی روح اور اس کی ظاہری شرائط کو ملحوظ نہ رکھنے والی نمازوں کے بارے میں ہی انسانیت کے مربیِ اعظم ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ منافقین کی نمازیں ہیں جن میں اللہ کو تو کم ہی یاد کیا جاتا ہے۔حضور ﷺ کی ایک حدیث سے ہمارے سامنے سورۃ العنکبوت کی درج بالا آیت کی بہترین تشریح آتی ہے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ: 'کیا تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر بہ رہی ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ بار غسل کرے تو کیا اس کے بدن پر میل رہ سکتی ہے؟' صحابہؓ نے عرض کیا: 'نہیں یا رسول اللہ، ایسی صورت میں کوئی میل نہیں رہے گی۔'

آپؐ نے فرمایا: 'نماز کی یہی مثال ہے، یہ خطاؤں (اور خامیوں اور خرابیوں) کو مٹا ڈالتی ہے۔'[1]

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بندگی کا سچا جذبہ ہو تو نماز میں داخل ہونے سے پہلے اس کی تیاری ہی سے تزکیہ و تطہیر اور گناہوں سے نجات کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔رسول پاک ﷺ کی صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ بندۂ مومن جب وضو کرتا ہے تو اس کے چہرے، ہاتھوں اور پاؤں میں سے جو جو عضو وضو کے پانی سے دھلتا ہے اس پر سے گناہوں کے اثرات مٹ جاتے ہیں اور وہ پاک ہو جاتے ہیں۔

نماز سے اسی آدمی کو اصلاحِ ذات اور تزکیہ و تطہیر سیرت و کردار کی منزل ملتی ہے جس کی نیت میں یہ اثرات اور ثمرات حاصل کرنا ہو۔اگر کوئی شخص محض اس ارادے سے نماز پڑھتا ہو کہ اس کے اعضا اور پٹھوں کی ورزش ہو جائے یا وہ پابندیِ وقت کا عادی ہو جائے تو شاید وہ وقت کا پابند بن جائے اور اس کے جسم کے اعضا میں چستی بھی آ جائے لیکن چونکہ اخلاق کی تعمیر اور باطن کی صفائی اس کی نظر میں ایسی ہلکی چیز ہے کہ اس کے لیے اس کا حاصل ہونا، نہ ہونا برابر ہے تو اس کو نماز فحش اور برے کاموں سے نہیں روکتی۔نماز وہ دوا ہے جس میں پرہیز

[1] مُتفقٌ عليه.

Marfat.com

کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ متعدد احادیث میں ہمارے سامنے یہ حقیقت آتی ہے کہ جسے اس کی نماز نے فحش اور برے کام سے نہ روکا وہ سرے سے اس کی نماز ہے ہی نہیں۔ جو نماز بھی پڑھتا ہے اور بداعمالیوں اور نافرمانیوں سے باز بھی نہیں آتا، اس کی نماز نے گویا اسے اللہ سے اور زیادہ دور کر دیا۔ نماز کے نام پر خواہ وہ اٹھنے بیٹھنے اور جھکنے کی کتنی ہی مشقیں کرے یہ حرکات عبادت کے رکوع و سجود اور قیام وقعود کے نفسیاتی اور روحانی اثرات پیدا نہیں کر سکتیں۔ ایسے آدمی کو وہ نماز نصیب ہی نہیں ہوتی جو منکرات اور معصیت سے روکتی ہے۔ نماز کی قبولیت کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ نمازی کس حد تک اخلاقی برائیوں اور نافرمانیوں سے بچتا ہے۔ جس کے دل میں اللہ کی عظمت کا احساس اور اس کے رویے میں عاجزی اور تواضع پیدا نہ ہو اور وہ اپنے آپ کو شہوات سے دور اور معصیت سے پاک نہ رکھتا ہو اس کی نماز کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ قرآن مجید میں ایمان والوں کی یہ خصوصیت بتائی گئی ہے کہ ان کو جب بھی کہیں قوتِ نافذہ حاصل ہوتی اور تمکن و اقتدار ملتا ہے تو وہ نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کرتے ہیں اور ساتھ اجتماعی ماحول کو اخلاقی خرابیوں اور عملی بگاڑ سے بچانے کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا آپریشن بھی جاری رکھتے ہیں تا کہ معاشرہ فحاشات اور منکرات کی دلدل میں دھنسے سے محفوظ رہے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ ﴾ (الحج:41)

''(اللہ کی مدد کرنے والے) یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکاۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔ اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''

مدینہ منورہ اور اسلامی ریاست کے دیگر بڑے مراکز میں نماز کا ایسا ماحول بن گیا تھا کہ مسلمان تو مسلمان منافق بھی پنج وقتہ باجماعت نماز میں ضرور شامل ہوتے تھے، خواہ قَامُوْا کُسَالٰی کی تصویر بن کر ہی اٹھتے تھے، اور تزکیۂ نفس اور تعمیرِ سیرت ان کا مقصود بھی نہیں ہوتا

Marfat.com

تھا۔ مسلمان معاشرے میں نماز سے تشکیل پانے والی ایسی کردار ساز اور روحانیت خیز فضا تھی کہ منافقین کے سوا کم ہی کوئی مسلمان اس فضا کی برکات سے بلا وجہ محروم رہتا تھا۔ اس کے باوجود اس امر کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے نبی مکرّم ﷺ نے فرمایا: "اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ میں حکم دوں کہ لکڑیاں اکٹھی کرو، پھر میں نماز اور اذان کا حکم دوں، اپنی جگہ امامت کے لیے کسی اور کو کھڑا کر کے ان لوگوں کے گھروں کو جا کر آگ لگا دوں جو نمازِ باجماعت میں (بغیر کسی شرعی عذر کے) شامل نہیں ہوتے۔"[1]

زکوٰۃ وصدقات اور تزکیۂ نفس

اسلام جس تہذیب وتمدّن کو لے کر آیا اس کی بنیادیں اخلاقی تعمیر وترقی اور انسان کے ظاہر و باطن کی پاکیزگی اور اصلاح پر رکھی گئی ہیں۔ یہ اہلِ ایمان کو ایمانی و روحانی روشنی میں مادی زندگی کا سفر طے کراتا ہے۔ دنیا کو مٹھی میں لینے کی اجازت دیتا ہے لیکن دل میں بسانے سے منع کرتا ہے۔ علائقِ دنیا سے کاٹتا نہیں، بس یہ کہتا ہے کہ آخرت کو بھول کر صرف دنیا کے ہو کر نہ رہ جاؤ۔ بندہ جب اپنی زندگی کی کشتی کو دنیا کے سمندر کی لہروں پر ڈالتا ہے تو اسلام بار بار یہ انتباہ کرتا ہے کہ کشتی پانی کی سطح کے اوپر رواں دواں رہنی چاہیے۔ کشتی کے اندر پانی داخل ہو گیا تو یہ غرق ہو جائے گی۔ انسان کی آزمائش یہ ہے کہ بیوی بچوں اور مال ومتاع کی محبت اس کی فطرت میں رکھ دی گئی ہے۔ خالقِ کائنات اس محبت سے روکتا نہیں لیکن وہ انسانی رشتوں اور سامانِ دنیا سے بلند تر اور کہیں زیادہ اعلیٰ وارفع مقاصد پر نظر رکھنے کا حکم دیتا ہے۔

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝۱۴ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ

[1] مُتفقٌ عليه.

Marfat.com

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ ۚ (الِ عمران: 14، 15)

''لوگوں کے لیے مرغوباتِ نفس......عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں۔۔۔بڑی خوش آیند بنا دی گئی ہیں، مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں۔حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے۔کہو: میں تمہیں بتاؤں کہ اِن سے زیادہ اچھی چیز کیا ہے؟ جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں اُن کے لیے اُن کے رَب کے پاس باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہاں انہیں ہیشگی کی زندگی حاصل ہوگی، پاکیزہ بیویاں اُن کی رفیق ہوں گی اور اللہ کی رضا سے وہ سرفراز ہوں گے، اللہ اپنے بندوں پر گہری نظر رکھتا ہے۔''

دنیا کی اس حقیقت کو اتنا کھول کر بیان کیا گیا ہے۔سامانِ دنیا کو نہ قطعی حرام ٹھہرایا گیا اور نہ کر اس کی رغبت وطلب کو گناہ قرار دیا گیا۔ان کے حصول کے لیے جدوجہد سے منع بھی نہیں کیا گیا لیکن ان کے مقابلے میں بلند تر اور دائمی چیز کی بھی صاف نشاندہی کر دی گئی ہے۔وہ ہے اللہ کی رضا اور آخرت کے انعامات۔لیکن انسان حاضر و موجود کے دھوکے سے نکلتا نہیں اور آخرت کے موعود کا صبر کے ساتھ انتظار نہیں کرتا۔ربِ حکیم وخبیر نے سورۃ تغابن میں اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ کہہ کر بتا دیا کہ اولاد اور اموال انسان کے لیے فتنہ یعنی ایک آزمائش ہیں۔اللہ جانچتا ہے کہ کون ان کو اللہ کی رضا کا ذریعہ بناتا اور اپنے نفس کی پاکیزگی اور نماز کی صورت میں قُرب وتعلقِ الٰہی کے عمل میں رکاوٹ نہیں بننے دیتا اور کون ان کو اپنا مقصود ومطلوبِ حقیقی سمجھتا ہے اور انہیں اپنے اور خالق و مالکِ حقیقی کے درمیان دیوار بنا کر حائل کر لیتا ہے۔عام مشاہدہ یہی ہے کہ اولاد اور اموال وہ فتنہ ہیں جو انسان کے اخلاق کے لیے دیمک بن کر اسے چاٹتے اور اس کے نفس کی پاک شفاف سطح پر گرد وغبار بن کر چھائے رہتے ہیں۔درج ذیل چار آیات میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

Marfat.com

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝﴾ (الاعلیٰ: 14 تا 17)

''فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی۔ مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔''

زمین پر اس وقت جتنے مذاہب کی پیروی ہو رہی ہے، خواہ وہ انبیاء کی تعلیمات اور اللہ کی نازل کردہ کتابوں سے منسوب ہوں یا جن کی اللہ کے کسی رسول اور اور کسی آسمانی کتاب سے کوئی نسبت نہ ہو، کسی مذہب نے معیشت و اقتصادیات کو اس وسعت اور ہمہ گیری کے ساتھ اپنا موضوع نہیں بنایا جس اہتمام اور توجہ کے ساتھ زندگی کا یہ اہم شعبہ قرآنِ حکیم اور رہبرِ انسانیت جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں زیرِ بحث آیا ہے۔ اس وقت ہمارے پیشِ نظر اسلام کے معاشی نظام کی تفصیلات بیان کرنا نہیں۔ میری کتاب 'انفاق فی سبیل اللہ' میں اس نظام کے تقریباً تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہاں مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ اسلام کا تیسرا رکن زکوٰۃ اور صدقاتِ نافلہ انسانی اخلاقی اصلاح، تعمیرِ سیرت اور تزکیۂ نفس میں کس قدر ممد و معاون بنتے ہیں۔ زکوٰۃ ایک مالی عبادت ہے۔ سورۃ توبہ کی جس آیت میں اس کی مدّات کی تفصیل آئی ہے وہاں صدقہ کا مطلب تمام فقہاء، علماء، مفسّرین اور محدثین نے زکوٰۃ ہی لیا ہے۔ عام طور پر صدقات سے نفلی انفاق مراد ہوتی ہے۔ زکوٰۃ اگرچہ فرض تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی دورِ نبوّت ہی میں ہو گئی تھی لیکن اس کے تفصیلی احکام مدینہ منوّرہ میں ہجرت کے دوسرے سال سے نازل ہونا شروع ہوئے اور اسے اسلام کے جامع معاشی نظام کی صورت دی گئی۔ تمام مسلمان اپنی نمازوں میں قعدہ کی حالت میں اپنے رب کے سامنے ایک بندگانہ اقرار کی دن میں کئی کئی بار تجدید و تکرار کرتے ہیں۔ اس اقرار کے الفاظ ہیں: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَ الصَّلَوٰاتُ وَالطَّيِّبٰتُ یعنی تمام قولی، فعلی اور مالی عبادات صرف اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کے لیے ہیں۔ طَيِّبٰت کی اصطلاح یہاں اس حلال اور پاک مال کے لیے

Marfat.com

استعمال ہوئی ہے جس سے زکوٰۃ اور نفلی صدقات نکالے جاتے ہیں۔ جدید مغربی تہذیب سمیت ہر جاہلی تہذیب میں معیشت کی بنیاد سود خوری پر رکھی گئی، جب کہ اسلامی نظامِ معیشت کی عمارت زکوٰۃ وصدقات کی صورت میں اِنفاق پر اٹھائی گئی۔ قرآن پاک میں جس قدر تاکید نماز کی کی آئی ہے، اتنی ہی تلقین زکوٰۃ اور اِنفاق کی ہوئی ہے۔ جہاں جان سے جہاد کا تقاضا کیا گیا وہاں ساتھ ہی مال سے جہاد کا مطالبہ بھی ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرۡبِى الصَّدَقٰتِ ؕ﴾ (البقرة:276)

''اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔''

نبی ﷺ کی ایک حدیث صدقات کے اجر وثمر کی عمدہ تفسیر بیان کرتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: 'اللہ تعالیٰ (صدقے میں دی گئی) تمہاری ایک کھجور یا ایک لقمے (کے روحانی اور مادی اثرات) کو اس طرح نشو ونما دیتا ہے جس طرح تمہارے گھوڑے یا اونٹ کا بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ (کھجور یا لقمہ اجر وثواب کی صورت میں) بڑھ کر اُحد پہاڑ جتنا ہو جاتا ہے۔' ❶

سرورِ دو عالم ﷺ نے اعمال کے نتائج واثرات کو دنیوی زندگی کے محدود دائرے سے نکال کر آخرت سے جوڑا۔ آپؐ نے بتایا کہ ہر نیک عمل سے اللہ رضا اور خوشنودی اور آخرت کی کامیابی کا موجب بنتا ہے۔ اس کے برعکس ہر عملِ بد اللہ جلّ شانہٗ کے غیض وغضب کا سبب بنتا ہے اور بد اعمالیوں کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔ صدقہ کی تزکیہ کار اور اخلاق ساز روح کی وجہ ہی سے آپؐ نے شیریں گفتاری اور خندہ پیشانی جیسے اخلاقی وصف کو صدقے میں شمار کیا۔ فرمایا: 'ہر نیک عمل صدقہ ہے، ان نیک اعمال میں یہ بھی صدقہ ہے کہ تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملے۔' ❷

ایک بار آپؐ نے فرمایا: 'تمہیں دوزخ کی آگ سے اپنے بچاؤ کی فکر کرنی چاہیے، خواہ

---

❶ صحیح ابن حبان، الترغيب و الترهيب لالمنذری.

❷ ترمذی/ صحیح الادب المفرد.

Marfat.com

یہ بچاؤ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی صدقہ میں دے کر ہو۔ اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو بھلی اور اچھی بات ہی کر دو۔‘‘ ❶

مال ہر فرد کی اپنی زندگی کا قوام بھی ہے اور خُدا کے بندوں کے کام آنے اور ان کی فلاح و بہبود کے لیے بھی یہی مال ذریعہ بنتا ہے۔ لیکن اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا کی خاطر اس کی مخلوق کی بھلائی کے کاموں میں مال خرچ کرنے کے راستے میں دل کی تنگی یعنی یہ بخل سب سے بڑی رکاوٹ بنتا ہے۔ اللہ عزَّ وجلَّ نے فرمایا:

﴿ ... وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾

(الحشر:9/التغابن:16)

’’حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔‘‘

شیطان نیکی کے راستوں پر بیٹھا پہرا دیتا رہتا ہے تاکہ اہلِ ایمان کو نیکی سے دور کر دے۔ اس کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ اِنفاق فی سبیلِ اللہ کے عمل میں روک لگا کر نفوس اور اموال میں طہارت پیدا نہ ہونے دے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو اسی خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ (البقرۃ:268)

’’شیطان تمھیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرزِ عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے، مگر اللہ تمھیں اپنی بخشش اور فضل کی اُمید دلاتا ہے۔ اللہ بڑا فراخ دست اور دانا ہے۔‘‘

نیکی اللہ کے پسندیدہ اعمال اور انسانی اخلاق کے حمیدہ اوصاف کا نام ہے۔ شیطان نیکی کے راستوں پر تاک لگا کر بیٹھا رہتا ہے تاکہ لوگوں کو یہاں سے بھٹکا کر بے حیائی کی راہ پر

❶ صحيح الجامع لالباني.

Marfat.com

ڈال دے۔ قرآن وحدیث میں فحش کاموں میں جو جو روشاتِ بدشامل بتائی گئی ہیں ان میں حرص و ہوس اور بخل بھی شامل ہے۔ شیطان ان خصلتوں کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نیکی کو پہنچنے کے لیے ایک راستہ یہ مقرر کیا ہے کہ آدمی اپنے دل پسند اور مرغوب مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ ارشاد ہے:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ﴾ (الِ عمران :92)

”تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو۔“

اللہ کی راہ میں فرض زکوٰۃ اور نفلی صدقات کی صورت میں اِنفاق نیکی تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ اس سے بظاہر مال نکلتا اور کم ہوتا ہوا کھائی دیتا ہے۔ شیطان اسی کمی کا خوف دلاتا ہے۔ اللہ اُمید دلاتا ہے کہ بظاہر جو تمہیں کمی نظر آتی ہے حقیقت میں یہ کمی ہرگز نہیں ہے۔ اپنے لُغوی معنوں کے لحاظ سے زکوٰۃ مال میں نشوونما، برکت اور ترقی کی موجب بنتی ہے۔ انفاق کرنے والے کے نفس اور مال میں حسی اور معنوی طہارت اور تزکیہ پیدا ہوتا رہتا ہے۔ کاروبار میں فروغ اور ترقی آتی ہے۔

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ﴾
(التوبہ :103)

”اے نبیؐ، تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو اور ان کا تزکیہ کرو (نیکی کی راہ میں انہیں بڑھاؤ) اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرو۔“

یہاں نفس کے تزکیہ اور مال کی پاکیزگی کی یہی حقیقت سمجھائی گئی ہے۔ اس عمل کا ایک فائدہ وہ ہوتا ہے جس کا ہمارے اس موضوع سے گہرا تعلق ہے۔ یعنی اِنفاق فی سبیلِ اللہ قلبی طمانیت، روحانی بالیدگی اور نفسانی پاکیزگی کا سب سے بڑا ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ اس سے انسان کی باطنی کثافتیں رفع ہوتی ہیں۔ حرص و بخل جیسے اخلاقی امراض سے نجات ملتی ہے۔ زکوٰۃ وصدقات کے نتائج ان معنوی فوائد تک ہی محدود نہیں ہوتے۔ ان سے اجتماعی

Marfat.com

نظامِ اقتصاد و معاشرت میں ایسا استحکام آتا ہے جس کے دوررس دنیاوی ثمرات پلٹ کر اِنفاق کرنے والے تک پہنچتے ہیں۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام میں، جہاں محبت، توجہ، حاضر باشی، محنت اور خدمت و اطاعت جو تمام خالقِ کائنات کے حقوق ہیں وہ سرمائے کے لیے وقف کر دیے گئے ہیں، ناپ تول اور گنتی کی روشنی میں تو سرمایہ دارانہ سودی معیشت میں مال بڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے لیکن اس اضافے سے ان معاشروں میں نہ قناعت پیدا ہوئی اور نہ شکر گزاری آئی ہے، نہ ان کی روح کا اضمحلال دور ہو رہا ہے اور نہ وہ قلب کی بے اطمینانی سے چھٹکارا پاتے ہیں۔ اخلاقی زوال ہے کہ اس کا کوئی مداوا نہیں ہو رہا ہے۔ لوگوں کو ان کی بے لگام خواہشاتِ نفس کی پوجا میں لگا دیا گیا ہے۔ سائنسی علوم کی ترقی اور مادّی فکر اور نام نہاد روشن خیالی نے وہ صورت بنا دی ہے جس کی تصویر اللہ کی کتاب میں تقریباً ساڑھے چودہ سو سال پہلے کھینچ دی گئی تھی۔:

﴿ اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـہَہٗ ہَوٰىہُ وَ اَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلۡمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰی سَمۡعِہٖ وَ قَلۡبِہٖ وَ جَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشٰوَۃً ؕ فَمَنۡ یَّہۡدِیۡہِ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰہِ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۲۳﴾ وَ قَالُوۡا مَا ہِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا نَمُوۡتُ وَ نَحۡیَا وَ مَا یُہۡلِکُنَاۤ اِلَّا الدَّہۡرُ ۚ وَ مَا لَہُمۡ بِذٰلِکَ مِنۡ عِلۡمٍ ۚ اِنۡ ہُمۡ اِلَّا یَظُنُّوۡنَ ﴿۲۴﴾ ﴾ (الجاثیہ:23، 24).

’پھر کیا تم نے کبھی اُس شخص کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا خُدا بنا لیا اور اللہ نے علم کے باوجود اُسے گمراہی میں پھینک دیا اور اُس کے دل اور کانوں پر مُہر لگا دی اور اُس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا؟ اللہ کے بعد اب کون ہے جو اُسے ہدایت دے؟ کیا تم لوگ کوئی سبق نہیں لیتے؟ یہ (مادّہ پرست) لوگ کہتے ہیں کہ ’زندگی بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے، یہیں ہمارا مرنا اور جینا ہے اور گردشِ ایام کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو۔‘ در

Marfat.com

حقیقت اِس معاملہ میں اِن کے پاس کوئی علم نہیں ہے۔محض گمان کی بنا پر باتیں کرتے ہیں'

روزہ اور تربیت وتزکیہ نفس

ماہِ رمضان میں انتیس یا تیس دن کی روزہ داری دین کے پانچ ارکان میں سے چوتھا رکن ہے۔ روزے کے بدن کی زکوٰۃ ہونے کے موضوع پر کتبِ احادیث میں ہمیں جو چند روایات ملتی ہیں وہ کہیں بعض راویوں کے قابلِ اعتبار نہ ہونے کی وجہ سے اور کہیں سند کی کمزوری کی وجہ سے قابلِ حوالہ نہیں ہیں۔ تاہم روزے کی کیفیات سے انسانی مزاج اور اخلاق پر جو اثرات سے پڑتے ہیں ان کو دیکھ کر بلا خوفِ تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ روزہ دار کو اس عبادت سے باطن کی جو توانائی اور روح کی جیسی روشنی ملتی ہے وہ اپنے وزن میں اس نفسانی طہارت اور اخلاقی بلندی سے کسی طرح کم نہیں ہوتی ہے جو زکوٰۃ اور صدقات کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ اخلاص اور لِلّٰہیّت کے جذبے سے ہونے والے اِنفاق کے نتیجے میں نہ صرف مال میں کمی کا احساس نہیں ہوتا بلکہ صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس عمل سے اللہ کی رحمتیں اور برکتیں شاملِ حال ہوگئی ہیں۔ اِنفاق کرنے والے لوگ حسی طور پر بھی اپنے مال میں افزونی اور ترقی کو صاف دیکھتے ہیں۔ عین اسی طرح ایک مسلمان جب روزے کے عمل سے بدن کی زکوٰۃ دیتا ہے تو ظاہراً اس پر ایک نقاہت طاری ہوتی ہے اور بدن کچھ گھلتا ہوا نظر آتا ہے لیکن رمضان کے آغاز سے اختتام تک ہر ختم ہونے والے دن صاف محسوس ہوتا ہے کہ روزہ دار کی باطنی اور روحانی قوت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ رمضان میں اہلِ ایمان کی زندگی کے سارے معمولات میں ایک بہت بڑا تغیّر واقع ہوتا ہے۔ سونے جاگنے اور کھانے پینے کے معمولات یکسر بدل جاتے ہیں۔ انسانی عادتیں بھی نشے کی طرح ہوتی ہیں۔ انسان ان کا ایسا اسیر ہو جاتا ہے کہ ان میں ذرا سا فرق اس کے لیے وبال ثابت ہوتا ہے۔ بسیار خوری کی عادت ہو یا بسیار خوابی اور بسیار کلامی کی، رمضان کی سرگرمیوں میں ان عادتوں کی پابندی بڑی حد تک ٹوٹ جاتی ہے۔ ماحول اور اس کے معمولات میں تبدیلی سے عادات کی غلامی کی

Marfat.com

زنجیر کی کڑیاں ایک ایک کر کے کھلتی چلی جاتی ہیں۔ غصے اور انتقام کے بے لگام جذبات ہوں یا جنسی ہوس اور شکم کی بھوک، یہ سب شہوات اخلاق کے بہت بڑے غارت گر ہیں۔ ان شہوات پر قابو پانے کی عملی مشق کے لیے روزہ فرض کیا گیا ہے۔ رمضان کو صبر کا مہینہ کہا گیا ہے۔ اس ماہِ مبارک میں روزہ دار کی اپنے پیٹ اور شرم گاہ سے تعلق رکھنے والی خواہشات کو صبر کی لگام پہنانے کی جو کوشش کرتا ہے وہ کامیاب ہوتی ہے۔ صحیحین کی ایک حدیث میں جنسی جذبات کو اعتدال میں لانے کے لیے روزے کا نسخہ استعمال کرنے کی تلقین آئی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اے نوجوانو! تم میں سے جو استطاعت رکھتا ہے وہ نکاح کر لے۔ جس کے پاس نکاح کے اسباب نہ ہوں اسے چاہیے کہ وہ روزے رکھے۔ روزہ شہوت کی طاقت کو توڑتا ہے۔''

قرآن مجید میں بتایا گیا ہے کہ روزے کی غرض و غایت تقویٰ کی صفت راسخ کرنا ہے۔ فرضیتِ روزہ کے بارے میں پہلی آیت میں ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة:183)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تمہارے اندر تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔''

نماز کی طرح روزے کا اہتمام بھی رسول اللہ ﷺ کے مکی دورِ دعوت کے دوران ہی میں ہو گیا تھا۔ ابتدا میں ہر ماہ تین روزے رکھنے کا حکم تھا۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد پورے رمضان کے روزے فرض ہو گئے۔ اوپر درج آیتِ کریمہ میں ایک تو روزے کی فرضیت کا ذکر ہے اور ساتھ اس کی اصل غرض بتائی گئی ہے کہ روزے سے مقصود پرہیز گاری اور خدا خوفی کی صفت ہے۔ پہلے یہ سہولت رکھی گئی کہ اگر ایک آدمی روزہ رکھنے کی طاقت ہونے کے باوجود روزہ نہ رکھنا چاہے تو وہ فدیہ کے طور پر ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو دو وقت کا

Marfat.com

کھانا کھلا دے۔اس حالت میں بھی یہ احساس دلا دیا گیا تھا کہ روزہ رکھنا ہی بہتر ہے۔اس کے بعد جو دوسرا حکم صادر ہوا اس میں صرف مریض اور مسافر کو اس وقت تک روزہ چھوڑنے کی رعایت دی گئی جب تک مرض رفع نہیں ہوتا یا سفر سے واپسی نہیں ہوتی۔مریض پر تندرست ہو کر اور مسافر پر گھر لوٹ کر چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا لازم قرار دی گئی۔

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَ مَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾﴾ (البقرۃ:185)

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ، راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔لہٰذا اب سے جو شخص اِس مہینے کو پائے، اس کو لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو، تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے۔اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا۔اِس لیے یہ طریقہ تمہیں بتایا جا رہا ہے تا کہ تُم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے، اُس پر اللہ کی کبریائی کا اِظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔''

تقویٰ گناہوں سے بچاؤ اور شیطان کے حملوں سے نفس کی حفاظت کا انتظام ہے۔اردو میں تقویٰ کا ایک ترجمہ 'پرہیز گاری' بھی کیا جاتا ہے۔کسی چیز سے پرہیز اسی لیے کیا جاتا ہے کہ اس کے منفی اور سخت ضرر رساں اثرات کا ڈر ہوتا ہے۔یوں ڈر کی وجہ سے کیا جانے والا پرہیز تقویٰ بن جاتا ہے۔اللہ کی نافرمانی سے بچنے کو تقویٰ اسی لیے کہتے ہیں کہ اللہ کی پکڑ بڑی سخت اور نافرمانی کے اخروی نتائج بڑے ہولناک ہیں۔دینی اصطلاح میں اپنے نفس

Marfat.com

کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے امکانات و اثرات سے محفوظ رکھنے کی شعوری کوشش کا نام تقویٰ ہے۔ انسان جب اس دنیا میں ایسی احتیاط اور چوکسی کے ساتھ زندگی گزارے جیسے کانٹوں بھری جھاڑیوں سے گزرنے والا کوئی آدمی لباس کو جھاڑی میں الجھنے اور پاؤں کو کانٹے کی چبھن سے بچانے کے لیے دیکھ دیکھ کر قدم رکھتا ہے تو گویا اس نے تقویٰ اختیار کر لیا۔ شیطان آدمی پر اسی وقت حملہ آور ہوتا ہے جب نفس پر غفلت کے پردے پڑ جاتے ہیں۔ نفس کا اس حد تک دنیا پرستی کی دھول میں دب جانا غفلت ہے کہ آدمی کی ہدایت کا نور اخذ کرنے کی صلاحیت جواب دے جائے۔ اس صلاحیت کو ضائع ہونے سے بچانا بھی تقویٰ ہے۔ تقویٰ شیطانی حملوں سے بچاؤ میں وہی کام کرتا ہے جو موسم کی سختیوں میں موزوں ترین لباس یا دشمن کے حملوں کے دوران میں ڈھال اور زرہ بکتر کام کرتی ہے۔ ایمان والوں کو پیٹ اور شرم گاہ سے تعلق رکھنے والی شہوتوں کے راستے شیطانی حملوں کا سب سے زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔ پیٹ کی شہوت سے مراد صرف بھوک ہی نہیں بلکہ مال و دولت کی حرص اور بخل بھی اسی کا شاخسانہ ہیں۔ یہ پیٹ اور شرم گاہ کی شہوت ہی ہے جو دنیا کو مادّہ پرستی کی رزم گاہ بناتی اور غیض و غضب اور حسد و رقابت کے شعلے بھڑکاتی اور فتنہ و فساد برپا کراتی ہے۔ اس شہوت کے آگے ضبط و احتیاط و صبر و استقامت کی دیوار کھڑی کرنے کو تقویٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عبادت کی نیّت سے روزے کا عمل یہ دیوار کھڑی کرنے میں مدد دیتا ہے۔

روزے کی عبادت نے ماہِ رمضان کو تقویم میں یہ امتیاز بخش دیا کہ ایک طرف یہ وہ کھیتی بن گیا جس میں تقویٰ کی فصل اگتی ہے اور دوسری طرف قیامت تک کے لیے انسانیت کی ہدایت کے لیے جو کتاب...... قرآن مجید...... آئی اس کے نزول کا آغاز اسی مہینے کی ایک رات...... لیلۃ القدر...... میں ہوا۔ لیلۃ القدر کو ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہونے کی فضلیت اس کتابِ پاک کی وجہ ہی سے ملی۔ قرآن پاک کو هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (پرہیز گاروں کے لیے ہدایت) کہا گیا ہے۔ ہدایت کی فصل دل کی اسی کھیتی میں اگتی، لہلہاتی اور حاصل دیتی ہے جس کو تقویٰ نے زرخیز بنایا ہو۔ کتابِ ہدایت کا نزول رمضان میں ہوا اور تقویٰ کو دلوں میں

Marfat.com

بٹھانے کے لیے اسی ماہِ مبارک میں روزے کی عبادت اُمت پر فرض کی گئی۔ عباداتِ صیام و قیام سے جن ایمان والوں کو جوہرِ تقویٰ نصیب ہوجاتا ہے وہ سارا سال ان کے اخلاق اور تزکیۂ نفس دونوں کی حفاظت کرتا ہے۔ شیطان اللہ کے احکام سے انحراف کی دل میں جو بھی تحریک اٹھاتا، تقویٰ اسے دبا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مدنی سورتوں میں جہاں جہاں حلال و حرام، معروف و منکر کے بارے میں احکام آئے ہیں ان کے آگے پیچھے اکثر مقامات پر تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید ہمیں ضرور ملتی ہے۔ دنیا والوں نے انسان کی عزت و وقار اور قدر و منزلت کے لیے خواہ کیسے ہی جعلی معیارات گھڑ رکھے ہوں، اسلامی معاشرے میں ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اللہ کی نظر میں انسانی شرف و اِکرام کا پیمانہ صرف تقویٰ ہے۔ قُرآنِ پاک اس حقیقت کو ان الفاظ میں واضح کرتا ہے:

﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴾

(الحجرات:13)

”درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔“

دوسری طرف یہ بتادیا کہ عاقبت کی کامیابی سے ہمکنار کرنے والی خوبی ساری عبادتوں کا مغز اور رُوح یہی تقویٰ ہے۔ قُرآنِ حکیم میں کئی مقامات پر اَلْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ کی خُوش خبری دی گئی ہے یعنی عاقبت کی فوز و فلاح اور انعامات و نوازشات ہیں ہی متقیوں کے لیے۔

تعمیرِ اخلاق تزکیہ اور سیرت سازی میں حج کی تاثیر

اگرچہ توحید و رسالت کے عقیدے کے اظہار کے بعد ایک سچا مسلمان اخلاص اور لِلّٰہیت کے جذبے کے ساتھ جو نیک عمل بھی کرتا ہے وہ عبادت ہی شمار ہوتا ہے۔ لیکن وہ اعمال جن کو ہمارے فُقہاء نے عبادات کے ذیل میں درج کیا ہے اُن میں حج اِس دینِ حنیف کا پانچواں رُکن ہے۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ کہیں بھی کسی فرد نے انبیاء کی دعوت کو نیچا دکھانے کی ٹھانی، کسی گروہ یا ادارے نے سرکشی اور بغاوت کا پرچم اٹھا کر فتنہ و فساد برپا کیا یا کسی صاحبِ

Marfat.com

اقتدار نے اپنی طاقت کا لوہا منوانے کے لیے ظلم و تعدی کو اپنا دستور بنایا، اس کے پیچھے اس کائنات کے خالق و مالک اور حقیقی حاکم کے مقابلے میں اپنی بڑائی قائم کرنے کا طاغوتی جذبہ کارفرما تھا۔ کبریائی کسی مخلوق پر سجنے والا لباس ہے ہی نہیں۔ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ عزّ وجلّ نے فرمایا 'عظمت و شوکت میرا ازار اور کبریائی میری رداء یعنی چادر ہے۔ جس نے اس معاملے میں میرے ساتھ نزاع پیدا کیا میں اس کو عذاب دے کر رہوں گا'[1]

عجز و انکسار اور تواضع اخلاق کے بنیادی اوصاف ہیں۔کوئی شخص عبادت کی نیت سے کوئی فعل بجالاتا ہے تو دراصل وہ اللہ کی عظمت و کبریائی اور اپنے عجز و درماندگی، اپنی بے کسی و نارسائی اور اپنی محتاجی کا اقرار کرتا ہے۔نماز میں قیام وقعود اور رکوع و سجود کی صورت میں جو حرکات ہیں وہ بندے کی عاجزی ہی کی مظہر ہیں۔ ان میں اَللّٰہُ اَکْبَر کی تکرار اسی بات کا اعتراف ہے کہ کبریائی بندے کو نہیں بلکہ رَبُّ العالمین کو زیب دیتی ہے۔ روزے کی غایت تقویٰ اور اس کی روح لِتُكَبِّرُوا اللهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ہے۔یعنی' جس ہدایت سے اللہ نے تمھیں سرفراز کیا ہے، اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو) ہے۔'

ایک صاحبِ استطاعت اور صحت مند مسلمان کے لیے، جسے کسی بدامنی کی وجہ سے سفر میں جان و مال کا خطرہ بھی درپیش نہ ہو، زندگی میں ایک بار حج فرض ہے۔ حج ایسی جھاڑو ہے جو نفس کی ساری آلائشیں اور کثافتیں صاف کر کے حاجی کو ایک نومولود بچے کی طرح گناہوں سے پاک کر کے لوٹاتی ہے۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر عُمرہ کی ادائیگی میں حرم کعبہ کا طواف اور صفا اور مروۃ کے درمیان سعی کے سات سات پھیرے لگانے ضروری ہیں۔آٹھ ذی الحجۃ سے ایک ہنگامی صورتِ حال شروع ہو جاتی ہے۔ منیٰ پہنچنا، اگلے روز دن عرفات میں ظہر اور عصر کی نمازیں ساتھ ساتھ پڑھ کر باقی دن عبادت اور ذکر و دعا میں گزارنا اور اسی شام مزدلفہ جا کر رات وہاں گزارنا ایسے چکر ہیں جن میں مقررہ اوقات میں نیند اور راحت و آرام کے

[1] مسلم۔

Marfat.com

معمولات یکسر پسِ پشت چلے جاتے ہیں۔ اگلے روز پھر منیٰ میں خیمہ زن ہونا اور شیطان کو کنکریاں مارنا کارِ دارد ہے۔ شام طوافِ وداع کے بعد رات گزارنے کے لیے پھر منیٰ میں ڈیرے ڈالنے پڑتے ہیں۔ ان سارے افعال کی مثال ایک واشنگ مشین کی سی ہے جس میں دھونے کے لیے ڈالے ہوئے کپڑے کبھی دائیں پٹخنی کھاتے ہیں تو کبھی انہیں بائیں پلٹا ملتا ہے۔ کبھی وہ ایک دائرے میں زور سے گھومتے ہیں۔ یہ عمل کم از کم تین بار اس طرح دہرایا جاتا ہے کہ ان کے تانے بانے کی تہوں میں جما ہوا مَیل جڑ سے اکھڑ جاتا ہے اور وہ نچڑ کر بے داغ اور اجلے ہو کر نکلتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب کعبۃ اللہ کی تعمیر کے لیے جگہ کی نشاندہی کی گئی تو اسے پاک رکھنے کا حکم ہوا۔ کس مقصد کے لیے؟ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْقَآئِمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ یعنی طوافِ کعبہ کے علاوہ قیام اور رکوع اور سجدہ جیسی ساری اداؤں اور اعمال کے لیے جن سے نماز عبارت ہے۔ فرض روزے ایک سال میں صرف انتیس یا تیس دن کا رُوحانی اور اخلاقی کورس ہیں۔ روزے کی حالت میں ایسی بہت سی چیزیں ممنوع ہو جاتی ہیں جن کی روزہ رکھنے سے پہلے یا اس کے کھلنے کے بعد اجازت ہوتی ہے۔ لڑائی جھگڑا، دنگا فساد، غیبت، مکر و زُور، جھوٹ اور دیگر سارے شنیع افعال سب روزے کی روح کے منافی ہیں۔ اب دیکھیے کہ حج کے معاملے میں بھی بالکل وہی تعلیم ہے:

﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ ۙ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَ اتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ ﴾

(البقرۃ: 197)

''حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں۔ جو شخص اِن مقرر مہینوں میں حج کی نیت کرے، اسے خبردار رہنا چاہیے کہ حج کے دوران میں کوئی شہوانی فعل، کوئی بد عملی، کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو اور جو نیک کام تم کرو گے وہ اللہ کے علم میں ہوگا۔ سفرِ حج کے لیے زادِ راہ ساتھ لے کر جاؤ اور سب سے بہتر زادِ راہ

Marfat.com

پرہیزگاری ہے۔ پس اے ہوشمندو! میری نافرمانی سے پرہیز کرو۔"

یہاں حج کے مسائل بیان کرنے کے بجائے یہ جائزہ لینا پیشِ نظر تھا کہ حج تزکیۂ نفس اور اخلاقی تربیت اور تعمیرِ سیرت کے اس عمل میں کس حد تک مدد و معاون ثابت ہوتا ہے جو مربّی اور معلّمِ انسانیت جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک ایسا مقصد ہے جس کا ذکر اللہ کی کتاب میں چار بار آیا ہے۔ حج کے مناسک میں دیگر ساری عبادتیں اور ان کے ثمرات جمع کر دیے گئے ہیں۔ حج بھی سونے جاگنے اور کھانے پینے اور گھر کے اندر عادت اور روایت بن جانے والے سارے معمولات کو اُلٹ پلٹ دیتا ہے۔ یہ زندگی میں حرکت و حرارت کو نمو بخشنے اور مشقتیں برداشت کرانے کی والی عبادت ہے۔ سفر کے اخراجات کے علاوہ قربانی کی صورت میں حج کے دوارن جو انفاق ہوتا ہے وہ اس کو زکوٰۃ اور صدقات کی مالی عبادت سے جوڑ دیتا ہے۔ نماز اور زکوٰۃ اور روزہ اور حج سب عبادتوں کا تعلق روح اور ایمان سے ہے لیکن ہم جب روزے اور حج پر غور کرتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ دونوں عبادتیں اعلیٰ اخلاقی اوصاف کو نمو بخشتی ہیں۔ دونوں ضبطِ نفس اور صبر وہمت پیدا کرتی ہیں۔ دونوں کے ذریعے شہوانی جذبات اور حیوانی جبلتوں پر قابو پانے کی صلاحیت پختہ کرتی ہیں۔ دونوں میں ہر قدم پر اور ہر سانس کے ساتھ اس تعلق باللہ کا احساس اجاگر ہوتا ہے جو نماز سے پیدا ہوتا ہے۔ دونوں میں پھونک پھونک کر چلنا پڑتا ہے کہ کہیں کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے جو ساری عبادت ہی پر پانی پھیر دے۔ احساس کی اسی حدت اور شعور کی اسی روشنی کا نام تقویٰ ہے۔

اعلیٰ اخلاق کے قرآنی معیارات

تزکیۂ نفوس کی گراں بار مہم کی تکمیل کے لیے رسول اللہ ﷺ کو آپؐ کے رب نے جو زبردست معاونات فراہم کیے ان میں سب سے بڑا معاون اعلیٰ اخلاقی اقدار کی وہ دلکش تصویریں ہیں جو کتابِ حکیم میں جگہ جگہ ہمیں ملتی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق جب آپؐ کا اتنا عظیم اور بے مثال اخلاق تمام تر قرآن ہی کا عکس تھا تو اندازہ کیا جا

Marfat.com

سکتا ہے کہ قرآن زرّیں اخلاقی اصولوں کا کتنا بڑا گنجینہ اور انسان ساز تعلیمات کا کتنا عظیم خزانہ ہے۔ یہی اصول اور یہی تعلیمات تھیں جن کی آبیاری حضور ﷺ کو اہلِ ایمان کے اندر کرنی تھی ۔ سیرت و کردار کے بے شمار ایسے اوصاف ہیں جو مختلف پیرایوں میں اللہ کی پاک کتاب میں گنوائے گئے ہیں۔آپؐ کے ذمہ انہی اوصاف کے زیور سے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آراستہ کرنا تھا۔آئندہ سطور میں جستہ جستہ مقامات سے ایسی آیات ترجمہ کے ساتھ درج کی جائیں گی جن میں کہیں تلقین ہے تو کہیں تحسین اور کہیں کوئی ایسی حکایت ہے جس سے وہ جوہر منعکس ہوتے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اور پھر آنے والے ادوار میں اس اُمت کے تمام افراد میں اجاگر جانے مقصود تھے۔ مثبت انداز کے علاوہ ماضی میں کئی پیغمبروں کی قوموں کے بگاڑ کے منفی پہلوؤں کا بہت تفصیل سے ذکر قرآن مجید میں ملتا ہے اس سے یہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ ان قوموں کے شر اور فساد کے مقابلے میں وہ کون سی صالح اور پاکیزہ اقدار ہیں جن کو اس اخلاقی انقلاب کی حکیمانہ سکیم میں شامل کیا جانا تھا جو ہمارے آقا ﷺ کے ہاتھوں برپا ہو رہا تھا۔ اصلاح و تعمیر اور تربیت کے یہ قرآنی معیارات کسی ایک دور اور کسی ایک مقام کے لوگوں کے لیے نہیں ہیں۔ قیامت تک جو شخص بھی کلمہ پڑھ کر اِس اُمت میں شامل ہوگا اس کو اپنی زندگی سنوارنے کے لیے ان قرآنی معیارات اور اس عظیم اُسوہ کو سامنے رکھنا ہوگا جو ہمیں رسولِ پاک ﷺ کی سیرت میں ملتا ہے۔

1- ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَۚ﴾ (آلِ عمران:130)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ بڑھتا چڑھتا سُود کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو، اُمید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔''

2- ﴿ وَ سَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَۙ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِیْنَ

Marfat.com

الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۚ﴿۱۳۴﴾ وَ الَّذِيْنَ اِذَا
فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَ
مَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۫ وَ لَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾
اُولٰٓىِٕكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ؕ﴿۱۳۶﴾﴾ (اٰلِ عمران:133 تا 136)

''دوڑ کر چلو اُس راہ پر جو تمہارے رَب کی بخشش اور اُس کی جنّت کی طرف جاتی ہے جس کی وُسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے، اور وہ اُن خُدا ترس لوگوں کے لیے مہیّا کی گئی ہے جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں یا خُوش حال، جو غُصّے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں، اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظُلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انہیں یاد آ جاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں کیوں کہ اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہو---اور وہ کبھی دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کی جزا اُن کے رَب کے پاس یہ ہے کہ وہ اُن کو معاف کر دے گا اور ایسے باغوں میں اُن کو داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا اچھا بدلہ ہے نیک اعمال کرنے والوں کے لیے۔''

3- ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ﴾ (النّسآء: 34)

''پس جو صالح عورتیں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت و نگرانی میں اُن کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں......''

4- ﴿وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى

Marfat.com

وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ وَ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَاۙ۝۳۶ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًاۚ۝۳۷ وَ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ یَّكُنِ الشَّیْطٰنُ لَهٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ قَرِیْنًا۝۳۸ ﴾

(النّسآء: 36تا 38)

''اورتم سب اللہ کی بندگی کرو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آؤ، اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے، اور اُن لونڈیوں غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں، احسان کا معاملہ رکھو، یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے۔' اور ایسے لوگ بھی اللہ کو پسند نہیں جو کنجوسی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی کنجوسی کی ہدایت کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے اُن کو دیا ہے اسے چھپاتے ہیں۔ ایسے کافرِ نعمت لوگوں کے لیے ہم نے رُسوا کُن عذاب مہیا کر رکھا ہے' اور وہ لوگ بھی اللہ کو ناپسند ہیں اپنے مال محض لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور درحقیقت وہ نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روزِ آخر پر۔ سچ یہ ہے کہ شیطان جس کا رفیق ہوا اسے بہت ہی بُری رفاقت میسر آئی۔''

5- ﴿ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ ۚ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝۹۰ ﴾

(النّحل:90)

Marfat.com

''اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم سبق لو۔''

6- ﴿وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا یَبۡلُغَنَّ
عِنۡدَکَ الۡکِبَرَ اَحَدُہُمَاۤ اَوۡ کِلٰہُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّہُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنۡہَرۡہُمَا وَ قُلۡ
لَّہُمَا قَوۡلًا کَرِیۡمًا ﴿۲۳﴾ وَ اخۡفِضۡ لَہُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَۃِ وَ قُلۡ رَّبِّ
ارۡحَمۡہُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّکُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا فِیۡ نُفُوۡسِکُمۡ ؕ اِنۡ تَکُوۡنُوۡا
صٰلِحِیۡنَ فَاِنَّہٗ کَانَ لِلۡاَوَّابِیۡنَ غَفُوۡرًا ﴿۲۵﴾ وَ اٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّہٗ وَ الۡمِسۡکِیۡنَ وَ
ابۡنَ السَّبِیۡلِ وَ لَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِیۡرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الۡمُبَذِّرِیۡنَ کَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّیٰطِیۡنِ ؕ
وَ کَانَ الشَّیۡطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوۡرًا ﴿۲۷﴾ وَ اِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡہُمُ ابۡتِغَآءَ رَحۡمَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکَ
تَرۡجُوۡہَا فَقُلۡ لَّہُمۡ قَوۡلًا مَّیۡسُوۡرًا ﴿۲۸﴾ وَ لَا تَجۡعَلۡ یَدَکَ مَغۡلُوۡلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَ
لَا تَبۡسُطۡہَا کُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّکَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ
لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیۡرًۢا بَصِیۡرًا ﴿۳۰﴾ وَ لَا تَقۡتُلُوۡۤا
اَوۡلَادَکُمۡ خَشۡیَۃَ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُہُمۡ وَ اِیَّاکُمۡ ؕ اِنَّ قَتۡلَہُمۡ کَانَ خِطۡاً
کَبِیۡرًا ﴿۳۱﴾ وَ لَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً ؕ وَ سَآءَ سَبِیۡلًا ﴿۳۲﴾ وَ لَا تَقۡتُلُوا
النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالۡحَقِّ ؕ وَ مَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِیِّہٖ
سُلۡطٰنًا فَلَا یُسۡرِفۡ فِّی الۡقَتۡلِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ مَنۡصُوۡرًا ﴿۳۳﴾ وَ لَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡیَتِیۡمِ
اِلَّا بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ حَتّٰی یَبۡلُغَ اَشُدَّہٗ ۪ وَ اَوۡفُوۡا بِالۡعَہۡدِ ۚ اِنَّ الۡعَہۡدَ
کَانَ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۳۴﴾ وَ اَوۡفُوا الۡکَیۡلَ اِذَا کِلۡتُمۡ وَ زِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ ؕ
ذٰلِکَ خَیۡرٌ وَّ اَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا ﴿۳۵﴾ وَ لَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ اِنَّ
السَّمۡعَ وَ الۡبَصَرَ وَ الۡفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنۡہُ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۳۶﴾ وَ لَا تَمۡشِ فِی
الۡاَرۡضِ مَرَحًا ۚ اِنَّکَ لَنۡ تَخۡرِقَ الۡاَرۡضَ وَ لَنۡ تَبۡلُغَ الۡجِبَالَ طُوۡلًا ﴿۳۷﴾ کُلُّ

Marfat.com

ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝﴾ (بنی اسرائیل: 23 تا 39)

''تیرے رَب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ: تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اُس کی۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اگر تمہارے پاس اُن میں سے کوئی ایک یا دونوں، بوڑھے ہو کر رہیں تو اُنہیں اُف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو، اور نرمی اور رحم کے ساتھ اُن کے سامنے جھک کر رہو، اور دُعا کیا کرو کہ 'پروردگار، اِن پر رحم فرما جس طرح اِنہوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا' تُمہارا رَب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے، اگر تم صالح بن کر رہو تو وہ ایسے سب لوگوں کے لیے درگزر کرنے والا ہے جو اپنے قصور پر متنبہ ہو کر بندگی کے رویّے کی طرف پلٹ آئیں۔ 'رشتہ دار کو اُس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق۔ 'فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رَب کا ناشکرا ہے۔ 'اگر اُن سے (حاجت مند رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں سے) تمہیں کترانا ہو، اِس بنا پر کہ ابھی تم اللہ کی اُس رحمت کو جس کے تم امیدوار ہو تلاش کر رہے ہو، تو انہیں نرم جواب دے دو۔ 'نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ کر رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔ تیرا رَب جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے۔ 'اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔ درحقیقت ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے۔ 'زنا کے قریب

Marfat.com

نہ پھٹکو۔ وہ بہت برا فعل ہے اور بڑا ہی برا راستہ۔ 'قتلِ نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو اُس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ہے، پس چاہیے کہ وہ قتل میں حد سے نہ گزرے، اس کی مدد کی جائے گی۔ 'مالِ یتیم کے پاس نہ پھٹکو مگر احسن طریقے سے، یہاں تک کہ وہ اپنے شباب کو پہنچ جائے۔ 'عہد کی پابندی کرو، بے شک عہد کے بارے میں تم کو جوابدہی کرنی ہوگی۔ 'پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو۔ یہ اچھا طریقہ ہے اور بلحاظِ انجام بھی یہی بہتر ہے۔ 'کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہونی ہے۔ 'زمین پر اکڑ کر مت چلو، تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو، نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔ 'اِن امور میں سے ہر ایک کا برا پہلو تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ 'یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو تیرے رب نے تجھ پر وحی کی ہیں۔ اور دیکھ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا بیٹھ ورنہ تو جہنم میں ڈال دیا جائے گا ملامت زدہ اور ہر بھلائی سے محروم ہو کر۔''

7- ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿١٩﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿٢٠﴾ وَّ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿٢١﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿٢٢﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿٢٤﴾ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿٢٥﴾ وَ الَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٢٦﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿٢٧﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿٢٨﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿٣١﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿٣٢﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ

Marfat.com

يُحَافِظُوْنَ ۝٣٤ أُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۝٣٥﴾ (المعارج : 19 تا 35)

''انسان تھڑ دلا پیدا کیا گیا ہے، جب اس پر مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو بُخل کرنے لگتا ہے۔ مگر وہ لوگ (اِس عیب سے بچے ہوئے ہیں) جو نماز پڑھنے والے ہیں، جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں، جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک مقرر حق ہے، جو روزِ جزا کو برحق مانتے ہیں، جو اپنے رَب کے عذاب سے ڈرتے ہیں کیونکہ اُن کے رَب کا عذاب ایسی چیز نہیں ہے جس سے کوئی بے خوف ہو، جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں بجز اپنی بیویوں یا اپنی مملوکہ عورتوں کے جن سے محفوظ نہ رکھنے میں اُن پر کوئی ملامت نہیں، البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں، جو اپنی امانتوں کی حفاظت اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں، جو اپنی گواہیوں میں راست بازی پر قائم رہتے ہیں، اور جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ لوگ عزت کے ساتھ جنّت کے باغوں میں رہیں گے۔''

سورۃ المؤمنون کی ابتدائی نو آیات میں ذرا سے لفظی فرق کے ساتھ کم و بیش یہی صفات بتائی گئی ہیں۔ وہاں ایک اہم صفت مذکور نہیں ہے وہ اَلَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ یعنی 'جو اپنی گواہیوں میں راست بازی کے ساتھ قائم رہتے ہیں' ایک ایسی اہم صفت ہے جو وہاں بیان نہیں ہوئی ہے۔

8- ﴿وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝٦٣ وَ الَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا ۝٦٤ وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝٦٥ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ۝٦٦ وَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝٦٧ وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا

Marfat.com

اٰخَرَ وَ لَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا یَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ۙ﴿۶۸﴾ یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ یَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا ۖ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓىِٕكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۷۰﴾ وَ مَنْ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾ وَ الَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾ وَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّ عُمْیَانًا ﴿۷۳﴾ ﴾ (الفرقان : 64 تا 73)

''رحمان کے (اصلی) بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور جاہل ان کے منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام۔ 'جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔ 'جو دعائیں کرتے ہیں کہ 'اے ہمارے رب، جہنّم کے عذاب سے ہم کو بچا لے، اُس کا عذاب تو جان کا لاگو ہے، وہ تو بڑا ہی بُرا مُستقر اور مقام ہے۔' 'جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بُخل، بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے۔ 'جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے۔' (جو) اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے۔' اور زنا کے مرتکب نہیں ہوتے یہ کام جو کوئی کرے وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا، قیامت کے روز اس کو مکرر عذاب دیا جائے گا اور اسی میں وہ ہمیشہ ذِلّت کے ساتھ پڑا رہے گا، اِلّا یہ کہ کوئی (اِن گناہوں کے بعد) توبہ کر چکا ہو اور ایمان لا کر عملِ صالح کرنے لگا ہو۔ ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا، اور وہ بڑا غفورٌ رحیم ہے۔ جو شخص توبہ کر کے نیک عملی اختیار کرتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے جیسا پلٹنے کا حق ہے۔'' (اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں) جو جھوٹ کے گواہ نہیں

Marfat.com

بنتے اور کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہو جائے تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔ جنہیں اگر اُن کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر اندھے بہرے بن کر نہیں رہ جاتے۔''

9- ﴿وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝۱۳ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝۱۴ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّ اتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۵ يٰبُنَيَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝۱۶ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۚ ۝۱۷ وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۚ ۝۱۸ وَ اقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَ اغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝۱۹﴾ (لقمن : 13 تا 19)

''یاد کرو جب لُقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا تو اس نے کہا بیٹا خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔' اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے، اُس کی ماں نے ضعف پر ضعف اُٹھا کر اُسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اُس کا دودھ چھوٹنے میں لگے۔ (اِسی لیے ہم نے اُس کو نصیحت کی کہ) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا

Marfat.com

شکر بجا لا، میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔' لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو اُن کی بات ہرگز نہ مان۔ دنیا میں اُن کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ مگر پیروی اس شخص کے راستے کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔ پھر تم سب کو پلٹنا میری ہی طرف ہے، اُس وقت میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو۔ (اور لقمان نے کہا تھا) 'بیٹا، کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر بھی ہو اور کسی چٹان میں یا آسمانوں میں یا زمین میں کہیں چھپی ہوئی ہو اللہ اُسے نکال لائے گا۔ وہ باریک بین اور با خبر ہے۔ 'بیٹا، نماز قائم کر، نیکی کا حکم دے، بدی سے منع کر، اور جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کر۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔' اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر، نہ زمین پر اکڑ کر چل، اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔ 'اپنی چال میں اعتدال اختیار کر، اور اپنی آواز ذرا پست رکھ، سب آوازوں سے زیادہ بُری آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے۔''

10- ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَ لَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَ مَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ۝ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ

Marfat.com

عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ (الحجرات: 10 تا 13)

''مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات درست کرو اور اللہ سے ڈرو، اُمید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔' اے لوگو جو ایمان لائے ہو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔' آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے یاد کرو۔' ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بُری بات ہے۔ جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہ ظالم ہیں۔' اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔' تجسس نہ کرو۔ اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تُمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو، تم خُود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔' لوگو، ہم نے تُم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔''

شنیع اور قابلِ مذمّت عادات واطوار

سطورِ بالا میں قُرآن مجید کے جن اخلاقی اصول وقواعد کا ذکر ہوا ہے، کتابِ حکیم کے اسلوب کے مطابق اگرچہ مثبت پہلوؤں کے ساتھ منفی گوشے بھی سامنے آئے ہیں لیکن میرے پیشِ نظر قُرآن مجید کے اخلاقی معیارات کی قابلِ تقلید اور مثبت جھلکیاں دکھانا ہی تھا۔ اللہ کی پاک کتاب میں کچھ مقامات ایسے ہیں جہاں سخت شنیع اور قابلِ مذمّت طرزِ عمل اور رویّوں کا

Marfat.com

ذکر آیا ہے اور ان پر سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ان کی مذمت میں یہ صاف پیغام ہے کہ یہ چلن اور اطوار قرآن کے قائم کردہ اخلاقی معیارات کے منافی ہیں اس لیے ان کو کسی صورت میں مسلم معاشرے کے اجتماعی مزاج اور تہذیبی نقشے میں جگہ نہیں ملنی چاہیے۔مزکّی و مربّیِ اعظم ﷺ نے جو تعلیمات دیں اور سیرت واخلاق کے جو عظیم الشان نمونے تیار کیے وہ ان مذموم اور مکروہ خصلتوں سے پاک تھے۔ذیل میں قرآن مجید کے وہ اجزا پیش کیے جا رہے ہیں جن میں برُے اور قابلِ مذمت خصائل و عادات کا ذکر ہے۔قرآن جب ان کا ذکر کراہت اور ذم کے پیرائے میں کر رہا ہے تو وجہ یہ ہے کہ وہ ہر حال میں ایک مسلمان کے اخلاق و کردار کو ان کے مکروہ داغوں سے محفوظ دیکھنا چاہتا ہے۔

11- ﴿ اَرَءَيْتَ الَّذِیْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِیْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ ﴾

(الماعون)

”تم نے دیکھا اُس شخص کو جو آخرت کی جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا دینے پر نہیں اکساتا۔پھر تباہی ہے اُن نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں، جو ریاکاری کرتے ہیں اور معمولی ضرورت کی چیزیں (لوگوں کو) دینے سے گریز کرتے ہیں۔“

12- ﴿ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ ﴾ (التکاثر)

”تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھُن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے یہاں تک کہ (اسی فکر میں) تم لبِ گور تک پہنچ جاتے ہو۔“

13- ﴿ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ يَحْسَبُ اَنَّ

Marfat.com

مَا لَہٗۤ اَخْلَدَہٗ ۝ كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝
نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝
فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝﴾ (الھمزہ)

''تباہی ہے ہر اُس شخص کے لیے جو (منہ در منہ) لوگوں پر طعن اور (پیٹھ پیچھے) برائیاں کرنے کا خُوگر ہے، جس نے مال جمع کیا اور اُسے گِن گِن کر رکھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔ ہرگز نہیں، وہ شخص تو چکنا چور کر دینے والی جگہ میں پھینک دیا جائے گا۔ اور تُم کیا جانو کہ کیا ہے وہ چکنا چور کر دینے والی جگہ؟ اللہ کی آگ، خوب بھڑکائی ہوئی، جو دلوں تک پہنچے گی۔ وہ اُن پر ڈھانک کر بند کر دی جائے گی (اِس حالت میں کہ وہ) اونچے اونچے ستونوں میں (گھرے ہوئے ہوں گے)''

-14 ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝ وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝ وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝﴾ (العادیات)

''حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے رَب کا بڑا ناشکرا ہے، اور وہ خُود اس پر گواہ ہے، اور وہ مال و دولت کی محبت میں بُری طرح مبتلا ہے۔''

-15 ﴿كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ وَ لَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ وَ تَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝ وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝﴾

(الفجر : 17 تا 20)

''......ہرگز نہیں، بلکہ تم یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے، اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو نہیں اُکساتے، اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال کی محبت میں بُری طرح گرفتار ہو۔''

-16 ﴿وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى ۝ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝

Marfat.com

وَ مَا یُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰىؕ۝۱۱ اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰى۝۱۲ۖ وَ اِنَّ لَنَا
لَلْاٰخِرَةَ وَ الْاُوْلٰى۝۱۳ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى۝۱۴ۚ لَا یَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى۝۱۵ۙ
الَّذِیْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰىؕ۝۱۶﴾ (اللیل : 8 تا 16)

''اور جس نے بُخل کیا اور (اپنے خُدا سے) بے نیازی برتی اور بھلائی کو جھٹلایا، اُس کو ہم سخت راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ اس کا مال آخر اُس کے کس کام آئے گا جب کہ وہ ہلاک ہو جائے گا۔ بے شک راستہ بتانا ہمارے ذمہ ہے اور درحقیقت آخرت اور دنیا، دونوں کے ہم ہی مالک ہیں۔ پس میں نے تُم کو خبردار کر دیا ہے بھڑکتی ہوئی آگ سے۔ اُس میں نہیں جھلسے گا مگر وہ انتہائی بد بخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔''

17- ﴿وَ لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیْنٍ۝۱۰ۙ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیْمٍ۝۱۱ۙ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ
مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ۝۱۲ۙ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ۝۱۳ۙ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِیْنَؕ۝۱۴﴾
(القلم : 10 تا 14)

''ہرگز نہ دبو کسی ایسے شخص سے جو بہت قسمیں کھانے والا بے وقعت آدمی ہے، طعنے دیتا ہے، چُغلیاں کھاتا پھرتا ہے، بھلائی سے روکتا ہے، ظُلم و زیادتی میں حد سے گزر جانے والا ہے، سخت بد اعمال ہے، جفا کار ہے، اور ان سب عیوب کے ساتھ بد اصل ہے، اِس بنا پر کہ وہ بہت مال اور اولاد رکھتا ہے۔''

نوٹ :...... سورہ الکہف میں دو باغوں والے کا قصہ اور سورہ القلم میں ایک باغ کے کچھ مالکوں کا جو قصہ آیا ہے، انہیں بھی پیشِ نظر رکھا جائے کہ ان میں جو کردار دکھائے گئے ہیں وہ مادہ پرستی، خود غرضی، غرور، ناشکری اور حرص و بخل کی علامت ہیں۔ اُن کے رویے قُرآن حکیم کے اعلیٰ و ارفع اخلاقی اصولوں کی ضد ہیں اور وہ ان اُجلے کرداروں سے بھی یکسر مُختلف ہیں جن کو ہزاروں کی تعداد میں رسولِ اکرم ﷺ نے تزکیہ و تنزیہہ کے مراحل سے گزار کر انسانیت کا قابلِ فخر سرمایہ اور لائقِ تقلید نمونہ بنا یا دیا تھا۔

Marfat.com

دعوت و تبلیغ، تذکّر و تذکیر، شہادت اور تبشیر و اِنذار

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴾ (الاحزاب:45، 46)

''اے نبیؐ، ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر، اللہ کی اجازت سے اُس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اور روشن چراغ بنا کر۔''

اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو ہدایتِ انسانی کے لیے میدانِ عمل میں اُتارا تو آپ ﷺ کی ذمہ داریوں کے کئی پہلو تھے۔ اوپر کارِ نبوت کے جن گوشوں کا ذکر آیا ہے بظاہر یہ سب درحقیقت ایک ہی مشن کے جدا جدا نام ہیں لیکن ان پر غور کیا جائے تو ان میں جو فرق ہے وہ رسول اللہ کی ذمہ داریوں کے مختلف پہلوؤں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

داعی

اِسلام اپنے مزاج کے اعتبار سے دِینِ دعوت ہے۔ اس کی فطرت میں پھیلنا ہے اور اس کے پھیلنے کا اصل وسیلہ دعوت ہے۔ یہ سروں کے راستے دلوں میں نہیں بلکہ دلوں کے راستے دماغوں میں بیٹھنے والا دین ہے۔ اس کی فتوحات کا دارومدار تلوار کی تیز دھار، بندوق کی گولی اور توپ کی آتش باری پر نہیں، بلکہ داعی اِلی اللہ کے خلوص و اِخلاص، اس کی خیر خواہی اور بے لوثی، زبان کی مٹھاس اور حکمت و فراست اور سیرت و اخلاق پر ہوتا ہے۔ دِلوں کے دروازے توڑ کر ان میں داخل ہونے کی کوشش کی جائے تو خانۂ دل روشن نہیں اور ویران ہو جاتا ہے لیکن جب اس پر دعوت کی دستک دی جائے اور کھولنے والا اندر سے اپنے دل کا دروازہ کھولے تو اس میں تاثیر کی خُوشبو اور قبولیت کی روشنی پھیل جاتی ہے۔ اسلام دعوت کے راستے

Marfat.com

جہاں پہنچا وہاں ہمیشہ زندہ رہا لیکن جہاں اسے جبر و اکراہ اور زور اور تشدد سے اور دہشت پھیلا کر منوانے کی کوشش کی گئی وہاں طریقِ دعوت کے نقص کی وجہ سے نہ یہ آسانی سے منوایا جا سکا اور نہ تا دیر ٹھہر سکا۔ اس کی حالت یہ ہے کہ مٹانے کی کوشش کرنے والوں نے جہاں تلوار کے گھاؤ لگا کر اپنی دانست میں اسے مٹا ڈالا تھا وہاں یہ دعوت کے عمل سے دلوں میں سرایت کر کے خود مٹانے والوں کی زندگیوں کا دستور بن کر جلوہ افروز ہو گیا۔ نبی آخر الزّماں، سرورِ دو عالم، رحمۃ للعالمین، حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے داعی کا لقب عطا فرما کر اور اپنے اِذن سے کارِ دعوت سونپ کر مبعوث کیا تھا۔ نبوّت کے عظیم الشّان منصب کے اوّلین تقاضوں میں دعوت اِلی اللہ بنیادی تقاضا تھا۔ یہ آپ ﷺ کی دعوت ہی کا اعجاز تھا کہ مکّہ اور عرب کے اکھڑ اور ضِدّی لوگ جو اپنے آباء و اجداد کے مشرکانہ عقائد اور جاہلانہ رسوم و رواج پر صدیوں سے جمے ہوئے تھے اور ان کے لیے کٹ مرنے پر تیار رہتے تھے، ان کے سینوں میں جب ایمان اُترا تو اس دینِ حق کے دفاع میں جان و مال کی قربانیاں دینے میں انہیں کوئی دریغ نہ رہا۔ خالق و مالک کو بھولے ہوئے تھے، لیکن اس دعوت کے اثر سے انہوں نے اس کی اطاعت و بندگی کا قلادہ گلے میں ڈال لیا۔ نسل در نسل رَبِّ حقیقی سے کٹے پڑے تھے، لیکن جب دعوتِ حق نے دلوں میں گھر کیا تو معبودِ حقیقی کے آستاں پر آ کر سرنگوں ہو گئے۔ جہالت اور جاہلیت جن کی گھٹی میں پڑی تھی اور جو کفر کی ظلمتوں کے عادی ہو گئے تھے، رسول پاک ﷺ کی دعوت نے دلوں کا زنگ اتارا تو دینِ حق کی روشنی پر پروانہ وار لپکے اور پھر اسی کے ہو کے رہے۔ اِس دین نے انہیں زندگی کے اصل مقصد سے آگاہ اور سفرِ حیات کی حقیقی منزل سے آشنا کر دیا۔

جس تاریک ماحول میں رسول اکرم ﷺ ہدایت کا چراغ لے کر نکلے تھے وہاں زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جہاں شیطان نے بگاڑ اور فساد کے خیمے نہ گاڑ رکھے ہوں۔ ظُلم و استحصال، عورتوں کے حقوق کی پامالی، بے حیائی اور بدکاری، زیردست آزاری، یتیموں اور مسکینوں کی حق ماری، سود اور مالِ حرام کی بنیاد پر کھڑا معاشی نظام، قبائلی رقابتیں اور ان کے

Marfat.com

نتیجے میں ہونے والی خون ریزیاں، مسلسل بدامنی اور ایسے بے شمار مسائل تھے، جن میں سے کسی مسئلے کو بھی 'ایشو' بنا کر آپ ﷺ آواز بلند کرتے تو جتنے عرصے میں خالص اسلام کی دعوت پر مٹھی بھر افراد نے لبیک کہا تھا، شاید سینکڑوں لوگ اُس 'ایشو' پر آپ ﷺ کے حامی اور پشت پناہ بن جاتے۔ آپ ﷺ کے منصبِ رسالت پر فائز ہونے سے بہت پہلے مکہ والے حضورؐ کے اخلاق کے گرویدہ اور صداقت اور امانت داری کے معترف تھے۔ اپنی اس اخلاقی برتری کو کیش کرا کے سردارانِ قریش کے مقابلے میں آپ ﷺ بہت آسانی سے اپنی لیڈری چمکا سکتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو قریش کی ہر شاخ سے آپ ﷺ کو بہت سے حامی مل سکتے تھے۔ کسی رفاہی اور فلاحی کام کا بیڑا اٹھا لیتے تو سارا عرب آپ ﷺ پر داد و تحسین کے پھول نچھاور کرتا۔ لیکن آپ ﷺ نے نہ اپنی ذات کو محوری نقطہ بنایا اور نہ کسی سماجی مسئلے کے لیے جدوجہد کو اپنی سرگرمیوں کے لیے چنا۔ اصلاح کے لیے آپ ﷺ نے شاخوں کو اپنی توجہ کا مرکز بنانے کے بجائے جڑ پر ہاتھ رکھا۔ عقیدہ وہ بنیاد ہے جو خراب ہو جائے تو اس پر زندگی کی جتنی بلند و بالا عمارت تعمیر کی جائے اس کے در و دیوار اور فرش و سقف میں ہزار خامیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ عقائد کی اصلاح رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا اہم ترین موضوع اور توحید اس کا جوہرِ خاص تھا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو شرک اور بت پرستی کو چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت کے لیے پکارا۔

مبلّغ

رسول اللہ ﷺ کی ایک اہم حیثیت 'مبلّغ' کی تھی۔ عربی میں 'رسالہ' خط یا پیغام کو کہتے ہیں اور اس کے پہنچانے کی ذمہ داری کو تبلیغ اور اِبلاغ کہتے ہیں۔ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کی کتاب دراصل بنی نوعِ انسان کے نام اُس کا خط یا پیغام ہے۔ اُس نے اپنا پیغام ساری انسانیت تک پہنچانے کے لیے حضور ﷺ کو چنا تھا۔ تمام انبیاء کو ہم جو 'پیغمبر' کہتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ سب اللہ کا پیغام دنیا والوں تک پہنچانے پر مامور ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کے رب نے یہ پیغامِ حق پہنچا دینے کی سخت تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

Marfat.com

﴿ يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (المآئدة :67)

''اے پیغمبر، جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اُس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔ اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے۔ یقین رکھو کہ وہ کافروں کو (تمہارے مقابلے میں) کامیابی کی راہ ہرگز نہیں دکھائے گا۔''

پیغمبر قوم کو ہر حال میں منوا کر چھوڑنے اور ہدایت کی راہ پر لانے کے مکلف نہیں ہوا کرتے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو بھی بتا دی تھی اور مشرکینِ مکّہ پر بھی واضح کر دیا تھا کہ وہ دعوتِ حق کے معاملے میں جس ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اس سے پیغمبر کا کچھ نہیں بگاڑ رہے بلکہ اپنی ہی بد اعمالیوں میں اضافہ کر رہے ہیں:

﴿ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝ ﴾

(المآئدة :99)

''رسول پر تو صرف پیغام پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے، آگے تمہارے کھلے چھپے حالات کا جاننے والا اللہ ہے۔''

اللہ کے رسول انسانیت کے جتنے خیر خواہ اور بھلائی پسند ہوتے ہیں، اسی قدر ان کی دل گدازی اور حساسیت بھی شدید ہوتی ہے۔ سرورِ کونین ﷺ کو ایک طرف تو پیغامِ حق کو اپنی قوم تک پہنچانے کے فریضے کی گرانباری کا شدید احساس تھا اور دوسری طرف اس پیغام کی ناقدری اور عدمِ قبولیت آپ ﷺ کے لیے حد درجہ غم انگیز اور اعصاب شکن ثابت ہوتی تھی۔ منکرین کے رویے سے آپ ﷺ پر جو گزرتی تھی، اللہ اس کو خوب دیکھ رہا تھا اور بار بار تسلی دے رہا تھا کہ اس غم میں آپ اپنی جان نہ گھلائیں۔

Marfat.com

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝﴾ (الکھف: 6)

''اچھا، تو اے نبیؐ، شاید تم اِن کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو دینے والے ہو اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔''

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (الشعراء: 3)

''اے نبیؐ، شاید تم اس غم میں اپنی جان کھو دو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔''

کتابِ پاک میں مختلف مقامات پر کوئی ایک درجن بار آپؐ کی تسلی کے لیے فرمایا گیا کہ انکارِ حق کی روش کا سارا بار خود منکرین پر پڑنے والا ہے۔ اس کا ذمہ دار آپ ﷺ کو ہرگز نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ آپؐ کی ذمہ داری بس اتنی ہے کہ پیغامِ حق ان تک پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔

﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۭ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ﴾ (الشُّوریٰ: 48)

''اب اگر یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو اے نبیؐ، ہم نے تم کو اِن پر نگہبان بنا کر تو نہیں بھیجا ہے۔ تم پر تو صرف بات پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔''

خطرات کے باوجود بحیثیتِ داعی آپ ﷺ نے لوگوں کو اپنے رَب کی طرف اور اُس کے دین کی طرف بلایا اور قُرآن مجید کی شکل میں کو امانت سونپی گئی اور جو پیغام دیا گیا اس کو پہنچانے میں آپ ﷺ نے کوئی دقیقہ فرگزاشت کیا اور نہ کوئی کوتاہی روا رکھی۔

شاہد

مولانا مودودیؒ نے تفہیم القرآن جلد چہارم میں درج بالا آیت کی تفسیر میں شہادت کے جو تین پہلو بتائے ہیں ان کے مطابق ایک قولی شہادت تھی۔ دین کے تمام بنیادی حقائق اور اصولوں ـــــ اللہ کی وحدانیت، معبودیت اور حاکمیت اور اس کے اختیارات اور صفات کے علاوہ عقیدۂ آخرت اور رسالت ـــــ کے بارے میں آپ ﷺ نے دنیا کو صاف صاف اور

Marfat.com

دو ٹوک بتا دیا تھا کہ وہی حق ہیں اور اُن کے خلاف جو جاہلی معتقدات و تصورات رائج ہیں وہ سب باطل ہیں۔ گواہی کی دوسری صورت یہ تھی کہ باطل کے مقابل جن تعلیمات اور اصول اور معتقدات کو آپ ﷺ نے حق کے طور پر پیش کیا اپنی زندگی کو بطورِ شہادت ان کے سانچے میں ڈھال کر دکھا دیا تھا۔ جس قانونِ زندگی کو اللہ کا قانون کہا، اُسے ٹھیک اپنی زندگی پر نافذ کیا۔ جس طرزِ عمل اور رویّے کو برائی کہا اُس کے ہر شائبے سے اپنی زندگی کو پاک رکھ کر دکھایا۔ اخلاق و کردار کی جن قدروں کو مستحسن قرار دیا خود اپنے آپ کو اُن کا نمونہ بنا کر پیش کیا اور جن کو مذموم کہا، اُن کا ہلکا سا عکس بھی اپنی زندگی پر نہ پڑنے دیا۔ شہادت کا تیسرا پہلو آخرت سے تعلق رکھتا ہے۔ یومِ آخر جب اللہ کی عدالت قائم ہو گی تو نبی ﷺ وہاں اس امر کی گواہی دیں گے کہ دعوتِ حق کا جو فریضہ آپ کو سونپا گیا تھا اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور جو پیغام پہنچانا آپ کی ذمہ داری تھی وہ مِن وعَن مخلوقِ خدا تک پہنچا دیا تھا۔

بشیر

اس مبحث کے آغاز میں درج آیتِ قرآنی میں رسول اللہ ﷺ کے لیے **نَذِیر** سے پہلے **شَاهِد** اور **بَشِیر** کا لقب آیا ہے۔ **تَبْشِیر** کا مطلب خُوشخبری سنانا ہے۔ قرآن کریم میں آپ ﷺ سے کہا گیا ہے کہ ایمان والوں، عاجزی اور تواضع اختیار کرنے والوں اور صبر کو شیوا بنانے والوں کو اللہ کی خُوشنودی اور اُس کے انعامات کی خُوشخبری سنا دیں۔ کہیں طنز کے پیرائے میں منکرین حق کو ان کے برے انجام سے آگاہ کرنے کے لیے بھی یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔ معروف مراکشی عالم مرحوم تقی الدّین ہلالی کے بقول عرب ممالک میں عیسائی مشنریوں نے **تَبْشِیر** کی اصطلاح غلط طور پر عیسائیت قبول کر کے نجات پانے کے معنوں میں استعمال کرنا شروع کر دی تھی۔ اصل میں یہ اصطلاح 'اِنْذَار' کے برعکس خُوشخبری کے معنوں میں آئی ہے۔ تبشیر یا بشارت کے محمول خود مسلمان ہیں، دعوت دینے والے بھی اور اس دعوت کو قبول کر کے اپنی زندگیوں کو اس کی تعلیم کے سانچے میں ڈھال لینے والے بھی۔ تبشیر یا بشارت کا تعلق زیادہ تر مسلمان معاشرے کے افراد سے یا ان سے جو نئے نئے اس دین میں

Marfat.com

داخل ہوتے ہیں۔اس لیے وہ لوگ جو دعوت و اصلاح کی سرگرمی میں شریک ہوں ان کو اس فریضہ کی انجام دہی میں جن احتیاطوں اور شرائط کو ملحوظ رکھنا چاہیے ان کی نبی اکرم ﷺ صحیح حدیث میں یہ تلقین آئی ہے کہ:

((یَسِّرُوْا وَ تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَ لَا تنفِرُوْا)) [1]

یعنی اس دین کو مشکل بنا کر یا اس کے مشکل پہلو ابھار کر نہ پیش کیا کرو بلکہ اس میں آسانی کا راستہ نکالو مشکلیں نہ پیدا کرو اور خوشخبری کا پہلو سامنے لایا کرو، ایسی کیفیت نہ ابھارا کرو جس کی وجہ سے دین کے شعائر اور احکام سے نفرت پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔

نذیر

رسول اللہ ﷺ کو نذیر کا لقب بھی دیا گیا۔ ہر نبی نے اپنے اپنے دور میں غفلت اور کفر وشرک میں پڑی اپنی اپنی قوم کے لیے اِنذار کا فریضہ انجام دیا تھا۔دعوت اِلَی اللہ کے لیے جو دوسری اہم اصطلاح قرآن حکیم میں آئی وہ 'اِنذار' ہے۔اِنْذار کا مطلب خبر دار کرنا اور ڈرانا ہے۔آپ ﷺ نبی آخر الزماں تھے اور رحمۃ للعالمین بھی۔ بشیر اور نذیر کی حیثیت سے بھی آپ ﷺ کی نبوت کے فرائض کا دائرہ سارے جہاں تک پھیلا ہوا تھا۔

﴿ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۸ ﴾ (سبا : 28)

''اور اے نبیؐ، ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

نبی اکرم ﷺ کے لیے لازم تھا کہ ان لوگوں کو بُرے انجام سے ڈرائیں جو مدتوں سے غفلت میں پڑے ہوئے تھے:

﴿ وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّ هُمْ لَا

[1] الادب المفرد.

Marfat.com

يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٩﴾ (مریم : 39)

''اے نبیؐ، اِس حالت میں جب کہ یہ لوگ غافل ہیں اور ایمان نہیں لا رہے ہیں، اِنہیں اُس دن سے ڈراؤ جب کہ فیصلہ کر دیا جائے گا اور پچھتاوے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہوگا۔''

﴿وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۚ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿١٨﴾﴾ (المؤمن : 18)

''اے نبیؐ، ڈراؤ اِن لوگوں کو اُس دن سے جو قریب آ لگا ہے۔ جب کلیجے منہ کو آ رہے ہوں گے اور لوگ چُپ چاپ غم کے گھونٹ پیے کھڑے ہوں گے۔ ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی شفیع جس کی بات مانی جائے۔''

قُرآنِ حکیم کے نزول کی غرض بھی یہی بتائی گئی کہ اس کے ذریعے آپ ﷺ اپنی قوم کے لوگوں کو خبردار کریں۔ ارشاد ہوا ہے:

﴿يٰسٓ ﴿١﴾ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣﴾ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٤﴾ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿٥﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٦﴾﴾ (یٰسٓ:1 تا 6)

''یٰس، قسم ہے قُرآنِ حکیم کی کہ تم یقیناً رسولوں میں سے ہو، سیدھے راستے پر ہو (اور یہ قُرآن) غالب اور رحیم ہستی کا نازل کردہ ہے تا کہ تم خبردار کرو ایک ایسی قوم کو جس کے باپ دادا خبردار نہ کیے گئے تھے اور اِس وجہ سے وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے دعوت کے معاملے میں تدریج کا جو فطری اور حکیمانہ طریقہ اختیار کیا تھا اسے اکثر سیرت نگاروں نے دعوت کے خُفیہ دور سے تعبیر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں صالح انقلاب اور مثبت تبدیلی لانے کے لیے جو بھی تحریک اٹھی، اسے خواہ اِسلام کی

Marfat.com

اوّلین تحریکِ دعوت کی طرح مخالفت کے کوئی سنگین خطرات لاحق تھے یا نہیں، وہ تدریج کے ان فطری مراحل سے گزر کر ہی آگے بڑھی۔ سوئے ہوئے فتنوں کو ایک دم جگا دینا اور مخالف قوتوں کو از خود اشتعال دلا کر اپنے پیچھے لگا لینا حکمتِ دعوت کے منافی ہے۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ عقل و فطرت اسے قبول نہیں کرتی کہ اپنے گھر کو اس روشنی سے محروم چھوڑ کر باہر اسے بانٹنا شروع کر دیا جائے۔ کارِ نبوّت سونپے جانے کے بعد دعوت کی ابتدا گھر سے کرنا انسانی فطرت اور اصولِ تدریج کا تقاضا تھا۔ کچھ عرصہ تک آپ ﷺ کی دعوت کا دائرہ اپنے اہلِ خانہ اور معتمد ترین ساتھیوں تک محدود رہا۔ اُس کے بعد اِس دائرے کو بتدریج وسعت دینے کی تاکید ہوئی۔ سب سے پہلے قریبی رشتہ داروں کو ڈرانے کا حکم ہوا۔ انسانی جبلتوں میں خوشی کے مقابلے میں خوف بہت زیادہ طاقتور جبلّت ہے۔ وہ انعام و اِکرام کے لالچ میں اتنی چابکدستی کے ساتھ نیکی اور ہدایت کی راہ پر نہیں چلتا جتنی مستعدی کے ساتھ وہ برے انجام کے خوف سے راہِ راست پر چلنا شروع کر دیتا ہے۔ اس پر ترغیب سے زیادہ ترہیب اور تبشیر سے زیادہ اِنذار کا اثر بہت جلدی ہوتا ہے۔ آخرت کے انعامات کے مقابلے میں دوزخ کی آگ کے خوف سے راہِ راست اختیار کر لینے کی توقع زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ قُرآن مجید میں بشیر کے برعکس آپ ﷺ کی نذیر کی حیثیت کو زیادہ نمایاں طور پر پیش کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ پر جو دوسری وحی نازل ہوئی اس میں آپ ﷺ کو کرنے کے جن کاموں کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کا حکم ہوا ان میں یہی ڈرانا سب سے پہلا حکم تھا:

﴿ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝١ قُمْ فَأَنذِرْ ۝٢ ﴾ (المدثر : 1، 2)

''اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اٹھو اور خبردار کرو۔''

اس ابتدائی حکم میں یہ واضح نہیں تھا کہ کس کو ڈرانا اور خبردار کرنا ہے۔ لیکن خالق نے انسان کی جو فطرت بنائی اس میں یہ داخل ہے کہ وہ اپنے اہلِ خانہ اور قرابت داروں کا سب سے بڑھ کر خیر خواہ اور ہمدرد ہوتا ہے۔ ان کی صلاح و فلاح اور نجات اور بچاؤ اور تعمیر و ترقی کی اس میں سب سے بڑھ کر خواہش ہوتی ہے۔ کائنات کے رَب نے اس فطرت کا لحاظ رکھتے

Marfat.com

ہوئے اور اس دینِ حنیف کی اشاعت کے فطری مراحل کی روشنی میں سب سے پہلے آپ ﷺ کو اپنے قرابت داروں کو ہدایت کا پیغام پہنچانے اور انہیں خبردار کرنے کا حکم دیا تھا۔

﴿ وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ﴾ (الشعراء : 214)

''اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ۔''

صحیح بخاری، صحیح ابن حبان، ترمذی اور شیخ البانی کی صحیح الجامع کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے بالخصوص اپنے چچا عباس؄، اپنی پھوپھی صفیہ؅، اپنی بیٹی فاطمہ؅ اور عمومی طور پر بنی عبدالمطلب کو پکار کر کہا تھا کہ 'میرے مال میں سے جو چاہو مانگ لو لیکن آخرت میں، میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکوں گا۔' آپ ﷺ نے اہلِ قریش، آلِ عبدالمطلب، آلِ ہاشم، آلِ عبد مناف پر واضح کیا تھا کہ اپنی نجات کے لیے اللہ سے سودا کرلو۔ اللہ کی اطاعت ہی دوزخ کی آگ سے نجات کی قیمت ہے۔ رسولِ پاک ﷺ کا کام یہ تھا کہ لوگوں کو اللہ کے غضب، آخرت کی سخت پکڑ اور دوزخ کے عذاب سے ڈرائیں۔ دعوتِ حق کی راہ میں بطورِ 'نذیر' آپ ﷺ نے ہر درِ دل پر دستک دے کر، لوگوں سے انفرادی ملاقاتیں کر کے، ان کے میلوں اور اجتماعات میں جا کر، حج کے موسم میں اور عام دنوں میں زیارتِ کعبہ کے لیے آنے والوں کے خیموں اور قیام گاہوں میں جا کر انہیں اسلام کا پیغام پہنچایا، گمراہی اور ضلالت سے باز آنے کی تلقین کی اور آخرت کے انجام کے معاملے میں اِنذار و ترہیب کے ذریعے ان کے دلوں پر اللہ سے بے خوفی کے جالے صاف کیے۔ اللہ تعالیٰ نے دعوتِ دین کے مقدس مشن میں اپنے نبی کو جس سب سے کارگر ہتھیار سے لیس کیا تھا وہ قرآن مجید تھا۔ آپ ﷺ اسی سے انکار کے قلعے اکھاڑتے اور قبول و اقرار کی راہیں ہموار کرتے تھے۔ اس لیے کہ اس کتاب پاک میں راہِ راست کے سنگ میل بھی دکھائے گئے ہیں، اس میں دعوت و تبلیغ کا سامان بھی ہے، بشارتیں بھی اور انجام کی ہولناکیوں کی تصویریں بھی ہیں:

﴿ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ ﴾ (بنی اسرآئیل : 9)

Marfat.com

Marfat.com

اٹھائیں۔ خاتم المرسلین ﷺ نے خود فرمایا کہ میرا اور لوگوں کا معاملہ ایسا ہے جیسے کسی نے آگ جلائی اور لوگ شمع پر گرنے والے پروانوں کی طرح اس آگ کی طرف لپکے جاتے ہیں اور میں ہوں کہ پیچھے سے ان کے ازار بند پکڑ پکڑ کر انہیں آگ میں گرنے سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں۔ دعوت و اصلاح اور تذکیر و تذکر کی بے لوث جد و جہد کا جیسا ثبوت اللہ کے رسول نے پیش کیا کسی اور سے کم ہی ایسی بے غرض خدمت کی توقع کی جا سکتی ہے۔ اس خدمت کے دوران میں مخاطب کی طرف سے خواہ کیسی ہی احسان ناشناسی اور بد مزاجی کا مظاہرہ ہوتا، آپ ﷺ کی دل سوزی، نرم مزاجی اور شیریں گفتاری میں کوئی فرق نہ آتا تھا۔ ضد اور انکارِ حق کا کیسا ہی رویہ درپیش ہوتا ہر حال میں صبر کا دامن تھامے رکھنا آپ ﷺ ہی کا شیوہ تھا۔ اگرچہ ربِ کائنات کا مقصود آپ ﷺ کو مصیبت میں ڈالنا ہرگز نہیں تھا لیکن آپ ﷺ نہ کسی کو اس ہدایت سے محروم دیکھنے کے روادار تھے اور نہ آپ ﷺ کو یہ گوارا تھا کہ لوگ اس دعوت کو مسترد کر کے اپنی بد بختیوں پر خود اپنے ہاتھوں مہر لگا لیں۔ اس کیفیت میں آپ ﷺ کی تسلی اور تشفی کے لیے فرمایا گیا:

﴿مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝﴾ (طٰهٰ: 2، 3)

”ہم نے یہ قرآن تم پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ یہ تو ایک یاد دہانی ہے ہر اس شخص کے لیے جو ڈرے۔“

﴿وَ نُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝ وَ يَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝﴾ (الاعلیٰ: 8 تا 13)

”(اے نبیؐ) ہم تمہیں آسان طریقے کی سہولت دیتے ہیں، لہٰذا تم نصیحت کرو اگر نصیحت نافع ہو۔ جو شخص ڈرتا ہے وہ نصیحت قبول کر لے گا اور اِس سے گریز کرے گا وہ انتہائی بد بخت جو بڑی آگ میں جائے گا، پھر اُس میں نہ مرے گا نہ جیے گا۔“

Marfat.com

اسی عظیم ذمہ داری کی وجہ سے آپ ﷺ کو مذکّر کہا گیا ہے:

﴿فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾﴾

(الغاشية : 21، 22)

''اے نبیؐ نصیحت کیے جاؤ، تم بس نصیحت ہی کرنے والے ہو، کچھ اِن پر جبر کرنے والے نہیں ہو۔''

جس طرح سورج دھیرے دھیرے اوپر اٹھتا ہے تو ظلمتوں کے سینے چاک ہو جاتے ہیں، وہ ہستی جسے سِرَاجًا مُّنِيرًا کہا گیا اس نے دعوت وتبلیغ اور انذار اور تذکیر و تذکّر کی کرنیں بکھیریں تو ہدایت کے اس آفتابِ عالم تاب کے نور سے مختصر سی مدت میں سارا عرب منوّر ہو گیا تھا۔ یہ تصور پہلے بھی راہیں بناتا رہا کہ جہاد کا حکم آ جانے کے بعد تذکیر و نصیحت کا موقع باقی نہیں رہا ہے۔ حالیہ عرصے میں کچھ گروہ دہشت اور تشدد اور عسکریت پسندی کو اسلام سے منسوب کر کے قیامِ خلافت اور نفاذِ شریعت کے نام پر اس تصور کو مقبول بنانے کی کوشش میں فساد فی الارض کا موجب بنے ہوئے ہیں۔ انہوں نے جس بڑے ہولناک فتنے کی صورت اختیار کر لی ہے وہ پورے عالمِ اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔ کوئی شیطانی چال ہے یا واقعی دین کی روح اور اس کے مزاج سے ناواقفیت ہے کہ ایک ایسی خون آشام تصویر کو اسلام کی تصویر بنا پیش کیا جا رہا ہے جو اسلام ہرگز نہیں ہے۔ جہاد کا موضوع اس سلسلۂ تحریر میں آگے اپنے مقام پر تفصیل سے زیرِ بحث آ رہا ہے۔

دعوت اور اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں فرق

دعوت اِلی اللہ اور امر و نہی دونوں ایسے عظیم کام ہیں جو انبیاء کی سُنت رہے ہیں اور ہر حال میں ان کا کیا جانا لازم ہے۔ منصبِ رسالت کے تقاضوں کے اعتبار سے نبیِ اُمّی محمد بن عبداللہ ﷺ کی جو خصوصیات قُرآن مجید بیان کرتا ہے ان میں بتایا گیا ہے:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا

Marfat.com

عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ ﴾ (الاعراف: 157)

"......(پس آج یہ رحمت ان لوگوں کے حصہ میں ہے) جو اِس پیغمبر، نبی اُمّی ﷺ کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر اِنہیں اپنے ہاں تورات اور اِنجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ اُنہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، اُن کے لیے پاک چیزیں حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے، اور اُن پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو اُن پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے......"

رسول اللہ ﷺ داعی اِلی اللہ تھے اور یہاں بتایا گیا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام بھی حضورؐ کے فرائضِ نبوّت میں شامل تھا۔ دونوں ذمہ داریوں میں کیا فرق ہے؟ ہمارے مفسّرین اور علماء میں سے بعض نے دونوں کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں وہ سورۃ الِ عمران کی جس آیت سے استدلال کرتے ہیں اس میں آیا ہے کہ مُسلم اُمّت کے اندر دعوت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری انجام دینے کے لیے ہمیشہ ایک جماعت موجود رہنی چاہیے۔

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ (الِ عمران : 104)

"تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی ہونے چاہییں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔"

ہم اللہ کی کتاب کی معجزانہ اور حکیمانہ شان کے بارے میں یہ جانتے ہیں کہ اس میں

Marfat.com

لغت اور مدعا و معنی کے لحاظ سے فالتو ایک حرف بھی نہیں آیا ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں کارِ دعوت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر مقدم رکھا گیا ہے۔ دعوت اوّلین ضرورت ہے۔ دعوت و تبلیغ کے ذریعہ ہی سے اللہ کی مخلوق اسلام کے دامن عافیت و سلامتی میں پناہ لیتی ہے اور شرک و ضلالت کی تاریکیوں سے نکل کر توحید کے نور میں زندگی گزارنے پر تیار ہوتی ہے۔ مسلمان معاشرے کی عددی، اعتقادی اور اخلاقی قوت کا انحصار دعوت و تبلیغ پر ہے۔ دعوت کو ہم گھر تعمیر کرنے کے عمل سے تعبیر کر سکتے ہیں اور امر بالمعروف کو اسے صاف ستھرا رکھنے اور نہی عن المنکر اس میں غلاظت بکھیرنے کی کسی شعوری یا غیر شعوری حرکت سے روکنے کے عمل پر قیاس کر سکتے ہیں۔

دعوت کا رُخ اندر سے باہر کی طرف ہوتا ہے۔ عافیت و سلامتی اور خیر اور بھلائی کے جس جہاز پر ایک شخص خود سوار ہے، دوسروں سے خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ وہ ان کو تباہی و ہلاکت کی لہروں کے حوالے نہ ہونے دے۔ انہیں آواز دے کر عافیت و سلامتی کے ضامن اسی جہاز پر سوار ہونے کی دعوت دے جس کو اس نے اپنی زندگی کے محفوظ سفر کا ذریعہ بنایا ہے۔ جب کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایسی مقدس سرگرمی ہے جو مسلم معاشرے کے اندر انجام پاتی ہے۔ یہ جہاز میں سوار مسافروں کو ان سب کی یا ان میں سے کسی ایک کی کسی ایسی غلطی سے باز رکھنے کا عمل ہے جس سے جہاز میں کوئی فنی خرابی پیدا ہونے یا اس کی روانی میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو یا اس کے اندر فساد کا ایسا ماحول بن جانے کا خدشہ ہو جس میں مسافروں کی سلامتی خطرے میں پڑ جائے۔ قیامت تک دنیا کے لیے رہبری اور ہدایت کا سامان چھوڑ جانے والے ہمارے آقا ﷺ نے ایک جہاز ہی کی مثال دے کر اس فریضے کی نزاکت و اہمیت سمجھائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: 'حدود پر قائم رہنے اور ان کو توڑنے والوں کی مثال ایک بحری جہاز میں سوار ایسے لوگوں کی سی ہے جن میں سے بعض اس کے اوپر والے حصے میں اور کچھ دوسرے لوگ اس کے نچلے حصے میں سفر کر رہے ہوں۔ نیچے والوں کو جب بھی پانی کی ضرورت پیش آتی ہو انہیں اوپر جا کر پانی لینا پڑتا ہو۔ اب اگر وہ اوپر والوں

Marfat.com

کو زحمت سے بچانے کے لیے جہاز کے نچلے حصے میں سوراخ کر لینے کا فیصلہ کرلیں تاکہ نیچے ہی سے (سمندر یا دریا میں ڈول لٹکا کر) پانی بھر لیا کریں تو ان کی اس حرکت سے اگر اوپر والے انہیں باز نہ رکھیں گے تو دونوں ہی ہلاکت سے دوچار ہو جائیں گے اور اگر وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں ایسا کرنے سے روک لیں تو سب سلامت رہیں گے۔ [1]

اُمتِ مُسلمہ کو یہ باور کرایا گیا ہے کہ اس کے ہر فرد کی زندگی اپنی ذات تک محدود نہیں ہے۔ یہ اُمت دوسرے لوگوں کی بھلائی کے لیے اٹھائی گئی ہے۔ کسی کے ساتھ اس سے بڑی بھلائی اور کوئی نہیں کہ اسے برائی سے نکال کر اچھائی کے راستے پر ڈال دیا جائے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ ﴾ (الِ عمران : 110)

''اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ اہلِ کتاب (یہودی) ایمان لے آتے تو انہی کے حق میں بہتر تھا۔ اگرچہ ان میں کچھ لوگ ایمان دار بھی پائے جاتے ہیں مگر ان کے بیشتر افراد نافرمان ہیں۔''

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بحث میں عموماً اس آیتِ کریمہ کے پہلے حصے پر بات ختم کر دی جاتی ہے اور اس کا باقی حصہ نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ ہم اس موضوع پر کتابِ حکیم کی ایک اور آیت سامنے رکھ کر رسول اکرم ﷺ کے کچھ ارشادات میں اہلِ کتاب اور خاص طور پر یہود کی مثالیں دیکھیں تو سمجھ میں آتا ہے کہ یہ بقیہ حصہ اس موضوع کی توسیع و تشریح ہے۔ اس میں 'خیر اُمّہ' کے اس پیشرو گروہ کے ترکِ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اُس

[1] بخاری.

Marfat.com

جُرم کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل ہمیں قرآن کی دیگر آیات اور احادیث نبویہ میں ملتی ہے۔اس جرم کی پاداش میں اُس گروہ پر اُس کے پیغمبروں کی لعنت برستی رہی ہے۔

﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝﴾ (المائدۃ : 78، 79)

''بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اُن پر داود اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی کیوں کہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے، اُنھوں نے ایک دوسرے کو بُرے افعال کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا، برا طرزِ عمل تھا جو انھوں نے اختیار کیا۔''

یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ہی ہے جس کو مستعدی سے انجام دینا اُمتِ مسلمہ اور اہلِ کتاب، بالخصوص یہود میں نمایاں فرق پیدا کرتا ہے۔یہود نے سرکشیاں اختیار کیں اور ظلم و زیادتی کو شیوہ بنا لیا تھا اور وہ برائی کے پشت پناہ بن گئے تھے۔رسولِ پاک ﷺ کی ایک حدیث میں یہود کی اس روشِ بد کی تصویر بالکل نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آتی ہے:

''بنی اسرائیل میں اول اول بگاڑ نے جب راہ پائی تو حال یہ ہوتا تھا کہ ایک شخص کی (برائی میں مبتلا) اپنے رفیق سے ملاقات ہوتی تو وہ اسے کہتا: 'بھائی اللہ سے ڈرو اور یہ جو (بری) حرکتیں تم کرتے ہو ان سے باز آ جاؤ، یہ تمہارے لیے جائز نہیں ہیں۔' (پھر کچھ عرصہ بعد) دونوں کی ملاقات ہوتی تو برائی کا مرتکب اپنی روش پر قائم ہوتا تھا، اس کے باوجود دونوں اکٹھے بیٹھتے اور کھاتے پیتے تھے۔جب معاملہ یہاں تک پہنچا تو پھر انبیاء کی زبان سے پھٹکار پڑی (حضورؐ نے یہاں سورۃ المائدۃ کی محولہ بالا آیت پڑھی)۔اللہ کی قسم، تمہیں نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہوگا اور ظالم کا ہاتھ پکڑنا ہوگا، اسے حق کی طرف موڑ کر اس کی حدود کا پابند کرنا ہوگا۔اگر ایسا نہ کیا گیا تو تم سب (اچھوں اور

Marfat.com

بروں) کے دلوں کو اللہ یکساں کر دے گا، پھر تم پر بھی ویسے ہی لعنت برسائے گا جیسے اُن (یہود) پر برسائی تھی۔' (ابوداود، ترمذی میں تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ) آیاتِ قُرآنی اور احادیث کے مطابق اس فریضے کا مقصد حق اور راستی سے پھرے ہوؤں اور دین و ایمان کی حقیقتوں سے بے خبر یا جان بوجھ کر ان سے منحرف لوگوں کو دین کے دائرے میں لانا ہے۔ اس فریضے کے ترک کر دینے سے اگر یہود مُستحقِ سزا ٹھہرائے گئے تھے تو یہ اُمتِ خیر اگر اس کی تارک بنے گی تو یہ سزا سے نہیں بچے گی۔ حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے:

'اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تمہیں ضرور نیکیوں کا حکم دیتے رہنا اور بدیوں سے منع کرتے رہنا ہے ورنہ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سزا کا کوڑا تم پر برسے، تُم نجات کے لیے دعائیں کرو اور تمہاری دعائیں قبول نہ ہوں۔'' [1]

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی انجام دہی کے لیے مختلف دائرے ہیں۔ تمکّن اور اختیار اس کی بنیادی شرط ہے۔ ہر شخص کو جہاں جہاں اختیار اور اتھارٹی حاصل ہو وہاں اس پر لازم ہے کہ برائیوں کو پنپنے نہ دے اور نیکیوں اور اچھائیوں کو مٹنے نہ دے۔ خاندان اور گھر کا سربراہ اپنے گھر اور خاندان کا ذمہ دار ہے۔ کسی بلدیاتی ادارے یا کسی تنظیم کے حلقے میں اس ادارے کے نمائندے اور تنظیم کے سربراہ کا فرض ہے کہ نیکیوں کو پروان چڑھائے اور برائیوں کا قلع قمع کرے۔ محلے اور گلی کے سارے باسیوں کی ذمہ داری ہے کہ قانون شکن اور شرانگیز اور فتنہ پرور عناصر پر نظر رکھیں اور ان کو لگام دینے کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کریں۔ لیکن وہاں بھی سب سے زیادہ بااثر اور بااقتدار شخص پر ذمہ داری کا بار باقی لوگوں سے زیادہ ہے۔ مُسلم ریاست کا حکمران پوری ریاست میں اسلامی شعائر کی ترویج اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مکلف ہوتا ہے۔

---

[1] ترمذی.

Marfat.com

جہاں تک دعوت کا تعلق ہے تو اس کو سمجھنے کے لیے مویشیوں کے باڑے کی مثال سامنے رہنی چاہیے۔ باڑے سے نکل کر بھٹک جانے والے مویشی جن کے بارے میں یہ احتمال ہوتا ہے کہ انہیں یا تو کوئی رسّی گیر پکڑ کر لے جائے گا یا وہ کسی بھیڑیے کی خوراک بن جائیں گے، انہیں ہانک کر واپس باڑے میں بند کرنے کو دعوت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ وہ مخلوقِ خُدا جس کو توحید و رسالت اور آخرت کے عقیدے اور اخلاقِ حمیدہ کے اوصاف کا یا تو سرے سے علم ہی نہ ہو یا وہ جان بوجھ کر اس عقیدے کی منکر اور ان اخلاقی اقدار سے منحرف ہو کر اللہ سے دور جا پڑی ہو، دعوت کے ذریعے اسے دین و ایمان کے کھونٹے سے باندھنے کا عمل دعوت ہے۔ دعوت کی عظمت و فضیلت کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ ﴾ (حٰمٓ السّجدة : 33)

''اور اُس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہو گی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔''

اللہ تعالیٰ نے اگرچہ دعوت کی آواز بلند کرنے کا حکم اپنے نبیؐ کو دیا لیکن قیامت تک سارے اہلِ ایمان اس کے پابند ہیں کہ اس حکم کے مطابق دعوت کا عمل جاری رکھیں۔ انسان کے لیے اپنے آبائی عقائد اور صدیوں کی جمی جمائی روایات کو ترک کرنا سب سے مشکل کام ہوتا ہے۔ کسی کو ان عقائد اور اخلاقی رویّوں کو ترک کرنے پر آمادہ کرنا جن کو جاہلیّت نے مدتوں سے راسخ کر رکھا ہو اور ان کی جگہ اسلام کے عقائد اور اخلاقی اصولوں کو بٹھانا علم و حکمت اور احتیاط و دانش کا معاملہ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جہاں دعوت دینے کی تلقین کی وہاں اس کے آداب اور طریقے سے بھی آگاہ کیا ہے:

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ ﴾ (النّحل : 125)

''اے نبیؐ، اپنے رَب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے

Marfat.com

ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔''

داعی کے لیے لازم ہے کہ اس پر وہ پیغام واضح ہو جو وہ دے رہا ہے اور وہ لوگوں کو اس راستے کی طرف بلائے جس پر وہ خود پورے شعور اور اِذعان کی روشنی میں گامزن ہے۔ رسول اکرم ﷺ سے فرمایا گیا کہ خود اپنے بارے میں اسی چیز کا لوگوں کو یقین دلائیں:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾ (یوسف : 108)

''(اے نبیؐ) تم ان سے صاف کہہ دو کہ 'میرا راستہ تو یہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی، اللہ پاک ہے اور اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو دعوت کے کام کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۣ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝﴾

(القصص : 87، 88)

''اور (اے نبیؐ) ایسا کبھی نہ ہونے پائے کہ اللہ کی آیات جب تم پر نازل ہوں تو کفار تمہیں اُن سے باز رکھیں۔ اپنے رب کی طرف دعوت دو اور ہرگز مشرکوں میں شامل نہ ہو اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اُس ذات کے۔ فرمانروائی اُسی کی ہے اور اُسی کی طرف تم سب پلٹائے جانے والے ہو۔''

مزید ارشاد فرمایا:

﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ

Marfat.com

اٰمَنۡتُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنۡ کِتٰبٍ ۚ وَ اُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَیۡنَکُمۡ ؕ اَللّٰہُ رَبُّنَا وَ رَبُّکُمۡ ؕ لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَ لَکُمۡ اَعۡمَالُکُمۡ ؕ لَا حُجَّۃَ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکُمۡ ؕ اَللّٰہُ یَجۡمَعُ بَیۡنَنَا ۚ وَ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ﴿ؕ۱۵﴾ (الشوریٰ : 15)

''(چونکہ اہلِ کتاب نے ایک دوسرے کی ضد میں، ایک دوسرے پر اپنی بالادستی جتانے کے لیے اور ایک دوسرے پر زیادتی کی خاطر دین میں تفرقے ڈال دیے تھے، اس حالت میں) اے محمدؐ، اب تم اسی دین کی طرف دعوت دو، اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے اُسی پر مضبوطی سے قائم ہو جاؤ، اور اِن لوگوں کی خواہشات کا اِتباع نہ کرو، اور اِن سے کہہ دو کہ: 'اللہ نے جو کتاب بھی نازل کی ہے میں اُس پر ایمان لایا، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔ اللہ ہی ہمارا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ ہمارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ایک روز ہم سب کو جمع کرے گا اور اُسی کی طرف سب کو جانا ہے۔''

یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ دعوت وتبلیغ اور اِنذار وتذکر کے لیے علم بنیادی ضرورت ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے خیر وشر، حق و باطل، طیّب وخبیث اور حلال وحرام میں تمیز کرنے کی صلاحیت لازم ہے۔ قُرآن علم ومعرفت کا سرچشمہ ہے۔ یہی فرقانِ حمید تمیز اور فرق کی کسوٹی ہے جس سے معروف ومنکر دونوں کے انسانی زندگی پر مرتب ہونے والے مثبت ومنفی نتائج سے آگاہی ہوتی ہے۔ اس کتابِ پاک کا علم اور اس پر تدبّر کی متاع دامن میں نہ ہوتو اوپر جن مہمات کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں ان کو سر کرنے میں قدم قدم پر ٹھوکر لگنے کا احتمال رہتا ہے۔ رسول عربی ﷺ جب دعوتِ حق کے لیے اُٹھے تو یہی کتابِ مُبین ان کا سامانِ دعوت ہوا کرتی تھی۔ حضور ﷺ کے ہاں ہمیں لمبی تقریریں نہیں ملتیں۔ آپؐ نے جب کبھی اور جس کسی کے سامنے دین کی دعوت پیش کی اکثر اوقات اس کو قرآن پاک کی آیات سنائیں۔ یہی مُدعا اور موضوع ہوتیں اور یہی دلیل و برہان کا کام کرتی تھیں۔ ان کی اثر

Marfat.com

آفرینی دلوں کا زنگ اتارتی اور ذہنوں پر چڑھے جاہلیت کے جالے صاف کرتی تھیں۔ان کی حکمت ہی اپنا لوہا منواتی اور ان کی روشنی سے ہی لوگوں کو جاہلیت اور گمراہی کے اندھیروں میں صحیح راستہ معلوم ہوتا تھا۔یہی خُدا کا خوف پیدا کرتی تھیں اور انہی سے دلوں میں امید و یقین کے چراغ روشن ہو جاتے تھے۔

اِمام شافعیؒ، ابن رجبؒ اور جدید دور میں شیخ عبداللہ بن بازؒ سمیت متعدد علماء اور بعض قدیم شارحین احادیث کے نزدیک وہ چیز جسے قُرآن نے حکمت کا نام دیا ہے، وہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی سُنّت ہی ہے۔اس پہلو سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کتاب اللہ کے ساتھ سُنتِ رسول اللہ ﷺ کا سرمایہ بہم پہنچا کر ہی وہ سارے کام کیے جا سکتے ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔رسالت مآب ﷺ کے آخری خُطبہِ حج میں ہمیں اِنذار اور تذکیر و نصیحت کے علاوہ معروف کا حکم اور منکر کی نہی بھی ملتی ہے اور ساتھ دعوت و تبلیغ کی تلقین بھی اس میں شامل ہے۔

آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ:

"بَلِّغُوْا عَنِّی وَلَو آیَة"[1]

یعنی دعوت و تبلیغ کے کام میں میرے منہاج اور اصولوں کو پیشِ نظر رکھ کر اور میری نبوّت کے عِلم و فکر کے سرمائے کو ذریعہِ تبلیغ بناؤ خواہ اس میں سے تمہیں کوئی ایک قُرآنی آیت ہی مل جائے۔

[1] بخاری و مُسلم.

Marfat.com

اِظہار و غلبۂ دین اور جہاد

پچھلے ابواب میں جو عنوانات زیرِ بحث آئے وہ سب درحقیقت اِظہار و غلبۂ دین کی منزل کے سنگ میل ہیں۔ اسلام دنیا میں محکوم و مغلوب بن کر رہنے کے لیے نہیں آیا ہے۔ انسانیت کے لیے یہ خالقِ کائنات کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس نعمت اور خُدا کی مخلوق کے درمیان اگر دوسری مذہبی، سیاسی اور عسکری و اقتصادی قوتوں کی دیوار کھڑی ہو جائے تو یہ نعمت بے معنی ہو جاتی ہے۔ جس خِطۂ زمین پر مسلمانوں کو اکثریت ہو جائے اور ان پر کسی دوسری طاقت کا تسلّط نہ ہو، اس سرزمین پر اگر وہ اسلام کو غالب اور کارفرما نہ کریں تو ان کی مسلمانیت غیر معتبر ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں اسلام کے دامن میں اللہ کی جتنی رحمتیں اور برکتیں ہیں اور اس کی کارفرمائی میں جو عظیم ثمرات ہیں، انسانیت کا دامن ان سے خالی رہتا ہے۔ یہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کا بھیجا ہوا دین ہے اس لیے اس کا یہ دعویٰ بے جا نہیں ہے کہ تنہا یہی 'دِینِ حق' ہے، اس کے علاوہ جو دین دنیا میں موجود ہیں وہ ربُّ العالمین کے نزدیک ادیانِ باطل ہیں۔ نبوّت کے جو مقاصد قُرآن پاک میں تکرار کے ساتھ اور زور دے کر بیان کیے گئے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ؐ کو اس غرض کے لیے بھیجا ہے کہ وہ اس دینِ حق کو باقی سارے ادیان پر غالب و کارفرما کر دے۔ اس موضوع کو بیان کرنے والی آیت تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ قُرآن پاک میں تین بار آئی ہے:

﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۹﴾ (الصّف: 8، 9)

Marfat.com

''یہ لوگ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نُور کو بجھانا چاہتے ہیں، اور اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے نُور کو پورا پھیلا کر رہے گا خواہ کوفروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے پُورے دِین پر غالب کر دے خواہ مُشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔''

یہ اعلان انتہائی نازک اور ہنگامی دور میں ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے ابھی دوسرا سال تھا کہ مشرکینِ مکّہ نے اِس نُور کو بجھانے اور نوزائیدہ اسلامی ریاست اور خود مسلمانوں کا وجود مٹانے کے لیے اپنی ساری قوت کے ساتھ حملہ کیا تھا۔ معرکۂ بدر میں انہیں ذِلت آمیز شکست ہوئی تھی۔ واپس جاتے ہوئے وہ یہ دھمکی دے گئے تھے کہ اگلے سال مقتولینِ بدر کا بدلہ لینے کے لیے اس سے زیادہ قوت کے ساتھ حملہ آور ہوں گے۔ ہر طرف سے مسلمانوں اور ان کے دین پر خطرات کی گھٹائیں اُمڈی آ رہی تھیں اور کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ دین اور اس کو ماننے والے زیادہ عرصہ زندہ اور باقی رہ بھی سکیں گے۔ ان حالات میں دوٹوک انداز میں اعلان کر دیا گیا کہ اللہ نے اپنے رسول کو اس لیے بھیجا ہے کہ وہ اس دین کو غالب کر کے چھوڑیں۔ دوسری مرتبہ اوپر درج دو میں سے دوسری آیت وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ کے بجائے وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا کے الفاظ کے ساتھ یہی آیت سورہ الفتح (29) میں ہمیں ملتی ہے۔ ہجرت کے چھٹے سال نبیِ صادِق و مصدوق ﷺ اپنے ایک خواب کی روشنی میں اپنے چودہ سو صحابہؓ کے ہمراہ عمرہ کی نیت سے مکہ مکرّمہ تشریف لے گئے لیکن مشرکین نے حدیبیہ کے مقام پر آپؐ کو روک دیا تھا۔ انہیں قائل کرنے کی ہر سفارتی تدبیر بروئے کار لائی گئی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ لڑائی کے لیے نہیں بلکہ زیارت وطوافِ کعبہ کی نیّت سے آئے ہیں۔ قربانی کے جانور ساتھ ہیں اور ان کے گلے میں علامتِ قربانی کے طور پر قلادے پڑے ہوئے ہیں۔ تلوار کے سوا کوئی اور جنگی ہتھیار ساتھ نہیں لائے ہیں۔ لیکن مشرکین مکّہ نے معاملے کو اپنی اَنا کا مسئلہ بنا لیا۔ طویل مذاکرات کے بعد آخر ایک معاہدہ طے پایا جو تاریخ وسیرت کی کتابوں میں معاہدۂ حدیبیہ کے نام سے

Marfat.com

محفوظ ہے۔صحابہ کرامؓ کے لیے اس معاہدے کی شرائط دو پہلوؤں سے سخت صدمہ انگیز تھیں۔ایک یہ کہ وہ اللہ کے گھر سے صرف دس بارہ میل کے فاصلے پر سے بغیر عمرہ کیے واپس جا رہے تھے۔دوسرے اس معاہدے سے بظاہر مسلمانوں کی کمزوری اور توہین جھلکتی تھی۔وہ انتہائی دل گرفتہ اور دل شکستہ حالت میں مدینہ واپس جا رہے تھے کہ ضجنان یا بعض اقوال کے مطابق کُرَاعُ الغمیم کے مقام پر یہ سورہ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا کے افتتاحی الفاظ میں خوشخبری کے ساتھ نازل ہوئی تھی۔

کوئی قیاس کر سکتا تھا کہ کہاں یہ کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ کو زیارت اور طوافِ کعبہ کی سعادت اور عُمرہ کی عبادت سے بھی روک دیا تھا اور وہ بے بسی کے ساتھ واپس جا رہے تھے اور کہاں واپسی کے راستے ہی میں یہ اعلان کہ اِس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے کہ اللہ اپنے دین کو غالب کر کے چھوڑے گا۔تیسری بار وہ دو آیات جو اوپر سورہ صف کے حوالے سے درج ہیں تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ سورہ توبہ میں ہم دیکھتے ہیں۔اگرچہ اس وقت تک مسلمان اپنی قوت کا لوہا منوا چکے تھے۔تمام سرکش قبائل سر نگوں ہو گئے تھے۔جزیرۃُ العرب کی سرحدوں کے اندر مدینہ کی ریاست پر ان کے اقتدار کو چیلنج کرنے والی کوئی قوت باقی نہیں رہی تھی۔لیکن سرحدوں کے باہر سے خطرات کے بادل امڈ رہے تھے۔شمال میں بہت طاقتور رومی سلطنت دینِ اسلام اور اسلامی ریاست اور مُسلم اُمت کو مٹانے کے لیے تیاریاں کر رہی تھی۔نبی مکرّم ﷺ جانتے تھے کہ کوئی قوم یا فوج نفسیاتی ہزیمت کا شکار ہو جائے تو پھر اس کے لیے میدانی ہزیمت سے بچنا ممکن نہیں ہوتا ہے، اس لیے آپ ﷺ نے رومیوں کے مقابلے میں اقدام کا فیصلہ کیا اور ان کی سرحدوں پر جا پہنچنے کی تیاری کر لی۔رومیوں کی طاقت کے خیال سے کچھ مغلوب قبائل، منافقین اور ارد گرد کے عیسائی اور یہودی خوش تھے کہ مسلمان اجتماعی خودکشی کے لیے جا رہے ہیں۔حالات بڑے دگرگوں تھے۔سخت گرمی کا موسم تھا۔قحط سالی کی کیفیت تھی اور کھجور کا پھل درختوں کے ساتھ پکنے والا تھا۔اسے وقت پر سنبھالا نہ جاتا تو سارے سال کی روزی کا سامان ضائع

Marfat.com

ہونے کا ڈر تھا۔ رسول عربی ﷺ کی قیادت میں تیس ہزار کا لشکر بے سروسامانی کی حالت میں نکلا اور دشمن کی سرحد پر تبوک کے مقام پر جا اترا تھا۔ مسلمانوں کے پاس طویل سفر کے لیے نہ کافی سواریاں تھیں اور نہ دشمن کی طاقت کی نسبت سے اسلحہ اور نہ خوراک کا مکمل سامان تھا۔ حضور ﷺ کی تدبیر کارگر ہوئی۔ یہ غیر متوقع پیش قدمی دشمن پر زبردست نفسیاتی فتح ثابت ہوئی اور وہ مقابل آنے کی جرأت نہ کر سکا۔ سورہ توبہ کا بڑا حصہ اسی غزوۂ تبوک کے پس منظر میں نازل ہوا۔ اس میں ایک بار پھر اسی عزم وحقیقت کا اعادہ کیا گیا کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو سامانِ ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ اس لیے نہیں بھیجا کہ یہ دین مِٹ جائے۔ یہ غالب آ کر اور کارفرما ہو کر رہے گا۔

غلبہ و اِظہارِ دین کا مطلب

اس زمین و آسمان کے مالک نے اپنے رسولؐ کو ہدایت کی روشنی اور دینِ حق کی نعمت دے کر اس لیے بھیجا کہ وہ بنیادی طور اپنی مدینہ کی قلمرو میں اس دین کو بلاشرکتِ غیرے ایک غالب نظام کی صورت میں جاری کریں۔ اِسلام دوسرے نظام ہائے زندگی کے ساتھ 'کبھی ہم اور کبھی تم، کہیں ہم اور کہیں تم اور کچھ ہم اور کچھ تم' کی شرائط پر مصالحت نہیں کرتا۔ اِظہار اس کی فطرت میں ہے اور غلبہ و کارفرمائی اس کے احکام اور تعلیمات کی ثمر آوری کے لیے ضروری ہے۔ یہ اپنی ریاست میں دیگر ادیان کے پیروکاروں کو تہِ تیغ کر کے مٹا نہیں دیتا۔ جبر و اِکراہ سے انہیں مسلمان بنانے کی اجازت بھی نہیں دیتا۔ ان کی عبادات اور ایک دائرے کے اندر ان کی ثقافتی سرگرمیوں پر بھی کوئی قدغن نہیں لگاتا۔ اسلامی ریاست ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ دار ہوتی ہے اور ان پر ترقی کے مواقع اور ملازمتوں کے دروازے بھی بند نہیں کیے جاتے۔ لیکن اسلام یہ ہرگز گوارا نہیں کرتا کہ اعتقادی و اخلاقی، معاشی و معاشرتی، تہذیبی و تمدنی لحاظ سے اُسے اپنے ہی گھر میں اجنبی بنا کر رکھ دیا جائے۔ اسلام کا تقاضا ہی نہیں بلکہ یہ اس کا حق ہے کہ تمام ریاستی قوانین اور اجتماعی نظام اس کی شریعت کے مطابق ہوں اور تہذیب و ثقافت کے تمام نقوش پر اس کی پوری چھاپ ہو۔ جب

Marfat.com

تک زندگی کے سارے شعبے اس کے تابع نہ ہوں اس وقت تک یہ دنیا کے دامن میں اپنے بے پناہ تمدنی فیوض ڈال ہی نہیں سکتا۔ اس کا اظہار و غلبہ درحقیقت انسانیت پر اللہ کے احسان اور اس کی رحمت کے چشمے رواں کرنے کی ایک سبیل ہے۔

مولانا مودودیؒ نے غلبۂ دین کے بارے میں لکھا ہے: ’’......محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد محض اس دین کی تبلیغ نہ تھا بلکہ اسے دین کی نوعیت رکھنے والے تمام نظاماتِ زندگی پر غالب کر دینا تھا۔ دوسرے الفاظ میں آپؐ یہ دین اس لیے نہیں لائے تھے کہ زندگی کے سارے شعبوں میں غلبہ تو ہو کسی دینِ باطل کا اور اس کی قہرمانی کے تحت یہ دین اُن حدود کے اندر سکڑ کر رہے جن میں دینِ غالب اسے جینے کی اجازت دے دے، بلکہ اسے آپؐ اس لیے لائے تھے کہ زندگی کا غالب دین یہ ہو اور اگر کوئی دوسرا دین جیے بھی تو اُن حدود میں جیے جن میں یہ اسے جینے کی اجازت دے۔‘‘[1] مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سورہ توبہ میں اسی آیت کی ذیل میں اپنے تفسیری نوٹ میں لکھتے ہیں: ’’اسلام کا غلبہ باقی ادیان پر معقولیت اور حجت و دلیل کے اعتبار سے تو ہر زمانہ میں بحمد للہ نمایاں طور پر حاصل رہا ہے۔ باقی حکومت و سلطنت کے اعتبار سے وہ اُس وقت حاصل ہوا ہے اور ہو گا جبکہ مسلمان اصولِ اسلام کے پوری طرح پابند اور ایمان و تقویٰ کی راہوں میں مضبوط اور جہاد فی سبیل اللہ میں ثابت قدم تھے یا آئندہ ہوں گے۔ اور دین کا ایسا غلبہ کہ باطل ادیان کو مغلوب کر کے بالکل صفحۂ ہستی سے محو کر دے، یہ نزولِ مسیح علیہ السلام کے بعد قریب قیامت کے ہونے والا ہے۔‘‘

جہاد بمعنی جدوجہد

اہم ترین قرآنی اصطلاحات اور دینی موضوعات میں سے جَھَدَ، اَجْھَدَ سے مشتق اصطلاح جہاد قرآن اور احادیث میں متعدد بار اور مختلف معنوں میں استعمال ہوئی ہے۔ اس کی مختلف شکلوں سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ کس جگہ یہ کن معنوں میں آئی ہے۔ اس کے معنی زبردست کوشش اور سخت جدوجہد کرنا، محنت اور پوری جانفشانی دکھانا ہیں۔ جُھْد کا مطلب

[1] تفہیم القرآن، جلد پنجم۔

Marfat.com

طاقت، توانائی اور صلاحیت ہے اور مُجْتَہِد گہری توجہ اور لگاؤ اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ اس لفظ کی یہ ساری جہتیں جب یکجا ہو کر کسی فاعل میں اکٹھی ہو کر بروئے کار آتی ہیں تو اس سے 'مجاہد' کا وہ تصور پیدا ہوتا ہے جو اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال کی بازی لگا دیتا ہے۔ کئی دوسرے مقامات کی طرح درج ذیل دو آیتوں میں یہ لفظ اپنا سب کچھ راہِ حق میں لگا دینے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے:

﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ (الحج : 78)

''اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔''

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (العنکبوت : 69)

''جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنے راستے دکھا دیں گے، اور یقیناً اللہ نیکوکاروں ہی کے ساتھ ہے۔''

اللہ کے دین کی دعوت و تبلیغ اور اس کے نشر و اشاعت کے لیے تقریر کی صلاحیت، تحریر کا جوہر، مکالمہ (dialoge,table talk) کی مہارت، سماجی اثر و رسوخ اور مالی وسائل، جسمانی توانائی، عقل و فکر کی صلاحیتیں، غرض جس کے پاس جو لیاقت و استعداد بھی ہو اسے اللہ کی راہ میں، اس کے دین کی سربلندی کی خاطر استعمال کرنے کا نام جہاد ہے۔ مکہ مکرمہ میں دعوتِ حق کے ابتدائی دور سے لے کر ہجرت کے بعد کے ابتدائی عرصے تک سینوں کو چھلنی کرنے اور گردنیں مارنے والے ہتھیاروں — تیغ و تفنگ اور تیر و تبر — کے بجائے دلوں میں گھر کرنے اور روحوں تک اتر جانے والے ہتھیار قرآن کے ذریعہ جہاد کا حکم ہوا تھا:

﴿فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا﴾ (الفرقان : 52)

''پس اے نبیؐ، کافروں کی بات ہرگز نہ مانو اور اِس قرآن کو لے کر اُن کے ساتھ جہادِ کبیر کرو۔''

Marfat.com

یعنی منکرین کے مکر و زُور، طعن و تشنیع، گھٹیا اعتراضات اور نکتہ چینیوں کی پروا نہ کریں۔ اپنی طرف سے قائل کرنے کی کوشش میں کوئی کسر نہ چھوڑیں۔ اعتقادی اور نظریاتی محاذ پر قُرآنی برہانِ قاطع کو بروئے کار لائیں۔ اس کی آیتیں سنائیں۔ قُرآن کے پیغام کو لے کر ہر گھر، ہر مجلس، ہر وادی، ہر ڈیرے تک پہنچیں۔ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا کی تفسیر میں جہاد کے غیر مسلّح مرحلے سے قتال کے مرحلے تک ہر پہلو کو نمایاں کرتے ہوئے لکھا ہے:

'جہاد سے مراد محض قتال (جنگ) نہیں ہے، بلکہ یہ لفظ جدوجہد اور کشمکش اور انتہائی سعی وکوشش کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پھر جہاد اور مجاہد میں یہ مفہوم بھی شامل ہوتا ہے کہ مزاحمت کرنے والی کچھ طاقتیں ہیں جن کے مقابلے میں یہ جدوجہد مطلوب ہے اور اس کے ساتھ فِی اللّٰہِ کی قید یہ متعین کر دیتی ہے کہ مزاحمت کرنے والی طاقتیں وہ ہیں جو اللہ کی بندگی اور اُس کی رضاجوئی میں، اور اُس کی راہ پر چلنے میں مانع ہیں، اور جدوجہد کا مقصود یہ ہے کہ اُن کی مزاحمت کو (صبر اور لگن کے ساتھ اپنا کام جاری رکھتے ہوئے) شکست دے کر آدمی خود بھی اللہ کی ٹھیک ٹھیک بندگی کرے اور دنیا میں بھی اس کا کلمہ بلند اور کفر و الحاد کے کلمے کو پست کر دینے کے لیے جان لڑا دے۔' [1]

یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ جب خود آدمی کے اندر ہوس چھپ چھپ کے دنیوی اغراض کی دلربا اور پرکشش تصویریں بنا لیتی ہے، باطن میں خواہشاتِ نفس کا جال تن جاتا ہے، باطل نظریات اور الحادی تہذیب و ثقافت کے مظاہر کی کشش بھی اندر پھوٹ پھوٹ کر دے رہی ہوتی ہیں تو اس حالت میں اپنے عقائد، اپنے نظریہ وفکر اور اخلاق و کردار کو ان کی چھینٹ سے بچانے کے لیے نفس سے جو لڑائی لڑنی پڑتی ہے وہ بھی ایک بہت بڑا جہاد ہے۔ ہمارے صوفیاء نے نبی ﷺ سے منسوب قَدَّمْتُمْ خَيْرَ مَقْدَمٍ مِّنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ والی ضعیف روایت کی آڑ میں جہاد کے مفہوم کو نفس سے لڑنے تک

[1] تفہیم القُرآن جلد سوم۔

Marfat.com

مقیّد کر دیا اور کفر و شرک اور طواغیت کے خلاف میدانِ جنگ میں پیش آنے والی جہاد کی اس صورت کی اہمیت گھٹا دی جو افضل العبادات ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ میدانِ جنگ کے ہنگام میں ایک مومن کو بندگی کا احساس اور موت کے قریب ہونے کا جو تصور اس پر غالب ہوتا ہے وہ گھر لوٹنے کے بعد وہ مدھم پڑ جاتا ہے۔ ترغیبات و تحریصات کے اس پر جو حملے ہونے لگتے ہیں ان کا مقابلہ دشمن سے دوبدو جنگ سے کچھ کم مشکل معرکہ نہیں ہوتا۔ اس اعتبار سے نفس کے ساتھ لڑنے کا یہ عمل بھی جہاد میں شمار ہوتا ہے۔

جہاد بمعنی قتال

اسلام مخالف قوتوں کا یہ پروپیگنڈا پچھلی کئی صدیوں سے جاری ہے کہ یہ دِین تلوار کے بَل پر پھیلا ہے۔ گزشتہ چند عشروں کے دوران میں کچھ غیر ریاستی گروہ اٹھے ہیں جنہوں نے اپنی انتہاپسندی، دہشت گردی اور خُون آشامی کے ذریعے اس پروپیگنڈے میں گویا جان ڈال دی ہے۔ اس سے اُمتِ مُسلمہ ایک سخت دباؤ میں آ گئی ہے اور جہاد کے بارے میں ایک معذرت خواہانہ رویّہ پروان چڑھ رہا ہے۔ مسلم ممالک کا میڈیا کارپوریٹ معیشت کے تابع ہے اور کارپوریٹ معیشت کی ڈوری اسلام مخالف طاقتوں کے ہاتھ میں ہے۔ اپنے آقاؤں کی مرضی کے مطابق یہ میڈیا اس معذرت خواہانہ رویّے کو غذا فراہم کر رہا ہے۔ غیر ریاستی گروہوں کو اٹھنے کا کبھی موقع نہ ملتا اگر مُسلم ممالک کے حکمران مِلّتِ اسلامیہ کے حقیقی پاسبان اور دِینِ حق کے صحیح ترجمان بن کر دکھاتے۔ یہ دہشت گرد گروہ اپنی جس دہشت گردی کو اسلامی جہاد قرار دیتے ہیں نہ وہ اسلامی جہاد ہے اور نہ ہی جہاد کی حقیقت اور اہمیت کی منکر اور معذرت خواہ اس سوچ کا اسلام سے کوئی واسطہ ہے جو مغرب زدہ دماغوں میں پھوٹتی اور پھیلتی ہے۔ جہاد و قتال ہمارے دینی فرائض کا ایک انتہائی اہم حصہ ہے۔ قُرآن مجید میں دو چار دس بیس آیتیں نہیں بلکہ پوری پوری سورتیں جہاد کے احکام سے بھری ہوئی ہیں۔ غلبۂ دین کے بارے میں رسول پاک ﷺ کی ذمہ داری کا جن تین مقامات پر ذکر آیا ہے ان میں سورہ صف اور سورہ توبہ پوری کی پوری جہاد و قتال ہی کے مضمون پر مشتمل ہے۔ سورہ توبہ

Marfat.com

ایک لحاظ سے اس سورہ انفال کا تسلسل اور تتمہ ہے جو اسی موضوع پر مشتمل ہے۔ اور بھی کتنی ہی سورتیں ہیں جن میں جہاد کے بڑے اہم پہلو اور احکام ہیں۔ سورہ صف کی ابتدا میں سخت انتباہ کیا گیا ہے کہ اللہ کی نظر میں بڑی ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ کوئی منہ سے وہ کچھ کہے (ایمان کا دعویٰ کرے) جس پر عمل کر کے نہ دکھائے۔ اللہ کے محبوب بندے تو وہ ہیں جو معرکۂ قتال میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر لڑتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝﴾ (الصف : 4)

"اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔"

پھر آگے اس کے دوسرے رکوع کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ۙ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ يُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ۙ وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (الصف : 10 تا 13)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمہیں عذابِ الیم سے بچا دے؟ ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر، اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا، اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور ابدی قیام کی جنتوں میں بہترین گھر

Marfat.com

تمہیں عطا کرے گا، یہ ہے بہترین کامیابی ۔ اور وہ دوسری چیز جو تم چاہتے ہو وہ بھی تمہیں دے گا، اللہ کی طرف سے نصرت اور قریب ہی میں حاصل ہونے والی فتح ۔ اے نبیؐ اہلِ ایمان کو اس کی بشارت دے دو۔"

سورہ الانفال میں اللہ اپنے نبیؐ کو تاکید کر رہا ہے کہ اہلِ ایمان کو جہاد پر ابھاریں:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝﴾ (الانفال : 65)

"اے نبیؐ، مومنوں کو جنگ پر ابھارو۔ اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر سو آدمی ایسے ہوں تو منکرینِ حق میں سے ہزار آدمیوں پر بھاری رہیں گے کیوں کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔"

سورہ توبہ میں ارشاد ہوا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (التوبة : 38 تا 41)

Marfat.com

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا؟ ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سروسامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا۔ تم نہ اٹھو گے تو خُدا تمہیں دردناک سزا دے گا، اور تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھا لائے گا، اور تم خُدا کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ تم نے اگر نبیؐ کی مدد نہ کی تو کچھ پرواہ نہیں، اللہ اُس کی مدد اُس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اُسے نکال دیا تھا، جب وہ صرف دو میں کا دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ 'غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔' اُس وقت اللہ نے اُس پر اپنی طرف سے سکونِ قلب نازل کیا اور اُس کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور کافروں کا بول نیچا کر دیا۔ اور اللہ کا بول تو اونچا ہی ہے، اللہ زبردست اور دانا و بینا ہے۔ نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل، اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔''

جہاد کیوں ضروری ہے؟

اس دنیا کا آزمودہ اصول ہے کہ امن چاہتے ہو تو جنگ کے لیے ہمہ وقت تیار رہو۔ ہر طاغوتی طاقت اپنے سامنے کمزوروں کے سر ہی جھکے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتی، وہ ان سروں میں سمائے ہوئے افکار اور دلوں میں بیٹھے ہوئے عقائد کو بھی اپنے رنگ میں رنگنے کی درپے ہوتی ہے۔ امن اگر بھیک کی صورت میں مانگا جائے تو یقینی طور پر اس کی راہ میں اپنے قومی وقار، اجتماعی عزتِ نفس کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ اپنے عقائد، اصولوں، اخلاقی قدروں اور تہذیبی و ثقافتی سرمائے سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ اسلام نہ ایسی قربانی کی اجازت دیتا ہے اور نہ اس سرمائے سے دست برداری کی۔ اسلام امن لانے اور اس کو قائم رکھنے کے لیے جنگ کی تیاری کو ضروری قرار دیتا ہے۔ اسلامی ریاست کی نظریاتی —— ایمان اور عقیدہ اور

Marfat.com

اخلاقی اقدار--- اور جغرافیائی سرحدوں کا دفاع اور مسلمان عوام کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے یہ تیاری ناگزیر ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لیے اسلام یہ لازم قرار دیتا ہے کہ اپنے دور کے مروّج ہتھیاروں اور جنگی ساز و سامان اور دیگر مادی وسائل کی فراہمی میں کسی قسم کی کوتاہی نہ برتی جائے۔ حالتِ جنگ اور وقفۂ امن کے دوران میں بھی مسلمانوں کو سخت تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے اسلحہ کے ڈپوؤں اور دیگر سامان کے معاملے میں غفلت نہ برتیں کیوں کہ دشمن اِس تاک میں ہوتا ہے کہ مسلمان غفلت میں پڑیں اور وہ اس سے فائدہ اٹھا کر ان پر ٹوٹ پڑے گا۔

﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝٦٠﴾ (الانفال : 60)

''اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے اُن کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو تا کہ اِس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور اُن دوسرے اعداء کو خوف زدہ کر دو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اُس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹا دیا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا۔''

جنگ کی فضا میں جب معمول کے مطابق نماز کی ادائیگی کے بجائے اللہ کے بتائے ہوئے قاعدے کے مطابق صلوٰۃِ خوف ادا کی جاتی ہو تو اس حالت میں بھی حکم ہے کہ:

﴿وَ لْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ﴾

(النّساء : 102)

Marfat.com

"......(دوسرا گروہ جو آ کر نماز پڑھے) وہ بھی چوکنا رہے اور اپنے اسلحہ لیے رہے، کیوں کہ کفّار اِس تاک میں ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں......"

شیطانی طاقتیں جب اللہ تعالیٰ کے سُنن و اقدار اور قوانین کی جگہ اپنے منصوبے لاگو کرنے کی ٹھان لیتی ہیں تو طاقت کے توازن اور فطرت کے نظام میں زبردست خلل واقع ہو جاتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ قدیم ترین دور سے آج تک جب بھی یہ توازن بگڑا نوعِ بشری کو اس کی بڑی ہولناک قیمت ادا کرنی پڑی۔ جو گردنیں رَبِ کائنات کے آگے جھکنے کے لیے بنیں ان پر غالب قوتیں اپنی غلامی کا طوق ڈال دیتی ہیں۔ پہلے وہ اپنے سماجی اثر و رسوخ، اپنے زمانے کے ابلاغی وسیلوں اور اپنی مالی قوت کے زور پر ہدایت کے چراغ کو گل کرنے اور ایمان کی روشنی کے آگے مخالفت و مزاحمت کی چٹانیں کھڑی کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ جب اس میں کامیاب نہیں ہوتیں تو اپنے لشکروں کو میدان میں اتار لاتی ہیں۔ اس مرحلۂ حرب و قتال پر۔ جو عمل جہاد کی معراج ہے۔ مسلمانوں کا اپنی بقا اور عقیدہ و ایمان کی حفاظت سے گریز اُن کی موت کے مترادف ہے۔ النوافح میں ابو امامہ باہلیؓ سے مروی ایک حدیث میں جہاد کی اسی صورت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

((ذِرْوَةُ سِنَامُ الْاِسْلَامِ الْجِهَادُ فِیْ سَبِيْلِ اللهِ لَا يَنَالُهُ اِلّا اَفْضَلُهُمْ))

"اسلام کی بلند ترین چوٹی جہاد فی سبیل اللہ ہے، اس تک صاحب فضیلت لوگ ہی پہنچ سکتے ہیں۔"

اسلام نام ہے امن و سلامتی کا۔ یہ اپنے آپ کو جبر و اکراہ کے بجائے دلیل و برہان سے منواتا ہے۔ دنیا کو اس سے آشنا کرنے کے لیے گزشتہ باب میں جن بنیادی ذرائع —— دعوت و تبلیغ اور تذکّر و تذکیر اور تبشیر و اِنذار —— کا ذکر ہوا ہے وہ سب غیر مسلّح جہاد ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ اسلام میں جہاد کی جو صورت بھی اختیار کی جائے، وہ 'فی سبیل اللہ' سے مشروط

Marfat.com

ہے۔ اسلامی جہاد قومی عصبیت کے زیرِ اثر یا نسلی بالا دستی اور فوقیت کے تصورات کے تابع نہیں ہوتا۔ اس کا مقصود مالِ غنیمت اور کشور کشائی بھی نہیں ہوتا۔ یہ جہاد پر امن کاوش کی صورت میں ہو یا قتال کی شکل میں، 'فی سبیلِ اللہ' اس کی بنیادی خاصیت ہوتی ہے۔ اسلام تعمیر و ترقی اور عطا و نوازش کا دِین ہے۔ آج ہم مغربی دنیا کے دامن میں علم و معرفت و تہذیب و تمدّن، تعمیر و ترقی اور نظامِ قانون اور جدید تصورِ ریاست کا جو سرمایہ دیکھتے ہیں اس کا بہت بڑا حصہ اسلام ہی کی دَین ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مکّہ مکرّمہ کے دَورِ مظلومیت میں 'تنگ آمد، بجنگ آمد' کی حد تک بھی مخالفینِ اسلام سے جنگ کی اجازت نہیں دی تھی۔ قرآن پاک ہی آپؐ کا سب سے بڑا اسلحہ تھا جو مقناطیس کی طرح عقلِ سلیم کو کھینچتا اور دلوں کو مسخر کرتا گیا۔ مدینہ طیّبہ میں بھی ابتدائی کچھ عرصہ تک جنگ کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن جب مشرکینِ مکّہ اور مدینہ کے اطراف میں اُن کے حامی قبائل کی شرارتیں اور جارحانہ رویّے حد سے بڑھنے لگے تو اس وقت جہاد و قتال کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں تھا۔ چنانچہ اللہ کی طرف سے ہتھیار اٹھا لینے کی اجازت مل گئی۔ سورہ الحج میں ارشاد ہوا:

﴿ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ﴿۳۹﴾ اِۨلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾ ﴾ (الحج : 39، 40)

''اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً اُن کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے صرف اِس قصور پر کہ وہ کہتے ہیں 'ہمارا رب اللہ ہے'۔ اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد

Marfat.com

اور مسجدیں، جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسمار کر ڈالی جائیں۔ اللہ ضرور اُن لوگوں کی مدد کرے گا جو اُس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔''

پیغامِ حق اور امن

مولانا مودودیؒ کی تحقیق کے مطابق ہجرت کے بعد پہلے سال ماہِ ذی الحجہ میں قتال کی اجازت دی گئی اور اس کے چند ماہ بعد قتال کا بطورِ فرض حکم آ گیا۔ فرضیت کا یہ حکم سورہ بقرہ کی آیات 190,191,193,216,244 میں سن 2ہجری کے ماہِ رجب یا شعبان میں ہوا۔ (تفہیم القرآن جلد سوم) جہاد و قتال کے دوران میں پیغامِ حق اور امن و آشتی کے امکانات کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ ظلم و تعدی کے بجائے لَا تَعْتَدُوْا کا اصول کارفرما رہتا ہے۔ فرضیتِ جہاد و قتال کے بعد بدر کے مقام پر سب سے پہلا معرکہ پیش آیا۔ سورہ انفال ایک لحاظ سے اس معرکے کا تنقیدی جائزہ اور اس سے حاصل ہونے والے عبر و اسباق پر مشتمل سورہ ہے۔ اس میں ایک طرف جنگ کے لیے ہر وقت تیار رہنے اور سروسامان کر رکھنے کی تاکید ہے تو ساتھ ہی یہ حکم بھی ہے کہ اگر امن کے امکانات پیدا ہو جائیں تو ان کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے۔

﴿وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾﴾ (الانفال : 61)

''اور اے نبیؐ، اگر دشمن صلح و سلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو، یقیناً وہی سن کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔''

ساتھ یہ حکم بھی ہے کہ لڑائی کے ہنگام میں شرارت، نفرت اور اشتعال کی کیسی ہی صورتوں سے سابقہ پیش آئے، دشمن پر ایمان والوں کے ہاتھوں کوئی زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کا اس ضمن میں واضح حکم ہے:

﴿وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

Marfat.com

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ (البقرة : 190)

''اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

مسلمان دشمن سے مقابلے میں تلوار کے ساتھ ساتھ ایک اخلاقی جنگ بھی لڑ رہے ہوتے ہیں۔جس طرح جسمانی طاقت، جنگی مہارت اور اسلحہ کے استعمال میں اپنی برتری دکھانی جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت کا تقاضا ہے اسی طرح اخلاقی فتح دینِ حق کی اشاعت کی ضرورت ہے۔ایک لحظہ کے لیے بھی اس ضرورت سے غفلت نہیں برتی گئی کیوں کہ یہی اخلاقی فتح جنگ وقتال سے پہلے بھی اس دین کے پھیلاؤ کا سبب تھی اور اسی سے جنگ کے بعد بھی اظہارِ دین ہونا تھا۔کسی مرحلے پر جب محسوس ہو کہ جنگ کے بغیر اشاعتِ دین اور قبولیتِ حق کی کوئی صورت پیدا ہو گئی تو جنگ روک کر اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش ہونی چاہیے۔مقداد بن عمرو الکندیؓ ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے جنہوں نے بدر کے یوم الفرقان کے موقع پر اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے تھے۔انہوں نے نبی ﷺ سے سوال کیا: 'میرا مقابلہ اگر کفار میں سے کسی آدمی سے ہو جائے، لڑائی میں تلوار کا وار کر کے وہ میرا ہاتھ کاٹ ڈالے اور پھر ایک درخت کی آڑ میں ہو کر کہے کہ 'میں اسلام قبول کرتا ہوں' تو کیا اس کے بعد بھی مجھے اس سے لڑنا چاہیے؟' نبی ﷺ نے فرمایا: 'نہیں، اس کے بعد تم اس سے لڑائی نہ کرو۔' میں نے عرض کیا: 'یا رسول اللہ! اس کے باوجود کہ اس نے میرا ہاتھ کاٹ دیا، میں اس سے نہ لڑوں؟' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'ہاں (اس کے باوجود اس سے نہ لڑو) اس کے (ایمان لانے کے) بعد اگر تم اس سے لڑائی جاری رکھو گے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اس مرتبے پر آ گیا جس پر اس سے لڑائی سے قبل تم تھے (مرتبۂ ایمان) اور تم اس حالت میں چلے گئے جس پر وہ ایمان کی قبولیت کے کلمات کہنے سے پہلے تھا (یعنی حالتِ کفر)۔' [1]

اسی طرح حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے جہینہ قبیلہ

[1] بخاری، مسند احمد.

Marfat.com

کی طرف غزوہِ الحرقہ کے لیے بھیجا۔ ہم صبح صبح وہاں پہنچ گئے اور ان لوگوں کو شکست دے دی۔ میری اور ایک انصاری صحابی کی اس قبیلے کے ایک آدمی سے مڈبھیڑ جاری تھی۔ عین اس حالت میں کہ ہم نے اسے نیچے دبا رکھا تھا اس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کلمہ پڑھ لیا۔ انصاری صحابی تو اس سے الگ ہو گیا مگر میں نے نیزہ مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ جب ہم واپس آئے اور نبی ﷺ کو اس واقعہ سے آگاہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: 'اے اسامہ، تو نے اس کے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے کے بعد بھی اسے قتل کر دیا؟' میں نے عرض کیا کہ وہ تو اس کلمے کے بہانے اپنی جان بچانا چاہتا تھا۔' نبی ﷺ نے بار بار کہا: 'کیا تم نے اس کے کلمہ پڑھ لینے کے باوجود اسے مار دیا؟ یہ کیفیت دیکھ کر میری حالت یہ ہو گئی کہ یہ تمنا کرنے لگا کہ کاش آج سے پہلے میں مسلمان نہ ہوا ہوتا (یعنی حالتِ ایمان میں مجھ سے یہ گناہ سرزد نہ ہوا ہوتا) [1]

اللہ کے رسول ﷺ کی یہ صاف تاکید ہے کہ: 'دشمن سے مڈبھیڑ کی خواہش مت کرو لیکن جب مقابلہ آ پڑے تو صبر اور استقامت دکھاؤ۔ یاد رکھو، جنّت تلواروں کے سائے میں ہے۔' محسنِ انسانیت ﷺ جب بھی کوئی لشکر دشمن کے مقابلے کے لیے روانہ کرتے تو سالارِ لشکر کو نصیحت کرتے تھے کہ اللہ سے تقویٰ اختیار کرنا، اللہ کے نام پر اور اللہ ہی کی راہ میں لڑنا، دشمن کو سب سے پہلے اسلام کی دعوت دینا۔ اگر وہ قبول کر لے تو لڑائی سے ہاتھ روک لینا اور اسے (دارالکفر چھوڑ کر) دارالاسلام میں منتقل ہو جانے کی دعوت دینا اور بتانا کہ وہ اگر دارالاسلام میں آ گیا تو اسے وہ سارے حقوق حاصل ہو جائیں گے جو دیگر مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو اسے جزیہ دے کر اسلام کی پناہ میں رہنے کی دعوت دینا۔ یہ قبول کر لے تو اس پر سے ہاتھ روک لینا.....' [2]

ان احادیث سے جو تعلیم مستنبط ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ دعوت کو بہر حال فوقیت حاصل ہے۔ یہ دِین اللہ کے بندوں کی طرف اس کی عظیم نعمت ہے۔ بنیادی طور پر ایمان والے یہ نعمت خدا کی مخلوق تک پہنچانے کے مکلف ہیں۔ ہتھیار اور لڑائی کی اس صورت میں اجازت

[1] بخاری. [2] مسلم.

Marfat.com

ہے جب کچھ قوتیں اپنی باطل پسندی اور حق دشمنی میں اس سطح پر چلی جائیں کہ اس نعمت کو لوگوں تک پہنچانے میں رکاوٹ ڈالنے پر اتر آئیں اور یہ نعمت بانٹنے والوں کے در پئے آزار ہو جائیں یا جن لوگوں کو یہ نعمت نصیب ہو گئی ان کو ستانے لگیں اور ان کی جان و مال کے لیے خطرہ بن جائیں۔ کفار کے اگر مسلمانوں کے ساتھ کوئی معاہدے ہوں اور وہ شرارت کر کے جزوی طور پر انہیں توڑیں یا ان کا انکار کر دیں، تو اس حالت میں ان کی سرکوبی کی خاطر جنگ کی اجازت ہے۔ اسلامی عملداری کے باہر کی کسی طاقت کے جارحانہ عزائم سامنے آئیں اور وہ مسلمانوں کی دفاعی صلاحیت کو ختم کرنے کے ارادے سے چڑھائی کرنے والی ہو تو اقدام کر کے اس کی یلغار کا راستہ روکنا بھی ضروری ہے۔ لیکن جب یہ حالات ختم ہو جائیں تو پھر صرف مالِ غنیمت یا کشور کشائی کے لیے جنگ جائز نہیں۔

Marfat.com

صبر

﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾

''اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو''

صبر ...... حقیقت و اہمیت

محض دنیاداروں میں سے بھی کم ہی ایسے لوگ ہوں گے جن کے لیے دنیوی زندگی پھولوں کی سیج ہوتی ہے۔ اکثر انسانوں کے لیے تو یہ ایسا سفر ہوتا ہے جس میں قدم قدم پر کانٹے بکھرے ہوتے ہیں۔ دنوں کے اُلٹ پھیر میں ایسی گھڑیاں کثرت سے آتی رہتی ہیں جب انسان جسمانی مشقتوں، معاشرتی الجھنوں، معاشی پریشانیوں، خانگی مسائل اور بدنی تکلیفوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ نا مساعد حالات سے نکلنے کے لیے اس کو یا تو وسائل میسر نہیں آتے، یا یہ وسائل کافی اور موثر ثابت نہیں ہوتے۔ وہ ساری تدبیریں لڑاتا ہے مگر امیدیں بر نہیں آتیں، مقاصد پورے نہیں ہوتے اور کامیابی نصیب نہیں ہوتی۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے۔ ایسی صورت میں صبر کے سوا نہ کوئی چارہ ہوتا ہے اور نہ اس سے بڑھ کر کوئی سہارا۔ نیک طینت اور صالح مزاج لوگوں کو ایک فساد آلود ماحول اور معاشرے میں جس ذہنی اذیت اور عملی کشمکش کا سامنا ہوتا ہے اس میں صبر ہی ان کا مونس اور ساتھی بنتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کو تاکید ہے کہ ان کٹھن حالات میں اللہ کی یاد کو دل میں بسائیں اور صبر اور نماز کا سہارا لیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝﴾ (البقرہ: 153)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز سے مدد لو، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

Marfat.com

صبر اللہ کے سارے رسولوں کے اخلاق کا جوہر خاص اور ان کی تابناک سُنت رہی ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے سوا جن انبیاء و رُسُل کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے سب کے ساتھ صبر آزما حالات کی کوئی نہ کوئی کہانی ضرور نظر آتی ہے۔ حضرت ادریس اور حضرت ذوالکفل علیہما السلام کے بارے میں ہمیں قُرآن پاک میں کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ وہ ابتلا و آزمائش کی کیسی صورتوں سے دوچار ہوئے لیکن زمانۂ بعثت میں خاصے بُعد کے باوجود صبر کی مشترک صفت کی وجہ سے ان کا ذکر حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ ہوا:

﴿وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِدۡرِیۡسَ وَ ذَا الۡکِفۡلِ ؕ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿ۚ۸۵﴾ وَ اَدۡخَلۡنٰہُمۡ فِیۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّہُمۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۸۶﴾﴾ (الانبیاء : 85، 86)

''اور یہی نعمت اسماعیلؑ اور ادریسؑ اور ذوالکفلؑ کو دی کہ یہ سب صابر لوگ تھے اور اُن کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا کہ وہ صالحوں میں سے تھے۔''

صبر ان نمایاں ترین اخلاقی اوصاف میں سے ایک ہے جن پر قُرآن پاک کی مکّی اور مدنی سورتوں میں یکساں زور دیا گیا ہے۔ کتابِ پاک میں مُختلف پیرایوں میں اس کی نوے سے زیادہ بار تاکید آئی ہے۔ علّامہ یوسف القرضاوی نے اپنی مختصر مگر بڑی جامع و مفید کتاب 'الصّبر فِی القُرآنِ الکَرِیم' میں لکھا ہے کہ صبر تنہا وہ اصطلاح ہے جس میں ضبطِ نفس، حلم اور بردباری، عفو و درگزر، شجاعت، استقامت و ثابت قدمی، وسعتِ قلبی، زُہد، قناعت اور شخصیت کی گہرائی اور رازوں کی حفاظت جیسی بہت سی اخلاقی خُوبیاں داخل ہیں۔ ابن ابی الدُّنیاؒ کی کتاب 'الصَّبر وَ الثّواب عَلَیہ' کی تحقیق و تخریج کرنے والے عرب عالم محمد خیر رمضان یوسف نے اس کے مقدمہ میں صبر کی اہمیت کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ایسی عظیم اخلاقی فضیلت ہے جو خوش نصیبوں ہی کو ملتی ہے۔ اس سے ناواقفی اور جہل اور روگردانی ایمان کے شعبوں میں سے ایک عظیم شعبے سے جہل و روگردانی ہوتی ہے۔ صبر دِین کے مقامات میں سے ایک بلند مقام ہے۔ ہدایت یافتہ بندوں کی منازلِ زندگی میں ایک اہم منزل اور توفیق یافتہ اہلِ عزم و ہمّت کے خصائل میں ایک بہت بڑی خصلت ہے۔ خالص

Marfat.com

دینی مہمات میں جہاد، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور صداقت و راست بازی پر قائم رہنے کے لیے صبر ہی سہارا بنتا ہے۔ جنگوں اور شدائد و مصائب کی گھڑیوں میں صبر اور تقویٰ ہی نصرتِ الٰہی کی کلید بنتے ہیں۔ صبر ان صفاتِ عظیم میں سے ہے جن کے اجر کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ (الزمر : 10)

''صبر کرنے والوں کو تو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔''

سورہ الفرقان کے آخری رکوع میں رحمان کے بندوں کے اوصاف و خصائل کے تذکرے کے بعد ارشاد ہوا ہے:

﴿أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ۝ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝﴾ (الفرقان : 75، 76)

''......یہ ہیں وہ لوگ جو اپنے صبر کا پھل منزلِ بلند کی شکل میں پائیں گے، آداب و تسلیمات سے اُن کا استقبال ہوگا۔ وہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔''

سیدالمرسلین ﷺ کے لیے دستورِ صبر

تاریخ بتاتی ہے کہ کسی بھی قوم کی پچھلی کئی نسلوں کے اندر گہری جڑیں رکھنے والی سماجی روایات اور جمے جمائے مگر باطل عقائد خواہ آسمانی ہدایت کے یکسر منافی ہوں اور عقل و فطرت کے معیارات پر پورے نہ اترتے ہوں، ان کی پیروی کرنے والے معاشرے انہیں چھوڑنے کے لیے آسانی سے تیار نہیں ہوتے۔ جس دور میں بھی اللہ کا کوئی رسول اپنی دعوت کی کدالوں سے صدیوں میں دھنسی ہوئی جاہلی روایات و اقدار کو اکھاڑ پھینکنے کے لیے اٹھا تو اس کی جہالت پسند قوم نے سخت مزاحمت کی۔ یہ صرف اولوالعزم رسولوں ہی کا بِرتا تھا جنھوں نے گمراہی اور جاہلیت کی سخت چٹانوں کو توڑنے کے لیے غیر معمولی عالی حوصلگی اور جہد و کاوش اور عزم و استقلال کا ثبوت دیا۔ نبی آخرالزّماں جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت کا دائرہ سابق

Marfat.com

سارے انبیاء کے مقابلے میں بہت وسیع تھا۔ آپؐ کسی ایک بستی اور قبیلے کے لیے رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے، آپؐ کے ذمہ کسی ایک خرابی کو مٹانے کا کام نہیں تھا۔ ساری انسانیت کے لیے آپؐ ہادی و رہبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ بنیادوں سے لے کر چوٹی تک معاشرے کی ساری فاسد روایات و اقدار کو پوری طرح بدل دینے کے لیے آپؐ کو مبعوث کیا گیا تھا۔ آپؐ کو اصول و عقائد کے لیے نئے مفہوم اور معنی متعین کرنے تھے اور شعائرِ دین و رسومِ عبادت کی بالکل نئی شکل دینی تھی۔ خاتم المرسلین ﷺ کو مشرکانہ عقائد اور جاہلی رسوم و رواج کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے اور بگاڑ آلود اخلاقی اصولوں کی جگہ صالح اخلاقی قدروں کو قائم کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ آپؐ قلوب و اذہان کی کھیتی میں دعوتِ حق کے ذریعہ توحید اور اخلاقِ عالیہ کی نئی فصل کاشت تیار کرنے کے لیے اٹھے تھے۔ جتنا نصب العین بڑا تھا مقابل میں اسی قدر ضد اور عداوت، کبر و حسد، آباء و اجداد کی اندھی تقلید اور دنیا پرستی کے رویے سخت اور مخالفت شدید تھی۔ آپؐ کو جن دیگر قبائل کی ہٹ دھرمی اور سخت گیری کا سامنا تھا ان کے اہلِ مکّہ کے ساتھ گہرے اعتقادی رشتے تھے اور وہ مکّہ کے اطراف و اکناف میں دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان کی ضلالتِ فکری کو جزیرۃُ العرب کے حدود میں رہنے والے یہود اور روم و ایران کے عیسائی اور مجوسی پوری غذا فراہم کر رہے تھے۔ ماضی میں جس جس پیغمبر کو جیسی جیسی مخالفت دیکھنی پڑی تھی وہ سب جمع ہو کر تنہا آپؐ کے سامنے آ گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبیؐ کو سابقہ انبیاء و رُسُل کی شریعتوں پر عمل کا مکلف نہیں بنایا لیکن یہ ہدایت کی کہ اپنے پیشرو اولوالعزم رسولوں کے شیوہ میں سے صبر کو اختیار کریں۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِل لَّهُمْ ۚ﴾

(الاحقاف : 35)

"پس اے نبیؐ، صبر کرو جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے، اور ان (مخاطبین) کے معاملہ میں جلدی نہ کرو۔"

Marfat.com

قرآن مجید میں صبر کی تکرار

اخلاقی اوصاف میں صبر کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ تقویٰ کے بعد یہی وہ اصطلاح ہے جس کی سب سے زیادہ تکرار قرآن کریم میں آئی ہے اور اس اعلیٰ وصف کو شخصیتوں میں راسخ کرنے پر غیر معمولی حد تک زور دیا گیا ہے۔ وقّی، وقایة، تُقَی کے مادہ سے بچنے، بچانے، حفاظت کرنے، محفوظ بنانے اور ڈرنے کے معنوں میں تقویٰ کی اصطلاح اللہ کی کتاب میں کم وبیش ساڑھے تین سو بار آئی ہے۔ لفظ صبر فعل، اسم اور صفت کی صورت میں نوے (90) مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ اگر بعض مقامات پر ایک ہی آیت میں اس کی تکرار کو شمار کریں تو اس کی تعداد سو سے اوپر بنتی ہے۔ مدنی سورتوں میں اس کی فضیلت اور اس کے اثرات اور ضرورت کا ذکر عمومی انداز میں ہوا ہے۔ لیکن مکّی سورتوں میں بطورِ خاص اللہ کے رسول ﷺ کے لیے مسلسل اس کی تاکید ہوتی رہی۔ منصبِ نبوت پر فائز ہونے کے بعد تیرہ برس تک مکّہ کا دورِ دعوت آپ کے لیے غیر معمولی طور پر محن وابتلا کا عرصہ تھا۔ منصبِ نبوت پر فائز ہونے سے قبل جو قریش آپؐ کی صداقت اور امانت داری اور فراست کے اس قدر قائل تھے کہ اگرچہ ان کے اندر بڑے مدبّر سمجھے جانے والے سردار موجود تھے اس کے باوجود ایک بار کعبہ کی تعمیرِ نو کے وقت حجرِ اسود کو اس کے مقام پر رکھنے کے مسئلے پر تنازع کھڑا ہوا تو آپؐ کو حکم بنایا گیا اور آپؐ کے فیصلے کو تسلیم کیا گیا تھا۔ لیکن جوں ہی آپؐ نے توحید اور آخرت کی پکار بلند کی تو قریش نے سخت کشمکش شروع کر دی۔ پہلے تمسخر اور طعن وتعریض کے تیر برسائے گئے۔ کبھی آپؐ کو مجنون کا لقب دیا گیا، کبھی شاعر مشہور کیا گیا اور کبھی کاہن اور جادوگر کی تہمت دھری گئی۔ دعوتِ اسلام کے اثرات جب ہر گھر اور خاندان میں ظاہر ہونے لگے تو مخالفت میں شدت آ گئی اور معاملہ جسمانی تشدد تک پہنچ گیا۔ ایذا رسانی کا ہر گُر اور ہر ہتھیار بروئے کار لایا جانے لگا۔ اسلام قبول کرنے والی سعادت مند ہستیوں کو نشانہ ستم بنایا جا رہا تھا جس کو دیکھ کر آپؐ کو سخت رنج پہنچتا تھا۔ جذباتی جراحتوں اور نفسیاتی گھٹن اور بدنی تکلیفوں کا ناقابلِ برداشت ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ ایک بار سجدہ کی حالت میں آپؐ کی پیٹھ پر

Marfat.com

اونٹ کی غلیظ اوجھ ڈال دی گئی اور ایک دفعہ مکّہ کے فرعون ابوجہل نے حضورؐ کے گلے میں کپڑا ڈال کر اسے اتنے بل دیے کہ آپؐ کا دَم گھٹنے لگا۔ ابولہب دیوار سے دیوار ملے ہوئے گھر کا قریب ترین پڑوسی اور رشتے میں آپؐ کا چچا تھا۔ دونوں میاں بیوی نفرت و عداوت کی ساری حدیں پھلانگ گئے تھے۔ کبھی دیوار کے اوپر سے گھر میں پکتی ہانڈی میں کوڑا کرکٹ ڈال دیتے اور کبھی رات کو کانٹے دار جھاڑیاں آپؐ کے دروازے پر پھینک جاتے تا کہ جب اندھیر منہ آپؐ باہر نکلیں تو آپؐ کے پاؤں زخمی ہوں۔ آپؐ کے کم سن صاحبزادے فوت ہوئے تو ابولہب کی بیوی نے خوشیاں منائیں اور لوگوں سے کہتی پھری کہ محمدؐ بے نام ونشان ہو گئے۔ رسول پاک ﷺ کی دو بیٹیاں ابولہب کے دو بیٹوں سے بیاہی ہوئی تھیں۔ ان کو طلاق دلا کر آپؐ کو جذباتی صدمہ پہنچایا گیا۔

مکّہ کو بنجر دیکھ کر آپؐ نے طائف کا رُخ کیا کہ شاید اس قصبے کی سرزمین دعوتِ حق کے لیے زرخیز ثابت ہو، لیکن وہ مکّہ سے بھی سنگلاخ نکلی۔ وہاں کے سرداروں نے نہ صرف آپؐ کی بات سننے سے انکار کر دیا بلکہ آپؐ کے پیچھے شہر کے آوارہ لڑکے لگا دیے جنہوں نے پتھر مار مار کر آپؐ کو لہولہان کر دیا۔ حق سے روگردانی کی یہ روش قریشِ مکّہ سے بھی بڑھ کر سخت تھی۔ اہلِ طائف کی بدسلوکی کس قدر اذیت ناک اور صبر آزما تھی، اس کا اندازہ اس دعا کے ایک ایک لفظ سے ہوتا ہے جو زخمی بدن اور دکھے دل کے ساتھ طائف سے باہر انگور کے ایک باغ میں دَم لیتے ہوئے آپؐ کے لبوں پر آئی تھی:

"اے اللہ! میں اپنے ضعف اور بے سروسامانی اور لوگوں کے ہاتھوں اپنی اہانت و بے قدری کی فریاد تجھ سے کرتا ہوں۔ اے ارحم الرّٰحمین! تو ہی کمزوروں اور درماندہ حالوں کا مالک ہے۔ میرا رب بھی تو ہی ہے۔ مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے؟ کیا بیگانہ ترش رُو کے یا اس دشمن کے جو میرے نیک و بد کا مالک بن بیٹھے۔ اگر تو مجھ پر غضب ناک نہیں ہے تو مجھے پھر کوئی پروا نہیں ہے۔ لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے

Marfat.com

سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دین دنیا کے کام درست ہو جاتے ہیں۔ تجھ سے اس بات کی پناہ چاہتا ہوں کہ تیرا غضب مجھ پر ٹوٹے اور میں تیری ناراضی کا شکار ہو جاؤں۔ مجھے تیری ہی رضا مندی اور خوشنودی مطلوب ہے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔" [1]

علامہ یوسف القرضاوی نے اپنی کتاب 'الصّبر فِی القُرآن الکَرِیم' میں سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے وہ آیات درج کی ہیں جہاں اٹھارہ مقامات پر لفظ صبر اور دو دفعہ اصطبر کی اصطلاح سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیرت و کردار کے اس خاص جوہر کو اخذ کرنے کا حکم ہوا۔ ہم نزولی ترتیب کے ساتھ ان آیات کو درج کر رہے ہیں تاکہ پتہ چلے کہ تیرہ سال کے عرصے میں خالق و مالک کے پیغام کو اُس کے بندوں تک پہنچانے کی جدوجہد کے دوران میں ہر کٹھن موقع پر کس طرح آپؐ کو صبر سے توانائی حاصل کرنے کا حکم ملتا رہا۔ اس موضوع کے آغاز میں سورہ المدثّر کی ساتویں آیت وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ درج کی گئی ہے۔ قدیم و جدید مفسّرین کی اکثریت متفق ہے کہ یہ سات آیتیں ربُ العالمین نے اپنے فرستادہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دوسری وحی کی صورت میں نازل کی تھیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مُسلم کی روایت ہے کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ ...... والی پہلی وحی کے بعد وقفہ ہو گیا تھا۔ اس تعطّل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت مضطرب تھے۔ کچھ عرصہ بعد ایک روز غارِ حرا میں پہلی وحی لے کر آنے والا فرشتہ دیکھا۔ وہ زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر براجمان تھا۔ اسے دیکھ کر آپؐ پر خوف طاری ہو گیا۔ گھر جا کر کہا کہ مجھ پر کوئی کپڑا ڈال دو۔ کپڑا اوڑھ کر آپؐ لیٹے ہوئے تھے کہ اس حالت میں ان سات آیتوں کی صورت میں دوسری وحی کا نزول ہوا۔

1- ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝١ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝٢ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝٣ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝٤ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝٥ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝٦ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝٧﴾

(المدثّر : 1 تا 7)

[1] سیرتِ طیبہ رحمتِ دارین بحوالہ ابن ہِشامؒ، ابنِ قیمؒ اور ابن کثیرؒ۔

Marfat.com

''اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اٹھو اور خبردار کرو۔ اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ اور گندگی سے دور رہو۔ اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کے لیے۔ اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو۔''

پہلی وحی میں پڑھنے کے حکم ہوا تھا اور کائنات کے رب کا تعارف کرا کے بات ختم کر دی گئی تھی، کوئی ذمہ داری انجام دینے کی ہدایت نہیں ہوئی تھی لیکن سورہ مدثرؓ کی ابتدائی سات آیتوں میں بہت اختصار کے ساتھ رسالت کے بنیادی فرض یعنی اِنْذار سے فرائضِ رسالت کے آغاز کا حکم ہوا۔ اللہ کی کبریائی کا آوازہ بلند کرنے اور اپنی ذات میں کچھ خصوصیات کو پختہ کرنے کی تلقین کی گئی تھی۔ اس میں یہ اشارہ تھا کہ دنیا میں اپنی خُدائی کے ڈنکے بجانے والوں کی خُدائی سے انکار اور تنہا ایک اللہ کی ربوبیت اور صرف اسی کی اطاعت کا اعلان خواہ کتنا ہی ہلکا لگتا ہو اور اللہ کو رب مان کر صرف اسی کی اطاعت کا قلادہ گلے میں ڈالنے سے انکار کرنے والے لوگوں کو اس انکار کے انجام سے ڈرانے کا کام بظاہر آسان نظر آتا ہو لیکن یہ ایک جہان سے کشمکش مول لینے کا عمل ہے جس کے لیے صبر کی ضرورت ہے۔ اس یکتا اور قادر ذات کے لیے صبر کی بھاری چٹان اٹھانا سہل اور بہت مفید اور نتیجہ خیز ہے۔

2- ﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴾ (المزمّل : 10)

''اور جو باتیں لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو اور شرافت کے ساتھ اُن سے الگ ہو جاؤ۔''

اس سے قبل پانچویں آیت میں فرمایا گیا کہ ﴿اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا﴾ یعنی اے نبیؐ ہم آپ پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔ قولِ ثقیل سے مراد بہت عظمت والا کلام بھی ہے جس کی شان یہ ہے کہ اگر یہ پہاڑ پر نازل کیا جاتا تو وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہوتا۔ اس کی ثقالت سے مراد اس کے اوامر و نواہی اور حدود بھی ہیں جن پر عمل کوئی آسان کام نہیں ہے۔ قولِ ثقیل سے مراد ذمہ داریوں کا وہ بارِ عظیم بھی ہے جن کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ اُسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور ڈر گئے تھے۔ اس سے مراد دعوتِ حق کا پرچم اٹھانے

Marfat.com

کے بعد سامنے آنے والی پہاڑ جیسی مخالفتیں اور اس پر بننے والی طرح طرح کی دل آزار اور ناگوار باتیں بھی ہیں۔ان میں سے ہر صورت کا مقابلہ کرنے کا راستہ کمالِ صبر ہی ہے۔

3- ﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝٢٤ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝٢٥ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ۝٢٦﴾

(الدّھر : 24 تا 26)

''اے نبیؐ، تم اپنے رَب کے حکم پر صبر کرو، اور اِن میں سے کسی بدعمل یا مُنکرِ حق کی بات نہ مانو۔اپنے رَب کا نام صبح و شام یاد کرو، رات کو بھی اُس کے حضور سجدہ ریز ہو، اور رات کے طویل اوقات میں اُس کی تسبیح کرتے رہو۔''

سیّد قطبؒ نے 'فی ظلالِ القرآن' میں اِن آیات کی جو تفسیر لکھی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صبر کریں خواہ جدوجہد طویل ہو جائے، ترغیبات راستہ روکیں، اشتعال پھیل رہا ہو، سفر طویل اور منزل دور ہو۔ اُس وقت تک صبر کریں جب تک رَب کی طرف سے کُفر کے مٹ جانے اور اسلام کے سربلند ہوجانے کا فیصلہ نہیں آجاتا۔مشرکین ترغیبات کے جال بچھا رہے ہیں اور ساتھ ترہیب و تخویف کی فضا بھی گہری ہو رہی ہے۔لیکن کوئی بدعمل اور مُنکرِ حق خواہ کیسی ہی پُرکشش پیش کش لے کر مداہنت اور مصالحت پر آمادہ کرے، اُس کی بات ہرگز نہ مانیں۔ ہر دَور میں اور ہر جگہ داعیانِ حق کو اِنہی حالات سے گزرنا پڑا۔آپؐ کے سفر کی مشکلات اور کٹھنائیوں کے حساب سے زادِ راہ کا اہتمام موجود ہے۔اپنے رَب کے نام کے ساتھ اُس کے ذکر کو معمول بنائیں۔ یہی اِس سفر کا زادِ راہ ہے۔

مولانا مودودیؒ نے لکھا ہے کہ جب اللہ کی یاد کا حکم اوقات کے تعین کے ساتھ دیا جاتا ہے تو اِس سے مراد نماز ہوتی ہے۔اِن تین میں سے دوسری اور تیسری آیت میں سب سے پہلے فرمایا ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾ بُکرۃ عربی زبان میں صُبح کو کہتے ہیں اور اصیل کا لفظ زوال کے وقت سے غروبِ آفتاب تک کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس میں ظہر اور عصر کے اوقات آجاتے ہیں۔ پھر فرمایا ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ﴾ رات کا وقت غروبِ

Marfat.com

آفتاب کے بعد شروع ہو جاتا ہے، اِس لیے رات کو سجدہ کرنے کے حکم میں مغرب اور عشا، دونوں وقتوں کی نمازیں شامل ہو جاتی ہیں۔ اِس کے بعد یہ ارشاد کہ رات کے طویل اوقات میں اُس کی تسبیح کرتے رہو، نمازِ تہجد کی طرف صاف اشارہ کرتا ہے۔

4- ﴿فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ۝ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ۝ وَنَرَاهُ قَرِيبًا ۝﴾
(المعارج: 5 تا 7)

''پس اے نبیؐ، صبر کرو، شائستہ صبر۔ یہ لوگ اُسے (قیامت کو) دُور سمجھتے ہیں اور ہم اُسے قریب دیکھ رہے ہیں۔''

سورۃ المعارج رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے ابتدائی دور کی سورہ ہے۔ کلامِ حق اہلِ مکہ کے کانوں میں پڑنے لگا تو وہ اسے شاعری اور کہانت کی طرح کی کوئی چیز سمجھے۔ آخرت کا تصور ان کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا اور وہ اسے کوئی بہت دور کا معاملہ سمجھتے اور تمسخر میں ٹال دیتے تھے۔ اسلام کی مخالفت شروع تو ہو گئی تھی لیکن ابھی معاملہ زبانی کلامی طعن و تعریض تک محدود تھا۔ تشدد اور جسمانی سختیوں تک ابھی بات نہیں پہنچی تھی۔ ان حالات میں آپؐ کو ہدایت کی گئی ہے کہ ان لوگوں کی بے ہودہ باتوں کی پروا نہ کریں۔ جو باتیں یہ بنا رہے ہیں شائستگی کے ساتھ ان پر صبر کریں۔

5- ﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ الْحُوتِ﴾ (القلم : 48)

''پس اپنے رَب کا فیصلہ صادر ہونے تک صبر کرو اور مچھلی والے (یونس علیہ السلام) کی طرح نہ ہو جاؤ۔۔۔''

آیت کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تکذیبِ حق کی حرکات نے رسول اللہ ﷺ کو مضطرب اور پریشان کر دیا تھا۔ آپؐ کو یہ تو یقین تھا کہ دعوتی کاوشیں نتیجہ خیز ہوں گی اور فتح و نصرت نصیب ہو گی لیکن اللہ کے فیصلے کے جلد ظہور کے لیے آپؐ کچھ زیادہ بے چین تھے۔ اس آیت میں آپؐ پر یہ واضح کیا گیا ہے کہ دعوتِ اسلام کی راہ میں ابھی بہت محنت کرنی باقی ہے اور نتائج تک پہنچنے کے لیے مخالفتوں اور شدائد و مصائب کے بہت سے مرحلے

Marfat.com

دیکھنے ہیں۔تاریخِ انبیاء میں ایک پیغمبر...... یونس علیہ السلام...... نے اللہ کا فیصلہ آنے سے پہلے اپنی طرف سے ایک فیصلہ کر لینے کی جسارت کی تھی جس کی انہیں سخت سزا بھگتنی پڑی تھی۔آپؐ بے صبری کا ویسا مظاہرہ نہ کر بیٹھیں جیسا یونسؑ بن متی نے کیا تھا۔

6- ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٤٨﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿٤٩﴾﴾ (الطور : 48، 49)

''اے نبیؐ، اپنے رب کا فیصلہ آنے تک صبر کرو، تم ہماری نگاہوں میں ہو۔تم جب اُٹھوتو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرو، رات کو بھی اُس کی تسبیح کرواور ستارے جب پلٹتے ہیں اس وقت بھی۔''

یہ صبر کی تلقین کا وہ مرحلہ تھا جب رسالت کا کاروانِ ہدایت ابھی پھبتیوں، تمسخر اور اعتراضات اور الزامات کی ہلکی خار دار جھاڑیوں سے گزر رہا تھا۔سخت مخالفت اور ظلم و تعدی کی نوکیلی سنگی چٹانیں اور گہری کھائیاں ابھی راہ میں نہیں آئی تھیں۔ہرنئی صورتِ حال کے بارے میں احکم الحاکمین اپنی حکمت کے مطابق راہیں سجھا رہا تھا تاکہ کسی ایسے تصادم تک نوبت نہ پہنچے جو اسلامی تحریک کو ایک دَم کسی نا قابلِ برداشت حالت میں دھکیل دے، اور دعوتِ حق کا مشرکین و معاندین کی صفوں میں گھاس کے اندر سرایت کرنے والا پانی الٹا اہلِ ایمان کے لیے سیلاب میں بدل جائے۔اس مرحلے پر دو کام ساتھ ساتھ ہو رہے تھے۔ایک کفر و شرک میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو اعتقادی اور اخلاقی گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لانے کا عمل تھا اور دوسرا ایمان لانے والے مختصر سے گروہ کی اخلاقی تربیت اور ایمانی پختگی کا عمل تھا۔بے صبری سے ان دونوں میں بڑا خلل پڑ سکتا تھا۔اس لیے صبر کی ہدایت کی گئی کہ اللہ کے فیصلوں کا انتظار کریں۔ان کے جلد ظہور کے لیے ایسی تمنا نہ کریں جس سے اضطراب اور بے صبری پیدا ہو۔اللہ تعالیٰ نہ ان حالات سے غافل ہے جو آپ کو درپیش ہیں اور نہ آپ اس کی نگرانی اور توجہ سے محروم ہیں۔جو ہدایات اس وقت تک مل چکی ہیں صبر و استقامت کے ساتھ ان کی تعمیل کریں۔

Marfat.com

صبر کی اس صلاحیت کو مستحکم کرنے کا راستہ یہ بتایا گیا کہ تعلق باللہ کی استواری اور استحکام پر پوری توجہ دی جائے اور روحانی بالیدگی کے لیے جن اعمال اور اذکار کی ضرورت ہے ان پر مزاولت کی جائے۔ نیند سے بیداری کا وقت ہو، دعوتی سرگرمی سے فراغت کی گھڑی ہو، مجلسوں سے اٹھنے کا موقع ہو یا نماز کے لیے کھڑے ہونے کا معاملہ، ہر حال میں اللہ کی حمد و تسبیح کو معمول بنائیں۔ خالق حقیقی سے رابطہ اور روحانی نشو و نما حاصل کرنے کے لیے مغرب، عشا اور تہجد کے علاوہ نمازِ فجر کے اوقات بڑے اہم ہیں۔ ان اوقات کے دوران میں حمد و تسبیح میں مشغول ہو جائیں۔

فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا کے الفاظ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ بڑی پر جلال اور عظمت و شوکت والی ہستی اپنے بندے کو یہ یقین دلا رہی ہے کہ وہ نظروں سے اوجھل اور توجہ سے محروم نہیں ہے۔ علامہ یوسف القرضاوی کہتے ہیں کہ ان الفاظ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے محبت، تربیت، تقویت، تسلی اور عنایت و نوازش کے تمام لطیف پہلو پوشیدہ ہیں۔ ضمیرِ جمع متکلم کے ساتھ اَعْيُنِنَا کہنے میں زیادہ تثبیت اور یقین کی کیفیت جھلکتی ہے۔ اس سے قبل اولو العزم رسولوں میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سورہ طٰہٰ میں ایسی ہی تسلی دیتے وقت لفظ عَین کے ساتھ فرمایا گیا تھا:

﴿وَ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿۳۹﴾﴾

''میں نے اپنی طرف سے تجھ پر محبت طاری کر دی اور ایسا انتظام کیا کہ تو میری نگرانی میں پالا جائے۔''

حضرت نوح علیہ السلام نے جب تکذیبِ حق کی روش کے حد سے بڑھ جانے کی شکایت کی تو ان کو کشتی بنانے کی جو ہدایت ہوئی اس میں بِاَعْيُنِنَا کے الفاظ آئے تھے:

﴿قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا﴾ (المومنون: 26، 27)

''نوح نے کہا' پروردگار، اِن لوگوں نے جو میری تکذیب کی ہے اس پر تو ہی

Marfat.com

میری نصرت فرما، ہم نے اُس پر وحی کی کہ ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق کشتی تیار کر۔۔۔"

7- ﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ ۝ وَ مِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝﴾ (ق : 39، 40)

"پس اے نبیؐ، جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں ان پر صبر کرو، اور اپنے رَب کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرتے رہو، طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے اور رات کے وقت پھر اُس کی تسبیح کرو اور سجدہ ریزیوں سے فارغ ہونے کے بعد بھی۔"

مَا يَقُوْلُوْنَ کے لفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ صبر کی یہ تلقین نبوّت کے پانچویں چھٹے برس میں ہوئی جب اسلام کی قبولیت کے راستے میں بند باندھنے کے لیے مشرکین و کفار ابھی زبانی کلامی مخالفت کر رہے تھے اور طرح طرح کی دل آزار باتوں سے جذبات مجروح کرنے اور دعوتی حوصلے پست کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جبر تشدد کا نشانہ بنایا جارہا تھا لیکن ابھی وہ وحشیانہ صورت پیدا نہیں ہوئی تھی جس کے نتیجے میں ان کو کچھ عرصہ بعد حبشہ کی طرف ہجرت پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ یہاں بھی صبر کی صفت کی آبیاری کے لیے تعلق باللہ اور روحانی و ایمانی تقویت کے لیے حمد و تسبیح اور سجدہ ریزیوں اور عبادات سے مدد لینے کی وہی نصیحت کی گئی ہے جو سورہ طور میں ہوئی تھی۔

8- ﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝﴾ (المؤمن : 55)

"پس اے نبیؐ، صبر کرو، اللہ کا وعدہ برحق ہے، اپنے قصور کی معافی چاہو اور صبح و شام اپنے رَب کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرتے رہو۔"

9- ﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۝﴾ (المؤمن : 77)

Marfat.com

''پس اے نبیؐ، صبر کرو، اللہ کا وعدہ برحق ہے۔اب خواہ ہم تمہارے سامنے ہی اِن کو بُرے نتائج کا کوئی حصہ دکھادیں جن سے ہم اِنہیں ڈرا رہے ہیں یا (اُس سے پہلے) تمہیں دنیا سے اٹھالیں، پلٹ کرآنا تو اِنہیں ہماری ہی طرف ہے۔''

سورہ مؤمن (غافر) اور سورہ زمر کے نزول کے وقت قریش کی مخالفت زبانی بحث مباحثہ اور حجت تکرار سے گزر کر جور و جفا کی آخری حدوں کو چھونے لگی تھی۔ظلم وستم کی طرح طرح کی مشقوں سے بھی جب انہیں تسکین محسوس نہ ہوئی تو وہ رسولِ پاک ﷺ کی جان لینے کے اقدامات پر اتر آئے تھے۔مجمع الزوائد، صحیح ابن حبان، ابن ہشام، نسائی اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضورؐ ایک روز حرم میں تشریف لائے۔قریش کے سرکردہ لوگ وہاں جمع تھے۔طوافِ حرم کے ہر چکر پر جب حضورؐ ان کے سامنے سے گزرتے تو وہ آوازے کستے اور باتیں بناتے تھے۔آپؐ نے مقامِ ابراہیم کے سامنے نماز شروع کی تو عُقبہ بن ابی مُعیط نے آگے بڑھ کر نبی ﷺ کے گلے میں اپنی چادر ڈالی اور اسے بَل دینے لگا تاکہ آپ کو مار ڈالے۔عین اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے۔انہوں نے اسے دھکا دے کر پرے ہٹایا اور ساتھ کہا: 'کیا تم ایک شخص کو محض اس لیے مارنے پر تلے ہوئے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے؟' حالات کی نامساعدی کا یہ طوفان نبی مکرم ﷺ کے صبر کا بند توڑے جا رہا تھا۔اس کے ٹوٹنے کی صورت یہ تھی کہ آپؐ بھی مَتٰی نَصْرُ اللّٰہ کے الفاظ سے شکوہ سنج ہوتے اور فریاد کرتے کہ کب منکرینِ حق نیست و نابود ہوں گے اور کب دعوتِ حق کی کشتی ساحلِ فوز و عافیت پر لنگر انداز ہوگی؟ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس منصوبے کے خلاف تھی جس کا تعلق آفاقِ مستقبل سے تھا، جس کے تحت ظُلم و تعدّی کی انہی تاریکیوں کے اندر سے دین کی سرفرازیوں کا سورج طلوع ہونا تھا اور ان معاندینِ اسلام کی صفوں میں سے اسلام کے دفاع کے لیے بڑے جانباز سپاہی نکلنے تھے۔چنانچہ دونوں آیتوں میں یہی حکم ہوا کہ میرے نصرت کے وعدہ پر محکم یقین رکھیں۔شدائد و نوائب کی کیفیت میں زبان و عمل سے کسی ایسی تقصیر کا ارتکاب نہ کر

Marfat.com

بیٹھیں جو آپ کی شانِ رسالت کے منافی ہو اور ربّ کائنات کی ناراضی کا موجب بنے۔ اندرونی اضطراب کی جو لہریں صبر کے بند توڑے جا رہی ہیں ان پر اللہ سے مغفرت طلب کریں۔عزم و حوصلہ کی پختگی، روحانی جلا اور اخلاقی قوت صبح و شام اپنے ربّ کی حمد و تسبیح سے حاصل کریں۔

10- ﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ﴾

(الرّوم : 60)

''پس (اے نبیؐ) صبر کرو یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور ہرگز ہلکا نہ پائیں تم کو وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے۔''

سورہ روم اس سال نازل ہوئی جس سال قریش کی بے پناہ زیادتیوں کے ستائے ہوئے کچھ مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ نے بحرِ احمر کے اُس پار حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دی تھی۔ہجرت کا عمل بجائے خود اس چیز کی دلیل تھی کہ بے بسی اور لاچاری کی حالت میں کوئی جائے پناہ دیکھی جائے۔ اس وقت ہم لوگ ایمان و یقین کی جس سطح پر ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان و یقین ہمارے مقابلے میں ایک پہاڑ تھا اور ہماری مثال ایسی ہے جیسے چند فٹ اونچا ریتلا ٹیلا۔ اس لیے کہ وہ ایمان کی قیمت بھی جانتے، یقین کی حقیقت بھی۔ وہ صبر کی ایسی بھٹی میں پڑے ہوئے تھے جس کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت ہے کہ:

((الصَّبرُ نِصفُ الْایمانِ، والیقِین الایمَانُ کُلُّهٗ)) [1]

یعنی 'آدھا ایمان تو صبر میں مضمر ہے اور یقین سارے کا سارا ایمان ہی ہے۔'

اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایمانی کیفیات کے مقابلے میں خود اِمامُ المرسلین کے ایمان و یقین کی بلندیاں کتنی زیادہ تھیں۔لیکن انسان بہر حال انسان ہے۔ مخالفت کے پُرشور اور بند شکن ریلوں کے سامنے ٹھہرتے ہوئے قدموں کے نہیں تو دلوں کے

[1] ترغیب و ترهیب، ابن الملقن فی شرح البخاری.

Marfat.com

ہل جانے کا امکان ہوسکتا تھا۔ حضرت حباب بن الارت رضی اللہ عنہ پر جو کچھ بیت رہی تھی، اس کی فریاد لے کر اپنے سارے عزم ویقین کے باوجود ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ سے جا کر سوال کر بیٹھے تھے۔ کہتے ہیں 'ہم نے رسول اللہ ﷺ سے لوگوں کے ظلم وستم کی شکایت کی۔ حضورؐ کعبہ کے سائے میں اپنی چادر سر کے نیچے رکھے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ ہم نے عرض کی کہ کیا آپ اللہ سے مدد طلب نہیں کریں گے؟ آپؐ اُٹھ بیٹھے۔ چہرہ مبارک سُرخ ہو گیا اور فرمایا: 'تم سے پہلے لوگ گزرے ہیں کہ ایک شخص کو پکڑ کر اُس کے لیے گڑھا کھودا جاتا تھا۔ اُس میں (سیدھا) کھڑا کر کے اُس کے سر پر آرا چلا دیا جاتا تھا۔ لیکن وہ اِس حالت میں بھی دین سے نہیں پھرتا تھا۔ یا پھر لوہے کی کنگھیوں سے جسم کی ہڈیوں سے گوشت کو ادھیڑ لیا جاتا تھا، پھر بھی اپنے دین سے منحرف نہیں ہوتا تھا۔ یاد رکھو یہ اَمر (اِسلام) پورا ہو کر رہے گا، یہاں تک کہ (اِس کی برکت اور قوت سے امن وسلامتی کی یہ حالت ہو گی کہ) ایک سوار حضرموت سے صنعاء تک سفر کرے گا، اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف لاحق نہیں ہو گا۔ بھیڑیے بھیڑ بکریوں کی رکھوالی کریں گے۔ لیکن تُم (اس غلبۂ دِین کے معاملے میں) جلدی چاہتے ہو۔'[1]

زیرِ نظر آیت میں اللہ تعالیٰ نے صبر کی تلقین کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ دشمنانِ اسلام کا بہتان وافترا، تضحیک واستہزاء، ان کی طرف سے خاندانی، قومی اور قبائلی مفادات کی اپیلیں کہیں ان کے ساتھ مصالحت پر آمادگی نہ پیدا کر دیں۔ آپ کو منصبِ رسالت اور شخصی عظمت وبزرگی کی اور یقین وایمان کی جو بے نظیر قوت حاصل ہے، یہ بے دین وبے یقین حریف آپ کو ایسا ہلکا نہ پائیں کہ ان کو آپ سے اپنے معتقدات اور اصولوں میں ترمیم کی توقع ہونے لگے۔

11- ﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾﴾

(طٰہٰ : 130)

''پس اے محمدؐ، جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں اُن پر صبر کرو، اور اپنے رَب کی حمد و

1. بخاری.

Marfat.com

ثنا کے ساتھ اُس کی تسبیح کرو سورج نکلنے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو اور دن کے کناروں پر بھی، شاید کہ تم راضی ہو جاؤ۔''

غارِ حرا سے وحی کی روشنی لے کر صبر کیش کاروانِ حق منزل بہ منزل نبوت کے بعد پانچویں برس کو عبور کر رہا تھا۔ نبی رحمت ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں درسِ صبر کا جائزہ لیتے ہوئے ایک حقیقت کا بار بار احساس ہو رہا ہے۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ صبر کے شجر سے نتائج کا میٹھا پھل پانے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کی حمد و ثنا کے ساتھ اُس کی تسبیح سے اس شجر کی آبیاری جاری رکھی جائے۔ کامرانیوں سے ہمکنار کرنے والی پاک ذات حمد کے ساتھ صبر کی یہ جو بار بار نصیحت کر رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تعلق باللہ، رَب کی جلالت و قدوسیت کا احساس ہر وقت دِل میں جاگزیں رہنا چاہیے اور اس کا اظہار زبان سے اس کی حمد و تسبیح کی صورت میں ہوتے رہنا چاہیے۔ اوقات کا تعین بھی اپنے اندر بڑی حکمتیں رکھتا ہے۔ صُبح دعوت اور اس کے لیے مشکلات و مصائب کا سامنا کرنے کے لیے نکلیں تو اپنی توجہات اُس ذات پر اور اُس کی قُدرت وقُوت پر مرکوز کر کے نکلنا اور شام کو جب سارے محن و ابتلا سے گزر کر لوٹیں تو پھر قلب کو اُسی سے جوڑ لینا اس مہم کے کامیابی کی منزل تک پہنچنے کا زادِ راہ ہے۔

12- ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿٢٨﴾﴾

(الکہف : 28)

''اے نبیؐ، اپنے دِل کو اُن لوگوں کی معیّت پر (صابر) اور مطمئن کرو جو اپنے رَب کی رَضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اُسے پکارتے ہیں، اور اُن سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو۔ کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ

Marfat.com

کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریق کار افراط وتفریط پر مبنی ہے۔'''

سورہ کہف اور طٰہٰ مکی دورِ نبوت کے تیسرے مرحلے کی سورتوں کے اُس گروہ میں سے ہیں جو ہجرتِ حبشہ کے آگے پیچھے قریب قریب زمانے میں نازل ہوئیں۔ ہجرتِ حبشہ اور اصحابِ کہف کی کہانی میں بڑی گہری مماثلت ہے۔ دونوں کے پاکیزہ کرداروں کو اپنے ایمان، اپنی جان اور عزت کو بچانے کے لیے اپنے گھر بار اور بستیاں چھوڑنی پڑی تھیں۔ اس سورہ کے نزول کے عرصے میں قریشِ مکہ دعوتی تحریک کو دبانے کے لیے ایک طرف بے تکے اعتراضات جڑ رہے تھے، توہین وتضحیک کر رہے تھے، ترہیب وتخویف کی فضا پیدا کرنے کے لیے سختیاں کر رہے تھے تو دوسری طرف کئی طرح کے جھانسے اور ترغیبات اور لالچ دے رہے تھے۔ نبی اکرم ﷺ سے ان کا ایک مطالبہ یہ ہوتا تھا کہ آپؐ اپنے گرد سے بلالؓ، صہیبؓ، عمارؓ، خبابؓ اور ابن مسعودؓ جیسے نادار اور سماجی طور پر بے حیثیت صحابہ کو ہٹا دیں تو وہ آپ کی بات سنیں گے۔ یہ شرفِ انسانیت اور اسلام کی روح کے منافی ایسی فضول ترغیب تھی جس سے صادق الایمان اور مخلص صحابہ رضی اللہ عنہم کی بے قدری اور تحقیر کا پہلو نکلتا تھا۔ اس سے قبل حضرت ابنِ اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ سے بے رُخی برت کر آپؐ کو عتابِ الٰہی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ حضور مشرکین کو خوش کرنے کے لیے ان کا یہ مطالبہ پورا کرتے۔ یہاں 'ایسے شخص کی بات نہ مانو......' کے الفاظ میں جو انتباہ ہے اس کا روئے سخن حقیقت میں مکی سرداروں کی طرف تھا۔ ان کو بتانا مقصود تھا کہ وہ یہ توقع نہ رکھیں کہ ان کی ترغیبات کے زیرِ اثر محمد ﷺ اسلام کے سچے جاں نثاروں سے بے رُخی برتیں گے۔

13- ﴿وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝﴾ (النحل : 126 تا 128)

Marfat.com

"اور اگر تم لوگ بدلہ لو تو بس اسی قدر لے لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو۔ لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں ہی کے حق میں بہتر ہے۔ اے محمدؐ، صبر سے کام کیے جاؤ — اور تمہارا یہ صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے — اِن لوگوں کی حرکات پر رنج نہ کرو اور نہ اِن کی چالبازیوں پر دل تنگ ہو۔ اللہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور احسان پر عمل کرتے ہیں۔"

اس سورہ کی آیت 41 سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ ہجرتِ حبشہ کے بعد انتہائی صبر آزما حالات میں نازل ہوئی تھی۔ دعوت کے تقاضوں کے تحت صبر جتنا ضروری تھا اسی قدر مشکل بھی تھا۔ حالات حد درجہ نامساعد اور ظلم وستم کے ریلے روز بروز بلند سے بلند تر ہو رہے تھے۔ ان حالات میں کبھی تو کسی مظلوم کے دل میں خیال آ ہی جاتا ہوگا کہ جفا کاروں سے دو دو ہاتھ کر لیے جائیں، لیکن اس طرح دعوتِ حق میں مشکلات بڑھ جانے کا امکان تھا۔ اللہ کی رضا اور دعوتی مشن کی کامیابی حکمت اور دانائی، صبر اور برداشت کا تقاضا کرتی تھی۔ چنانچہ حکم ہوا کہ وحشت و بربریت کے ہر وار کے آگے صبر ہی کو ڈھال بنایا جائے۔ انسانیت کے محسن ﷺ اگرچہ خود بھی منکرینِ حق کے ہاتھوں اور زبانوں سے زیادتیوں اور گستاخیوں کا نشانہ بن رہے تھے مگر مُٹھی بھر ساتھیوں کی جماعت پر جو گزر رہی تھی وہ آپؐ کے لیے کہیں بڑھ کر کرب انگیز چیز تھی۔ چنانچہ حکم ہوا کہ کفار خواہ کیسے ہی جہل و مکر کا مظاہرہ کریں، اللہ کی خاطر صبر کرو اور رنج و کرب سے مغلوب نہ ہو۔ ان تین آیات سے کچھ پہلے دعوت کے آداب سکھائے گئے ہیں۔ بتایا گیا کہ جحد و انکار کے رویے کو کج بحثی اور تند خوئی اور سخت بیانی سے نہیں بدلا جا سکتا۔ اس مقصد کے لیے حکمت اور دانائی کی ضرورت ہے۔ ضروری ہے کہ مخاطب کی نفسیات اور اس کے مزاج کو ملحوظ رکھ کر نرم گفتاری اور شائستگی کے ساتھ اس کے سامنے دعوتِ دین رکھی جائے۔ زیادتی کا جواب دینا کہیں ناگزیر ہو تو حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اگر دل میں تقویٰ کا جوہر نہ ہو تو اللہ کی خاطر ہونے والی کشمکش ذاتی لڑائی میں بدل جاتی ہے۔ دعوتی جدوجہد جب تک اللہ کی خاطر ہو اور تقویٰ کی صفت شاملِ حال ہو تو اس میں صبر اور نُصرت کی نعمت نصیب

Marfat.com

[illegible]

[illegible]

[illegible]

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، صبر سے کام لو، باطل پرستوں کے مقابلہ میں پامردی دکھاؤ، حق کی خدمت کے لیے کمربستہ رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔''

یوسف ؑ نے جب بھائیوں پر ظاہر کر دیا کہ میں یوسف ہی ہوں تو فرمایا:

﴿ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾

(یوسف : 90)

''حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی تقویٰ اور صبر سے کام لے تو اللہ کے ہاں ایسے نیک لوگوں کا اجر مارا نہیں جاتا۔''

14- ﴿ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ (ھود : 49)

''اے محمدؐ، یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کر رہے ہیں۔ اِس سے پہلے نہ تم اِن کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم۔ پس صبر کرو، انجام کار متقیوں ہی کے حق میں ہے۔''

اس سورہ میں دو بار صبر و استقامت کی نصیحت کی گئی ہے۔ اس کے نزول کے وقت

Marfat.com

رسول اکرم ﷺ کے اعصاب پر دو طرح کا شدید دباؤ تھا۔ایک طرف تو قریش کی حق دشمنی اور جحود وانکار کی روش میں سختی آ گئی تھی اور وہ محض انکارِ حق پر بس نہیں کر رہے تھے، اس دین کے پیروکاروں پر اُن کے ظلم وستم میں بے پناہ شدت پیدا گئی تھی۔ وہ دعوتِ حق کے آگے اپنی سنگ دلانہ اور وحشیانہ حرکتوں سے بند باندھنے کی کوشش کر رہے تھے۔دوسری طرف شب وروز کی انتھک دعوتی کاوشوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مسلسل تنبیہات آ رہی تھیں ان سے یہ اندیشہ لاحق ہو رہا تھا کہ حضورؐ کو اپنی قوم کو راہِ راست پر لانے کے لیے جو وقت ملا تھا شاید وہ ختم ہونے کو ہے اور اس قوم کو جتنی مہلت غور وفکر کی مقصود تھی اس مہلت کا آخری وقت آ پہنچا ہے۔ مسلسل کرب واضطراب کے اثرات آپؐ کی شخصیت پر ظاہر ہونے لگے تھے۔حدیث میں آیا ہے کہ اُسی عرصے میں ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: 'میں دیکھتا ہوں کہ آپ بوڑھے ہوتے جا رہے ہیں، کیا وجہ ہے؟' حضور ﷺ نے فرمایا: 'مجھے ہُود اور اس کی ہم مضمون سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔' [1]

اِن حالات میں رسول اللہ ﷺ کو صبر کی نصیحت کے ساتھ یہ تسلی دی گئی ہے کہ انجام کا تعلق خواہ اِس دنیا سے ہو یا آخرت سے، اُس کی بھلائی اُن لوگوں کا حق ہے جن کے دِل تقویٰ سے سرشار ہوں۔تنبیہ کے لیے براہِ راست قریشِ مکّہ کو خطاب کرنے کے بجائے مثالوں کے ذریعہ اُن کو یہ پیغام دیا گیا کہ محمد مُصطفیٰ ﷺ سے پہلے جتنے انبیاء آئے انہوں نے اپنی اپنی قوم کی اصلاح کی آخری دَم تک کوشش کی۔قومِ نوح، عاد، ثمود، قومِ لُوط، اصحابِ مدین اور فرعون نے دِین کی روشنی کے آگے اپنے جاہلانہ انکار اور ظالمانہ طرزِ عمل کے جو پہاڑ کھڑے کیے تھے وہ تنکے ثابت ہوئے۔انکارِ حق کی پاداش میں وہ قومیں تباہ ہو گئیں اور اللہ کے رسول سر بلند اور سرخرو ہوئے۔قریشِ مکّہ سے بالواسطہ یہ کہا گیا کہ پچھلی قوموں کے انجام سے عبرت پکڑیں اور قبل اِس سے کہ وہ بھی اُسی انجام سے دوچار ہوں سنبھل جائیں۔

15- ﴿وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١١٥﴾﴾ (ھُود : 115)

[1] صحیحُ الجامع ، السلسله الصحیحه لالبانی.

Marfat.com

''اور صبر کرو، اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا۔''

دوسری بار اِس تلقینِ صبر سے قبل فرمایا گیا کہ مشرکین کی طرف سے ظلم و زیادتی کی کارروائیوں کے باوجود وہ راہِ راست جو آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ملی ہے، اُس پر ثابت قدم رہیں۔ ظالموں کے مقابلے میں نہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑیں اور نہ اپنے ایمانی موقف میں کسی کمزوری اور منکرین کی طرف کسی جھکاؤ کا مظاہرہ کریں۔ تحریکِ اسلامی جس نازک مرحلے میں ہے اس کی صداقت اور حق پرستی کا ثبوت اسی میں ہے کہ اس کے پیروکار عزم و ہمت کے اعتبار سے مضبوطی دکھائیں۔ ساتھ ہی صبر کے جوہر کو روحانی و ایمانی قوت بنا لینے کے لیے یہ سبق دیا گیا ہے کہ دن کے دونوں سِروں پر اور رات کے وقت نماز کا اہتمام کریں۔ مفتی شفیعؒ نے یہاں ایک عمدہ نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ پورے قُرآن میں عام طور پر جب امر و نہی کی تاکید رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے لیے ساتھ ساتھ آتی ہے تو امر کا مخاطب نبی ﷺ کو بنایا جاتا ہے اور نہی و ممانعت کا مخاطب اُمت کو، جس میں رسول کریم ﷺ کی عظمتِ شان کا اظہار ہے کہ جو کام قابلِ ترک ہیں رسولِ کریم ﷺ خود ہی اُن سے پرہیز کرتے ہیں۔ اوپر ظالموں کی طرف نہ جھکنے کی صورت میں جو نہی آئی ہے، اُس میں اہلِ ایمان کو مخاطب بنایا گیا ہے اور جب نماز اور صبر کا حکم ہوا تو یہاں براہِ راست مخاطب حضورؐ ہیں۔ امر آپؐ کے لیے ہو تو اُمت اِس میں شامل ہوتی ہے اور نہی اُمت کے لیے ہو تو یہ آپؐ کے لیے بھی ہوتی ہے۔ [1]

16- ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ۚ بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٣٥﴾﴾ (الاحقاف: 35)

''پس اے نبیؐ، صبر کرو جس طرح اولوالعزم رسُولوں نے صبر کیا ہے، اور اِن کے معاملہ میں جلدی نہ کرو۔ جس روز یہ لوگ اُس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا انہیں

[1] معارفُ القُرآن جلد چہارم.

Marfat.com

خوف دلایا جا رہا ہے تو اِنہیں یوں معلوم ہو گا کہ جیسے دنیا میں دِن کی ایک گھڑی بھر سے زیادہ نہیں رہے تھے۔ بات پہنچا دی گئی، اب کیا نافرمان لوگوں کے سوا اور کوئی ہلاک ہو گا؟''

نبوت کے دسویں سال کے بعد کے حالات ہیں جن میں صبر کی یہ تعلیم دی جا رہی ہے۔ تین سال سے مکّہ والوں کی بے رحمی اور شقاوت کا مظاہرہ دنیا اس شکل میں دیکھ رہی تھی کہ اُنہوں نے اللہ کے محبوب نبیؐ اور اُن کے خاندان اور صحابہ کرامؓ کے سخت سماجی مقاطعہ کا اعلان کر رکھا تھا۔ میل جول بند تھا۔ حضور ﷺ اپنے خاندان کے ساتھ شعبِ ابی طالب میں محصور تھے۔ ناکہ بندی اتنی سخت تھی کہ نہ باہر سے کوئی چیز گھاٹی کے اندر آنے دی جاتی تھی اور نہ اندر سے جا کر کوئی بازار سے اشیائے خورد و نوش خرید سکتا تھا۔ محصورِین میں سے اگر کوئی مکّہ کے بازار سے کچھ خریدنے چلا جاتا تو دام اتنے زیادہ بتائے جاتے تھے کہ ادائیگی ممکن نہ ہوتی تھی۔ فاقہ کشی تک نوبت پہنچی ہوئی تھی۔ بھوک کے مارے ماؤں کے دودھ سوکھ گئے تھے۔ شیر خوار بچوں کے بلبلانے کی آوازیں گھاٹی سے باہر جاتیں تو سنگ دِل لوگ قہقہے لگاتے تھے۔ تین سال بعد مقاطعہ ختم ہوا لیکن تعذیب و ایذا کی مشقیں جاری رہیں۔ شِعبِ ابی طالب سے نکلنے کے بعد غم و الم کا ایک اور پہاڑ آپؐ پر ٹوٹ پڑا۔ آپؐ کی مونس و غمخوار زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور مہربان اور سرپرست چچا ابو طالب تھوڑے سے وقفے کے ساتھ فوت ہو گئے۔ رِشتوں کی جُدائی ایک غم تھا مگر اِس سے بھی بڑا صدمہ یہ تھا کہ انتہائی نازک مرحلے پر اسلامی تحریک اِن دو ہستیوں سے محروم ہوئی جو رسول اللہ ﷺ اور دعوتِ اسلام کے لیے سب سے بڑی پُشت پناہ اور مضبوط دنیوی سہارا تھیں۔

اِسی دکھ کی کیفیات میں ساری انسانیت کے محسن ﷺ نے دعوتِ دین کے لیے طائف کی سرزمین کو جانچنے کا ارادہ کیا۔ وہاں جو بیتی اس کا ذکر اس سے پہلے کہیں ہو چکا ہے۔ حد درجہ دل گرفتگی اور ملال کے ساتھ طائف سے آپؐ لوٹ رہے تھے۔ کسی پتھر دل انسان کو

Marfat.com

بھی ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑے تو وہ پگھل کر رہ جاتا ہے۔ اللہ کے فرستادہ رسول بحیثیتِ بشر تمام انسانوں سے زیادہ حساس اور نرم دل ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی فکرمندی اپنی ذات سے زیادہ اپنی قوم کے ممکنہ برے انجام کی وجہ سے ہوتی ہے جو حق سے نفور اور گمراہی کے اندھیروں کی خوگر اور ہدایت کے چراغ گل کرنے پر تلی کھڑی ہوتی ہے۔ رسول پاک ﷺ سفر طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ راستے میں یہ سورہ نازل ہوئی۔ مولانا مودودیؒ نے اِس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

''(اے پیغمبرؐ) جس طرح تمہارے پیشرو انبیاء اپنی قوم کی بے رُخی، مخالفت، مزاحمت اور طرح طرح کی ایذارسانیوں کا مقابلہ سالہا سال تک مسلسل صبر اور ان تھک جدوجہد کے ساتھ کرتے رہے اُسی طرح تم بھی کرو۔ اور یہ خیال دل میں نہ لاؤ کہ یہ لوگ ایمان لے آئیں یا پھر ان پر اللہ عذاب نازل کر دے۔''[1]

17- ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَ مَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ۝۱۰۸ وَ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَ اصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۖۚ وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۱۰۹﴾ (یونس: 108، 109)

''اے محمدؐ، کہہ دو کہ 'لوگو، تمہارے پاس تمہارے رَب کی طرف سے حق آ چکا ہے۔ اب جو سیدھی راہ اختیار کرے گا اس کی راست روی اسی کے لیے مفید ہے، اور جو گمراہ رہے اس کی گمراہی اسی کے لیے تباہ کن ہے۔ اور میں تمہارے اوپر کوئی حوالہ دار نہیں ہوں۔' اور اے نبیؐ، تم اس ہدایت کی پیروی کیے جاؤ جو تمہاری طرف بذریعہ وحی بھیجی جا رہی ہے، اور صبر کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے، اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔''

---

[1] تفہیم القرآن جلد چہارم.

Marfat.com

سورہ یونس نبی ﷺ کے مکی دَورِ دعوت کے آخری تین برسوں کے انتہائی پُر ابتلا اور کٹھن عرصے میں نازل ہونے والی سورت ہے۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے ہمدردی، خیر خواہی اور اخلاص کے ساتھ مسلسل تفہیم و تعلیم کا حق ادا کر دیا تھا لیکن ان مساعی سے بظاہر کسی بڑے نتیجہ کی کوئی امید نظر نہیں آ رہی تھی۔ چنانچہ اِتمامِ حجت کے طور پر انہیں انکارِ حق کے انجام سے آخری بار خبردار کرنے کا وقت آ پہنچا تھا۔ اِس سورہ کا مضمون اسی آخری انتباہ پر مشتمل ہے۔

اوپر درج دو آیات کی تفسیر میں مولانا امین احسن اِصلاحیؒ رقمطراز ہیں: 'خطاب ہر چند باعتبارِ الفاظ عام ہے لیکن روئے سُخن قریش ہی کی طرف ہے جن سے اوپر سے خطاب چلا آ رہا ہے۔ یہ گویا اِس سلسلہ کی آخری تنبیہ ہے کہ جو کچھ تمہارے سامنے پیش کیا جا رہا ہے یہ تمہارے رَب کی طرف سے ہے اور بالکل حق ہے۔ جو تعلیم تمہیں دی جا رہی ہے یہ بھی حق ہے اور دنیا اور آخرت میں اِس کی تکذیب کی صورت میں جس عذاب کی خبر دی جا رہی ہے وہ بھی شُدنی ہے تو اچھی طرح کان کھول کے سُن لو کہ جو اِس حق کو قبول کر لے گا وہ اپنا ہی بھلا کرے گا، اور جو اِس کے بعد بھی بھٹکتا رہے گا تو اُس بھٹکنے کا وبال اُسی کے سر پر آئے گا، کسی دوسرے کے سر پر نہیں جائے گا۔ اور یہ بھی سُن لو کہ میرے اوپر جو ذمہ داری ہے وہ بس اِس حق کو پہنچا دینے کی ہے۔ اِس کو منوا لینے کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے۔

اور پیغمبر ﷺ کو اِس سلسلہ کی آخری ہدایت ہے کہ مخالفین کے رویّہ سے قطع نظر کر کے اِس وحی کی تم پیروی کرو جو تم پر کی جا رہی ہے۔ اور یہ مخالفین خواہ کتنا ہی زور لگائیں لیکن تم اپنے موقف پر ڈٹے رہو یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ظاہر ہو جائے۔ اِس فیصلہ کی طرف اشارہ اوپر آیت 103 میں گزر چکا ہے کہ بالآخر اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور اہلِ ایمان کو کامیابی عطا فرماتا ہے اور اُن کے مخالفین رُسوا و نامراد ہوتے ہیں۔'[1]

صبر اخلاقیاتِ اسلامی میں بظاہر ایک اخلاقی رویّہ ہے۔ ہر انسان کی زندگی میں ایسے

[1] تدبّرِ قُرآن جلد سوم.

Marfat.com

مواقع آتے ہیں جب صبر کی صفت کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مواقع کبھی چند گھڑیوں کے ہوتے ہیں اور کبھی چند مہینوں کے۔ لیکن انبیاء کی تاریخ بتاتی ہے کہ منصبِ نبوّت پر فائز ہوتے ہی ابتلا و آزمائش اُن کی زندگی کا گویا لازمہ بن جاتی ہے۔ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کی حیاتِ طیبہ کی ابتدا ہی آزمائش سے ہوئی کہ ولادت باسعادت حالت یتیمی میں ہوئی۔ چھ برس کی عمر میں والدہ کے پیار سے محروم ہو گئے۔ دادا نے اپنی آغوش میں لیا مگر ابھی عُمر آٹھ سال ہی تھی کہ اُن کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ یہ پے در پے جذباتی صدموں کی لہریں صبر کے موتی کی نموکرتی رہیں۔ یہاں تک کہ اس گوہرِ صبر کے انتہائی کھرا اور قیمتی مال ہونے کی آزمائش کا وقت آ گیا۔ نوعِ انسانی کی ہدایت کے لیے رسالت کی ذمہ داری سپرد ہوئی۔ پھر زندگی کے ہر لمحہ پر کرب و اضطراب اور درد و اَلم کی چوٹ لگنے لگی۔ کفر و طغیان کے تھپیڑے تھے کہ آ آ کر صبر کی چٹان سے ٹکراتے اور اسے بنیادوں سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کرتے۔ صبر کے عنوان سے یہ جو کچھ زیرِ نظر ہے، دراصل اس میں رسول اللہ ﷺ کے مکّی دورِ دعوت کے ایک ایک لمحے کی نبض دھڑکتی ہے۔ قُرآنِ پاک کی مکّی سورتوں میں صبر کا جن جن مقامات پر جس جس پس منظر میں حکم ہوا ان کا یہ تفصیلی بیان رسول اللہ ﷺ کی تیرہ برس کی دعوتی تاریخ کی ایمان افروز روداد ہے۔ اس میں ان سارے کڑے اور کٹھن مراحل کا تذکرہ آ گیا ہے جن سے دعوتِ حق کے مقدس کاروان کو گزرنا پڑا۔ اس سارے عرصے میں سلسلہ جبر و ستم انداز بدل بدل کر ایمان و یقین کی آزمائش کا سامان بنتا رہا۔ کبھی جذباتی چرکے لگے، کبھی جسمانی تکلیفیں اٹھانی پڑیں اور کبھی اپنے وفا کیش ساتھیوں پر بیتنے والے دردناک سانحات نے تڑپایا۔ طعنے سنے، اعتراضات کا سامنا کیا، طرح طرح کے نام دھرے گئے، کبھی رجھایا گیا تو کبھی ڈرایا گیا۔ غرض ہر وہ صورت جس کے دفاع میں صبر کی ڈھال کی ضرورت تھی پیش آئی۔ ہر قدم پر رب نے ڈھارس بندھائی اور بار بار صبر سے کام لینے کی تلقین کی۔

(اس موضوع کی تکمیل میں پر جن کُتب اور تفاسیر سے استفادہ کیا گیا اُن میں علامہ

Marfat.com

ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی مختصر مگر انتہائی مفید کتاب 'الصّبر فِی القُرآن الکرِیم' اور ابی بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیاؒ کی تصنیف ' الصّبر وَالثّوَاب عَلَیه' کے علاوہ تفسیر ابن کثیرؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے تفسیری حواشی، تفسیری حواشی احسن البیان از حافظ صلاح الدین یوسف، تفہیم القرآن از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، معارفُ القرآن از مفتی محمد شفیع، تدبرِ القرآن از مولانا امین احسن اِصلاحیؒ اور فی ظلال القرآن از سید قُطبؒ شامل ہیں۔ احادیث کی تصدیقِ صحت اور تحقیق وتخریج کے لیے الدُّرر السُّنّیة کو پیش نظر رکھا گیا)

Marfat.com

حقوق النبی ﷺ

محبت ۔۔۔تعظیم ۔۔۔اِطاعت

کسی شخصیت کی محبوبیت ومقبولیت کے تین بڑے اسباب ہوتے ہیں۔اُس کے محاسنِ ظاہری اسے وقار بخشتے ہیں۔شخصی وجاہت میں متوازن ومتناسب قدوقامت، دلکش خدوخال اور جسمانی قُوت وتوانائی کا بڑا حصہ ہوتا ہے۔ذہانت وفطانت ایک اور اہم عنصر ہے جو اسے کرشماتی اور پُرکشش بناتا ہے۔مرجعِ خاص وعام بنانے والی دوسری اہم چیز اخلاق وکردار ہوتا ہے جو اسے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا دیتا ہے۔اخلاقی خوبیوں میں طبعی شرافت، زبان کی مٹھاس، حُسنِ گفتار، صداقت وراست بازی، فیاضی، جُرأت واستقامت کا بھی بڑا وزن ہوتا ہے۔ہمدردی، اخلاص وتعاون، دِلسوزی، خیر خواہی اور ہر ایک کے لیے جذبۂ اعانت ودستگیری دلوں پر اُس کا سِکّہ بٹھاتا ہے اور لوگ اُس کے والہ وشیدا بن جاتے ہیں۔تیسری چیز اُس کی دعوت کی سچائی، عقیدے کی صفائی اور اُس کے نظریات وافکار کی بلندی ہے جو اپنا اثر چھوڑے بغیر نہیں رہتی۔دعوت وفکر کی سادگی، پاکیزگی اور اس کا فطری پن لوگوں کو متاثر کرتا ہے۔لوگ کھچے چلے آتے ہیں، اُس دعوت وفکر کو قلب وذہن میں جا گزیں کرتے اور اپنا دستورِ زندگی بناتے ہیں۔محبت وعقیدت کا اِظہار کرتے اور اُس مشن سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔اپنا وقت اور اپنی عقلی وفکری صلاحیتیں، جسمانی قُوتیں اور مالی وسائل اُس دعوت کو پھیلانے میں لگا دیتے ہیں۔رسولِ خُدا، جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات میں یہ تمام اوصاف بدرجۂ اتم جمع تھے۔آپ ﷺ کی شخصیت میں وہ ساری خوبیاں جمع تھیں جو کسی شخصیت کو مرجعِ خاص وعام بناتی ہیں اور جن کی وجہ سے اُس پر عقیدت ومحبت کے پھول

Marfat.com

نچھاور ہوتے ہیں۔

حُسن ظاہری

رسول اللہ ﷺ حُسنِ ظاہری کا ایک دلآویز پیکر تھے۔ شخصیت میں جمال اور جلال کا ایسا امتزاج تھا کہ جو نظر ڈالتا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ قدو قامت میں متوسّط و باوقار تھے، سر نہ بہت بڑا تھا، نہ چھوٹا تھا۔ بال گھنے لیکن زیادہ گھنگریالے نہ تھے۔ حُسنِ صورت کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر حسین چہرہ کوئی نہیں دیکھا۔ ایسے لگتا تھا گویا سُورج چمک رہا ہے۔ دہن مبارک قدرے کھلا، آنکھیں موٹی، سُرمگیں اور روشن تھیں اور پلکیں گھنی تھیں۔ کھلکھلا کر کبھی نہ ہنسے لیکن چہرے پر تبسّم کی کیفیت غالب رہتی تھی۔ گفتگو ٹھہر ٹھہر کر فرماتے اور الفاظ اتنے واضح ہوتے کہ آسانی سے سننے والوں کی سمجھ میں بھی آجاتے اور وہ اُنہیں یاد بھی ہو جاتے تھے۔ ❶

سفرِ ہجرت کے دوران میں رسول اللہ ﷺ ایک اجنبی مسافر کی حیثیت سے کچھ دیر کے لیے قُدید کے مقام پر ایک ایسی خاتون کے خیمے میں رکے تھے جو اپنی مسافر نوازی میں بڑی مشہور تھیں۔ بہت امیر نہ تھیں مگر اُس راستے سے گزرنے والے مسافروں کی خدمت کیا کرتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے سفر کے دوران میں تھوڑی دیر اس کے ہاں قیام کیا۔ اُس خاتون کی نگاہوں نے بڑی محبت اور شیفتگی کے ساتھ حضور ﷺ کے نقوش کی ایسی تصویر اپنے ذہن میں محفوظ کر لی تھی جو کوئی بڑے سے بڑا کیمرا بھی اس سے زیادہ صاف اور واضح طور پر نہ کھینچ سکے۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ وہی صاحبِ قریش ہیں جن کے پیغامِ حق کی مخالفت میں مکّہ والے اُن کے جانی دشمن بنے ہوئے ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ کے وہاں سے رُخصت ہونے کے بعد اُس کا شوہر باہر کے کام سے واپس آیا تو خاتون نے اس کے سامنے حضور ﷺ کا جو حُلیہ بیان کیا اُس سے بہتر حضور ﷺ کا سراپا کوئی کیا بیان کرے گا:

---

❶ ترمذی.

Marfat.com

''پاکیزہ صورت، حسین و پرکشش اور روشن چہرہ، جسم نہ زیادہ موٹا اور نہ دُبلا، متناسب الاعضاء، باوقار اور سجیلے، آنکھیں سُرمگیں، ابرو باریک، بال سیاہ اور گھنگریالے، قد نہ کوتاہ کہ حقیر لگے اور نہ اتنا لمبا کہ دیکھ کر وحشت محسوس ہو، کلام شیریں، تکلّم دلنشیں، گفتگو مربوط جیسے موتیوں کی لڑی میں پروئی ہوئی ہو۔''①

حُسنِ خُلق

گزشتہ ابواب میں اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کی روشنی میں صاحب خُلقِ عظیم ﷺ کے پاکیزہ اوصاف کا تفصیلی تذکرہ آ چکا ہے۔ یہاں ایک اور زاویے سے قندِ مکرر کے طور پر اس موضوع کے چند گوشوں پر مختصراً روشنی ڈالی جائے گی۔ سابقہ نبیوں میں جو خصائل اور اوصاف تھے وہ سب اپنے اندر پیدا کرنے کا آپ ﷺ کو حکم ہوا تھا۔ عرب مصنف ڈاکٹر حسن ضیاء الدین عتر نے 'نبوّةُ محمد ﷺ فی القُرآن' کے نام سے سیرت النبی ﷺ پر بڑی عمدہ تحقیقی کتاب لکھی۔ سورہ الانعام کی آیت 90 سے قبل کی آیات میں کئی پیغمبروں کا تذکرہ کرنے کے بعد نبی ﷺ کو تلقین کی گئی ہے کہ آپ انہی انبیاء کا شیوہ اپنائیں اور اُنہی کے طریقے پر چلیں۔ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (اے نبی، وہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے، انہی کے راستے پر تم چلو) اس کی تفسیر کے تحت اُنہوں نے امام رازیؒ اور علی بن محمد الخازن کی آراء سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی اخلاقی افضلیت کی نشاندہی کرتی ہے۔ قافلۂ رسالت کے ایک ایک فرد نے اپنے دور کے انسانوں کی تعلیم و تبلیغ اور دعوت و اصلاح کے لیے سختیاں برداشت کیں، ظُلم سہے، مخالفتوں کا سامنا کیا لیکن اپنی قوم کے لیے نہ ان کی خیر خواہی میں کمی آئی اور نہ لوگوں کی ضد اور ہٹ دھرمی سے چڑ کر ان کو راہِ راست پر لانے کی جدوجہد ترک کی۔ نہ پیغامِ حق لوگوں تک پہنچانے میں صرف ہونے والی اپنی صلاحیتوں، توانائیوں اور اوقات کے بدلے میں کسی صورت میں بھی کوئی معاوضہ مانگا اور نہ کبھی احسان جتایا۔ لوگوں کی طرف سے بے قدری پر نہ

① سیرتِ رحمتِ دارین از طالب الہاشمی۔

Marfat.com

کوئی شکوہ کیا۔ نام نہاد روحانی پیشواؤں کی طرح انہوں نے تزکیہ و تربیت اور دعوت الی اللہ کے بدلے میں نہ نذر رانے وصول کیے اور نہ پیشہ ور مبلغوں کی طرح وعظ اور پند و نصیحت کا معاوضہ لیا۔ سابق انبیاء اپنی ایک ایک دو دو خوبیوں میں امتیاز رکھتے تھے۔ لیکن محمد عربی ﷺ کی ذات مجمع الصّفات بن گئی تھی۔ معاشرتی زندگی میں نبی اکرم ﷺ کی شخصیت کے حد درجہ قابلِ اعتبار ہونے کے وہ لوگ بھی معترف تھے جو آپ کی دعوت کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کو زور لگا رہے تھے۔ کیسے ممکن تھا کہ ساری انسانیت کے لیے آپ ﷺ کے پاس آپؐ کے رَب کی طرف سے جو امانت بھیجی گئی تھی اس کے پہنچانے میں امانت کا وصف کھو بیٹھتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو ہدایت کی کہ اپنی بے لوثی کا ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کر دیں کہ میں نے دعوت کا کام کوئی تجارت اور کاروبار بنا کر شروع نہیں کیا کہ گاہکوں کو کھینچوں اور اگر یہ منکرینِ حق گاہک نہ بنے تو میرا کاروبار بیٹھ جائے گا۔ اس کارِ عظیم سے میری کوئی مادّی غرض وابستہ نہیں ہے۔ ﴿قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًاؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ﴾ 'کہہ دو کہ میں (اس تبلیغ و ہدایت کے) کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں، یہ تو ایک عام نصیحت ہے تمام انسانوں کے لیے۔' تمام نبیوں کو ایک ہی سرچشمے سے ہدایت کی روشنی، ایک ہی منبع سے نورِ علم، ایک ہی مرکز سے حکم و حکمت، معاملہ فہمی اور درست فیصلے کرنے کی صلاحیت ودیعت ہوئی تھی۔ وہ ساری صلاحیت ایک خاص شان کے ساتھ ہمارے پاک نبی ﷺ کی سیرت کا کمال بن گئی تھی۔ مشرکین کی طرف سے دینِ حق کی دعوت سے دستبردار ہونے کے لیے جیسی پیش کشیں اللہ کے آخری نبیؐ کو ہوئیں اور جس طرح آپ ﷺ نے ان کو ٹھکرایا، انبیاء کی تاریخ میں ایسی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔ پھر وہ موقع جب قریش دوسری مرتبہ حضرت ابو طالب کے پاس شکایت لے کر گئے اور سخت دھمکی دے کر نکلے۔ حضرت ابو طالب نے حضور ﷺ بلا بھیجا اور کہا: 'اے میرے بھائی کے بیٹے! قوم میرے پاس آئی تھی اور مجھ سے اس طرح کی (دھمکی آمیز) باتیں کر کے گئی ہے۔ پس مجھ پر اور خود اپنے اوپر رحم کر۔ مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈال جسے میں برداشت نہ کر سکوں۔' جواب میں جو کچھ رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

نے فرمایا، اللہ کے رسولوں کی تاریخ میں عزم و حوصلہ اور استقامت کے ایسے الفاظ ہیں جو پہلے کبھی ادا نہ ہوئے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا: 'چچا جان! واللہ، اگر وہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لا کر رکھ دیں تو میں اس دعوتِ حق کے معاملہ کو نہیں چھوڑوں گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس امر کو غالب کر دے یا اس راہ میں میری جان چلی جائے۔' ❶ آدمی اخلاقی کمالات کی بلندیوں اور اوصافِ حمیدہ کی رفعتوں کو چھو رہا ہو اور ادھر محبوبِ خلائق بھی ہو تو نفس کو غرور سے بچانا مشکل ہو جاتا ہے۔لیکن حُسنِ خُلق کے پیکر ﷺ کی طبیعت میں عجز و انکسار کا رنگ ہمیشہ غالب رہا۔خود تاکید فرمائی: 'میرے بارے میں ویسا غلو اور اس طرح کا مبالغہ نہ کرنا جو عیسائیوں نے ابن مریمؑ کے بارے میں کیا۔میں بس ایک بندہ ہوں اور مجھے اللہ کا بندہ اور رسول ہی کہنا۔' ❷

دعوت و فکر کا حُسن و امتیاز

تیسری چیز جو کسی مُصلح، داعی اور قائد کو عظمت بخشتی ہے، جس کی وجہ سے اسے محبت اور احترام ملتا ہے اور جو اسے متبوع اور مطاع کے مقامِ عالی کا حقدار بناتی ہے وہ اس کی دعوت ہوتی ہے، اس کے افکار و نظریات ہوتے ہیں اور اس کا تعمیری منصوبہ ہوتا ہے۔ان کے ابلاغ اور عملی نفاذ کے لیے اس کی ساری تحریک برپا ہوتی اور تمام جدوجہد جاری ہوتی ہے۔نبی اُمّی جناب محمد مُصطفیٰ ﷺ کی دعوت میں یہ خصوصیت بدرجۂ اتم موجود تھی۔قُرآن حکیم نے خود آپؐ کی دعوت کے اس پہلو کو بڑے نمایاں انداز میں بیان کیا ہے۔

﴿يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ﴾ (الاعراف : 157)

''وہ (نبی) انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، اُن کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے، اور اُن پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے

❶ ابن هشام. ❷ صحيح بخاری، صحيح ابن حبان.

Marfat.com

جو اُن پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے......''

رسول پاک ﷺ کی زبان سے ہمیشہ خیر ہی کے کلمات نکلے، آپؐ نے بھلائی کی تعلیم دی، وہی کچھ بتایا اور سکھایا جس میں رحمت و راحت اور سہولت و آسانی تھی۔ راحت، سہولت اور آسانی حضور ﷺ کی تعلیمات کی امتیازی خصوصیت ہے۔ نہ کچھ ایسا بتایا جو انسان کے بس اور اختیار سے باہر ہو اور نہ وہ جو اخروی اور دنیوی نتائج کے لحاظ سے انسان کے لیے ضرر اور نقصان کا موجب بنے۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ تعلیمات دیں جو دل کو سکون، روح کو بالیدگی، چہروں کو بشاشت اور جسم و جان کو توانائی بخشنے والی ہیں۔ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جب یمن میں دو علاقوں کے والی بنا کر روانہ کیا تو تاکید کی کہ ایسے حکم دینا جن کی آسانی کے ساتھ اور خوشی خوشی تعمیل ہو سکے اور جو بیزاری پیدا کرنے والے نہ ہوں۔ لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا، انہیں مشکلات میں مبتلا نہ کرنا۔ [1]

پہلے کے جاہلی نظام اور مسخ شدہ شریعتوں میں لوگ باطل عقائد، بے ہودہ رسم و رواج اور پیچیدہ سماجی قدروں کی وجہ سے سخت مشکل میں پھنسے ہوئے تھے۔ رحمۃ للعالمین ﷺ نے اس سب کچھ سے نجات دلائی۔ سورہ الاعراف کی آیت کے مندرجہ بالا حصے کی تفسیر میں مولانا مودودیؒ نے لکھا ہے: ''اُن کے فقیہوں نے قانونی موشگافیوں سے، اُن کے روحانی مقتداؤں نے اپنے تورّع کے مبالغوں سے، اور اُن کے عوام نے اپنے توہّمات اور خود ساختہ حدود و قیود اور ضوابط سے ان کی زندگی کو جن بوجھوں تلے دبا رکھا تھا اور جن جکڑ بندیوں میں کس رکھا تھا، پیغمبرِ آخر الزّماں ﷺ نے یہ سارے بوجھ اُتارے، اوہام اور اعتقادِ باطل کی گرہیں کھولیں اور رسوم و رواج کی ساری بندشیں توڑ کر زندگی کو آسان بنا دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے آسان دینِ حنیفی کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔

رسول پاک ﷺ کی تعلیمات کا جو خلاصہ نجاشی کے دربار میں آپ ﷺ کے چچا زاد

---

[1] بخاری و مسلم۔

Marfat.com

بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے پیش کیا تھا وہ تعلیماتِ اسلام کا نچوڑ اور مغز ہے۔اس سے پورے اسلام کا ایک جامع تصور اُجاگر ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔انہوں نے کہا: 'اے بادشاہ! ہم جہالت میں مبتلا تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے،نجاست میں لتھڑے ہوئے تھے، مُردار کھاتے تھے، بے ہودگی اور فواحش میں ڈوبے ہوئے تھے، قطعِ رحمی کرتے اور پاس پڑوس کا کوئی لحاظ نہ رکھتے تھے، کسی قاعدے قانون کے پابند نہ تھے۔اِس حالت میں اللہ تعالیٰ نے ہم ہی میں سے ایک نبی بھیجا۔اُس کے حسب ونسب، صداقت و امانت، دیانت اور تقویٰ سے ہم اچھی طرح واقف تھے۔اُس نے ہمیں توحید کی تعلیم دی اور ایک خُدا کے ساتھ کسی کو شریک بنانے سے منع کیا۔پتھروں کی پوجا سے روکا۔ہمیں بتایا کی ہم سچ بولیں، اپنے وعدے پورے کریں، صِلہِ رحمی کا مظاہرہ کریں، گناہوں سے بچیں، برائیوں سے باز آ جائیں۔اُس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم نماز ادا کریں، صدقہ وزکوٰۃ دیں، روزے رکھیں۔اِس پر ہماری قوم ہم سے بگڑ بیٹھی۔اُس نے ہمیں طرح طرح سے ستایا اور مجبور کیا کہ ہم ایک خُدا کی عبادت چھوڑ کر لکڑی اور پتھر کے بنے ہوئے بتوں کی پوجا کریں۔جب ہم سخت مجبور ہو گئے تو تیرے ملک میں پناہ لینے کے لیے آ گئے ہیں۔' [1]

حقوق النبی ﷺ ---پہلا حق ---محبت

محبت فطرتِ انسانی میں بیٹھا سب سے عظیم اور لطیف جذبہ ہے۔صبح کی ہواؤں سے زیادہ ٹھنڈا، شبنم کے قطروں کی طرح پاکیزہ اور بے آمیز، حیات بخش اور روح افزا چشموں کی طرح رواں۔اسلام نے اس جذبے کا سب سے بڑا حق دار اللہ تعالیٰ کو اور اُس کے رسول ﷺ کو قرار دیا ہے۔اس کائنات کے نظام میں انسانی فطرت کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ ایک انسان کو فطری طور پر اپنی ذات، اپنے والدین، بال بچوں، بہن بھائیوں، اعزہ و اقارب، گھر بار اور زمین اور جائداد اور کام کاروبار سے لگاؤ ہوتا ہے۔اِس لگاؤ کی نفی نہیں کی گئی۔فطری تناسب کے مطابق اِن سب حصہ داروں سے محبت کی اجازت ہی نہیں دی گئی

---

[1] رحمۃ للعالمین از قاضی محمد سلیمان سلمان پوریؒ.

Marfat.com

بلکہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ ہر شخص اپنے بیوی بچوں، والدین اور دیگر اعزہ واقارب سے محبت بھرا رشتہ قائم رکھے۔ مختلف شعبوں میں تعمیر وتخلیق اور ترقی کا دارومدار بھی اس امر پر ہے کہ انسان کو زندگی سے پیار ہو۔ یہاں کسان کی مثال لیں۔ اس کو اپنے کھیت سے لگاؤ ہوتا ہے تو وہ اسے سرسبز وشاداب بنانے اور اس میں فصلیں اگانے کے لیے اپنا خون پسینہ ایک کرتا ہے۔ اسی ایک مثال پر دوسرے دائرۂ حیات کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ قائم رہتی ہے کہ محبت میں اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کا حق سب پر فائق ہے۔ وہ خالق و مالک ہے، رازق ہے، منعم و مُعطی ہے، اِلٰہ اور معبود ہے، اس لیے محبت کا اصل حق دار وہی ہے۔ فطرت میں فساد یا فقدانِ توازن پیدا ہو جائے تو اس جذبے میں سب سے بڑے حق دار کا حق یا تو کم کر دیا جاتا ہے یا سارے کا سارا اُس کے حریفوں، یعنی جھوٹے خُداؤں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جن کا اِس میں سرے سے کوئی حصہ ہی مقرر نہیں ہے۔

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ﴾ (البقرہ : 165)

"کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اُس کا ہمسر اور مدِّ مقابل بناتے ہیں اور اُن کے ایسے گرویدہ ہیں جیسی گرویدگی اللہ کے ساتھ ہونی چاہیے--- حالانکہ ایمان والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔"

گمراہ کُن فکر کے کچھ مغالطے

یہاں ایک انتہائی اہم پہلو کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔ محبت کی لہریں اور شعاعیں اُفقی اور عمودی، دو سمتوں میں سفر کرتی ہیں۔ عمودی رُخ پر اٹھنے والی شعاعیں مخلوق کی اپنے خالق و مالک اور معبود --- ربُّ العالمین --- سے محبت کی ہوتی ہے۔ اِن شعاعوں میں نہ کوئی نبی شریک ہوتا ہے، نہ کوئی فرشتہ اور نہ کوئی اور مقرّب سے مقرّب بندہ۔ یہ تنہا اللہ تعالیٰ کا حق ہیں۔ عمودی شعاعیں اوپر سے نیچے کی طرف بھی آتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی شعاعیں

Marfat.com

ہیں جو وہ اپنی مخلوق پر برساتا ہے۔ اس میں بے شمار حق دار ہیں۔قران بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء و اولیاء، صابرین، مُحسنین، مُقسطین، مُتوکلین، مُطَّھرین اور مقاتلین فی سبیل اللہ سے خاص طور پر محبت کرتا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ خاتم المُرسلین حضرت محمد ﷺ کا حصہ اس محبت میں سب سے زیادہ ہے۔محبت کی وہ لہریں جو اُفقی سمت میں زمین پر سفر کرتی ہیں اُن میں ایمان والوں کی محبت کے سب سے بڑے حق دار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ باقی ساری محبتیں اللہ اور اُس کے رسولؐ کی محبت کے تابع ہیں۔محبت کے فلسفے میں اسلام کے اس نقطۂ نظر کے علی الرّغم ایک اور رُجحان یا فکر کو صوفیاء نے پروان چڑھایا اور اب یہ بہت سے اہلِ قلم اور اصحابِ دانش کے ذریعے پھیلایا اور مقبول بنایا جا رہا ہے۔ یہ رُجحان عشق کے نام پر محبت میں عدمِ توازن ہی نہیں بلکہ فساد پیدا کر رہا ہے۔ ان لوگوں کے اظہارات اور بیانیے دیکھیں تو محبت میں اللہ تعالیٰ کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ گئی ہے۔حج ایسی عبادت ہے جو ہر صاحبِ استطاعت پر فرض ہے۔عمرہ اگرچہ نفلی عبادت ہے لیکن تزکیہ نفس اور اللہ سے تقرب کے ذریعوں میں سے ایک بڑا ذریعہ ہے، بدنی و مالی عبادت کی ان دونوں صورتوں کی نیت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ان کے بجالانے کی توفیق مانگی جاتی ہے۔لیکن اب یہ بات دانش اور روحانیت کی دلیل بن گئی ہے کہ یہ سعادت اسی کو ملتی ہے جس کو مدینے والا (ﷺ) بلائے۔ گویا بلاوے کا اختیار اللہ سے چھین کر رسول اللہ ﷺ کو سونپ دیا گیا ہے۔ابن حبان، بلوغ المرام اور نیل الاوطار، مجمع الزّوائد اور تفسیر قرطبی میں روایت کی گئی ایک حدیث میں آیا ہے کہ 'میری اِس مسجد (مسجدِ نبویؐ) میں ایک نماز کا ثواب حرم کعبہ کے سوا کسی اور جگہ ادا ہونے والی نماز سے ہزار گنا زیادہ ہے اور مسجدِ حرام میں ادا ہونے والی ایک نماز کا ثواب میری اس مسجد کے مقابلے میں ہزار گنا زیادہ ہے۔' ایک اور روایت میں حرمِ کعبہ کی ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر اور مسجدِ نبویؐ میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے۔لیکن تصوّف سے پھوٹنے والی یہ سوچ مکہ معظمہ کی اہمیت گھٹا رہی ہے۔ اس سوچ نے لوگوں کے ذہنوں میں رسول اکرم ﷺ کو اللہ کا اور مدینہ طیبہ کو مکہ مکرمہ کا حریف

Marfat.com

بنا دیا ہے۔ وہ شخص بڑا بدنصیب ہے جو حج یا عمرہ کے لیے جائے، اس کے لیے کوئی امر مانع بھی نہ ہو اور وہ مسجدِ نبوی کی نمازوں اور رسول اللہ ﷺ کے روضے کی زیارت اور وہاں درود وسلام کی سعادت کے بغیر لوٹ آئے۔ لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ حج اور عمرہ کا مقام مکّہ مکرّمہ ہے۔ دعاؤں کی قبولیت کے سب سے بڑے مقام حرم مکّی اور عرفات ہیں لیکن یہ لوگ حج یا عمرہ کے سفر کی غرض بھی روضۂ رسولؐ پر حاضری ہی بتاتے ہیں اور اسی کو دعا کا افضل مقام تصور کرتے ہیں۔ عشقِ رسولؐ کے نام پر اعتقاد میں یہ خلل بڑھتا جا رہا ہے۔ دین اللہ کا ہے جو ہمیں اُس کے رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے ملا۔ دین کے احکام اور اِس کی تعلیمات وہی مستند اور قابلِ قبول ہیں جو حضورؐ کے واسطے سے ہم تک پہنچیں۔ آپؐ حبیبِ خُدا تھے مگر آپؐ کی اپنی محبت اللہ ہی کے لیے تھی۔ سُنن ترمذی میں حسن صحیح کے درجے کی کسی قدر طویل حدیث کے آخری حصے میں رسول پاک کی ایک دعا ہے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَ حُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَ حُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُ اِلٰی حُبِّكَ"

"اے اللہ میری دعا ہے کہ میرے دل میں تیری محبت جاگزیں ہو جائے، اور ہر اُس شخص کی محبت بھی مجھے نصیب ہو جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور میں ہر اس عمل سے محبت کا سوال کرتا ہوں جو مجھے تیری محبت کے قریب کر دے۔"

اس دعا سے صاف ظاہر ہے کہ محبت کا فاعل اللہ کے رسولؐ ہیں اور جس سے محبت کرنے کی توفیق مانگی جا رہی ہے وہ اللہ کی ذات ہے۔ غارِ حرا کی عزلت گزینی سے بندے کا اپنے رَب کے ساتھ محبت کا جو رشتہ استوار ہوا تھا، فرائضِ رسالت کی ادائیگی میں سہے ہوئے ستم، کھائے ہوئے زخم، جھیلی ہوئی سختیاں اور دعوتِ حق کی خاطر اٹھائی ہوئی بے پناہ مشقتیں محبوبِ حقیقی کی محبت اور اس کی خوشنودی ہی کی خاطر تو تھیں۔ حکم اور ہدایت ہمیشہ محبوب دیا کرتا ہے۔ مُحب تو محبوب کی رضا اور خُوشنودی کی خاطر حکم بجا لاتا اور ہدیت پر عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت میں ڈھلے اور ڈوبے ہوئے محبؐ سے کہا کہ اٹھ کر دنیا والوں

Marfat.com

کے سامنے میرے لیے اپنی محبت کا ان الفاظ میں اعلان کر دے:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْکَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾﴾

(الانعام : 162، 163)

''کہو میری نماز، میرے تمام مراسمِ عبودیت،، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رَبُّ العٰلمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اِسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سرِ اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔''

﴿وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ کے الفاظ میں اہلِ ایمان کو اپنی محبت کے معاملے میں اللہ تعالیٰ نے خوشنودی کی سند عطا فرمائی۔ رسول مقبول ﷺ سے بڑا نہ کوئی ایمان والا ہو سکتا ہے اور اور نہ حضورؐ سے بڑھ کر شدّت کے ساتھ اللہ کو چاہنے والا کوئی اور ہو سکتا ہے۔ آپؐ نے بندوں کو اپنے جیسے بندوں کی بندگی سے نکالا اور محبت، طاعت اور عبادت کی سمت غیر اللہ سے موڑ کر اللہ کی طرف کر دی۔ یہ رَبُّ العالمین کی محبت کا سوز و گداز ہی تھا جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے ہر تاریک لمحے اور ہر مشکل مرحلے کو روشن اور سہل بناتا رہا۔ حضور ﷺ ابتلا و آزمائش کی گھڑیوں میں یہی عرض کرتے رہے کہ اے میرے رَب تو اگر مجھ سے خفا نہیں، تو میرے لیے یہ مصائب ہلکے ہیں۔ رَب کی محبت نے آخری سانسوں میں والہیت و وارفتگی کا عجیب انداز اختیار کر لیا تھا۔ حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ادھر مرض الموت کی شدت کے باعث بے چینی انتہا کو پہنچ گئی تھی اور جسم مبارک ڈھیلا پڑ رہا تھا اور ادھر کیفیت یہ تھی کہ بائیں اُنگلی اوپر اٹھائی اور تین بار زبان سے: فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی کے الفاظ نکلے یعنی محبوبِ حقیقی اور رفیق اعلیٰ سے دائمی وصل کا وقت آ پہنچا ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے محبت

محبت کی تقسیم میں اللہ کے بعد دوسرا سب سے بڑا حق دار اُس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ آپؐ بعد از خُدا بزرگ تر ہستی ہیں۔ محسنِ انسانیت ہیں، ہادی و رہبر

Marfat.com

ہیں، اُسوۂ حسنہ ہیں، انسانیت کے خیر خواہ اور مومنوں کی بھلائی چاہنے والے، ان پر حد سے زیادہ مہربان ہیں۔ ایمان لانے کے بعد روئے زمین پر جناب محمد مصطفیٰ ﷺ سے بڑھ کر محبت کا کوئی حقدار نہیں رہتا۔ آپؐ کا یہ حق کوئی اختیاری معاملہ نہیں ہے کہ جی چاہے تو محبت جتلا دی اور جی نہ چاہے تو اس محبت پر کسی اور کو فائق رکھ دیا۔ یہ حق ادا ہو گیا تو ثواب اور اگر نہ ہوا تو کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ اِس محبت کے بغیر ایمان کا دعویٰ ہی باطل قرار پا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس امر کا تعین کر دیا ہے کہ محبت کے باقی سارے حقداروں کے مقابلے میں سب سے بڑھ کر محبت اللہ اور اُس کے رسول ہی سے ہو تو دعوائے ایمان صادق ورنہ یہ دعویٰ باطل ہے۔

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾﴾

(التوبہ : 24)

''اے نبیؐ، کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی، اور تمہاری بیویاں، اور تمہارے عزیز و اقارب، اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں، اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑنے کا تم کو خوف ہے، اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اُس کے رسولؐ اور اُس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے، اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا۔''

رحمۃ للعالمین ﷺ کا اپنا دل محبت کی ایک بے کراں جھیل کی طرح تھا۔ مہربانی، شفقت، رحمدلی، ہمدردی، نرم خوئی، کرم، رفق و رأفت، عفو و درگزر، بُردباری اور تحمل اسی جھیل سے نکلنے والی نہریں ہیں جنھوں نے ہر چھوٹے بڑے، غریب و امیر، ادنیٰ و اعلیٰ، گورے اور

Marfat.com

کالے، شرقی و غربی، سب کو یکساں طور سیراب کیا۔ اِس جھیل سے اٹھنے والے رحمت کے بادل انسانوں پر بھی برستے رہے اور حیوانوں پر بھی۔ سوال یہ ہے کہ محسنِ انسانیت ﷺ کا اس عظیم جذبے میں اپنا کتنا حق ہے؟ اگر تمام والدین اپنی اولاد پر، ہر اُستاد اپنے شاگردوں پر، ہر پیر و مرشد اپنے مریدوں پر اور ہر مذہبی اور سیاسی لیڈر اپنے پیروکاروں پر، ہر افسر اپنے ماتحتوں پر اور ہر حاکم اپنی رعایا پر یہ حق رکھتا ہے کہ وہ اُس کو دل و جان سے چاہیں اور اُس پر عقیدت کے پھول نچھاور کریں تو ساری انسانیت کے رہبر و رہنما، ساری اُمت کے قائد و اِمام اور سب اہلِ ایمان کے مزکّی و مُعلّم کا محبت میں حق تو سب پر فائق ہونا لازم ہے۔ اوپر جو آیت نقل ہوئی اس میں صاف بتا دیا گیا ہے کہ دنیا کے سارے رشتوں اور اموال و اسباب کی محبت اللہ اور رسول اکرم ﷺ کی محبت کے تابع ہے۔ خود حضورؐ نے اپنی محبت کو ایمان کی شرط قرار دیا ہے۔ یہ محبت نہ ہو تو ایمان کا ہر دعویٰ کھوٹا اور تعلق و نسبت کا ہر اِدعا جھوٹ اور مکر ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

> ''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اُس کی میرے لیے محبت اُس کے والد (والدین)، اُس کے بیٹے (ساری اولاد)، اور دنیا کی ہر چیز اور ہستی سے زیادہ نہ ہو۔''[1]

ایمان کسی مرے ہوئے بیج کا نام نہیں کہ اُس میں نمو، اور اِظہار اور روئیدگی کی صلاحیت نہ ہو۔ یہ کوئی سوکھی لکڑی نہیں ہے کہ اس پر برگ و بار نہ آئیں۔ ایمان کا بیج اُگتا ہے، اپنے تنے پر کھڑا ہوتا ہے، اس کی شاخیں نکلتی ہیں اور اِس پر پاکیزہ جذبوں اور نیک اعمال کے پھل پھول لگتے ہیں۔ اِس کی طراوت و تازگی اور لذّت و چاشنی کا سارا راز اللہ اور اُس کے رسولؐ کی محبت میں ہے۔ رسول پاک ﷺ نے خود واضح کیا ہے کہ ایمان میں لذّت اور مٹھاس اللہ اور اُس کے پاک نبیؐ کی محبت سے پیدا ہوتی ہے:

> ''تین خصوصیات جس کے اندر ہوں اُس نے گویا ایمان کی مٹھاس اور لذّت کا

[1] صحيح بخاری.

Marfat.com

مزا پا لیا۔ ایک یہ کہ اُس کے دل میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے بڑھ کر کسی اور کی محبت نہ ہو، دوم یہ کہ کسی انسان سے وہ محبت کرے تو اُس کی محبت اللہ ہی کے لیے ہو۔ اور سوم یہ کہ (ایمان کے بعد) کُفر کی طرف پلٹنا اُس کے لیے ایسا ہی ناگوار ہو جیسے کسی کو آگ میں ڈالا جانا ناگوار ہوتا ہے۔'' [1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حُبِّ رسول ﷺ کی چند مثالیں

ہم جس لذتِ ایمان کا تذکرہ کر رہے ہیں اُس کے چشیدگان کوئی دو چار یا دس بیس کی تعداد میں نہ تھے۔ لاکھوں اصحابِ رسولؐ میں سے ایک سے ایک بڑھ کر مثال ہے اُن کی جو اِس لذّت سے آشنا ہوئے تھے۔ تاریخِ انسانی کے اس عظیم اور بے نظیر گروہ کے لیے رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد موجبِ اطمینان و مسرت بنتا تھا کہ المرءُ مَع مَن اَحبَّ یعنی انسان کو انہی کی رفاقت نصیب ہوگی جن سے وہ محبت کرتا ہے۔ ایک دفعہ ایک آدمی حضورؐ کے پاس حاضر ہوا اور پوچھا: 'یا رسول اللہ! قیامت کب واقع ہوگی؟' آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: 'تم نے اس کے لیے تیاری کیا کر رکھی ہے؟' اُس نے جواب دیا: 'اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ محبت' یعنی یہ محبت ہی آخرت کی تیاری کا میرا کل سامان ہے۔ [2]

رسالت مآب ﷺ نے اسی موقع پر فرمایا: 'تم جس سے محبت کرتے ہو، قیامت کے روز اور جنت میں اسی کے ساتھ ہو گے۔' حضرت اَنس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ہمیں نبی ﷺ کے اس ارشاد سے بڑھ کر کسی چیز کی خوشی نہ ہوئی۔' جس طرح اسلام نوعِ انسانی کے لیے عظیم نعمت ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی ذات بھی نعمت ہے۔ نعمت کی قدر کی بہترین صورتوں میں سے ایک اس سے محبت کرنا ہے۔ اب قیامت تک کے لیے اللہ کے رسولؐ کی سُنّت و سیرت سے محبت آپؐ سے محبت کی علامت اور ثبوت ہے۔ ایک ماں اپنے ننھے سے بچے سے ٹوٹ کر محبت کرتی ہے تو خواہ اس نے تعلیم کی اعلیٰ ترین ڈگریاں لے رکھی ہوں لیکن وہ بچے کی محبت میں اس کے انداز اور اسی کا تلفظ اور اسی کا لہجہ اختیار کر لیتی

---

[1] مُتفقٌ علیه. [2] متفقٌ علیه.

Marfat.com

ہے۔جس سے محبت ہو اس کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگ لینا اور اس کے انداز اطوار اختیار کر لینا محبت کے اظہار کی بلند ترین صورت ہے۔اہلِ ایمان میں سے جو بھی اپنے نبی ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرے اس کا ثبوت نبی ﷺ کی سیرت کے سانچے میں ڈھل کر ہی بہم پہنچایا جا سکے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی محبت

یہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں، جو ماں باپ سے چھن کر غلام کی حیثیت سے بِکتے بکاتے شام سے مکّہ لائے گئے تھے۔حکیم بن حزام بن خویلد اِن کو شام سے خرید کر لائے اور تحفے میں اپنی پھوپھی اور زوجہ نبیؐ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیا تھا۔رسول اللہ ﷺ نے اِن کو اپنی خدمت کے لیے مانگ لیا۔حضورؐ نے آزاد کر کے زیدؓ کو اپنے بیٹے کی طرح پاس رکھ لیا۔مکّہ میں وہ زیدؓ بن محمد ہی کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔والدین اِن کی جدائی میں تڑپ رہے تھے۔زیدؓ کو بھی ضرور ماں باپ اور بہن بھائیوں کی جدائی کا غم ہوگا۔لیکن اللہ کے رسول ﷺ کے حُسنِ سلوک کی وجہ سے وہ حضورؐ کے اس قدر گرویدہ ہوئے کہ اپنے خاندان سے جدائی کا غم بھول گئے۔حضرت زیدؓ کے خاندان کو کسی طرح علم ہو گیا کہ اُن کا لختِ جگر مکّہ میں محمدؐ بن عبد اللہ کے پاس ہے۔اُن کے والد اور چچا اُنہیں لینے کے لیے آ گئے۔رسول پاک ﷺ نے زیدؓ کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ 'اِن دو حضرات کو پہچانتے ہو؟' کمسن زیدؓ نے کہا 'جی ہاں، ایک میرے والد اور دوسرے میرے چچا ہیں۔' رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: جاؤ، تم آزاد ہو، چاہو تو اپنے والد اور چچا کے ساتھ جا سکتے ہو۔' حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی نبی پاک ﷺ کے ساتھ بے پایاں محبت ہی تھی کہ انہوں نے اپنے والد اور چچا کے ساتھ اور اپنے خاندان میں واپس جانے سے انکار کر کے حضورؐ کے پاس رہنے کو ترجیح دی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت

یہ ابو قحافہؓ کے فرزند، مکّہ کے معاشرے میں سب کے محترم و محبوب، نیک اطوار، با اخلاق، صاحب علم و فکر، وسیع المشرب، ہر میدان میں اور ہر مقام پر اللہ کے رسولؐ کے

Marfat.com

پُشت پناہ اور حامی، رفیقِ سفرِ ہجرت، ثانیَ اثنَین فِی الغار، ایمان اور محبت کی راہوں پر سب سے آگے، دعوتِ حق پر لبیک کہنے والوں میں سب پر سبقت رکھنے والے یہ رفیقِ نبوّت حضورؐ کی محبت میں بھی سب سے آگے تھے۔ نبی ﷺ سے محبت میں ایسے ڈوبے ہوئے کہ اسی کو زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ گردانتے تھے۔ اقبالؒ اِس رازِ درِ عشق و محبت کے سرمایہ حیات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

پروانے کو چراغ ہے، بُلبل کو پھول بس
صدّیقؓ کے لیے ہے خُدا کا رسولؐ بس

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ زمانۂ جاہلیت ہی سے بت پرستی اور اجتماعی معاشرتی بگاڑ سے کنارہ کش اور متنفر تھے۔ آغازِ نبوّت کے بہت پہلے سے رسول پاک ﷺ کے ساتھ گہرا قلبی لگاؤ رکھتے تھے۔ حق شناس، صداقت شعار اور رفاقت میں وفا کا پیکر حضرت ابوبکرؓ کارِ دعوت میں حضورؐ کے سب سے بڑے مددگار بنے۔ راہِ حق میں اِن کا حصہ کچھ اتنا زیادہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: باقی ہر شخص کا حق میں نے اس دنیا میں ادا کر دیا ہے، ابوبکرؓ کا بارِ احسان کچھ اِس قدر زیادہ ہے کہ قیامت کے روز اِن کا رَب ہی اِن کے احسانات اور خدمات کا صلہ چکائے گا۔ وہ دن جو رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر بہت بھاری تھے، مسلمانوں کی کل تعداد ابھی اڑتیس سے تجاوز نہ کر پائی تھی۔ ظُلم وستم کی چکی میں مٹھی بھر مسلمان بری طرح پس رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ نے برملا اور کھلے عام مشرکین کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرنے کا ارادہ کیا۔ کھلے عام اسلام کی دعوت کے لیے یہ پہلا خطاب تھا۔ مشرکین نے جب ان کی زبان سے توحید و رسالت اور آخرت کی بات سنی تو اُن پر پل پڑے۔ بد بخت عتبہ بن ربیعہ نے چہرے پر بے تحاشا جوتے مارے۔ چہرہ اتنا سوج گیا کہ دیکھ کر پہچاننا مشکل ہو گیا۔ بنو تیم کو خبر ہوئی تو دوڑے دوڑے آئے اور اس بربریت سے چھڑایا۔ بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر گھر لائے گئے۔ ہوش آیا تو سب سے پہلا سوال یہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ اُن کو تو کوئی گزند نہیں پہنچا؟ فرمایا اُس وقت تک کچھ کھاؤں پیوں گا نہیں جب تک اللہ کے رسولؐ

Marfat.com

کی خیریت کی خبر نہیں ملتی۔ اُمِّ جمیلؓ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ بخیر ہیں۔ کہنے لگے جب تک اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لوں تسلی نہیں ہوگی۔ آخر اپنی والدہ اور اُمِّ جمیلؓ کا سہارا لے کر دارِ ارقم پہنچے۔ نبی پاکؐ کو اور وہاں موجود سب مسلمانوں کو ان کی حالت دیکھ کر شدید صدمہ ہوا۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری فکر نہ کریں۔ یہ میری والدہ ہیں، اِن کے لیے ہدایت کی دعا کر دیں کہ اللہ ان کو دوزخ کی آگ سے بچا لے۔ حضورؐ نے دعا کی۔ انہوں نے شہادتِ حق کا کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگئیں۔

یوں تو اُن کی ایمانی زندگی کا کوئی لمحہ بھی رسالت مآب ﷺ کی محبت سے خالی نہ تھا لیکن اس جذبے کی انتہا ہم اُس وقت دیکھتے ہیں جب راہِ حق کے یہ دو مقدس مسافر غارِ ثور میں پناہ لینے کے لیے رُکے تھے۔ جب غار کے دھانے پر پہنچے تو کہا: 'واللہ! میں آپؐ سے پہلے داخل ہوں گا، مبادا کوئی مُوذی جانور ہو اور آپ کو ڈس لے۔' غار میں داخل ہوئے، جھاڑ جھنکار صاف کیا۔ دیواروں پر کچھ سوراخ باقی تھے اپنی پگڑی پھاڑ کر اس کے ٹکڑوں سے سوراخ بند کیے۔ دو سوراخ رہ گئے تھے۔ اُن پر اپنے پاؤں رکھ لیے۔ تھکاوٹ کے باعث حضورؐ کی آنکھ لگ گئی۔ حضورؐ کا سر مبارک حضرت ابو بکرؓ کی گود میں تھا۔ اِس دوران میں انہی میں سے ایک سوراخ سے ایک سانپ نکلا اور اُن کے پاؤں کو ڈس گیا۔ شدید تکلیف تھی مگر رسول اللہ ﷺ کی بے آرامی کے خیال سے پاؤں کو حرکت نہ دی۔ شدّتِ تکلیف سے آنکھوں سے آنسو ٹپک کر حضورؐ کے چہرۂ مبارک پر گرا۔ آپؐ کی آنکھ کھل گئی۔ پوچھا: 'ابو بکر کیا معاملہ ہے؟' بتایا کہ کسی زہریلی چیز نے ڈس لیا ہے۔ اِس زہر کا اثر موت تک اِن کے جسم میں موجود رہا۔

حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کی محبت

حضرت عُمر رضی اللہ عنہ عزم و ہمت اور جُرأت و بسالت کے پیکر تو تھے ہی، ایمان لانے کے بعد ان سارے جذبوں اور مظاہر پر اللہ اور اُس کے رسولؐ کی محبت کا رنگ چڑھ گیا۔ ہر قول اور فعل اِسی محبت کی تصویر بن گیا۔ جب ایمان کا معیار یہ قرار پایا کہ: 'تم میں سے کوئی شخص

Marfat.com

مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اُس کے نزدیک اُس کے والدین، اس کی اولاد اور دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر محبوب نہ ہوں'، تو اعلان کیا کہ 'یا رسول اللہ، آپ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔' اور پھر کوئی موقع ایسا نہ تھا جب انہوں نے اس قول کا کوئی عملی ثبوت نہ دیا ہو۔ ان کی رسولِ پاک ﷺ سے محبت کی سب سے بڑی دلیل حضورؐ کا اِتباع اور آپؐ کی اطاعت تھی۔ جنابِ عُمرؓ سے بڑھ کر اطاعت و اتباع کا مجسم نمونہ اور کون تھا۔ اطاعت محض خشک میکانکی عمل نہ تھی۔ یہ گہرے جذبوں میں گُندھی ہوئی تھی۔ یہ نبی ﷺ سے محبت کے بے تاب جذبوں کا سَیل ہی تو تھا کہ ایک بار جب حضورؐ کے گھر کی بے سروسامانی پر نظر ڈالی اور آپؐ کے مبارک جسم پر کھردرے پتوں کی چٹائی پر لیٹنے سے گہرے نشان پڑ گئے ہیں تو آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ رسول پاک ﷺ نے رونے کی وجہ پوچھی تو عرض کیا: 'یا رسول اللہ! قیصر و کسریٰ تو عیش و آرام کی زندگی گزاریں اور باوجود اس کے کہ آپ افضلِ خلائق ہیں، آپ کی یہ حالت ہو۔ رسول پاکؐ نے ان کو تسلی دی کہ قیصر و کسریٰ کو اُن کے حصے کا سب کچھ اِس دنیا ہی میں دے دیا گیا ہے، آخرت میں اُن کے لیے کچھ نہیں، جب کہ ہمیں یہ سب کچھ آخرت میں ملنا ہے۔'

زیدؓ بن وثنہ کی محبت

یہ حضرت زیدؓ بن وثنہ ہیں جو غزوۂ بدر کے کچھ عرصہ بعد مُشرکینِ مکّہ کے ہاتھ چڑھ گئے۔ مکّہ والوں نے اِن کے لیے بڑی ہولناک سزا تجویز کی۔ زندگی ہر ایک کو پیاری ہوتی ہے اور موت سامنے آ جائے تو جان بچانے کے لیے اسلام نے بھی اضطراری طور پر حرام کا لقمہ لے لینے یا دشمن کی مرضی کی کوئی بات کہہ دینے کی اجازت دی ہے۔ لوگ تو بڑے بڑے اصول زندگی پر قربان کر دیتے ہیں۔ جب حضرت زیدؓ بن وثنہ کو سزا دینے کا موقع آیا تو ابوسفیان نے انہیں قسم دے کر پوچھا کہ 'بتاؤ کہ کیا تمہیں پسند ہے کہ تم چھوٹ جاؤ اور تمہاری جگہ ہم محمد (ﷺ) کو یہ سزا دیں؟' حُبِّ رسولؐ میں ڈوبے ہوئے زید رضی اللہ عنہ نے کہا: 'اللہ کی قسم، مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میری رہائی کے بدلے میں میرے نبی کے پاؤں میں کوئی کانٹا

Marfat.com

بھی چھبے'۔

حضورؐ سلامت ہیں تو ہر دُکھ گوارا۔۔۔انصاری صحابیہ ہند رضی اللہ عنہا کی محبت

اپنی جان کے علاوہ انسان کو اپنے قریب ترین عزیز بھی بہت محبوب ہوتے ہیں اور ان کی سلامتی کی ہمیشہ فکر رہتی ہے۔ ماں، باپ، بیوی بچے، بہن بھائی سب کی زندگی عزیز ہوتی ہے۔ عورت کے جذبات تو ویسے بھی بہت شدید اور نازک ہوتے ہیں۔ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا بھی اپنے شوہر اور بیٹوں سے محبت سے سرشار تھیں۔ لیکن معاملہ جب اُن کے قریب ترین رشتوں اور نبی ﷺ کی محبت کے مقابلے کا آ گیا تو دیکھیے انہوں نے حُبِّ رسول ﷺ کی محبت کا کیسا زبردست مظاہرہ کیا۔ جنگِ اُحد میں مسلمانوں کو فتح کے بعد کچھ صحابہؓ کی اجتہادی غلطی کی وجہ سے سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ حضرت حمزہؓ سمیت بڑے جانباز اور ممتاز اصحابِ رسول ﷺ اس غزوہ میں شہید ہوئے تھے۔ حضور ﷺ کو بھی سخت زخم آئے تھے اور ایک موقع پر تو آپؐ کے مارے جانے کی افواہ پھیل گئی تھی۔ دل شکستہ مسلمان اِس معرکے کے بعد مدینہ میں واپس آ رہے تھے۔ لوگ اپنے پیاروں کی سلامتی کی خبر پانے یا اُن کے استقبال کے لیے راہوں میں کھڑے تھے۔ ہندؓ بھی راستے میں کھڑی تھیں۔ پاس سے گزرنے والوں نے اُن کو خبر دی کہ اُن کے شوہر عمر بن جموحؓ، اُن کے فرزند خلادؓ، اور اُن کے ایک بھائی جامِ شہادت نوش کر گئے۔ کہنے لگیں: 'مجھے رسول اللہؐ کی خیریت کے بارے میں بتاؤ' بتایا گیا کہ حضورؐ بخیریت ہیں۔ اس پر پکار اٹھیں: كُلُّ مُصِيبَةٌ بَعدَكَ جَلَلٌ یعنی یا رسول اللہ آپؐ سلامت ہیں تو ہر صدمہ قابلِ برداشت ہے'۔

حضرت ابوطلحہؓ زید بن سہل کا اندازِ محبت

قبیلہِ خزرج کی رسول اللہ ﷺ کی ننھیالی شاخ بنونجّار سے تعلق رکھنے والے عظیم المرتبت صحابی حضرت ابوطلحہ زید بن سہل رضی اللہ عنہ کی محبت کی داستان بھی کیا ایمان افروز ہے۔ غزوہِ اُحد میں گھمسان کا رن پڑا۔ کافروں نے پوری شدت کے ساتھ حملہ کیا۔ حضورؐ اُن کا خاص ہدف تھے۔ بعض دیگر صحابہؓ کے ساتھ ابوطلحہؓ بڑی بے جگری اور استقامت کے ساتھ

Marfat.com

نبی ﷺ کا دفاع کر رہے تھے۔ ماہر تیر انداز تھے اور اپنی مہارت کو خوب آزما رہے تھے۔ مشرکین رسول اللہ پر جو تیر پھینکتے، ابوطلحہ اسے اپنے بازوؤں پر روک لیتے تھے۔ ساتھ پرجوش انداز میں شعر بھی پڑھتے جاتے:

نفسی لِوجھِكَ الفِداءُ و وجھی لِوجھِكَ الوَقاءُ

''میری جان آپ کی جان پر قربان اور میرا چہرہ آپ کے روئے مبارک کی ڈھال۔''

جس طرف سے بھی حملہ ہوتا اُدھر آگے بڑھ کر حضور کے لیے سینہ سپر بن کر کھڑے ہو جاتے اور کہتے جاتے تھے: 'میرا گلا آپ کے گلے سے پہلے'۔ انہوں نے رسولِ پاک ﷺ کے دفاع میں اتنے تیر اپنے ہاتھوں پر روکے کہ ایک ہاتھ ہمیشہ کے لیے مفلوج ہو گیا۔ اِس معذوری کو اپنے لیے اعزاز و فخر سمجھتے تھے۔

عثمان شمّاس رضی اللہ عنہ کی فدا کاری

حضرت عثمان شمّاس مکہ کے حسین و جمیل نوجوان تھے۔ خوبصورتی کی وجہ سے ہی شمّاس (روشن اور خوبصور چہرے والا) کے نام سے مشہور تھے۔ اُحد کے معرکے میں بے پناہ محبت اور شوق و ولولہ سے رسول اللہ ﷺ کے بچاؤ کے لیے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے تھے۔ حضور نے ان کو ان کی فِدا کاری کی سند اِن الفاظ میں عطا کی: 'اُحد کے دن شمّاس میری سپر تھے۔ دائیں بائیں جدھر دیکھتا شمّاس میرے دفاع میں لڑتے نظر آتے۔ ان کے لیے سپر کے سوا کوئی تشبیہ نہیں پاتا۔'

حضرت عبید اللہ بن زیاد کی فکر

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لیے بے تاب اور ملاقات کے شوق میں ڈوبے رہتے تھے۔ کئی صحابی تو حضور کی مجلس میں بیٹھے آپ کے چہرے پر نظریں گاڑے ہوئے دید کی پیاس بجھانے میں ہی لگے رہتے تھے۔ حضرت عبید اللہ بن زید کو ایک اور فکر لاحق تھی۔ وہ سوچتے تھے کہ اِس دنیاوی زندگی میں تو رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کرنے،

Marfat.com

پاس بیٹھنے اور بات کرنے کی خوشی نصیب ہو جاتی ہے لیکن جنت میں تو حضورؐ مقاماتِ بلند پر فائز ہوں گے جہاں ہماری رسائی نہیں ہو گی اس لیے ملاقات اور زیارت سے محروم رہیں گے۔ نبی پاکؐ کو جب اُن کی اس فکر کا پتہ چلا تو آپؐ نے یہ آیتِ قرآنی سنا کر اُن کو تسلی دی:

﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾

(النسآء : 69)

"جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کریں گے وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا، یعنی انبیاء اور صِدّیقین اور شُہداء اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آ جائیں۔"

حضرت عبید اللہؓ بن زیاد سمیت نبی ﷺ کے صحابہؓ سے بڑھ کر اور کس نے اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کی ہو گی اور اُن سے بڑھ کر آخرت میں اِن عظیم رفاقتوں کا اور کون حقدار ہو گا اور اِس ارشادِ باری سے اُن سے بڑھ کر اس خوش خبری کا سزاوار کون ہو سکتا ہے جنہوں نے درسِ اطاعت براہِ راست اللہ کے رسولؐ سے لیا اور 'رضی اللہ عنہم' کی سند جنہیں اسی اطاعت اور بے مثال دینی خدمات کی وجہ سے ملی تھی؟

بلالؓ بن رُباح اور حُبِّ رسول ﷺ

نگاہِ محمدؐ میں اُس حبشی غلام بلالؓ بن رباح کے مقام کا کون اندازہ کر سکتا ہے جسے رسول اللہ ﷺ کے خادمِ خاص اور مؤذّنِ مسجد نبوی ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ یہ مرتبۂ بلند اور اعتمادِ خاص انہیں اللہ کے رسولؐ سے بے پناہ محبت کی وجہ ہی سے ملا تھا۔ اِقبالؒ اِس محبت کی لفظی تصویر کشی میں دو نظمیں کہہ گئے۔ اقبالؒ کے اشعار میں رسول پاک ﷺ سے بلال رضی اللہ عنہ کی فراوانیِ محبت کی جو تصویر سامنے آتی ہے اُس سے بہتر اور کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔ اذان کو رب نے حضرت بلالؓ کے عشق و محبت کا ترانہ بنا دیا۔

Marfat.com

لیکن بلالؓ ، وہ حبشی غلام زادۂ حقیر
فطرت تھی جس کی نورِ نبوّت سے مستنیر
جس کا امیں ازل سے ہُوا سینۂ بلالؓ
محکوم اِس صدا کے ہیں شہنشاہ و فقیر
ہوتا ہے جس سے اسود و احمر میں اختلاط
کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوئے امیر
ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز
صدیوں سے سُن رہا ہے جسے گوشِ چرخِ پیر
اِقبال! کِس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے
رُومی فنا ہوا ، حبشی کو دوام ہے

اب آپؐ کے چہرے سے زیادہ محبوب چہرہ کوئی نہیں

یہ ثمامہؓ بن اثال ہیں۔ یمامہ کے سردار اور قبیلہ بنوحنیفہ کے ممتاز رئیس۔ اسلام اور پیغمبرِ اسلام سے شدید نفرت اور عداوت میں مکّہ والوں سے کم نہ تھے۔ ہجرت کے پانچویں سال کا واقعہ ہے کہ کچھ صحابہؓ نجد کے علاقے میں دشمن کی نقل وحرکت پر نظر رکھنے کے لیے گشت پر نکلے ہوئے تھے۔ اتفاق سے ثمامہ ان کے ہاتھ لگ گئے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ جس شخص کو وہ گرفتار کر کے مدینہ لے جا رہے ہیں یہ کون ہے اور کس حیثیت کا آدمی ہے۔ مدینہ لا کر انہیں مسجدِ نبوی کے ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو سب کو معلوم ہوا کہ یہ نجد کا سردار ہے۔ اصل مقصد یہ تھا کہ قیدی کو مسجد میں نماز، تلاوتِ قرآن کریم کی سماعت اور ذکر وعبادت کے مناظر دیکھنے کا موقع ملے۔ حوائج ضروریہ کے لیے آزاد کیا جاتا تھا۔ ثمامہ دس آدمیوں کے برابر کھانا کھاتے تھے۔ نبی ﷺ کی ہدایت تھی کہ اسے پیٹ بھر کر کھانا دیا جائے۔ نبی پاک ﷺ اس کے پاس سے گزرتے تو اُس کا حال دریافت فرماتے تھے۔ اُس کا ایک ہی جواب ہوتا کہ 'میرا حال اچھا ہے۔ آپؐ اگر مجھے قتل کریں گے تو گویا یہ

Marfat.com

ایک خونی کا قتل ہو گا۔ اگر انعام فرمائیں گے تو یہ ایک ایسے آدمی پر انعام ہو گا جو شکر گزار ہے۔ اگر میری گرفتاری سے مال مطلوب ہے تو جتنا مال مانگیں دینے کے لیے تیار ہوں‘۔ تین دن تک یہ مکالمہ اسی طرح چلتا رہا۔ تیسرے روز رسول اللہ ﷺ نے اُسے آزاد کر دینے کا حکم دیا۔ مسجدِ نبوی کی رُوحانی فضا، قرآن حکیم کی ربّانی صدا اور داعیِ اعظم حضرت محمد مصطفیٰ کے پاکیزہ اور بلند اخلاق نے اپنا اثر دکھا دیا تھا۔ جرمن شاعر، ڈرامہ نگار اور فلسفی گوئٹے (Goethe) نے اگر اسلام کی اِن روشن مثالوں کو دیکھا ہوتا تو وہ اپنے اِس قول کی صداقت پر اس سے بڑی گواہی کسی اور چیز کو نہ سمجھتا کہ ’محبت سے وہ چیز ایک لمحے میں حاصل ہو جاتی ہے جو ایک طویل مدت کی کوشش اور مشقت سے بھی بمشکل ہاتھ آتی ہے‘۔ ثمامہؓ نے چند لمحوں میں کُفر سے ایمان کی مسافت طے کی اور اسلام کی سرحد میں داخل ہو گئے۔ رہا ہوتے ہی قریب کے ایک نخلستان میں گئے، غُسل کیا اور واپس آ کر کلمہِ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ چند لمحوں کے اس سفر نے اُن کی دنیا بدل دی۔ معیارات بدل دیے۔ پسند اور ناپسند کے زاویے اُلٹ گئے۔ کہنے لگے: ’اے محمدؐ، مجھے اس سے پہلے آپ سے بڑھ کر کسی سے نفرت نہیں تھی، میرے لیے اِس شہر سے زیادہ ناپسندیدہ جگہ اور کوئی نہیں تھی اور اس دین سے بڑھ کر کسی اور چیز سے میرے دل میں بغض نہ تھا، مگر اب آپؐ کے چہرے سے زیادہ محبوب چہرہ اور کوئی نہیں، اس شہر سے زیادہ اچھی جگہ اور کوئی نہیں اور اسلام سے بڑھ کر کوئی اور دین مجھے عزیز نہیں۔ قبولِ اسلام کے بعد وہیں سے عُمرہ کی نیّت سے مکہ روانگی کی اجازت چاہی۔ حضور ﷺ نے انہیں اسلامی تعلیمات کے مطابق عمرہ کی تلقین کی۔ مکّہ پہنچے تو اعلان کر دیا: ’مکہ والو! اب محمدؐ کی اجازت کے بغیر یمامہ سے تمہیں غلّے کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچنے دوں گا۔ اور واقعی وطن واپس پہنچ کر انہوں نے مکّے کے لیے غلّے کی ترسیل روک دی۔ مکّہ والوں کو اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ سے درخواست کرنی پڑی۔ حضورؐ کی اجازت سے غلّہ کی بندش ختم کی۔

اور یہ ہیں عبداللہؓ بن عبداللہ بن ابی

عبداللہ بن ابی منافقوں کا سردار تھا۔ اُس نے اسلامی تحریک کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے

Marfat.com

اور پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کی ذات اور وقار کو نقصان پہنچانے کی مکروہ چالوں کا سلسلہ مرتے دم تک جاری رکھا۔غزوۂ بن مُصطلق کے موقع پر اسے شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں کا موقع مل گیا۔اِس نے ایک اتفاقیہ واقعہ کی آڑ میں انصار کو اشتعال دلایا۔انصار اور مہاجرین کو لڑانے کی سازش کی۔رئیس المنافقین نے نبی ﷺ کی شان میں سخت گستاخانہ کلمات کہے۔ یہ بھی کہا کہ مدینہ واپس پہنچ جائیں تو جو عزت والا ہے وہ (نعوذ باللہ) ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کرے گا۔'رسول اللہ ﷺ کو اُس کی گستاخانہ بات سے سخت رنج پہنچا تھا۔لشکرِ اسلام میں اسی سردارِ منافقین کے صادق الایمان بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بھی تھے۔جب اُن کو اپنے باپ کے اِس بیان کی خبر ہوئی تو حُبِ رسول ﷺ اور غیرتِ ایمانی سے سرشار ہو کر ایک بڑا فیصلہ کر لیا۔مدینہ واپسی پر ننگی تلوار لے کر اُس راستے میں کھڑے ہو گئے جدھر سے مجاہدین شہر میں داخل ہو رہے تھے۔کہنے لگے کہ ابھی پتہ چل جائے گا کہ عزّت والا کون ہے اور ذلیل کون؟ جب تک حضورؐ اجازت نہ دیں میں اپنے باپ کو مدینہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔عبداللہ بن ابی مدینہ میں اُسی وقت داخل ہو سکا جب رسولِ خُدا نے اس کو داخلے کی اجازت دی۔یوں غیرت مند بیٹے نے اپنے باپ پر واضح کر دیا کہ عزت رسول اللہ ﷺ کا حق ہے اور وہی عزت والے ہیں۔یہ محبت کی بے شمار مثالوں میں سے صرف چند ہیں جو مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق پیش کی گئی ہیں۔صحابۂ کرامؓ کی زندگیوں میں سخت تنگیوں، آزمائشوں اور خطرات کی تلخیوں کو جو چیز شیرینی اور مٹھاس میں بدل دیتی تھی اور جس کی لذت میں وہ سب مصائب اور مشکلات کو بھول جاتے تھے وہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ اُن کی محبت کا یہی جذبہ فراواں تھا۔

نذرانۂ درود و سلام

اوپر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بیان میں یہ بتایا گیا ہے کہ اقبالؒ نے اذان کو عشق و محبت کا ترانہ قرار دیا ہے۔یہاں ایک اور ترانے کے ذکر کے بغیر حُبّ رسول اللہ ﷺ کا عنوان مکمل نہیں ہو سکتا۔وہ ترانہ ہے رسولِ پاک ﷺ کے حضور درود و سلام کا نذرانہ۔وہ شخص جو ایمان

Marfat.com

کا دعویٰ رکھتا ہو اور اُس کی زبان پر زمزمہ درود جاری نہیں ہوتا اسے اپنے دعویٰ میں کھرا نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہ زمزمہ آسمانوں پر بھی بلند ہوتا ہے اور عرش پر بھی۔ آسمان والے حضورؐ کی توقیر و محبت کے لیے درود و سلام کو وسیلہ بناتے ہیں۔ درود کیا ہے؟ ایک دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جناب رسالت مآب ﷺ کو زیادہ سے زیادہ بلند مرتبے عطا کرے۔ دعا مغزِ عبادت بھی ہے اور روحِ بندگی بھی۔ گویا جب ہم درود و سلام بھیج رہے ہوتے ہیں تو دُہری سعادت حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔ عقیدت و محبت کی بے اعتدالیوں سے بچانے کے لیے نبی مکرمؐ نے اُس درود کے کلمات خُود سکھا دیے جو قُرآن مجید سے ماخوذ اور حضورؐ کو اپنے لیے آپؐ کو پسند تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اپنی کتابِ پاک میں اس حکم کو دائمی طور پر ثبت کر دیا تو لازمی امر تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تجسس ہوا کہ ہم سلام تو جانتے ہیں کہ کیسے کیا جاتا ہے لیکن درود کیسے بھیجیں؟ حضورؐ سے دریافت کیا گیا تو آپؐ نے وہ کلمات سکھائے جو ہم نماز کے اختتامی حصے میں آخری قعدہ کے اندر پڑھتے ہیں۔ ان کلمات کی ادائیگی ایسا فرض ہے جس کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔ [1]

یہ زمزمۂ محبت و عقیدت ایسا ہے جس کی تعداد کی کوئی حد مقرر نہیں، جس پر سعادت کے جتنے دروازے کھلتے ہیں اسے زیادہ سے زیادہ یہ کلماتِ درود زبان پر جاری رکھنے کی توفیق ملتی ہے۔ عُلماء و فقہاء کا اِس امر پر اتفاق ہے کہ زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ تو درود بھیجنا فرض ہے کیونکہ اس کا حکم خُود ربِّ ذوالجلال نے دیا ہے (احکامُ القرآن لِابن العربی):

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَٰئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى ٱلنَّبِيِّ ۚ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ صَلُّوا۟ عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا ۝﴾ (الاحزاب : 56)

''اللہ اور اُس کے ملائکہ نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی اُن پر درود بھیجو۔''

اس حقیقت کا علم ہو کہ نبی اکرم ﷺ کی محبت کے بغیر نہ ایمان مکمل ہے اور نہ عشق و

[1] سنن احمد.

Marfat.com

محبت کا کوئی دعویٰ معتبر و قبول ہے اور یہ بھی معلوم ہو کہ درود و سلام بھیجنا اظہارِ محبت کا ایک ایسا راستہ ہے جو ہمارے خالق و مالک نے ہمیں بتایا ہے تو وہ شخص بڑا بخیل بھی ہے اور بد بخت بھی جس کی زبان پر درود کے کلمات جاری نہ ہوتے ہوں۔ درود محبت کی دلیل بھی ہے اور اللہ اور خود رسولِ مقبول ﷺ کے ایک حکم کی تعمیل بھی۔ ملائکہ ہمارے پیارے نبیؐ سے محبت کرتے ہیں تو اس کا اظہار درود و سلام سے کرتے ہیں۔ اگر ہم بھی محبت رکھتے ہیں تو اس کی نشانی یہی ہوگی کہ ہم حتی الامکان زیادہ سے زیادہ درود و سلام کو وردِ زبان بنائے رکھیں۔

(ب) ادب و تعظیم ---- دوسرا حق

ادب و تعظیم اسلامی تہذیب کی امتیازی اقدار میں سے ایک بہت بڑی قدر اور روایت ہے۔ اسلامی آداب میں اِس کی اتنی اہمیت ہے کہ اِس کا خیال نہ رکھنے والوں کو رسول پاک ﷺ نے مسلم اُمت کی صفوں میں شمار ہی نہیں کیا۔ کئی واسطوں سے مروی متعدد احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹے بچوں سے شفقت کے ساتھ پیش نہیں آتا اور ہمارے بزرگوں کے احترام و اِجلال کا خیال نہیں رکھتا ہے۔ [1] حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ 'جو لوگ بڑھاپے کو پہنچ جائیں اُن کی، اور قرآن کے ایسے عالم کی جو غُلو سے دور ہو اور جس نے اِس کی تلاوت اور اِس پر عمل چھوڑ نہ رکھا ہو اور عدل و انصاف کرنے والے حاکم کی تعظیم و تکریم دراصل اللہ تعالیٰ کی تکریم اور اِجلال ہے۔' [2] رشتوں کے اعتبار سے اولاد پر والدین، بیوی پر شوہر، شاگرد پر استاد، مرید پر مرشد، مامور پر امیر اور رعایا پر انصاف پسند حاکم کی عزت لازم ہے۔ عزت نہ ہو تو اجتماعیت کا وہ نظم قائم نہیں رہ سکتا جس میں یہ رشتے استوار ہوتے ہیں اور سارے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں جن کے جُڑے رہنے ہی سے ایک مستحکم اور پر ثمر معاشرت وجود میں آتی ہے۔ محبت اور شفقت کا ایک دھارا وہ ہوتا ہے جو بزرگوں کے دلوں میں اپنے سے چھوٹوں کے لیے موجزن ہوتا ہے۔ دنیوی رشتوں میں ماں کی ممتا اِس کی سب سے اعلیٰ مثال ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی اپنے بندوں سے محبت اس کی معراج

---

[1] صحیح الترغیب، سُنن ترمذی وغیرہ۔ [2] ابو داود۔

Marfat.com

ہے۔فرق یہ ہے کہ ماں کی محبت اندھی ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت کچھ شرائط سے مشروط ہے۔ وہ مقررہ حدوں کو پھلانگنے والوں، اپنی بڑائی قائم کرنے والوں، غرور کرنے اور فخر جتانے والوں، کنجوسی کرنے اور اِسی روش کو دوسروں میں پھیلانے والوں، اللہ کے فضل اور نعمت کو چھپانے والوں، ظالموں، فسادیوں، خیانت کاروں، زیادتی کرنے والوں، کفرانِ نعمت کرنے والوں اور معصیت پیشہ لوگوں سے محبت نہیں کرتا۔چھوٹوں کے دل میں اپنے بزرگوں کا ادب ہونا اسلامی اخلاقیات کا حسن اور معاشرت کے استحکام کا ضامن ہے۔محبت میں اللہ کے بعد سب سے بڑا حق اُس کے رسول حضرت محمد ﷺ کا ہے۔ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں۔محبت کی ندیاں جب اوپر سے نیچے کی طرف رواں ہوں تو شفقت و رحم اور جب نیچے سے اوپر کی طرف بہ رہی ہوں تو تعظیم و توقیر اور ادب و احترام میں ڈھل جاتی ہیں۔

عزّت اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے لیے

رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو انصارِ مدینہ نے جس طرح دیدہ و دل فرشِ راہ کیا ،اور جس عقیدت و محبت سے آپؐ کا استقبال کیا اور جس احترام کے ساتھ اپنی بستی میں جگہ دی اس سے صاف عیاں تھا کہ یہاں حضور ﷺ کا ورود کسی بے سروساماں مسافر، ایک بے یارومددگار مہاجر کی طرح نہیں بلکہ ایک ایسی محترم و معزز شخصیت کی حیثیت میں ہوا جس کی عظمت کا احساس دلوں میں جاگزیں تھا اور سب کے سر تسلیم و رضا میں اُس کے آگے خم اور سب کی نگاہیں عقیدت و محبت میں جھکی ہوئی تھیں۔پھر مدینہ میں تشریف آوری کے بعد آپؐ نے یہاں کے یہودی قبائل اور اہلِ مدینہ کے مابین مستقبل کے خوشگوار تعلقات اور اشتراکِ معاملات کے بارے میں جو معاہدہ کیا وہ بھی اِس حقیقت کی غمازی کر رہا تھا کہ آپؐ کو یثرب کے معاشرے میں سربراہ اور حاکم کی حیثیت حاصل ہے۔عبداللہ بن ابی کی اوس اور خزرج کے متفقہ حاکم کی تاجپوشی کی تیاریاں مکمل تھیں، رسول اللہ ﷺ کی آمد کے بعد نہ صرف یہ کہ اُس کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا بلکہ اُس کے حمایتیوں

Marfat.com

کی تعداد گھٹتے گھٹتے اتنی رہ گئی کہ کھل کر حضورؐ کی مخالفت کرنے کے بجائے اُسے منافقت کا لبادہ اوڑھنا پڑا۔ نبی اکرم ﷺ کو جو عزت و تکریم حاصل ہوئی اُس کی وجہ سے وہ حسد و حسرت میں جلتا رہا۔ غزوۂ اُحد میں وہ اہلِ ایمان کو زک پہنچانے کی نیت سے اپنے تین سو حمایتیوں کو لے کر دشمن سے مقابلہ سے پہلے واپس چلا گیا۔ غزوۂ بن مصطلق کے موقع پر اس کی شرارتوں اور سازشوں کا اس سے قبل ذکر ہو چکا ہے۔ یہاں اُس نے یہ جو کہا تھا کہ مدینہ پلٹ کر عزت والا ذلیل کو نکال باہر کرے گا، اِس کا جواب اُس ذات نے خود دے دیا جس کے ہاتھ میں عزت دینے اور ذلت سے دوچار کرنے کا اختیار ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾

(المنٰفقون : 8)

''عزت تو اللہ اور اُس کے رسولؐ اور مومنین کے لیے ہے، مگر منافق جانتے نہیں ہیں۔''

کائنات کے رب نے گویا یہ فیصلہ فرما دیا کہ سرداری اور قیادت کا حق محمد ﷺ کے لیے مختص ہے۔ باقی سب لوگوں کو، خواہ ماضی میں ان کی کتنی اہم سماجی اور قبائلی حیثیت رہی ہو حضور ﷺ کو اپنا قائد ماننا ہوگا۔ بصورتِ دیگر ان کا شمار اسلامی جماعت کے بجائے کافروں میں ہوگا۔ اب سب کی عزت اللہ کے رسول ﷺ کی عزت کے ساتھ وابستہ ہے۔ آپؐ سے زیادہ کوئی احترام کا حق دار نہیں۔ جس طرح حضور ﷺ کی محبت سے خالی دِل ایمان کی روشنی سے محروم رہتا ہے، اسی طرح آپؐ کے ادب سے خالی دلوں میں تقویٰ جڑ نہیں پکڑ سکتا۔

رسول اللہ ﷺ کی فیصلہ کُن حیثیت

اِس عزت و منزلت پر حتمی مُہر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ثبت ہو گئی کہ جو شخص یا خاندان یا گروہ نبی ﷺ کی فیصلہ کُن حیثیت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے اُس کا دعوائے ایمان ایک فریب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور اس ایمان کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

Marfat.com

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (النسآء : 65)

''اے محمدؐ، تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اُس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، بلکہ سربسر تسلیم کر لیں۔''

سورہ الاحزاب کی ایک آیت سے بھی اِس ضمن میں ایک اہم اصول ملتا ہے۔

﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ﴾ (الاحزاب : 36)

''کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اُس کا رسولؐ کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اُسے اپنے اُس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔''

اِس آیت کا نزول تو ایک خاص موقع کی مناسبت سے ہوا تھا لیکن اس سے ایک مستقل دستوری اصول متعین ہو گیا۔ نبی ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا رشتہ اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے تجویز کیا تھا جو حضورؐ کے منہ بولے بیٹے ہونے کی وجہ سے اُس وقت تک زیدؓ بن محمدؐ پکارے جاتے تھے۔ حضرت زینبؓ اور اُن کے خاندان کے لوگوں نے اپنی خاندانی وجاہت اور حضرت زیدؓ کے مقابلے میں اپنی سماجی برتری کی وجہ سے اس تجویز کو نامنظور کر دیا تھا۔ حضرت زینبؓ نے کہا کہ 'میں نسب میں زیدؓ سے بہتر ہوں۔ میں اُسے اپنے لیے پسند نہیں کرتی۔ میں قریش کی شریف زادی ہوں۔' یہ تجویز رسول اللہ ﷺ درحقیقت اللہ کے رسولؐ کا فیصلہ تھی۔ اس کو نہ ماننے کا مطلب

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے حکم سے روگردانی تھا۔ معاملہ اِس نوعیت کے کسی خاص پس منظر کا ہو یا عمومی، اللہ اور اُس کے رسولؐ جب فیصلہ کر دیں تو پھر کسی کو اِس سے انحراف اور انکار کا اختیار نہیں رہتا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے اِس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

''یہ آیت اگرچہ ایک خاص موقع پر نازل ہوئی ہے مگر جو حکم اِس میں بیان کیا گیا ہے وہ اسلامی آئین کا اصل الاصول ہے اور اِس کا اطلاق پورے اسلامی نظامِ زندگی پر ہوتا ہے۔ اِس کی رُو سے کسی مسلمان فرد، قوم یا ادارے یا عدالت یا پارلیمنٹ یا ریاست کو یہ حق نہیں پہنچتا کی جس معاملہ میں اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف سے حکم ثابت ہو اس میں خود اپنی آزادیِ رائے استعمال کرے۔ مسلمان ہونے کے معنی ہی خُدا اور رسولؐ کے آگے اپنے آزادانہ اختیار سے دستبردار ہو جانے کے ہیں۔ کسی شخص یا قوم کا مسلمان بھی ہونا اور اپنے لیے اِس اختیار کو محفوظ بھی رکھنا، دونوں ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔ کوئی ذی عقل انسان اِن دونوں رویوں کو جمع کرنے کا تصور نہیں کر سکتا۔ جسے مسلمان رہنا ہے اُس کو لازماً حکمِ خُدا اور رسولؐ کے آگے جھک جانا ہوگا، اور جسے نہ جھکنا ہو اُس کو سیدھی طرح ماننا پڑے گا کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ نہ مانے گا تو چاہے اپنے مسلمان ہونے کا وہ کتنا ہی ڈھول پیٹے، خُدا اور خلقِ خُدا دونوں کی نگاہ میں وہ منافق ہی قرار پائے گا۔''[1]

باادب! ہوشیار!

حضرت اَنس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ 'مہاجرین و انصار بیٹھے ہوتے تھے۔ جب حضورؐ تشریف لاتے تو ادب کا یہ عالم ہوتا تھا کہ کوئی نگاہ اُٹھا کر دیکھنے کی جسارت نہیں کرتا تھا۔ بس ابوبکرؓ اور عُمرؓ تھے کہ نظر اٹھا کر دیکھتے اور جواب میں رسول اللہ ﷺ بھی مسکرا کر انہیں دیکھتے تھے۔' حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ 'رسول پاکؐ سے میری محبت کا معاملہ یہ تھا کہ

[1] تفہیم القرآن جلد چہارم۔

Marfat.com

آپؐ سے بڑھ کر مجھے کوئی عزیز نہ تھا لیکن میرے ادب کا حال یہ تھا کہ مجھے نظر بھر کر آپؐ کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔" ❶

یہ صرف ایک دو صحابہ کی بات نہیں۔ باادب بانصیب، بے ادب بے نصیب کا تصور اگر کہیں واقعی دلوں میں نقش تھا تو یہ تمام اصحابِ رسول کے دلوں میں تھا۔ حال یہ تھا کہ وہ سانس بھی اِس احتیاط کے ساتھ لیتے تھے کہ کہیں گستاخی میں نہ لکھا جائے۔ ہجرت کے چھٹے برس کے اواخر میں رسول اللہ ﷺ عمرہ کی ادائیگی کی نیت سے اپنے تقریباً چودہ سو صحابہؓ کو لے کر عازمِ مکّہ ہوئے تھے۔ جب مشرکینِ مکّہ کو احساس ہوا کہ ابھی کچھ ہی عرصہ قبل وہ غزوۂ احزاب (جنگِ خندق) میں بے نیل و مرام بصد خواری واپس ہوئے تھے اور اگر اس رسوائی کے پیچھے ہی محمدؐ کو مکّہ میں داخل ہو کر عمرہ کی اجازت دے دی تو ان کی ہوا بالکل ہی اکھڑ جائے گی۔ انہیں باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ مسلمان لڑائی کی غرض سے نہیں بلکہ خالص عبادت کی نیت سے عمرہ ادا کرنے آئے ہیں۔ قربانی کے جانور ان کے ساتھ ہیں اور تلوار کے سوا ان کے پاس کوئی جنگی ہتھیار بھی نہیں ہے۔ اِس کے باوجود انہوں نے رب کے گھر کی زیارت اور طواف کے لیے آنے والے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ کچھ سنجیدہ لوگ ٹکراؤ کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مذاکرات کے لیے آنے والوں میں عُروہ بن مسعود ثقفی بھی تھا۔ یہاں نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و تکریم کا ایسا بے مثل منظر تھا کہ اس کا مشاہدہ اس نے روم و ایران اور مصر و حبش کا طاقتور اور جابر بادشاہوں کے درباروں میں بھی کبھی نہ کیا تھا۔ اُس نے یہاں سے واپس جا کر اہلِ مکّہ سے کہا تھا کہ محمدؐ سے لڑنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ اُن کے اصحاب کی جان نثاری اور تعظیم و تکریم کا یہ حال ہے کہ اُن کے تھوک اور وضو کے پانی کو بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے۔ آنکھ اُٹھا کر کوئی انہیں دیکھتا نہیں کہ کہیں بے ادبی میں شمار نہ ہو جائے۔ وہ محمدؐ کی گفتگو کو کمال یکسوئی، توجہ اور خاموشی سے سنتے ہیں۔

❶ رحمةُ للعالمين از سليمان منصور پوری.

Marfat.com

سورہ الاعراف کی ۱۵۷ ویں آیت میں ﴿ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ میں عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ کا مطلب ہمارے بنیادی کلاسیکل تفسیری لٹریچر میں تقریباً بالاتفاق عَظَّمُوْهُ و وَقَّرُوْهُ یعنی جو لوگ نبی اُمّیؐ پر ایمان لائے اور اُنہوں نے حضور ﷺ کی تعظیم و توقیر کی' بتایا ہے۔ ❶ حقیقت یہ ہے کہ انصارِ مدینہ کے دلوں میں حمایت و نصرت کا جذبہ پھوٹا ہی اُس وقت تھا جب انہوں نے عالی قدر ہستی کا مقام و مرتبہ پہچان لیا تھا اور اس کی قدر و منزلت دلوں میں بیٹھ گئی تھی۔ مُفتی شفیعؒ نے معارف القرآن میں آیاتِ بالا کی تفسیر میں لکھا ہے کہ آدابِ نبویؐ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسے مقربِ خاص صحابی کی احتیاط کا یہ حال تھا کہ حضورؐ سے گفتگو کرتے ہوئے آواز اتنی پست رکھتے تھے کہ سرگوشی کا گمان ہوتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی یہی کیفیت تھی۔

فِراشِ رسولؐ کا ادب

اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اسلام کی راہ میں بڑی مصیبتیں جھیلیں اور بہت دکھ سہے تھے۔ نبوّت کے چھٹے سال مکّہ والوں کی سختیوں سے تنگ آ کر جن نفوس کو رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کے مُلک کی طرف ہجرت کر جانے کی ہدایت کی تھی اُن میں مکّہ کے ایک بڑے با اثر سردار ابوسفیان کی یہ صاحبزادی بھی اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش کے ہمراہ شامل تھیں۔ وہاں پہلی مصیبتوں پر ایک بڑی مصیبت یہ آئی کہ شوہر نے اُس دین سے مرتد ہو کر عیسائیت اختیار کر لی جس دین کی خاطر انہوں نے غُربتِ وطن اور خاندان اور اعزّہ و اقارب سے جدائی کو خوشی خوشی قبول کر لیا تھا۔ عبید اللہ کثرتِ شراب نوشی کی وجہ سے بیمار پڑا اور حبشہ ہی میں فوت ہو گیا تھا۔ ہجرت کے بعد نبیِ رحمتؐ کو جب اُمِّ حبیبہؓ کے مصائب و ابتلا کی خبر ہوئی تو نکاح کا پیغام بھیجا نجاشی نے نکاح پڑھایا اور تحفے تحائف دے کر عزت و احترام کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا۔ مکّہ سے نکلنے کے تقریباً چودہ سال بعد یہ اُمُّ المومنین کی حیثیت سے مدینہ پہنچیں۔

مشرکینِ مکّہ نے صُلح نامہ حدیبیہ کے کوئی دو سال بعد اِس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے

❶ تفسیر ابن کثیر، فتح القدیر، مُختصر شُعب الایمان.

Marfat.com

بنو بکر کی پشت پناہی کرتے ہوئے مسلمانوں کے حلیف قبیلے بنو خزاع پر چڑھائی کی اور اُن کا قتلِ عام کیا۔ لیکن جلد ہی انہیں احساس ہو گیا کہ یہ حرکت ان کو مہنگی پڑے گی۔ اُس وقت اُمِّ حبیبہؓ کا والد ابو سفیان ہی اہلِ مکّہ کا لیڈر تھا۔

تجدیدِ معاہدہ کے لیے ابو سفیان خود مدینہ گیا۔ طویل مدت سے بیٹی سے جدائی کا احساس فطری امر تھا۔ چنانچہ وہ سب سے پہلے اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں گیا۔ ماں باپ کافر بھی ہوں تو اسلام اُن کی عزت اور خدمت کی تلقین کرتا ہے۔ اُمِّ حبیبہؓ کے دل میں بھی اپنے باپ کی عزت ہو گی۔ لیکن رسول مقبول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے بڑھ کر تو تعظیم و تکریم کا مسلمانوں کی نظر میں کوئی اور حق دار نہیں ہو سکتا۔ ابو سفیان جب بستر پر بیٹھنے لگا تو اُمِّ حبیبہؓ نے آگے بڑھ کر فوراً بستر لپیٹ دیا۔ ابو سفیان نے پوچھا: 'بیٹی تم اِس بستر کو میرے قابل نہیں سمجھتی ہو یا مجھے اس بستر کے قابل نہیں گردانتی ہو؟' اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا 'یہ رسول اللہ کا بستر ہے۔ آپ مشرک ہیں اور مشرک نجس ہیں اس لیے میں آپ کو اِس بستر پر بیٹھنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ اِس طرزِ عمل کے پیچھے ایک خُوش بخت، سعادت مند اور نیک بیوی کا جذبہ بھی کارفرما تھا اور نبوّت کی مقام آشنا ایک سچی مومنہ کا یہ شعور بھی کہ پاسِ ادبِ رسولؐ کے تحت اپنے حقیقی باپ کو بھی اللہ کے رسول ﷺ کے بستر پر نہ بیٹھنے دیا۔

پیش قدمی سے باز رہنے کا حکم

آدابِ رسولؐ میں ایک بڑا ادب یہ بھی ہے کہ آپؐ کے سامنے کسی معاملے میں پیش قدمی نہ کی جائے۔ اپنی رائے اور خیال کو پیش کرنا ہو، کسی معاملے میں کوئی فیصلہ کرنا ہو اور اپنی بات کا اظہار کرنا ہو تو ایمان کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ پہلے دیکھ لیا جائے کہ اُس معاملے میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا کیا فیصلہ ہے۔ جب پتہ چل جائے کہ اللہ اور رسولؐ نے اس معاملے میں پہلے ہی فیصلہ دے رکھا ہے تو اس کو حتمی جانتے ہوئے اپنی رائے، اپنے خیالات اور اپنے نقطۂ نظر سے خود دستبردار ہو جانا چاہیے۔ کوئی انفرادی معاملہ ہو یا اجتماعی، اللہ اور اس کے نبیؐ کی ہدایت سامنے آجانے کے بعد کوئی مسلمان اس کا مجاز نہیں رہتا کہ کتاب

Marfat.com

اللہ اور سُنتِ رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں اپنی دلیلیں لائے، اپنا فلسفہ بھگارے اور اپنی عقل کو رہنما بنائے۔ آزادیِ رائے اور عقل و دانش کی حد وہاں تک ہے جہاں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی طرف سے کوئی رہنمائی موجود نہ ہو۔ عدالت اور پارلیمنٹ کو اُن دائروں میں اپنے فیصلے سنانے اور قانون سازی کا اختیار ہے جہاں اللہ اور رسولؐ نے دخل نہیں دیا ہے اور لوگوں کو اپنے معاملات خود طے کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا ہے۔ لیکن جہاں نصِ قرآنی یا حدیث و سُنت کی واضح ہدایت اور تعلیم موجود ہو وہاں عدالت اور پارلیمنٹ کا اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ (الحجرات : 1)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اُس کے رسولؐ کے آگے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ سے ڈرو۔ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔''

مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے 'تدبرِ قرآن' میں اس آیت کی تفسیر میں 'آگے بڑھنے' سے مراد اپنی رائے کو رسولؐ کی رائے یا حکم پر مقدم کرنے کی کوشش قرار دیا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ 'اللہ اور رسولؐ کے آگے بڑھ کر نہ چلو، مقدم نہ بنو، تابع بن کر رہو۔ اپنے معاملات میں پیش قدمی کر کے بطورِ خود فیصلے نہ کرنے لگو بلکہ پہلے یہ دیکھو کہ اللہ کی کتاب اور اُس کے رسولؐ سنت میں ان کے متعلق کیا ہدایات ملتی ہیں۔

ادبِ رسول کے سب سے بڑے حقیقت شناس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ ان کی اس معاملے میں احتیاط کا اندازہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل سے لگایا جا سکتا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے آگے پیش قدمی یا آپؐ کی سُنّت و سیرت سے تجاوز سے شریعت کی حرمتیں کس طرح پامال ہو سکتی ہیں اور نبی پاکؐ کی شخصیت کی تقدیس کس طرح مجروح ہو سکتی ہے۔ عمرہ اور سعی و طواف اللہ کی عبادت اور ہر شخص کے لیے انفرادی سعادت ہے۔ لیکن کیا رسول اللہ ﷺ کے آگے پیش قدمی سے پرہیز کی اس سے بڑی کوئی مثال ہو سکتی ہے کہ ایک

Marfat.com

جلیل القدر صحابی سعی وطواف سے اس لیے گریز کر جائیں کہ یہ حضورؐ سے پہلے عمرہ کر لینا در اصل آپؐ کے آگے پیش قدمی میں شمار ہوگا۔واقعۂ حدیبیہ کا ذکر ابھی کچھ پہلے گزر چکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب قریشِ مکہ نے عمرہ کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا تو اس سے پیدا ہو جانے والی بحرانی کیفیت کو پر امن طریقے سے رفع کرنے کے لیے دوطرفہ سفارتی کوششیں کی ہوئی تھیں۔حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا گیا تھا کہ وہ مکہ والوں کو قائل کریں کہ اللہ کی عبادت کے راستے میں وہ رکاوٹ نہ بنیں اہلِ مکہ اپنی ہٹ پر قائم رہے لیکن انہوں نے حضرت عثمانؓ کو اس رعایت کی پیش کش کی کہ چونکہ وہ مکہ شہر کے اندر داخل ہو چکے ہیں اس لیے وہ عمرہ کے مناسک ادا کر لیں۔لیکن عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ تو عمرہ نہ کر سکیں اور وہ حضورؐ سے آگے بڑھ کر پہلے عمرہ کر لیں۔انہوں نے کہا کہ اگر اللہ کے رسول ﷺ کو اجازت نہیں ملتی تو وہ بھی عمرہ نہیں کریں گے۔یہ تھی صحابہؓ کے دلوں میں نبی اکرم ﷺ کے لیے روحِ ادب و احترام۔

آواز اور لہجے میں تعظیم رسولِ خدا ﷺ کا لحاظ

رسول اللہ ﷺ کی محبت کی طرح آپؐ کے ادب و تعظیم کا معاملہ بھی اختیاری نہیں ہے۔دونوں جذبوں کا ایمان سے بڑا گہرا تعلق ہے۔جس طرح حُبِّ رسول ﷺ کے بغیر کوئی شخص صاحبِ ایمان نہیں ہو سکتا اُسی طرح نبی مکرم ﷺ کے ادب و تعظیم سے خالی دل کبھی تقویٰ سے روشن نہیں ہو سکتا۔اپنے رسولؐ کی توقیر و تعظیم کو خود اللہ تعالیٰ نے لازم ٹھہرا کر اسے ایمان سے جوڑ دیا ہے۔کوئی آدمی جو ایمان کا دعویٰ بھی رکھتا ہو اور اُس کا دل نبی پاکؐ کے ادب و احترام سے خالی ہو، یہ ممکن نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہ ادب سکھایا کہ میرے نبیؐ کی آواز سے کسی کی آواز بھی بلند نہ ہو، کیوں کہ یہ بے ادبی اعمال کی بربادی کا موجب بن سکتی ہے۔

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا

Marfat.com

لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾

(الحجرات : 2، 3)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنی آواز نبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نہ نبیؐ کے ساتھ اونچی آواز سے بات کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ جو لوگ رسولِ خدا ﷺ کے حضور بات کرتے ہوئے اپنی آواز پست رکھتے ہیں وہ درحقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے، ان کے لیے مغفرت ہے اور اجرِ عظیم۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی آواز قدرتی طور پر اتنی بھاری تھی کہ جب بات کرتے تو مجلس میں سب پر یہ آواز حاوی ہو جاتی تھی۔ یہ آیات نازل ہوئیں تو سمجھے کہ یہ انہی کے بارے میں اتری ہیں۔ غم کے مارے اپنے آپ کو گھر میں بند کر لیا۔ کئی روز تک جب وہ رسول پاک ﷺ کو نظر نہ آئے تو آپؐ نے اُن کے بارے میں دریافت فرمایا۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ وہ اُن کا حال معلوم کریں۔ معلوم ہوا کہ اِن آیات کے نزول کے بعد سخت پشیمانی میں خود کو گھر میں محبوس کر رکھا ہے کہ میں ہی ہوں جس کی آواز حضورؐ کی آواز سے بلند ہوئی اور میرے ہی اعمال غارت ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو پیغام بھیجا کہ تم دوزخ میں نہیں جاؤ گے، تم جنّتی ہو۔ تب ان کی تسلی ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ کے آرام کا خیال

انسانی مزاجوں اور طبائع میں فرق ہوتا ہے۔ ان کے احساس اور سمجھ بوجھ میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے۔ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم تو دعوتِ حق کے عظیم مشن میں رسول پاک ﷺ کی فکری اور عملی کاوشوں کے باعث جو بوجھ آپؐ کے ذہن اور اعصاب پر پڑتا تھا اس سے واقف تھے۔

Marfat.com

ان کو حضورؐ کے آرام کا خیال بھی رہتا تھا اور آپؐ کی عظمت و توقیر کے مراتبِ بلند سے بھی آگاہ تھے۔ لیکن ایسے لوگ بھی مسلمانوں کی صفوں میں موجود تھے جو حضورؐ کی ذمہ داریوں کے بارِ عظیم اور اس کے بعد آپؐ کی ضرورتِ راحت و آرام کا احساس نہیں کر پاتے تھے۔ سورہ احزاب کی 53 ویں آیت میں اسی طرح کے لوگ مخاطب ہیں۔

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰـهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۭ﴾ (الاحزاب : 53)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، نبیؐ کے گھروں میں بلا اجازت نہ چلے جایا کرو۔ نہ کھانے کا وقت تاکتے رہو۔ ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ۔ مگر جب کھانا کھالو تو منتشر ہو جاؤ، باتیں کرنے میں نہ لگے رہو۔ تمہاری یہ حرکتیں نبیؐ کو تکلیف دیتی ہیں، مگر وہ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے۔ اور اللہ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا......"

یہ جس رویے پر ایک ہلکی سی تنبیہ ہوئی ہے اور آدابِ رسولؐ کی طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھا گیا ہے مفسرین کرام نے اسے ایک خاص موقع سے منسوب کیا ہے۔ اُمّ المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے حضورؐ کے نکاح کے بعد دعوتِ ولیمہ میں یہ صورتِ حال پیش آئی تھی کہ دعوت میں شرکت کے لیے آنے والوں میں سے کچھ حضرات حضورؐ کے آرام کا خیال کیے بغیر دیر تک باتوں میں مصروف رہے۔ لیکن یہ ہدایت اپنے اندر ایک عموم اور دوام رکھتی ہے۔ اس کے آجانے کے بعد یہ لازم ہو گیا کہ کسی بھی وقت اور کسی بھی موقع پر ایسا طرزِ عمل اختیار کر کے کوئی اللہ کے رسولؐ کی ذہنی اذیت کا سبب نہ بنے۔ کھانے پر بلایا جائے تو کھانا کھاتے ہی منتشر ہو جانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ صاف بتا دیا کہ دیر تک گپوں میں لگے

Marfat.com

رہنے کی روش نبی پاک ﷺ کو تکلیف دیتی ہے، لیکن حضورؐ شرم اور لحاظ و مروت کے مارے کچھ کہتے نہیں۔ اللہ کو گوارا نہیں ہے کہ اس کے نبیؐ کو اس طرح کی حرکتوں سے تکلیف پہنچائی جائے۔ بات وہیں تک محدود نہیں۔ یہ اسلامی اخلاقیات اور آدابِ مجلس کا ایک مستقل قاعدہ بنا دیا گیا ہے۔ ہر دور میں اور ہر مقام پر مسلم معاشرے کے اندر اس قاعدے پر عمل ہونا چاہیے۔

وہ صحابہؓ جن کے رگ و پے میں ادبِ رسولؐ راسخ تھا ان میں سے انصاری صحابی حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کے گھر میں ہجرت کے بعد مدینہ پہنچ کر آپؐ نے سب سے پہلے قیام کیا تھا۔ گھر کی دو منزلیں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کا قیام نچلی منزل پر تھا اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر کے اوپر والے حصے میں رہتے تھے۔ اچانک خیال آیا کہ ہم تو حضورؐ کے سر کے اوپر چھت پر چلتے ہیں۔ سب سکڑ کر دیواروں کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئے۔ انہی دنوں ایک روز اوپر پانی کا مٹکا ٹوٹ گیا۔ انہیں سخت پریشانی ہوئی کہ پانی نیچے رسول اللہ ﷺ کے جسد مبارک پر پڑے گا۔ وہ لحاف جو دونوں میاں بیوی لیتے تھے اس کو پانی پر ڈال کر روئی سے پانی جذب کر لیا اور خود ٹھنڈ میں رات گزاری۔ بے ادبی اور رسول پاک ﷺ کی بے آرامی کے خیال سے اصرار کر کے حضورؐ کو راضی کیا کہ آپؐ اوپر کی منزل پر منتقل ہو جائیں۔ یہ تھا صحابہ رضی اللہ عنہم کے ادب و تعظیم رسول کا وہ جذبہ جس کا انہوں نے قدم قدم پر ثبوت دیا۔

كُنْ أبا خيثمة (یہ ابوخیثمہ ہی ہو گا)

محبت و تعظیم میں گندھا ہوا جذبہ جو ہم حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کے عمل میں دیکھتے ہیں وہ احساس کی آنکھوں پر سے غفلت اور علائقِ دُنیا کی چھائی ہوئی دھند ہٹانے کے لیے کافی ہے۔ یہ دلچسپ اور سبق آموز واقعہ ہے۔ یہ غزوۂ تبوک میں مخلفین میں سے تھے۔ یہ غزوہ شدید گرمی کے موسم میں اور قحط سالی کے حالات میں پیش آ رہا تھا۔ کھجور کے پھل پکنے کا موسم تھا۔ لشکرِ اسلام کے پاس نہ ضروری سامانِ جنگ تھا، نہ کافی خوراک اور نہ ہی پوری سواریاں

Marfat.com

تھیں۔ اسی لیے اس لشکر کو جَیش العُسرۃ یعنی بڑی بے سروسامانی میں نکلنے والے لشکر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس قوت سے مقابلہ آپڑا تھا وہ اس دور کی ایک سُپر پاور تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہلِ ایمان کو پیشگی بتا دیا تھا کہ کس سے اور کہاں لڑنے جا رہے ہیں تا کہ روانگی سے پہلے ہی مُخلص اور موقع پرست چھانٹ کر الگ ہو جائیں۔ موقع پرستوں اور منافقین پر گھبراہٹ طاری تھی یا یہ خوشی کہ مسلمان جنہیں عرب کی کوئی طاقت شکست نہ دے سکی وہ خود ہی موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ مخلص اور جان نثار صحابہؓ کی ایک ہی پریشانی تھی کہ سامانِ سفر کی عدم فراہمی کی وجہ سے وہ کہیں اس غزوہ میں شرکت کی سعادت سے محروم نہ رہ جائیں۔ ایک اور چھوٹا سا گروہ ان صحابہؓ کا تھا جو مخلص تھے، اس سے قبل آزمائش کی ہر گھڑی میں وہ پیش پیش رہے تھے۔ کوئی مصلحت ان کی زنجیرِ پا تھی اور نہ ہی کوئی خوف لاحق تھا۔ بس کچھ سُستی اور کاہلی غالب آ گئی تھی۔ ان کا قصہ ہمیں سورۃ توبہ میں ملتا ہے۔ انہی میں سے حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

لشکرِ اسلام کو روانہ ہوئے ابھی دو چار ہی روز گزرے تھے۔ حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ لشکر ابھی راستے میں ہوگا، میں نکل کر اسے جا لوں گا۔ مزید دن گزر گئے۔ ایک روز دوپہر کے وقت ان کی بیویوں نے اپنے اپنے حجروں کو خوب سجایا، دیواروں پر چھڑکاؤ کیا، لذیذ کھانا اور ٹھنڈا پانی رکھا اور بن سنور کر ان کے استقبال کے لیے تیار ہو گئیں۔ ابوخیثمہؓ نے ایک نگاہ اپنی بیویوں پر ڈالی اور ایک نظر سے لذیذ کھانوں کو دیکھا۔ بیویوں کی شاندار تیاری کا دروازے پر کھڑے کھڑے جائزہ لیا۔ نگاہِ محبت وعقیدت اور جذبۂ ادب و احترام تصور ہی میں انہیں بہت دور تبوک لے گیا۔ غفلت اور کوتاہی کی دھند لمحوں میں چھٹ گئی۔ کہنے لگے: 'رسول اللہ تو چلچلاتی دھوپ اور تپتی ہواؤں میں ہوں اور ابوخیثمہ ٹھنڈے سائے میں، تیار کھانے پر خوبصورت بیویوں کے جھرمٹ میں بیٹھا ہو۔ خُدا کی قسم میں تو ان خیموں (حجروں) میں داخل نہیں ہوں گا۔ میرے لیے میری سواری اور سامانِ سفر تیار کرو۔' نبی پاکؐ کی محبت وتعظیم میں کشاں کشاں تبوک پہنچے۔ صحابہؓ نے دیکھا کہ دور سے کوئی سوار چلا

Marfat.com

آ رہا ہے۔ حضور ﷺ کو اطلاع دی گئی۔ آپؐ اپنے اس صحابی کے جذبۂ محبت و اطاعت اور ادب و تعظیم کی کیفیات سے آگاہ تھے اور اس پر آپؐ کا کچھ ایسا عجیب اعتماد تھا کہ آپؐ نے فرمایا: کُن اَبَا خَیثَمَہ یعنی یہ ابوخیثمہ ہی ہوگا۔'

(ج) اطاعت ۔۔ تیسرا حق

اطاعت و اتباع رسول اللہ ﷺ کا تیسرا اور سب سے بڑا حق ہے۔ اگر یہ ادا نہ ہو تو پہلے دو حقوق کی ادائیگی کا دعویٰ باطل قرار پاتا ہے۔ جس طرح تعلق باللہ ضروری ہے اسی طرح تعلقِ رسول اللہ ﷺ بھی ناگزیر ہے۔ رسولِ پاک ﷺ سے تعلق کی مختلف منزلیں ہیں۔ محبت و عقیدت پہلا زینہ ہے۔ اس پر قدم رکھتے ہی تعظیم و تکریم اور ادب و احترام کا مرحلہ آ جاتا ہے۔ اِس سے گزریں تو مقامِ طاعت و اِتباع کو طے کرنا ہوتا ہے۔ اِن تینوں مراحل سے گزرے بغیر تعلق میں استواری اور پختگی نہیں آتی۔ پہلے دو میں سے کوئی ایک زینہ بھی شکستہ اور اُکھڑا ہوا ہو تو تیسرے زینے تک رسائی نہ صرف ممکن نہیں رہتی بلکہ قدم پھسل کر ایمان کی بہت پستی میں جا پڑتے ہیں۔ تیسرا زینہ عبور نہ کیا جائے تو ہدایت کی روشنی گل ہو جاتی ہے۔ عمل کی راہیں ہدایت ہی سے روشن ہوتی ہیں۔ محبت اور ادب و احترام دو قلبی کیفیات اور جذبوں کے نام ہیں۔ اسلام اِن کی تجسیم کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ تجسیم اطاعت و اتباع کی صورت میں ہوتی ہے۔ یہی ان کے اظہار کا فطری طریقہ ہے۔ ممتا کی روح سے سرشار ایک ماں اپنے ننھے سے بچے سے ٹوٹ کر پیار کرتی ہے تو وہ اس کا انداز اختیار کر لیتی ہے۔ بچہ اپنی توتلی زبان میں روٹی کو 'لوتی' بولتا ہے تو ماں خواہ کتنی ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور زبان و بیان کی ماہر ہو وہ بچے کی سطح پر آ جاتی ہے اور اس کے سامنے روٹی کو 'لوتی' ہی کہنے لگتی ہے۔ ماں کی بچے سے اور بندے کی اللہ اور اُس کے رسولؐ سے محبت میں فرق یہ ہے کہ بچے کی محبت میں ڈوبی ہوئی ماں اس کی محبت کی وجہ سے اپنی بلندی سے بچے کی پستی میں اتر آتی ہے مگر اللہ اور اُس کے رسولؐ سے محبت کرنے والا شخص پستی سے اُٹھ کر بلندی سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ جس کے اندر جتنی محبت اور جتنا ادب ہوتا ہے وہ اطاعت و اتباع میں اسی قدر سرگرم اور پُر جوش ہوتا

Marfat.com

ہے۔کبھی کبھی جذبے صادق ہوتے ہیں لیکن غفلت کی دھند میں چھپ جاتے ہیں۔لیکن اُن کی صداقت اور خلوص کی شعاعوں میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ وہ اس دھند کے پردے چاک کر کے عمل کی آنکھوں سے اوجھل ہو جانے والی راہوں کو پھر روشن کر دیتی ہیں۔ پیچھے ادب کے عنوان سے حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کی مثال میں یہ حقیقت ہماری سمجھ میں آتی ہے۔محبت بھی تھی، ادب و احترام بھی تھا مگر غفلت اور کوتاہی غالب آئی تو عمل کا راستہ بھول گئے۔پھر احساس کی برقی رو دوڑی اور محبت اور ادب و احترام کا رشتہ عمل سے جُڑ گیا۔

ہدایت کے لیے اِتباعِ رسول ؐ بنیادی شرط

کتابِ پاک میں ارشاد باری ہے:

﴿وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ (الاعراف : 158)

''اور پیروی اختیار کرو اس (نبی ؐ) کی، امید ہے کہ تم راہِ راست پالو گے۔''

ہم پیچھے سورہ توبہ کی چوبیسویں آیت میں ملاحظہ کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محبت میں اپنے نبی ؐ کو اپنے ساتھ شریک رکھا۔اپنے ساتھ نبی ﷺ کی محبت کو لازم بتایا۔پھر ہم نے سورہ الحجرات کی پہلی آیت میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے آگے پیش قدمی سے منع کیا، اپنے نبی ﷺ کے آگے پیش قدمی کو بھی ساتھ ہی ممنوع ٹھہرایا۔اطاعت میں بھی جہاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت فرض ہے وہاں اس کے رسول ؐ کی اطاعت بھی اسی طرح فرض قرار دی گئی ہے۔اللہ کے رحم و کرم کا انحصار اس امر پر موقوف رکھ دیا کہ کون کس قدر اللہ اور رسول ؐ کی اطاعت کرتا ہے۔

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (الِ عمران : 132)

''اللہ اور اُس کے رسول ؐ کی اطاعت کرو، توقع ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔''

اس معاملے میں یہ واضح کر دیا گیا کہ اللہ کے رسول ؐ کی اطاعت حقیقت میں اللہ ہی کی اطاعت شمار ہوگی۔

Marfat.com

﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج﴾ (النّساء : 80)

''جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اُس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔''

اللہ کی محبت میں صادق و مُخلص ہونے کی سند کا حقدار بھی اسی کو قرار دیا گیا ہے جو نبی ﷺ کا اتباع کرتا ہے۔اسی انعام پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ رسول پاکؐ کی زبان سے اعلان کرایا کہ حضورؐ کے اتباع سے اللہ کی محبت کی صداقت پر مہر تصدیق لگنے کے ساتھ ایسے لوگوں سے اللہ محبت کرنے لگے گا اور اُن کے گناہ بخش دے گا۔

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾﴾ (الِ عمران : 31)

''اے نبیؐ، لوگوں سے کہہ دو کہ 'اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی پیروی اختیار کرنے والوں کو اللہ کی محبت کی خوشخبری دینے کے بعد اسی سلسلۂ بیان میں اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ ایسے لوگ، خواہ وہ یہود کی طرح اپنے آپ کو اللہ کا چہیتا ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں یا اسلام سے اپنی وابستگی ظاہر کرتے ہیں، کوئی بھی جو اللہ اور اس کے رسولؐ دونوں کی اطاعت نہیں کرتا، یہ توقع نہ رکھے کہ اللہ اُس سے کو محبت کرے گا۔قرینۂ بیان سے تو اسلام کا دعویٰ رکھنے والے ہی مخاطب ہیں اس لیے کہ جو رسول پر ایمان ہی نہ رکھتے ہوں ان سے رسول کی اطاعت کا تقاضا کچھ عجیب سی بات ہے۔

﴿قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾﴾

(الِ عمران : 32)

''اُن سے کہو کہ 'اللہ اور رسول کی اطاعت قبول کرو۔' پھر اگر وہ تمہاری یہ دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت

Marfat.com

کرے، جو اُس کی اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی اطاعت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: 'جس نے میری اطاعت کی اُس نے گویا اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میرے سامنے عصیان برتا اس نے اللہ کی نافرمانی کی......' [1]

وہ روایات و اقدار، وہ رسوم و رواج، وہ ضابطے اور قوانین جن کو اختیار کرنے سے نبی اکرم ﷺ نے منع کیا ہے اُن کو ترک کرنا لازم ہے اور جن اصولوں، رویّوں اور کاموں کو کرنے کا حکم حضورؐ نے دیا اُن کو بجالانا عین ثبوتِ ایمان ہے۔

﴿وَ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝﴾

''جو کچھ رسولؐ تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روکے اُس سے رُک جاؤ۔ اللہ سے ڈرو، اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔''

کتاب اللہ کی یہ آیت آئینی نوعیت کی حامل ہے۔ مولانا مودودیؒ نے اس آیت کی تشریح میں لکھا ہے: 'اگرچہ یہ ارشاد بنی نضیر کے اموال کی تقسیم کے سلسلے میں نازل ہوا ہے مگر حکم کے الفاظ میں عام ہیں، اِس لیے اِس کا منشا یہ ہے کہ تمام معاملات میں مسلمان رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں۔ اِس منشا کو یہ بات اور زیادہ واضح کر دیتی ہے کہ 'جو کچھ رسولؐ تمہیں دے' کے مقابلے میں 'جو کچھ نہ دے' کے الفاظ استعمال نہیں فرمائے تھے، بلکہ فرمایا یہ گیا ہے کہ 'جس چیز سے وہ تمہیں روک دے (یا منع کر دے) اُس سے رُک جاؤ۔ مولانا مفتی شفیعؒ نے معارف القرآن میں اِس آیت کی تفسیر میں حکم کا مفہوم لیتے ہوئے تفسیرِ قرطبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ 'اٰتی کے بالمقابل نَھٰی کا لفظ آیا ہے اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اٰتی کے معنی یہاں اَمَرَ کے ہیں جو نَھٰی کا صحیح مقابل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو احرام میں سِلے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا تو اسے حکم دیا کہ یہ اتار دو۔ اُس نے

[1] صحیح بخاری.

Marfat.com

کہا کہ کیا آپ مجھے اِس کے متعلق قُرآن کی کوئی آیت بتا سکتے ہیں جس سے سلے ہوئے کپڑوں کا بطورِ احرام استعمال ممانعت ثابت ہو تو حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ مولانا امین احسن اِصلاحیؒ نے تدبّرِ قُرآن کی آٹھویں جلد میں اس کی تشریح کی ہے کہ: 'یہاں رسولؐ کا درجہ واضح فرمایا گیا ہے کہ جو کچھ وہ دے لے لو اور جس سے روکے اُس سے رُک جاؤ۔ اگرچہ اِس کا ایک خاص محل ہے لیکن اِس سے جو حکم مستنبط ہوتا ہے وہ بالکل عام ہوگا، یعنی زندگی کے ہر معاملے میں رسولؐ کے حکم و نہی کی بے چون و چرا تعمیل کی جائے گی اس لیے کہ رسولؐ کی حیثیت جیسا کہ قُرآن میں تصریح ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے ایک واجبُ الاطاعت ہادی کی ہوتی ہے۔ فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اِس لیے کہ اللہ کے حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے) گویا اِس ٹکڑے کے دو مفہوم ہوں گے۔ ایک خاص، دوسرا عام۔ اپنے خاص مفہوم کے پہلو سے یہ اپنے مضمون سے مربوط ہوگا اور اپنے عام مفہوم کے اعتبار سے اِس کی حیثیت اسلامی شریعت کے ایک ہمہ گیر اصول کی ہوگی۔'

نظم وطاعت کا ایک عظیم مظاہرہ

غزوۂ تبوک ہی میں مخلفین (پیچھے رہ جانے والوں) میں تین اور کردار بھی تھے جن کے ایمان میں کوئی کھوٹ تھا اور نہ ان کی رسول اللہ ﷺ سے محبت اور آپؐ کی توقیر و تعظیم میں کوئی کمی آئی تھی۔ لیکن وہی کوتاہی جو ابوخیثمہؓ پر سوار ہوئی یہ تینوں بھی اس کی لپیٹ میں آئے اور غزوۂ تبوک کے انتہائی نازک اور کڑے موقع پر نبی اکرم ﷺ کا ساتھ نہ دے سکے تھے۔ یہ تھے حضرت کعبؓ بن مالک، مرارہؓ بن ربیع اور بلالؓ بن امیہ۔ اللہ کی طرف سے اِن تینوں کی غفلت کی پاداش میں ایک سخت سزا کا فیصلہ ہوا۔ اللہ کے حکم سے رسولِ پاکؐ نے اُن کے سماجی مقاطعہ (social boycott) کا اعلان فرما کر مدینہ کی پوری مسلمان سوسائٹی کو ان سے بول چال اور میل جول سے منع کر دیا۔ چالیس دن کے بعد اُن کی بیویوں کو بھی حکم ہوا کہ وہ اُن سے الگ ہو جائیں۔ یہ سزا اِن تین حضرات کے لیے ذہنی اذیت کا باعث تو تھی ہی

Marfat.com

لیکن اتنی طویل مدت تک مقاطع جاری رکھنا مسلمانوں کے مہر و محبت اور ہمدردی و تعاون میں گندھے ہوئے ماحول میں، جہاں ان تینوں کے قریبی رشتہ دار بھی تھے، سارے اہلِ ایمان کے لیے بہت بڑی آزمائش تھی۔ پچاس دنوں کے عرصے میں نہ کسی نے چھپ چھپا کر اِن سے رابطہ کیا اور نہ کوئی خفیہ ربط و تعلق قائم کر کے ہمدردی جتانے کی کوشش کی۔ ڈسپلن کی یہ ایسی عظیم اور بے نظیر مثال ہے جو صرف نبی مکرم ﷺ کی اطاعت کے جذبے کے باعث قائم ہوئی۔ اس جذبہ اطاعت نے نظمِ جماعت کے اندر کوئی دراڑ تو درکنار ہلکا سا بال بھی نہ آنے دیا۔

رسولِ پاک ﷺ کی پکار پر لبیک نہ کہنے اور حکم عدولی کے نتائج

معاشرے میں ایسے اجتماعی فتنوں کے سر اٹھانے کا احتمال رہتا ہے جو ہر خاص و عام کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ اِن فتنوں کا موجب بننے والے گناہ گار ہی اِن میں گرفتار نہیں ہوتے، وہ لوگ بھی ان کا شکار ہو جاتے ہیں جو ہوتے تو نیک ہیں لیکن اِن فتنوں کے سر اٹھانے کے وقت وہ ان کے نتائج سے بے پروا ہوتے ہیں۔ یہ فتنے اجتماعی زندگی میں بڑی تباہی لاتے ہیں۔ اللہ اور اُس کے رسولؐ کی ہدایات اور تعلیمات ہی وہ پناہ گاہ ہے جس کے سائے میں آ کر معاشرے کو حفاظت ہی نہیں بلکہ ایک نئی توانائی اور نئی زندگی ملتی ہے۔ اِس ضمن میں اللہ کے رسول ﷺ کی دعوت و پکار تنہا اُنہی کی پکار نہیں بلکہ یہ دراصل اللہ کی پکار ہوتی ہے جس پر لبیک کہنے میں فتنوں سے بچاؤ کی ضمانت ہے۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ ﴾

(الانفال: 24، 25)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اُس کے رسولؐ کی پکار پر لبیک کہو جب کہ

Marfat.com

رسولؐ تمہیں اُس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے...... اور بچو اُس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر اُنہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنہوں نے تُم میں سے گناہ کیا ہو۔''

اللہ کے رسولؐ کی حکم عدولی سے دو طرح کے نتائج رونما ہو سکتے ہیں۔ایک یہ کہ معاشرہ اجتماعی فتنوں اور آزمائشوں کی گرفت میں آجائے جیسا کہ آج مسلمان من حیث الامت اللہ اور اُس کے رسولؐ کے احکام سے روگردانی کے نتیجے میں ایسے ہی مصائب اور آزمائشوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ ذِلّت و نکبت اور بد حالی و خواری آج اِس اُمّت کا مقدر بنی ہوئی ہے۔ مسلسل انتباہ کے باوجود ہوش کے ناخن نہ لینے اور سنبھل کر نہ دینے کی صورت میں دوسرا نتیجہ جو سامنے آسکتا ہے وہ کسی بڑے عذاب کی صورت میں ہو سکتا ہے۔

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾ (النّور : 63)

''رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا اُن پر دردناک عذاب نہ آجائے۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اِتباعِ رسولؐ کے ثمرات کا تجربہ بھی تھا اور وہ اطاعت و اِتباع سے روگردانی کے بُرے نتائج سے بھی آگاہ تھے۔یہی وجہ ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں بھی حضورؐ کی اقتدا کو لازم سمجھتے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے کچھ دنوں سونے کی انگوٹھی پہنی تو صحابہؓ میں سے اکثر نے ایسی انگوٹھیاں پہننا شروع کر دیں لیکن جب آپؐ نے سونے کی انگوٹھی اتار دی اور فرمایا کہ اب میں کبھی سونے کی انگوٹھی نہیں پہنوں گا تو تمام اصحابِ رسولؐ نے بھی پیرویِ رسولؐ میں ایسی انگوٹھیاں پہننا ترک کر دیا۔(منہاج القاصدین از اُستاذ عزالدین نلیق) ایک مرتبہ نماز کے دوران میں نبی ﷺ نے اپنے نعلین مبارک اُتارے اور دائیں طرف رکھ دیے۔آپؐ کی اقتدا میں کھڑے تمام صحابہؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔نماز ختم ہوئی تو آپؐ نے پوچھا کہ تُم لوگوں کو کیا ہوا تھا کہ سب نے عین نماز کے دوران میں اپنے جوتے اتار

Marfat.com

دیے؟' سب نے عرض کی کہ آپ کو دیکھا کہ آپ نے نعلین اتار دیے تو آپ کی پیروی میں ہم نے بھی ایسا ہی کیا'۔ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: 'مجھے تو جبریلؑ نے آگاہ کیا تھا کہ جوتوں کے ساتھ کوئی آلائش ہے اس لیے اتار دیے تھے۔'[1] ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جمعہ کی نماز کے لیے مسجد کی طرف آ رہے تھے کہ ان کے کانوں میں نبی ﷺ کی آواز پڑی کہ 'بیٹھ جاؤ' ۔ مسجد کے باہر ہی فوراً بیٹھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ کی نظر اُن پر پڑی تو فرمایا: 'اندر آ جاؤ اے عبداللہ بن مسعود' تو اٹھ کر اندر آ گئے۔[2]

یہ حال تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رسولِ پاکؐ کے سامنے تسلیمِ کامل، اِتباعِ مُطلق اور التزامِ خاص کا۔ کتنے ہی ایسے مواقع آئے کہ حضورؐ نے اپنے صحابہؓ سے کوئی سوال کیا۔ جواب اتنا واضح اور آسان تھا کہ کسی بچے کے لیے بھی دینا مشکل نہ ہوتا مگر صحابۂ کرامؓ اس خیال سے کہ کہیں یہ بھی حضورؐ کے سامنے پیش قدمی میں شمار نہ ہو، جواب میں عرض کر دیتے تھے کہ 'اللہ اور اُس کا رسولؐ ہی بہتر جانتا ہے۔ تمام اصحاب جس طرح قبولیتِ اسلام میں یکساں نہیں تھے اسی طرح حضورؐ سے کسبِ فیض میں، فہمِ دین میں اور معلومات میں بھی برابر نہیں تھے۔ کچھ ایسے تھے جن کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے کی سعادت حاصل تھی اور کچھ دوسرے ایسے تھے جن کو رہائش قریب نہ ہونے کی وجہ سے یا مشغولیات کے باعث آپؐ کی مجلس میں آنے کے کم مواقع میسر تھے۔ لیکن دین سیکھنے کے سب برابر حریص تھے۔ مضافاتِ مدینہ میں رہنے والے بعض صحابہؓ نے آپس میں باری مقرر کر رکھی تھی ۔ ایک روز ایک آ کر آپؐ سے فیضِ علم و تربیت کا جو سرمایہ دامن میں سمیٹتا تھا وہ جا کر یہ دولت دوسروں میں بانٹتا تھا۔ دوسرے روز کوئی دوسرا آتا اور تزکیہ و تربیت کے موتی چنتا اور اپنے رفیقوں کو بھی اس متاعِ گراں سے فیض یاب کرتا تھا۔

اِسلامی زندگی کی روح اور تہذیبِ اسلامی کی رگوں کا خون

یہ محبت، یہ تعظیم و تکریم اور اتباع و اطاعت کے یہ سچے جذبے اسلامی زندگی کی رُوح

[1] الشّفاء از قاضی عیاض. [2] صحیح ابن حبان.

Marfat.com

اور اسلامی تہذیب کی رگوں میں دوڑنے والے خون کی مانند ہیں۔ یہ رُوح قائم اور قوی ہے تو یہ اُمت زندہ اور توانا ہے، اور اگر اِس روح میں اضمحلال آ جائے تو بحیثیتِ مِلت اس کی بقا خطرے سے دوچار ہو جاتی ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جس خِطے کے مسلمان یہ رُوح کھو بیٹھے وہاں انہیں اپنی بقا سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔ ان کی عزت اور غلبہ ایمان سے مشروط ہے اور ایمان کے چراغ کو جلتے رکھنے کے لیے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، اُن کے لیے ادب و تعظیم اور ان کی اطاعت کے روغن کی ضرورت ہے۔ اس چراغ میں یہ تیل ختم ہو جائے یا بہت کم رہ جائے تو اس کے بجھنے میں دیر نہیں لگتی۔

اسلام نے جس تہذیب و تمدّن کی تشکیل کی ہے یہی جذبے اُس تہذیب و تمدّن کی رگوں کا خُون ہے۔ خون خالص نہ رہے یا اِس کی گردش رُک جائے تو اس تہذیب پر بھی زوال کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ گو کہ ہماری صفیں ناموسِ رسالت کے پاسبانوں، حُرمتِ نبیؐ کے رکھوالوں اور حُبِّ رسولؐ سے سرشار دل رکھنے والے اہلِ ایمان سے یکسر خالی نہیں ہیں لیکن قوموں اور ان کی تہذیبوں کے بارے میں اللہ کے فیصلے کچھ چھوٹے چھوٹے گروہوں اور جماعتوں کی خوبیوں کی بنا پر نہیں ہوتے۔ اللہ کے فیصلے اس معیار پر ہوتے ہیں کہ پوری اُمت کا مجموعی رویہ کیا ہے۔ اللہ اور اس کے محبوب نبیؐ کی محبت، عظمت و توقیر اور اطاعت کے حقیقی نقوش رکھنے والے کچھ گروہوں اور جماعتوں کی وجہ سے زوال اور ادبار کی گھٹاؤں کے باوجود وہ بجلیاں گرنی ٹلتی رہتی ہیں جو پوری اُمت کے خرمن کو خاکستر کرنے کے لیے کوندرہی ہوتی ہیں لیکن بجلیاں گرنے میں تاخیر کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ بادل چھٹ گئے ہیں۔ آج اس اُمت کے اجتماعی وجود پر رسولِ خُدا کے ساتھ محبت، تعظیم اور اطاعت سے مملو حقیقی وفاداری اور مخلصانہ تعلق کا رنگ بہت پھیکا پڑ چکا ہے۔ اسی لیے قوموں کی برادری میں یہ بے وزن اور بے توقیر ہے اور بربادی اور خواری سے دوچار ہے۔ اس کی تہذیبی موت کے آثار نمایاں ہیں۔ خطرہ ٹلنے کی یہی صورت ہے کہ ہم اپنی اصل کی طرف لوٹیں۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے درجے کے مطابق اوپر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد از خُدا کے درجے پر رکھ کر ان سے

Marfat.com

محبت، عزت اور اطاعت کا رشتہ قائم کریں۔

نمائندہ کردار

حقوق النبی ﷺ کا باب، الحمد للہ، اختتام کو پہنچ رہا ہے۔ یوں تو مدرسہ رسالت میں تربیت پانے والے تمام صحابہؓ ہدایت آسمانِ ہدایت کے تابندہ ستارے اور شمعِ رسالت کی ضیا پاش کرنیں تھیں لیکن اگر قرآن وسُنّت کے عملی پیکر، دینی غیرت، اسلامی تہذیب کی پاسداری، دین وملت کی عظمت وشوکت کا سکہ بٹھانے اور اسلامی ریاست کی شام وایران تک وسعت کو سامنے رکھ کر کسی ایک ایسے نمائندہ کردار کی نشاندہی کرنی ہو تو تصور کی نگاہیں خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف اٹھتی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد اگر کسی نبی کو آنا ہوتا تو وہ عمرؓ بن خطاب ہوتا۔ جہاں آنجنابؓ ہوتے شیطان وہاں سے کوسوں دور بھاگ جاتا تھا۔ حُبِّ رسول ﷺ کے عنوان کے تحت ذکر ہو چکا ہے کہ رسولِ پاک ﷺ کے جسد مبارک پر چٹائی کے نشان دیکھ کر کس طرح ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ ان کی ترجیحات میں رسول اللہ ﷺ کی نسبتیں اور تعلق دوسری سب چیزوں پر فوقیت رکھتے تھے۔

اطاعت، تعظیم اور محبت کی معراج کیا ہے؟ اپنی رضا کو اللہ کے رسولؐ کی مرضی کے تابع کر دینا اور اپنی خوشیوں کو حضورؐ کی خوشیوں سے جوڑ دینا۔ ذرا تصور میں لائیے، وہ موقع جب حضرت عمرؓ رسول پاکؐ کے چچا عباسؓ سے اصرار کر کے کہہ رہے تھے: 'عباس! اسلام قبول کر لو، یقین کرو کہ تمہارے اسلام قبول کرنے کی مجھے اپنے باپ خطاب کے اسلام قبول کرنے سے بھی بڑھ کر خوشی ہوگی، اس لیے کہ تمہارے اسلام قبول کرنے سے رسول اللہ ﷺ کو بے پناہ خوشی ہوگی۔' اطاعت کے معاملے میں دیکھیے کہ ایک طرف اللہ کی وحدانیت اور اُس کی قدرت وقوت پر ایمان کی کیفیت ہے اور دوسری طرف سُنّتِ رسولؐ کا پاس ولحاظ۔ جب حج کرنے گئے تو حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور پھر کہنے لگے: 'اے پتھر، ویسے تو تو ایک ایسا کالا پتھر ہے جو نہ کسی کو نفع دینے پر قادر ہے اور نہ نقصان۔' ساتھ ہی اُسوۂ رسول ﷺ کی پیروی کا

Marfat.com

خیال دامنگیر ہے اس لیے حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور کہا: 'اگر تجھے رسول اللہ نے نہ چوما ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چومتا'

ایک دفعہ اپنے صاحبزادے کو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے مقابلے میں وظیفہ میں کم حصہ دیا تو انہوں نے اس پر اعتراض کیا۔ اس پر بیٹے کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: 'یاد رکھو، اسامہؓ کا باپ تمہارے باپ کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ عزیز تھا اور اسامہ تمہارے مقابلے میں حضورؐ کو زیادہ پیارا تھا' غیرتِ ایمانی کا یہ عالَم کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی کی منافقانہ چال یا گستاخانہ حرکت دیکھتے تو فوراً تلوار سونت لیتے اور کہتے: 'یا رسول اللہ! اجازت دیجیے میں اس منافق یا دشمنِ اسلام کی گردن اُڑا دوں' ان کا وجود محبت، عزت اور اطاعت میں ڈھل گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ذات اسلام کے وقار کی علامت بن گئی تھی۔ اسلام کی سربلندی اور اُمتِ مسلمہ کا اقوامِ عالَم میں مقام آج اس امر سے وابستہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تین اہم اور بنیادی حقوق کو اسی طرح ادا کرنے کی کوشش کریں جیسے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ادا کیے تھے۔

(الحمد للہ، آج منہجِ قرآنی وحرکی کے مطابق سیرتِ سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حصہ تکمیل کو پہنچا ہے)

Marfat.com

کتب جن کے بنا آپ کی لائبریری نامکمل ہے

عبرت بھری حکایات
توراکینہ قاضی

اس کتاب میں انتہائی دلچسپ اور افسانوی انداز میں وہ تاریخی واقعات ورطہ تحریر میں لائے گئے ہیں جو انبیائے کرام کی سیرت طیبہ اور ان کی اقوام کی رشد و ہدایت کے سلسلے میں قرآن پاک نے عبرت و بصیرت اور پند و موعظت کے لیے بیان کیے ہیں۔

روپے 225/-

تلقین غزالی
ایم۔اے ہاشمی

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی کتب کیمیائے سعادت، احیاء العلوم، احیاء العلوم الدین، منہاج العابدین سے متفرق موضوعات کا انتخاب۔ اس کتاب میں کئی جلدوں، ہزاروں صفحات کے بحرِ بےکراں کو کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے۔

روپے 90/-

تاریخ حدیث
ڈاکٹر غلام جیلانی برق

تاریخ حدیث پر ایک بہترین کتاب جو حضور ﷺ کے فرامین، خطوط، معاہدات، صحابہ و تابعین کے مجموعوں، موطا کے مجموعوں، جامع صحیح، مستدرک، سنن، مسانید، کتب السنہ، معاجم و متفرق کتب کا نہایت خوبصورتی سے تعارف کرواتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ احادیث کا انتخاب بھی شامل ہے

روپے 180/-

امام ابن تیمیہؒ
ڈاکٹر غلام جیلانی برق

پانچ سو کتابوں کے مصنف، مجاہد، مجتہد اور تاریخ کی انقلاب آفرین شخصیت امام ابن تیمیہؒ کی سوانح، اوصاف و فضائل، تصانیف اور ان کے موضوعات پر ایک جامع کتاب۔

روپے 150/-

نوٹ: مزید کتب اور طبی ادویات کے لیے تفصیلی فہرست طلب فرمائیں

ادارہ مطبوعات سلیمانی

: sulemani@gmail.com
: www.sulemani.com.pk
: facebook.com/idarasulemani

ہیڈ آفس: رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور 042-37361408, 042-37232788 :

چوبرجی برانچ: ۳۔بی نیاز و یو سکیم عقب خان بابا ریسٹورنٹ چوک چوبرجی لاہور۔ 042-37312648, 37352802:

Marfat.com

صدقہ جاریہ

خود بھی پڑھیں دوسروں کو بھی پڑھائیں

ایک آیت ایک مثالی اسلامی معاشرہ

منیر احمد خلیلی

ان اللّٰہ یا مر بالعدل والاحسان یہ آیت آپ ہر جمعے کو خطبہ میں ضرور سنتے ہوں گے۔ عدل اور انصاف کی ایک اسلامی معاشرے میں کیا اہمیت ہے۔ اس کا اندازہ اسی بات سے لگائیں کے صرف اسی آیت پر عمل کر کے ایک مثالی اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔

قیمت -/60 روپے — قیمت فی سیکڑہ -/2500 روپے

حقوق النبی۔ محبت، تعظیم۔ اطاعت

منیر احمد خلیلی

محبوب خدا کے حقوق کیا ہیں، ان کی محبت کے آداب کیا ہیں اور تعظیم و اطاعت کیسے کی جائے جاننے کیلئے مختصر کتابچہ

قیمت -/20 روپے — قیمت فی سیکڑہ -/1000 روپے

ایک آیت ایک کامل ریاستی نظام

منیر احمد خلیلی

سورۃ الحدید کی آیت نمبر 25 کی تفسیر قرآن کا ہی اعجاز ہے کہ ایک کامل ریاستی نظام، نظام عدل، طاقت اور تعمیر و ترقی کا راز وغیرہ بتا کر ایک کامل ریاستی نظام کا خاکہ صرف ایک آیت میں پیش کر دیا گیا ہے تفصیل جاننے کے لئے کتاب کا مطالعہ کریں

قیمت -/45 روپے — قیمت فی سیکڑہ -/2000 روپے

تزکیہ نفس کیوں اور کیسے؟

منیر احمد خلیلی

تزکیہ نفس کی حقیقت، نفس کی بیماریوں اسلامی نقطۂ نظر سے نفس کی امتیازی صفات اور عملی طور پر تزکیہ نفس کے حصول کے کامیاب اور موثر طریقے۔ یہ تمام موضوعات اس کتاب میں انتہائی آسان اور دلنشین پیرائے میں بیان کر دیے گئے ہیں۔

قیمت -/24 روپے — قیمت فی سیکڑہ -/1200 روپے

انوار القرآن

ڈاکٹر انعام الرحیم

اس کتاب میں قرآن مجید کی ہر سورۃ کا مختصراً خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ قرآن کا پیغام سمجھنے سے کوئی بھی محروم نہ رہ سکے۔ رمضان المبارک میں تراویح کے بعد پڑھنے اور تقسیم کرنے کے لئے خوبصورت تحفہ۔

قیمت -/90 روپے — قیمت فی سیکڑہ -/4000 روپے

آداب تلاوت قرآن مجید

ظہیر الدین بھٹی

قارئین کو اس کتاب میں قرآن کریم کی تلاوت سے متعلق 160 سے زائد آداب یکجا ملیں گے آداب تلاوت جاننے کے لئے ضرور پڑھیے اور آگے تقسیم کیجئے۔ رمضان المبارک میں تحفہ دینے کے لئے بہترین انتخاب۔

قیمت -/40 روپے — قیمت فی سیکڑہ -/2000 روپے

مزید کتب اور دیگر مطبوعات کے لئے تفصیلی فہرست طلب فرمائیں

ادارہ مطبوعات سلیمانی

: sulemani@gmail.com
: www.sulemani.com.pk
: facebook.com/idarasulemani

ہیڈ آفس : رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور 042-37232788, 042-37361408 :

چوبرجی برانچ : ۳۔ بی نیاز ویو سکیم عقب خان بابا ریسٹورنٹ چوک چوبرجی لاہور۔ 042-37312648, 37352802:

Marfat.com

سیرت سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم

منیر احمد خلیلی

ادبیات

Marfat.com